کتاب اللمع فی التصوف اسلامی تصوف پر لکھی جانے والی پہلی کتاب

# اللمع

مصنف

ابونصر سراج الطوسی

مترجم

پروفیسر اسرار بخاری

تصحیح وتخریج: عطاء المصطفیٰ مظہری

کتاب محل

| | |
|---|---|
| نام کتاب | **اللُّمع** |
| مصنف | ابونصر سراج الطوسی |
| مترجم | پروفیسر اسرار بخاری |
| تصحیح وتخریج | عطاء المصطفیٰ مظہری |
| قیمت | |

زیر سرپرستی
پیر عبدالخالق قادری
سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بھرچونڈی شریف
خصوصی کاوش
صاحبزادہ سید احسان گیلانی
اشاعت
حافظ الملت اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بھرچونڈی شریف



Scanned by CamScanner

# فہرست

Scanned by CamScanner

# تعارفِ تصوف، مسلکِ صوفیہ اور

# بحیثیت علماء ان کا مقام

مجھ سے کسی شخص نے علم تصوف اور مسلک صوفیہ کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے سوال کیا کہ لوگ مذکورہ موضوعات کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ کچھ تو ان کی فضیلت بیان کرنے میں بہت غلو سے کام لیتے ہیں بعض انہیں دائرۂ معقولیت سے باہر لے جاتے ہیں، کچھ انہیں لہو ولعب اور جہالت سے آنکھیں بند کر لینے کا عمل گردانتے ہیں۔ بعض لوگ انہیں تقوی، تقشّف، اونی لباس پہننے، بے تکلف پاکیزہ گفتگو کرنے اور پاکیزہ لباس پہننے وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ اور کچھ انہیں الحاد و گمراہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ الغرض وہ یہ چاہتا تھا کہ میں اسے ایسا جواب دوں کہ جو مسلک صوفیہ کے اصولوں کتاب اللہ کی اتباع، رسول اللہ ﷺ کی پیروی، صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے اخلاق واطوار اور اللہ کے صالح بندوں کے آداب سے ہم آہنگ ہو۔ اور میں اپنے جواب کو قرآن وسنت کی روشنی میں اس مدلل انداز سے بیان کروں کہ حق وباطل جدا جدا نظر آئیں۔ تصوف کی جملہ اقسام اپنی اپنی جگہ واضح ہو جائیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ کیا علم تصوف علومِ دینی میں سے ایک ہے؟

مذکورہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں مومنوں کو کتاب اللہ سے تمسک کرنے اور اسے مضبوطی سے تھامنے کا حکم دے کر ان کے دلوں سے جملہ شبہات کو دور کر دیا اور دین کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔

جیسا کہ فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [آل عمران:۱۰۳]

ترجمہ: ''اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جانا۔''

اور فرمایا:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى [المائدہ:۲]

ترجمہ: ''اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

اور پھر ایک اور مقام پر اللہ نے فرشتوں کے بعد اپنے بندوں میں سے افضل اور دینی اعتبار سے اعلیٰ رتبہ رکھنے والوں کا ذکر فرمایا۔ اور خود اپنی وحدانیت پر فرشتوں کے بعد انہیں بندگانِ خاص کو گواہ ٹھہرایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ [آل عمران:۱۸]

ترجمہ: ''اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔''

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔'' [1]

میرے نزدیک ''اولوالعلم'' سے مراد ورثۃ الانبیاء (الانبیاء کے وارث) ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے والے، اتباعِ رسول میں مجاہدہ کرنے والے، صحابہ وتابعین کی پیروی کرنے والے، اور اس کے متقی پسندیدہ بندوں کے راستے پر چلنے والے یہی لوگ ہیں۔

اس کے نیک بندوں کی تین قسمیں ہیں۔ محدثین، فقہاء اور صوفیہ، اور ان ہی تین اقسام کے لوگوں کا تعلق ''اولوا العلم قائماً بالقسط'' سے ہے جو کہ انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ اسی طرح علوم کی بے شمار اقسام ہیں۔ جن میں سے ایک علم، دین ہے جس کی تین قسمیں ہیں۔ علم قرآن، علمِ سنن و بیان اور علم حقائق ایمان۔ اور یہی وہ علوم ہیں جو محدثین، فقہاء اور صوفیہ میں متداول ہیں۔

الغرض جملہ علومِ دین مذکورۃ الصدر تین آیاتِ مبارکہ، حدیث رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کے قلوب سے صادر ہونے والی حکمت سے خارج نہیں اور اس کی اصل حدیث الایمان ہے۔ جب جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کے تین اصولوں اسلام، ایمان اور احسانِ ظاہری و باطنی کے بارے میں سوال کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام تو ظاہر ہے اور ایمان وہ ہے جو ظاہری بھی ہو اور باطنی بھی مگر احسان حقیقتِ ظاہر و باطن کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ترجمہ: ''احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔'' [2]

جبریل نے یہ سن کر آپ کی تصدیق کی۔

علم کا قریب ترین رشتہ عمل سے ہے۔ اور عمل کا تعلق اخلاق سے ہے۔ جب کہ اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے علم وعمل کے ساتھ اپنے معبود حقیقی کی خوشنودی حاصل کرلے۔ مومنین کے یہ تینوں اصناف (محدثین فقہاء اور صوفیہ) علم وعمل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے مقاصد اور مراتب کے لحاظ سے فضیلت میں باہم یکساں نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ان کی باہمی فضیلت اور درجات کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ [المجادلہ:۱۱]

ترجمہ: ''اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔''

اور فرمایا:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا [الاحقاف:۱۹]

ترجمہ: ''اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے عمل کے درجے ہیں۔''

---

[1] بروایت حضرت ابو درداء، سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی اور صحیح ابن حبان وغیرہم میں، جبکہ امام احمد نے ''المسند'' میں حضرت صفوان المرادی رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ حمزہ الکنانی نے اس روایت کو حسن قرار دیا۔

[2] حدیث جبریل کے نام سے معروف متفق علیہ روایت جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

أُنظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ [بنی اسرائیل:۲۱]

ترجمہ: ''دیکھو ہم نے ان میں سے ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لوگ آپس میں اس طرح برابر ہیں جیسے کنگھی کے دندانے، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر صرف علم اور تقویٰ کی بنیاد پر۔'' [1]

اگر کسی کو دین کے اصول، فروع، حقوق، حقائق، حدود اور احکام کی ظاہراً باطناً سمجھ نہ آئے تو اس پر لازم ہے کہ وہ محدثین، **فقہاء اور صوفیہ** کی طرف رجوع کرے۔ ان مذکورہ تینوں اصناف کے لوگ علم و عمل حقیقت اور حال سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور انہیں علم، عمل، مقام، کلام، فہم و فراست اور بیان میں سے اسی قدر حصہ ملتا ہے کہ جس قدر انہوں نے حاصل کیا اور جو کھو دیا سو اس سے جاہل رہے۔ ان میں کسی کو یہ کمال حاصل نہیں ہوتا کہ تمام علوم کا احاطہ کر سکے، جو جس مقام پر فائز ہوتا ہے وہ فقط اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ میں آگے چل کر ان جملہ اصنافِ عباد کے اس پہلو سے بحث کروں گا کہ انہوں نے کس کس علم یا عمل کی کون سی قسم پر عبور حاصل کیا۔ ان کی فضیلت میں باہمی فرق کی کیا وجوہات ہیں اور یہ کہ ان میں سے اعلیٰ طبقہ کونسا ہے۔

---

[1] امام دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا۔

# طبقات محدثین اوران کے مخصوص علوم وفنون

اس عنوان کے تحت طبقات محدثین، ان کا طریقِ روایت، معرفتِ حدیث اور علم حدیث میں ان کے مخصوص مقام کے بارے میں بیان کریں گے۔

محدثین کرام نے خود کو حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری صورت سے متعلق رکھا اور کہا کہ یہ دین کی اساس ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [الحشر:٧]

ترجمہ: ''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔''

جب انہیں (محدثین) اس طرح قرآن حکیم نے خطاب کیا تو وہ اس سلسلے میں دور دراز کے سفروں پر روانہ ہو گئے، راویانِ حدیثِ رسول سے ملاقاتیں کیں، ان کے پاس قیام کیا، ان سے احادیث نقل کیں اور صحابہ و تابعین سے جو کچھ روایت کیا گیا اُسے جمع کیا پھر ان تمام معلومات کو اکٹھا کر کے محفوظ کر لیا جو انہیں صحابہ و تابعین کے حالاتِ زندگی، اعمال و آثار، مسالک، احکام میں اختلاف، اقوال، احوال اور ان کے اخلاق کے بارے میں میسر آسکیں۔ انہوں نے تمام روایات کو بذاتِ خود سنا اور انتہائی ضبط و احتیاط کے ساتھ درایت کے کڑے اصول کے مطابق ان کی صحت کا خیال رکھا اور یہ بھی پیش نظر رکھا کہ راوی ثقہ ہو تو یہی صفات اس سے پہلے کے راوی میں بھی موجود ہوں کہ جس سے اس نے روایت کیا۔ اور اس طرح ثقاہت کا یہ سلسلہ حدیث کے پورے سلسلۂ اسناد میں آخر تک چلا جائے۔

انہوں نے راویانِ حدیث سے نقل وضبط کے دوران ان کی جائے بود و باش سے بھی واقفیت حاصل کی اور ان کے اسماء کنیتوں اور سنین پیدائش و وفات کو بھی مدون کیا۔ اور یہ بھی معلوم کیا کہ راویانِ حدیث میں سے کس نے کتنی حدیثیں روایت کیں، کس سے روایت کیں اور کس سے نقل کیں۔ اور ان میں سے کس سے دورانِ نقل غلطی ہوئی، کس نے ارادی طور پر غلطی کی اور کس نے غیر ارادی طور پر۔ مختصر یہ کہ مذکورہ تمام اصول وضوابط کو بر پا کرنے کے بعد انہیں دروغ گو اور راست گو راویوں کے ناموں کا علم ہو گیا، ایسے راویوں کا پتہ چلا جو روایت میں اکیلے تھے، یا ان کی روایت دوسروں کی روایت سے بحیثیت الفاظ مختلف تھی، بہر حال انہیں یہ علم ہو گیا کہ ہر حدیث کو کتنے راویوں نے بیان کیا اور اس کے نقل کرنے والوں میں کیا کمزوری تھی۔

اس کے بعد محدثین نے تمام احادیث کو اکٹھا کر کے ان کے علیحدہ علیحدہ باب قائم کیے صحیح احادیث کو ان احادیث سے جن میں اختلاف تھا یا جس کا راوی ضعیف تھا، جدا کر دیا تا کہ متفق علیہ اور مختلف فیہ احادیث میں فرق واضح ہو۔ اور ہر کم اور زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے راوی کی روایت کی خوب چھان بین کی۔ مختلف علاقوں کے ائمہ کی احادیث کو سمجھا اور طبقات رواۃ کے بارے میں بھی واقفیت حاصل کی کہ ان میں بلحاظ عمر کون چھوٹا تھا اور کون بڑا۔ کون پہلے تھا اور کون اس کے بعد اس کے علاوہ ان محدثین کرام نے روایت حدیث میں راویوں کے اختلاف سے متعلق جملہ اسباب، علل ترمیم و تنسیخ اور

ان کی جائے بود و باش کا پوری طرح جائزہ لیا۔ چونکہ حدیث دین کی اساس ہے اور محدثین کرام اس فن میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض تو یہ حق رکھتے ہیں کہ فنی مہارت اور زبردست قوتِ حافظہ رکھنے کے لحاظ سے علماء پر جرح، رد اور قبولِ حدیث کے سلسلے میں ان کی گواہی قابلِ قبول ہوتی ہے اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل، امر و نہی اور دعوت کے سلسلے میں ان کی گواہی بھی قابل قبول ہوتی ہے۔ قولِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ [البقرة:١٤٣]

ترجمہ: ''اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں میں سے افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔''

اس آیت کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ شہداء سے مراد اصحابِ حدیث ہیں۔ جو کہ رسول اللہ ﷺ ان کے صحابہ اور تابعین کے اقوال و افعال پر گواہ ہوں گے۔ اور يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کا مفہوم یہ ہے کہ خود سید الرسل ﷺ اپنے اقوال و افعال، احوال اور اخلاق کے بارے میں محدثین کرام کی گواہی پر شاہد ہیں۔

قول نبوی ﷺ:

''جس نے (میرے قول و فعل سے متعلق) مجھ پر جھوٹ باندھا وہ یہ جان لے کہ جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔'' [1]

ایک اور حدیث ہے کہ اللہ ان کے چہروں کو رونق و تازگی بخشے جو مجھ سے سن کر اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ [2] آپ کی دعا ہی کا اثر ہے کہ محدثین کے چہروں پر رونق ہوتی ہے۔

محدثین نے فنِ حدیث کے مفہوم و معنی اور اصول و قوانین کے بارے میں باقاعدہ تصنیفات کی ہیں اور علومِ دینی کے اس اہم شعبے میں کئی معروف ائمہ فن بھی ہیں جن کے معاصرین ان کی فضیلت علمی، دیانت اور عبقریت و ذہانت کی بنا پر ان کی امامت پر متفق ہیں۔ اس ضمن میں خاصی تفصیلات موجود ہیں تاہم جو کچھ بیان کیا گیا وہ سمجھنے والوں کے لیے کافی ہے۔

---

[1] حدیث، متواتر ہے جسے ساٹھ سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا جن میں ''عشرہ مبشرہ'' بھی شامل ہیں۔

[2] اصحابِ سنن نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس پر حکم لگاتے ہوئے اسے ''حسن صحیح'' قرار دیا جبکہ امام سیوطی نے اسے احادیث متواترہ میں شمار فرمایا۔

# طبقاتِ فقہا اور ان کے مخصوص علوم وفنون

اگر چہ طبقات فقہاء کو محدثین پر فضیلت حاصل ہے مگر وہ محدثین سے کاملاً اتفاق کرتے ہیں۔ فقہاء، فہمِ حدیث، استنباط اور ترتیب احکام میں دقت نظری، حدودِ دین اور اصولِ شریعت میں گہری تحقیق کا ملکہ رکھتے ہیں۔ انہی نے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی روشنی میں ناسخ ومنسوخ اصول وفروع اور خصوص وعموم کو جدا جدا بیان کر کے ان میں فرق کو واضح کیا ہے۔ مسلمانوں کی سہولت کے پیشِ نظر قرآن وحدیث کے احکام کو بیان کیا اور بتایا کہ وہ کون سی آیات واحادیث ہیں جن کا حکم تو منسوخ ہے مگر ان کی تحریری صورت باقی ہے۔ اور وہ کون سی آیات واحادیث ہیں جن کی تحریری صورت باقی نہیں مگر ان کا حکم موجود ہے۔ اور وہ کون سی آیات واحادیث ہیں جو لفظی حیثیت سے تو عام ہیں مگر مفہوم کے اعتبار سے خاص ہیں، یا لفظی طور پر خاص ہیں اور معنوی اعتبار سے عام ہیں۔

اسی طرح اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ کن آیات واحادیث میں خطاب جماعت سے ہے مگر اس سے مراد کوئی ایک فرد ہے۔ یا کس مقام پر خطاب ایک سے ہے اور مراد جماعت ہے۔

انہوں نے جہاں مخالفین کو عقلی دلائل سے بھرپور جواب دیئے وہاں گمراہوں کی واضح دلائل سے رہنمائی بھی کی ہے۔ اور لاریب ان کی یہ تمام مساعی فقط خدمتِ دین کے لیے تھیں۔

انہوں نے استنباط احکام میں بالترتیب نصِ قرآنی، حدیث رسول، نص قرآنی پر قیاس اور اجماعِ امت کو اپنا محور بنایا۔ جنہوں نے ان سے مناظرہ کرنا چاہا ان سے باقاعدہ آداب مناظرہ کے مطابق گفتگو کی۔ اور جو مجادلہ کرنا چاہتے تھے ان سے اسی کے آداب کے مطابق پیش آئے۔ اور اپنے مخالفین کا مقابلہ حتمی دلائل وشواہد کے ساتھ کیا۔ الغرض انہوں نے ہر بات موقع ومحل کی مناسبت سے کی۔ ہر شرعی حد کو قائم رکھا، مختلف پیچیدہ اصطلاحات والفاظ کے معانی واضح کیے، مزید یہ وضاحت بھی کر دی کہ اوامر ونواہی میں سے کون سے احکامات ضروری ہیں کون سے مستحسن ہیں اور کون سے ترغیبی وتربیتی ہیں۔ جن احکام میں اشکال تھا رفع کر دیا، عقدے کھول دیئے، قوانین واضح کر دیئے، شبہات زائل کر دیئے، اصول سے فروع کی تخریج کی، اجمال کی تشریح کی اور حدود دین کو اس احتیاط کے ساتھ بیان کیا کہ کوئی کمی باقی نہ رہی اور اس بات کی ہرگز گنجائش باقی نہ چھوڑی کہ کوئی شخص کسی کی تاویل وغیرہ میں آسکے (یعنی احکام کو بہت واضح کر کے بیان کیا۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی فقہاء کا طائفہ ہی ہے جس نے مسلمانوں کے حدود وقوانین کی حفاظت کی۔ اور یہی ہیں جن کا ذکر قرآن یوں کرتا ہے:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ [التوبہ:۱۲۲]

ترجمہ: ''تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس سے اللہ تعالیٰ کوئی اچھا کام لینا چاہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔'' [1]

فقہاء کرام نے علوم فقہ میں مستقل تصنیفات چھوڑی ہیں۔ اور ان میں مشہور ائمۂ فن ہوگزرے ہیں جن کی امامت پر امت کا اجماع ہے۔

اس بارے میں مزید کہنا باعثِ طوالت ہوگا۔ بہرحال عقل مند کم سے ہی زیادہ کا کام لے سکتا ہے۔

---

[1] بروایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد ہے، جبکہ سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

# طبقات صوفیہ اور اُن کے

# نظریات و احوال اور خصائص و محاسن

صوفیہ کرام کے تمام طبقے محدثین و فقہاء کے معتقدات سے کامل اتفاق کرتے ہیں۔ اور ان کے علوم و فنون مطالب و مفاہیم اور طریقوں سے کوئی اختلاف نہیں رکھتے بشرطیکہ ان میں لہو و لعب پر مبنی بدعات کی آمیزش نہ ہو اور خود ان محدثین و فقہاء پر پیروئ رسول کا غلبہ ہو۔

وہ صوفیہ کرام جو علمی لحاظ سے فقہاء و محدثین کے مرتبے کے نہیں ہوئے وہ ''حکم من احکام الشریعۃ او ہد من حدود الدین'' اس کا ترجمہ اس قدر واضح نہیں ہے یون کیا جائے تو شاید بہتر ہے احکام شریعت بھی اور اُصول دین کی حدود جیسے مشکل مسائل کے حل کے لیے وغیرہ وغیرہ کے مشکل مسائل کے حل کے سلسلے میں انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور جس مسئلے پر فقہاء محدثین متفق ہوں اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور جہاں فقہا و محدثین میں اختلاف پایا جاتا ہو وہاں صوفیہ کا طریق یہ ہے کہ احسن، اولیٰ، اور مکمل ترین صورت کو اپنایا جائے تاکہ اللہ نے جو احکام صادر فرمائے ہیں ان پر انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ عمل ہو سکے۔ صوفیہ کے ہاں امور دین کے سلسلے میں کسی قسم کی چھوٹ، تاویل، آسائش ڈھونڈنے اور شبہات کو راہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

جو کچھ سطور گزشتہ میں بیان ہوا وہ تو صوفیہ کے اس طرزِ عمل کے بارے میں تھا جو وہ فقہاء و محدثین کے ظاہری متداول علوم کے بارے میں اپناتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کے عمل کا ایک اور درجہ ہے اور وہ ہے۔ مراتب بلند کی جانب بڑھنا۔

الغرض صوفیہ اخلاقِ جمیلہ اور عبادات و حقائقِ عبادت و اطاعت کے جن بلند ترین احوال و منازل پر فائز ہوئے اور جن اسرار و رموز سے وہ مختص ٹھہرے وہ فقہاء محدثین کو حاصل نہ ہوئی۔

## صوفیہ کے مخصوص آداب، احوال اور علوم

صوفیہ کرام کی کچھ خصوصیات ہیں جن میں وہ باقی لوگوں سے منفرد ہیں: پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جب فرائض کی ادائیگی اور افعال ممنوعہ سے اجتناب کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی اپنے سے غیر متعلق چیزوں کو علیحدہ کر دیتے ہیں اور ہر اس تعلق کو ختم کر دیتے ہیں جو ان کے اور مطلوب و مقصود کے درمیان حائل ہو۔ اور اس کا مطلوب و مقصود فقط اللہ ہی ہے۔

اور ان کے کچھ مخصوص آداب ہیں مثلاً زیادہ کے مقابلے میں تھوڑی سی دنیوی دولت پر قناعت قوتِ لایموت ضروری لباس، بچھونا اور دیگر انتہائی ضروری چیزوں پر گزارہ، امیری پر فقیری کو ترجیح کثرت کے مقابلے میں قلت پر قناعت، شکم سیری پر بھوک کو اختیار کرنا، غرور، فخر اور علو مرتبت سے کنارہ کشی چھوٹوں پر شفقت اور ہر ایک سے تواضع سے پیش آنا، خلق خدا کے لیے ضرورت کے وقت قربانی دینے کی جرأت، دنیا حاصل کرنے والوں پر رشک نہ کرنا، اللہ سے لو لگانا، آزمائشوں پر صبر

اختیار کرنا۔ اللہ کے ہر فیصلے پر اظہار رضا مندی، مسلسل مجاہدہ نفس، مخالفتِ خواہشات اور اس نفس امارہ سے دشمنی جسے اللہ نے امارۃ بالسوء کے نام سے پکارا اور جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہی نفس امارہ ہی وہ بدترین دشمن ہے جو تیرے پہلوؤں میں موجود ہے''۔ [۴] (الغرض یہ وہ خوبیاں ہیں جو صوفیہ کرام کے اعلیٰ کردار کا جزوِ لاینفک ہیں۔)

## خلوص اعمال

صوفیہ کے آداب و خصائل میں سے کچھ یہ بھی ہیں کہ وہ اللہ کی پوشیدہ حکمتوں پر غور کرتے ہیں۔ اس کا خوف ہر وقت دل میں موجود رکھتے ہیں، دلوں میں برے خیالات اور غافل کر دینے والے ایسے افکار جنہیں بجز ذاتِ علیم و خبیر کے کوئی نہیں جانتا، کو ذہنوں میں جگہ نہیں دیتے۔ گویا وہ اس حالت میں اپنے معبودِ حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں کہ ان کے دل حاضر، ارادے مجتمع اور نیتیں سیدھی ہوتی ہیں۔

بلاشبہ اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کی وہی عبادت قبول فرماتا ہے جو خالصتاً اسی کے لیے ہو جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ [الزمر:۳]

ترجمہ: ''ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔''

## صوفیہ اور حقیقتِ حقوق

صوفیہ کے خصائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اولیاء اللہ کے راستوں پر چلتے ہیں۔ اس کے بندگانِ خاص کی منزلوں کو پانے کی سعی کرتے ہیں۔ اور حقوق کی اصلیت جاننے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ وہ روح کی مکمل توجہ، نفس کشی، اللہ کی راہ میں زندگی پر موت کو ترجیح دینے، عزت کے بجائے اللہ کی خاطر ذلت قبول کرنے کا ایثار، گو ہر مراد پانے کے لیے آسائش کی جگہ تنگی اور ارادہ حق کو اپنا ارادہ تصور کرنے کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔

مذکورہ تمام احوال و حقائق اور حقیقتِ حقوق کی وادیوں میں سے پہلی وادی ہے۔

کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو حارثہ رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا: ''میں نے نفس کو دنیا سے کنارہ کش کر لیا، راتیں جاگتے بسر کیں اور دن پیاسے گزارے، اور (اب کیفیت یہ ہے کہ) میں عرش الٰہی کو صاف دیکھتا ہوں، اہل بہشت مجھے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے نظر آتے ہیں اور اہل جہنم کو آگ میں ہجوم کرتے ہوئے اپنے سامنے پاتا ہوں اور حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تو نے حقیقت کو پالیا۔ بس اسی پر خود کو قائم رکھو۔ [۵]

---

۴ امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کتاب الزھد میں روایت کیا۔

۵ مسند البزار میں روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ جبکہ امام طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کیا۔

## دیگر علوم ومعانی میں صوفیہ کا امتیازی مقام

کئی ایسی آیات واحادیث موجود ہیں۔جن کا مفہوم بیان کرنے میں صوفیہ دیگر طبقاتِ اہل علم سے بہت ممتاز ہیں۔اور جو تفسیر یا استنباط وہ کرتے ہیں وہ اعلیٰ اخلاق کی دعوت دیتی ہے،احوال وفضائل اعمال کی بلندیوں سے سرفراز کرتی ہے اور دین میں ایسے بلند وارفع مقامات کی نشاندہی کرتی ہے کہ جو صرف مومنین میں سے ایک مصوص گروہ یعنی صوفیہ،صحابہ کرام اور تابعین کا حصہ ہیں۔اور یہی وہ احوال وآداب اور اعلیٰ خوبیاں ہیں جو ذات رسول اللہ ﷺ کا خاصا ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا:

''اللہ نے مجھے بہتر ادب واخلاق سکھایا۔'' ❶

اور اللہ نے آپ کی بلندیٔ اخلاق کو اس طرح بیان فرمایا:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ⊙[القلم:٤]

ترجمہ: ''اور بے شک تمہاری نظر ثانی بڑی شان کی ہے۔'' -

صوفیہ کرام نے آیات واحادیث کی جو تفاسیر کی ہیں یا ان سے جو استنباطات کئے ہیں وہ علماء وفقہاء کے بس کا روگ نہیں یہ کام صرف وہ صوفیہ کر سکتے ہیں جو اوالعلم قائما، بالقسط کے دائرے ہیں آتے ہیں۔ان کے ذمے یہی کچھ ہے وہ ان کا اقرار کریں اور ان کی حقیقت کو تسلیم کریں۔مثلاً کچھ حقائق جو صوفیہ نے بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں: توبہ کی حقیقت، اس کی صفات،توبہ کرنے والوں کے درجات اور ان کے حقائق جو صوفیہ نے بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں: توبہ کی حقیقت،اس کی صفات،توبہ کرنے والوں کے درجات اور ان کے حقائق۔

ورع (پرہیزگاری) کی باریکیاں،اہل ورع کے احوال،

اہل توکل کے طبقات

اللہ کے فیصلوں کے آگے سرخم کرنے والوں کے مقامات۔

اور صبر کرنے والوں کے مراتب

اس کے علاوہ اور کئی ایسے احوال وآداب ہیں جن کے بارے میں صوفیہ کی اپنی تشریحات اور حقائق ہیں جو فقط انہی کا حصہ ہیں

صوفیہ میں سے ہر ایک اپنی اپنی بساط کے مطابق ان حقائق کو بیان کرتا ہے۔

یعنی جس قدر حصہ علم ودانش کا اللہ انہیں عطا فرماتا ہے۔اسی کے مطابق وہ بیان کرتے ہیں۔

صوفیہ عظام کی خصوصیات کے بارے میں ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں۔وہ حرص،امید،ریاکاری،پوشیدہ خواہشات اور شرکِ خفی کے اسباب وعلل سے بھی باخبر ہوتے ہیں۔اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کس طرح ان برائیوں سے خلاصی پاکر اللہ کی پناہ حاصل کی جاسکتی ہے۔

وہ ہمہ وقت اللہ ہی سے صدق دل کے ساتھ التجاء کرتے ہیں۔اور اپنے ہر معاملے کو اسی پر چھوڑ دیتے ہیں۔اسی کے

❶ امام ابن حجر عسقلانی نے اسے ''المطالب المنثورہ'' میں ذکر کیا،مفہوم تو درست ہے مگر سند صحیح نہیں۔

آ گے سرِ نیاز ختم کرتے ہیں اور اسی کے سہارے ہر قوت و خوف سے خود کو محفوظ رکھتے ہیں۔

صوفیہ کرام نے ایسے مسائل و نکات علوم دینیہ میں پیدا کئے، جو فقہاء و علماء کی فہم سے بالا ہیں اور یہ باریک مسائل ان اشارات میں مخفی ہوتے ہیں۔ جن کی نشاندہی صرف صوفیہ کی بصیرت ہی کر سکتی ہے۔ جیسے عوارض و علائق، حجابات، پوشیدہ اسرار، مقامات اخلاص، احوالِ معارف، حقائقِ افکار، درجات قرب، حقیقت توحید، منازلِ تعزیر، حقیقتِ بندگی، وجودِ عالم کو ازل کے ساتھ مٹانا (یعنی صرف ازل جو کہ اللہ کا حکم ذاتی ہے اور ہمارے وجود سے قبل بھی اسی طرح موجود تھا جیسے اب ہے کہ ذریعے کائنات کے موجود کو جو بہر طور ازل کے مقابلے میں نیست ہے، فانی گردانا جائے۔) قرب قدیم سے حادث کا معدوم ہو جانا، عطا کرنے والے کے دیدار کی بقاء، عطاء محسن کی فناء اور احوال و مقامات سے گزر، احساس مقصد کو احساس مقصود میں فنا کر دینا، اور دشوار گزار تاریک راستوں کو طے کرنا یہ ہیں وہ مخصوصات جو صوفیہ ہی کا حصہ ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں مذکورہ تمام موضوعات سے متعلق پیچیدگیوں کا علم ہے۔ خلوت ہو کہ جلوت وہ ہر وقت ان پر کار بند رہتے ہیں۔ اور ان کی آبیاری خونِ جگر سے کرتے ہیں۔ انہیں ان سے اس قدر آگہی حاصل ہوتی ہے کہ وہ ان کے ذائقے اور کمی بیشی کے بارے میں صحیح معلومات دے سکتے ہیں۔ وہ ان نکات و مسائل کے بارے میں کسی کے بے دلیل دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور وہ ان میں سے غلط و صحیح کی پہچان رکھتے ہیں۔ یہ اجمالی گفتگو تفصیلات سے کہیں بڑھ کر رہے اور یہ کسی طرح بھی قرآن و سنت سے باہر نہیں۔ ان کے اہل لوگ اس کی سمجھ رکھتے ہیں۔ اور علماء ان کا انکار نہیں کرتے۔ مگر کچھ ظاہری علوم رکھنے والے اس علمِ تصوف کے قائل نہیں۔ کیونکہ وہ کتاب اللہ اور احادیثِ رسول ﷺ میں سے صرف ظاہری احکام ہی کا علم رکھتے ہیں۔ اور وہی کچھ جانتے ہیں جس سے وہ اپنے مخالفوں پر سبقت لے سکیں۔ اور یہ عمل آج ہمارے دور کے وہی لوگ اپناتے ہیں جو دنیوی جاہ و منصب اور شان و شوکت کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ آپ کو ایسے ملیں گے جو تصوف میں مشغول رہنا چاہتے ہوں۔ کیونکہ اس میں جفاکشی اور محنت کرنا پڑتی ہے یہ گھٹنوں کو تھکا دیتا ہے اور دل میں درد کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس میں آنکھیں بھیگ جاتی ہیں، اور یہ چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو چھوٹا بنا دیتا ہے۔ تو کب کوئی اس وادی میں قدم رکھنے کی ہمت کرتا ہے نفس کو اس کے حصول میں کوئی حظ نہیں آتا کیونکہ اس میں نفس کشی، دنیا و مافیہا سے بے خبری اور خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء ظاہر اس علم (تصوف) کو ترک کر کے ایسے علم میں مشغول ہو گئے ہیں، جو انہیں دین میں بے جا گنجائش، تاویلات اور رخصت کی اجازت دے اور جو بشری لذتوں سے زیادہ قریب ہوا اور عیش کوش طبائع پر بار نہ ہو۔

# صوفیہ عظام پر چند الزامات اور اُن کی تردید

ائمہ دین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ جل جلالہ نے قرآن حکیم میں صوفیہ کا ذکر ذیل کے اسماء کے ساتھ کیا ہے۔

## قرآن حکیم میں صوفیہ کے مختلف اسماء

الصادقین (سچے) الصادقات (سچی عورتیں) القانتین (ادب والے فرمانبردار) القانتات (ادب والی فرمانبردار عورتیں) الخاشعین (عاجزی کرنے والے) الموقنین (یقین والے) المخلصین (فقط اللہ کی بندگی کرنے) المحسنین (نیکی والے) الخائفین (اللہ کا خوف رکھنے والے) الراجین (امید رکھنے والے) الواجلین (ڈرنے والے) العابدین (عبادت کرنے والے) السائحین (روزے رکھنے والے) الصابرین (صبر والے) الراضین (راضی رہنے والے) المتوکلین (توکل والے) المنخبتین (تواضع والے) الاولیاء (اللہ کے ولی) المتقین (تقویٰ والے) المصطفین (منتخب، چنے ہوئے) المجتبین (چنے ہوئے) الابرابر (نیکوکار) المقربین (قرب والے) اور ایک اسم، مشاہدین کا ذکر اس آیت میں یوں فرمایا:

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ [ق:۳۷]

اور صوفیہ کے ایک اسم المطمئین کا ذکر یوں فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ [الرعد:۲۸]

ترجمہ: ''سن لو! اللہ ہی کی یاد میں دلوں کا چین ہے''

اس کے علاوہ قرآن میں مزید اسماء صوفیہ بھی مذکور ہیں جیسے السابقین (سبقت لے جانے والے) المقتصدین (میانہ رو) اور ''المسارعین الی الخیرات'' بھلائیوں میں جلدی کرنے والے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں میں ایسے بکھرے غبار آلود بالوں والے اشخاص موجود ہیں۔ کہ اگر وہ کسی معاملے میں اللہ پر قسم کھا جائیں تو وہ ان کو ان کی قسم میں سچا فرما دے۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت وابصہ سے (ایک استفسار کے جواب میں) فرمایا: اپنے دل سے پوچھو۔[2] حالانکہ آپ نے کبھی کسی اور صحابی سے اس طرح کی بات نہیں کی۔

ایک روایت میں ہے:

''میری امت میں سے ایک شخص کہا جاتا ہے کہ وہ اویس قرنی ہیں جن کی شفاعت پر قبائل ربیعہ و مضر کے برابر افراد جنت میں داخل کیے جائیں گے۔''

---

[1] امام مسلم نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ رب اشعث اغبر مدفوع الی الابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ۔

[2] امام احمد نے مسند میں، اور امام دارمی نے ''سنن'' میں رایت کیا جبکہ امام نووی نے ریاض الصالحین میں اسے ''حسن'' قرار دیتے ہوئے ان الفاظ سے روایت کیا: استفت نفسك وان افتاك المفتون۔

اور فرمایا:

''میری امت میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب تلاوت کرتے ہیں تو مجھے ان کے دلوں پر خشیتِ الٰہی کے طاری ہونے کا سماں دکھایا جاتا ہے اور طلق بن حبیب ان ہی میں سے ہیں۔''

اور فرمایا:

''میری امت کے ستر ہزار افراد بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ لوگ کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: جو خود کو داغتے ہیں اور نہ ہی جادو منتر کی طرف رجوع کرتے ہیں بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔'' ۞

اس ضمن میں آثار اخبار اس قدر کثرت سے تواتر کے ساتھ موجود ہیں کہ سب کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ بہرصورت جو کچھ ذکر سطور بالا میں مختلف اسماء اور افراد کا ہوا ان سے مراد امت محمدیہ کے صوفیہ ہی ہیں۔

اگر امت مسلمہ میں صوفیہ کرام موجود نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کبھی ان کا ذکر نہ فرماتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنی کتابِ محکم میں ان کا تذکرہ فرماتا۔

جب ہم نے یہ جان لیا کہ لفظ ایمان تو تمام مؤمنین کو شامل ہے اور صوفیہ کو خصوصی اسماء سے پکارا گیا جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں، تو یہ بات واضح ہوگئی کہ عامۃ المسلمین پر ان کو خصوصیت حاصل ہے۔

ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام عنداللہ سب سے بڑے مقام کے حامل ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا اپنے رب سے راز و نیاز کا تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ پر کمال درجے کا ایمان و یقین رکھنے کے ساتھ اس کے احکام پر بھی پوری طرح عمل پیرا ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام بشری تقاضوں جیسے خورد و نوش، نیند اور دیگر عوارض سے مبرا نہیں ہوتے۔ انہیں اولیاء کرام پر وحی، رسالت اور نبوت کے سبب جو فوقیت حاصل ہے۔ اس میں کوئی بھی ان کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔

---

۞ یہ روایت صحیحین میں ہے۔

# صوفیہ کرام کی نظر میں فقہاء ظاہر کی حیثیت

# اور فقہ کی مدلل تعریف

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جسے اللہ تعالیٰ بھلائی سے نوازنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔''

حسن بصریؒ فقیہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''فقیہ دنیا سے دل نہ لگانے والے، آخرت کو چاہنے والے، اور امور دین میں بصیرت رکھنے والے کو کہتے ہیں۔''

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ [التوبة:۱۲۲]

ترجمہ: ''تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے، کہ دین کی سمجھ حاصل کرلے۔''

مذکورہ آیت مبارکہ میں لفظ دین، ظاہری و باطنی احکامات سے عبارت ہے۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ احوال و مقاماتِ سلوک کے احکامات و معانی کی سمجھ حاصل کرنا طلاق، ظہار، قصاص، قسامت حدود اور غلاموں کو آزاد کرنے جیسے مسائل جان لینے اور سمجھ لینے سے کسی طرح کم فائدہ مند نہیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ احکام ظاہری سے متعلق مسائل سمجھنے کی ضرورت اس قدر نہیں پڑتی جس قدر باطنی حکامات کے مسائل کی۔ کیونکہ ظاہری احکامات کے مسائل ہر وقت پیش نہیں آتے بلکہ جب بھی اس طرح کی کوئی صورت واقع ہو تو کسی فقیہہ سے اس کے بارے میں پوچھ لیا جاتا ہے۔ اور اس طرح اس مسئلے کے پھر واقع ہونے تک سوال کرنے والا اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ لیکن باطنی احکاماتِ احوال و مقاماتِ سلوک کا جاننا عمر کے ہر حصے میں ہمہ وقت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ جیسے صدق، اخلاص، ذکر الٰہی اور ترکِ غفلت جیسے احوال کو اختیار کرنے کے لیے کوئی معین وقت نہیں بلکہ بندے پر ہر لحہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان پر عمل پیرا رہے۔ صوفیہ عظام ان احوال و مقامات سے کامل آگہی رکھتے ہیں اور اسی کی جملہ تفصیلات بیان کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

بندے کو اس بات کا علم رکھنا چاہیے کہ اس کا رادہ وخیال کیا ہے۔ اگر وہ حقوق سے تعلق رکھتا ہو تو اسے پورا کرے اور کسی خواہش نفس سے متعلق ہو تو اسے ترک کرے۔ جیسا کہ رب کائنات جل جلالہٗ نے فخر رسل سید الکونین علیہ التحیۃ والسلام سے خطاب فرمایا:

لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ [الکہف:۲۸]

ترجمہ: ''اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔''

الغرض مذکورہ بالا احوال کا تارک وہی ہو سکتا ہے جس کے قلب پر غفلت کی تاریکیاں چھا گئیں ہوں۔

موضوعات تصوف کی وسعت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ قرآن وسنت سے جس قدر احکامات تصوف، صوفیہ کرام نے اخذ کئے وہ بہرحال فقہاء کرام کے مستنبط احکام سے کہیں بڑھ کر ہوں کیونکہ علم تصوف کی وسعتوں کو محدود نہیں کیا جا سکتا اس کے راستے لطیف اشارات دشوار گزار صحراؤں، دلکش خیالات اور عطا و بخشش کے خزانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اور اس کا ادراک رکھنے والے ہر آن اہل طلب کی جھولیاں بھر رہے ہیں۔

اس دنیا میں ہر علم کی ایک حد ہے اور یہ حد تصوف پر آ کر ختم ہو جاتی ہے جب کہ تصوف کی حد کسی دوسرے علم پر ختم نہیں ہوتی اس کو کسی دوسرے علم کی احتیاج نہیں۔ اس کا یہ طریق ہے کہ سالک کو اپنے اعلیٰ مدارج کی طرف لے جاتی ہے۔ اس علم کا کوئی کنارہ نہیں کیونکہ اس کے مقصود کی کوئی حد نہیں اور علم تصوف کا وہ اعلیٰ ترین درجہ ہے جسے علم الفتوح کہتے ہیں، اللہ کی طرف سے اپنے مخصوص بندوں کو ودیعت کیا جاتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کے قلب کو اپنے کلام کی سمجھ عطا کر کے اپنے خطاب سے صحیح استنباط کا ملکہ عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝ [الکہف:۱۰۹]

ترجمہ: ”تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔“

اور فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ [ابراھیم:۷]

ترجمہ: ”کہ اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔“

بندوں پر اس کے فضل خاص کی کوئی نہایت نہیں۔ انہیں ہر حال میں شکر ادا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ شکر ادا کرنا خود اپنی جگہ ایک نعمت ہے اور مستوجب شکر ہے اور اس کے بے پایاں لطف و کرم کا ضامن۔

# علومِ دینیہ اور اس کے ماہرین

علوم دینیہ میں سے ہر علم اس کے ماہرین سے مخصوص ہے۔ جب کہ علماء کی ایک جماعت نے علم شریعت میں تخصیص سے انکار کیا ہے۔ اور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو صرف وہی کچھ لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا جو ان پر نازل کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ [المائدہ:٦٧]

ترجمہ: ''اے رسول! پہنچا دو جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا۔''

اور اسی ضمن میں قول نبوی ﷺ ہے:

''جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لو تو ہنسو گے کم اور روؤ گے زیادہ۔'' (1)

اگر وہ علم جو رسول اللہ ﷺ کے قلبِ منور میں موجود تھا مگر صحابہ اس سے بے خبر تھے اس کے پھیلانے کی اجازت ہوتی تو ضرور صحابہ کو اس سے آگاہ کیا جاتا۔ اور اگر صحابہ اس کے بارے میں سوال کرنا درست سمجھتے تو ضرور پوچھتے (یعنی یہ بات ثابت ہوگئی کہ کچھ علوم ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں تخصیص ہوتی ہے)

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے افراد موجود تھے جو بعض مخصوص علوم سے بہرور تھے۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اسماء منافقین کا علم رکھتے تھے جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے سکھایا تھا۔ اور اس کے باوجود حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ جب ان سے منافقین کے ناموں کے بارے میں پوچھتے تو کہتے ''کیا میں ان میں سے ہوں۔'' (2)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ستر علوم سکھائے ہیں اور یہ علوم آپ نے میرے سوا کسی اور کو نہیں تعلیم کیے۔ (3)

تخصیص علوم کے باب میں ہم نے تفصیلی ذکر تو اس کتاب کے آخر میں کیا ہے یہاں اس کے بارے میں صرف اسی قدر کہنا ہے کہ جو علم، صوفیا کرام محدثین اور فقہاء عظام کے ہاں متداول ہے۔ وہ علم دین ہے جس کی ہر شاخ سے واقفیت رکھنے کے لیے اہل علم میں سے مخصوص افراد ہیں جنہوں نے علم دین کی تمام اصناف پر علیحدہ علیحدہ تصانیف اور اقوال ہمارے لیے چھوڑے ہیں۔

الغرض ہر علم اور ہر فن کے اپنے اپنے ماہرین ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ محدثین نے کبھی اپنے مسائل کے حل کے لیے فقہاء کی طرف رجوع کیا ہو۔ اور نہ ہی کبھی فقہاء نے فقہ کی پیچیدگیوں کے بارے میں محدثین سے گفتگو کی۔

اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی شخص مقاماتِ سلوک و لطائف قلب کے بارے میں صوفیہ کے علاوہ کسی سے معلومات

---

(1) امام بخاری، حاکم، احمد، ترمذی، طبرانی نے اسے روایت کیا، امام حاکم نے اسے ''صحیح قرار'' دیا۔

(2) ''صحیحین'' میں بروایت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہے۔

(3) امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا۔

حاصل کر سکے۔

اور کسی کو بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ کسی کے بارے میں معلومات نہ رکھتے ہوئے کوئی بات کرے۔اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو بلاشبہ خود کو ہلاکت میں ڈالے گا۔اللہ ہمیں اس طرح کی غلطیوں کے ارتکاب سے اپنی پناہ میں رکھے۔آمین۔

# صوفی کو ''صوفی'' کیوں کہتے ہیں؟

ایک شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ تو نے محدثین کو علم حدیث، اور فقہاء کو علم فقہ سے منسوب کیا۔ مگر صوفیہ کو کسی مخصوص کیفیت، حال، یا علم سے منسوب نہ کیا۔ جب کہ زاہدوں کو زہد، توکل کرنے والوں کو توکل اور صبر کرنے والوں کو صبر سے منسوب کیا۔

میرا جواب یہ ہے کہ صوفیہ کو کسی ایک صفت یا علم سے منسوب نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معدن علم اور طرح طرح کے احوال محمودہ سے متصف ہوتے ہیں، ہمہ وقت منازلِ ترقی طے کرتے رہتے ہیں، ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اپنے رب کی قربتوں سے شادکام ہوتے ہیں۔ اور ہر لحظہ اللہ سے بہت قریب ہونے کے مشتاق رہتے ہیں۔ اب ایسی حالت میں ان کو کسی ایک مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ لہٰذا میں نے ان کے ظاہری لباس ہی سے انہیں منسوب کیا (یعنی اون کا لباس پہننے والے) کیونکہ اون کا لباس پہننا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء واصفیاء کا شعار رہا ہے جیسا کہ بیشتر روایات اس کی موید ہیں۔

اگر میں نے ان کو ان کے ظاہری لباس کی مناسبت ے ہی ایک نام سے یاد کیا ہے تو فقط اس لیے کہ یہی لفظ صوفی ہی ان کے تمام علوم، اعمال اور اخلاقِ حمید کا پتہ دیتا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا ذکر کیا تو انہیں ان کے ظاہری لباس کی مناسبت سے حواری کے نام سے پکارا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ الخ [المائدہ:۱۱۲] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو اس لیے حواریوں کے نام سے پکارا گیا کہ وہ سفید لباس پہنتے تھے۔ اللہ نے انہیں ان کے لباس سے منسوب کر کے پکارا ان کے اعمال، احوال اور علوم واخلاق سے نہیں۔

میرے نزدیک صوفیہ بھی اپنے ظاہری لباس سے اسی طرح منسوب کر کے پکارے جاتے ہیں جیسا کہ سفید لباس پہننے کے باعث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو حواری کہا گیا۔ اور بلاشبہ صوف پہننا انبیاء واولیاء کا طریق ہے۔

## اصطلاح صوفی کی تحقیق

کسی نے پوچھا کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے لوگوں میں تو صوفیہ کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ اگر کوئی تذکرہ ہے بھی تو فقط زاہدوں، عابدوں، سیاحوں فقراء اور صحابہ کرام کا۔

ہم اللہ کی توفیق سے یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت پاک سے مشرف ہونے کی ایک اپنی حرمت اور خصوصیت ہے اور جن نفوسِ قدسیہ کو یہ سعادت حاصل رہی انہیں صحابی کے نام سے ہٹ کر کسی اور نام سے موسوم کرنا تو کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اور کیا آپ پر یہ عیاں نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، زاہدوں، عابدوں، اللہ پر توکل کرنے والوں، فقراء، مجاہدہ نفس کرنے والوں اور صابروں کے امام تھے، اور انہوں نے جو مقام بلند (مقامِ صحابیت) حاصل کیا وہ سرکار رسالت ماب ﷺ کی صحبت ہی کا اثر تھا۔

اس لحاظ سے صحابیٔ رسول ﷺ ہونا خود سب احوال سے بڑھ کر ہے اور اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں۔ اور ایسی صورت میں صحابیٔ رسول ﷺ کو کسی اور نام سے یاد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ (اسی بناء پر صحابی کو صوفی کے نام سے نہیں موسوم کیا گیا)

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صوفی بعد کے زمانے کی ایک خود ساختہ اصطلاح ہے جسے بغدادیوں نے گھڑا، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ حضرت حسن بصری جنہوں نے بعض صحابہ کا دور پایا تھا، کہتے ہیں کہ:

''میں نے طوافِ کعبہ کے دوران ایک صوفی دیکھا اور اسے کچھ دینا چاہا مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میرے پاس چار درہم موجود ہیں جو میرے لیے کافی ہیں۔''

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:

''اگر ہاشم الصوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاء کی حقیقت معلوم نہ ہو سکتی۔''

تاریخ مکہ کرمہ پر مشتمل ایک کتاب اخبارِ مکہ میں محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے راویوں سے روایت ہے کہ ''اسلام سے قبل مکہ پر ایک ایسا دور بھی آیا تھا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا کوئی نہ تھا، ان حالات میں کسی دور دراز مقام سے ایک صوفی آتا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا۔''

اگر مذکورہ روایت درست ہے تو ثابت ہوا کہ لفظ صوفی قبل از اسلام بھی مروج تھا اور نیکوکار لوگوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔ باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

## ثبوت علمِ باطن

اہل ظاہر کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ہم تو صرف ظاہری طور پر علم شریعت کو جاننے کا اقرار کرتے ہیں۔ جب کہ علم باطن اور علم تصوف سراسر بے معنیٰ ہے۔ اللہ کی توفیق و تائید سے ہم یہ جواب عرض کرتے ہیں کہ علم شریعت ایک ہی علم اور اسم ہے جو دو لفظوں روایت اور درایت کو شامل ہے یعنی علم شریعت بیک وقت اعمال ظاہری و باطنی کی دعوت دیتا ہے۔ کیونکہ علم جب تک دل میں رہے باطنی کہلاتا ہے اور زبان تک پہنچے تو ظاہری۔ گویا علم کی دو قسمیں ہوئیں۔ ظاہری اور باطنی، اور یہ علم شریعت ہی ہے جو ظاہری و باطنی اعمال کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اعمال ظاہری سے مراد وہ اعمال ہیں جو انسان کے ظاہری اعضاء انجام دیتے ہیں۔ پھر اعمال ظاہری کی دو قسمیں ہیں، عبادات اور احکامات۔ عبادات میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ حج اور جہاد وغیرہ شامل ہیں جب کہ حدود و طلاق، غلاموں کو آزاد کرنا، خرید و فروخت کے مسائل، وراثت اور قصاص وغیرہ احکامات میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جملہ احکامات و عبادات انسان کے ظاہری اعضاء سے ہے۔

جہاں تک اعمالِ باطنی کا تعلق ہے، تو وہ قلب سے متعلق ہیں۔ جیسے مقاماتِ احوال یعنی تصدیق، ایمان، یقین، صدق، اخلاص، معرفت، توکل، محبت، رضا، ذکر، شکر، توبہ، خشیت، تقویٰ، مراقبہ، فکر، اعتبار، خوف، امید و صبر، قناعت، تسلیم، تفویض، قرب، شوق وجد، حزن، ندامت، حیا، شرم، تعظیم اور ہیبت۔

مذکورہ اعمالِ باطنی کا اپنا اپنا مفہوم و معنی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی صحت و عدم صحت پر آیات قرآنیہ اور احادیث

نبوی ﷺ شاہد ہیں۔ جس نے ان کو جان لیا وہ ان کا عالم ٹھہرا اور جس نے ان کو نہ سمجھا وہ ان سے بے خبر رہا۔

جب ہم علم باطن کا نام لیتے ہیں تو ہماری مراد ان اعمالِ باطنی کا علم ہوتا ہے جو قلب پر جاری ہوتے ہیں۔ اور علمِ ظاہر کا مفہوم ان اعمالِ ظاہری کا علم ہے جو انسان کے ظاہری اعضاء انجام دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً [لقمان:۲۰]

ترجمہ: ''اور تمہیں بھرپور دیں، اپنی نعمتیں، ظاہر اور چھپی۔''

یہاں اس آیت مبارکہ میں نعمۃ وظاھرۃ سے اعمالِ ظاہری مراد ہیں۔ جو انسان ظاہری اعضاء کے لیے اللہ کی نعمت ہیں جب کہ نعمۃ باطنۃ قلب پر جاری ہونے والے احوال کو کہتے ہیں۔ گویا ظاہری اور باطنی اعمال کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور ان میں سے کوئی۔ ایک، کسی دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

فرمانِ الٰہی ہے:

وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

[النسا:۸۳]

ترجمہ: ''اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے، یہ بعد میں کاوش کرتے ہیں۔''

آیت مذکورہ میں مستنبط علم سے مراد علم باطن ہے جو کہ علم تصوف سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث سے اخذ کردہ نکات اور علوم صوفیہ کرام ہی کا حصہ ہیں۔ ان شاء اللہ ہم آگے چل کر ان میں سے کچھ کا ذکر کریں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم، قرآن، حدیث اور اسلام ہر ایک کے دو دو رخ ہیں یعنی ظاہری و باطنی۔

صوفیہ علوم ظاہری و باطنی کے ثبوت کے لیے بے شمار عقلی و نقلی دلائل رکھتے ہیں جن کی تفصیلات میں جانا یہاں حدِ اختصار سے تجاوز کا باعث ہو سکتا ہے۔ بہرحال جو کہا گیا یہ بھی صاحبِ فہم کے لیے کافی ہے۔

## حقیقتِ تصوف

تصوف کی حقیقت کے بارے میں محمد بن علی القصابؒ، جو حضرت جنید بغدادیؒ کے استاد تھے، نے فرمایا: تصوف، رسول اللہ ﷺ کے ان اعمال کا نام ہے۔ جو انہوں نے ایک مبارک عہد میں شرفاء و صلحاء کے ایک گروہ کے سامنے انجام دیئے۔

جنید بغدادی نے تصوف کی تعریف یوں بیان کی: یہی تصوف ہے کہ تیرے اور تیرے رب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔

جناب رویم بن احمد نے ماہیتِ تصوف پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے: اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے مطابق رکھنا ہی تصوف ہے۔

حضرت سمنونؒ تصوف کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: تو کسی دنیوی چیز کا مالک بنے اور نہ کوئی شے تیری مالک بنے، یہی تصوف ہے۔

ابو محمد جریری نے کہا: ہر بری اور خسیس عادت کو چھوڑ کر پاکیزہ عادات اپنا لینا تصوف ہے۔

عمرو بن عثمان مکیؒ کے نزدیک تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت عمل صالح اختیار کرنے کا خواہاں رہے۔

علی بن عبدالرحیم قناد معنی تصوف کو یوں بیان کرتے ہیں: اپنے مقام و مرتبہ کو محبت الٰہی کے جذبے میں گم کر کے فنا سے کنارہ کش ہو کر دوام سے واصل ہونا حقیقت تصوف ہے۔

## صوفیہ کون ہیں؟

صوفیہ کرام کی کیا تعریف ہے اور وہ کون ہیں۔ اس سوال کا جواب عبدالواحد بن زید یوں دیتے ہیں: صوفیہ وہ ہیں جو اپنی عقلوں اور قلوب کو مصائب و آلام کے باوجود ثابت قدم رکھتے ہیں۔ اور نفس کے ہر شعلۂ شر انگیز کو مرشدِ کامل کی اتباع سے سرد کر دیتے ہیں۔

ذوالنون مصری کہتے ہیں: جسے طلب تھکا نہ سکے اور سلب بے قرار نہ کرے وہ صوفی ہے اور صوفیہ ان لوگوں کا طائفہ ہے **جنہوں نے ہر شے پر اللہ ہی کو غالب جانا،** یہی وجہ ہے اللہ نے انہیں ہر چیز پر غلبہ عطا کیا۔

ایک صوفی سے کسی نے پوچھا کہ کس کی صحبت میں بیٹھوں؟ انہوں نے کہا: صوفیہ کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ قبیح چیزوں سے بچنے کے طریقے جانتے ہیں اور مادی قوت و عظمت کو اپنے ہاں جگہ نہیں دیتے۔ ان کی صحبت تجھے اس قدر بلند کر دے گی کہ خود پر ناز کرے گا۔''

جنید بن محمد کا قول ہے: صوفیہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں جب چاہتا ہے انہیں ظاہر کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے پوشیدہ کر دیتا ہے۔

ابوالحسین نوریؒ فرماتے ہیں: صوفی وہ ہے جو سماع سنتا ہے اور اسباب کو تابع کر لیتا ہے'' اہل شام صوفیہ کو فقراء کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بھی قرآن کریم میں صوفیہ کو فقراء کے نام سے ہی پکارا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [البقرۃ:۲۷۳]

ترجمہ: ''ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں رو کے گئے۔''

ابوعبداللہ احمد بن محمد بن یحییٰ الجلاء صوفی کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم تعریف صوفی کو شرطِ علم سے مشروط نہیں کرتے بلکہ صوفی وہ ہے جو اسباب سے بے نیاز ہو کر اللہ کے ہاں قریب ترین مقام پر فائز اور اللہ کی جانب سے ہر مقام کو جاننے کی نعمت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لفظ صوفی سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصل میں صَفَوی تھا ادائیگی میں ثقیل ہونے کے باعث صوفی کہا جانے لگا۔

ابوالحسن قناد کہتے ہیں: صوفی، صفا سے مشتق ہے اور صفا سے مراد اللہ کے لیے ہمہ وقت بشرطِ وفاداری قیام میں رہنا ہے۔

بعض کے نزدیک صوفی وہ ہے جسے دو عادتوں یا حالتوں کا سامنا ہو تو وہ ان میں سے اعلیٰ ترین پر پابند ہو۔

صوفیہ کی ایک رائے کے مطابق بندہ، عبودیت میں ثابت قدم ہو جانے اور اللہ کی جانب صفاء قلب پا لینے کے بعد حقیقت سے آگہی حاصل کرتا ہے اور احکام شریعت سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ یعنی صفاء باطن کے حصول کے بعد ہی کوئی بندہ صوفی بنتا ہے۔

اگر کوئی آپ سے صوفی کی تعریف دریافت کرے تو جواب یہی ہے کہ معرفتِ الٰہی سے بہرہ ور اپنے رب کے احکامات پر ثابت قدمی سے عمل پیرا، کسی چیز کو یقین کی حد تک پہچان لینے کے بعد تسلیم کرنے والے اور اپنے مقصود کے حصول میں خود کو گم کر دینے والے کو صوفی کہتے ہیں۔

ابوالحسن قناد کہتے ہیں۔ اگرچہ ظاہری لباس کی مناسبت سے ہر صوفی کو صوفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقتاً صوفیہ اپنے احوال و مقامات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوتے ہیں۔

ابوبکر شبلیؒ لفظ صوفی کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صفاء باطن کی بناء پر صوفیہ کو اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا باطن صاف ہو جاتا ہے جس کی مناسبت سے ہی انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ اور آپ نے مزید فرمایا کہ صوفیہ اصحابِ صفہ کی یادگار ہیں۔

جہاں تک ظاہری لباس کے اعتبار سے صوفی کے پکارے جانے کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت کے لیے کئی روایات پیش کی جا سکتی ہیں مگر طوالت مانع ہے۔ مختصر یہ کہ انبیاء علیہم السلام اور سلف صالحین نے صوف پہننے کو اپنا شعار بنایا۔

تصوف سے متعلق ابراہیم بن مولد الرقی نے کوئی سو سے زائد جوابات دیئے ہیں۔ بہر حال صورت جو کچھ ہم نے اس ضمن میں پیش کیا وہ بھی کافی ہے۔

علی بن عبدالرحیم القناد نے تصوف اور اہل تصوف کے انحطاط پر یہ اشعار کہے ہیں ۔

**ترجمہ اشعار:**

اہل تصوف باقی نہ رہے اور تصوف فسانہ بن کر رہ گیا۔ حالت یہ ہے کہ چیخ و پکار دکھاوے کے سوز و وجد اور ایک عام سی کیفیت کو تصوف کا نام دیا جانے لگا۔

اب علوم رہے نہ روشن دل، تجھے تیرے نفس نے جھوٹی خبر دی اور یہ کوئی اچھا طریق نہیں۔ یہاں تک کہ تو اس شخص کی مثل ہو گیا کہ جس کو چاروں طرف سے آنکھیں گھور رہی ہوں اور تجھ پر اس (تصوف) کے حادثات گزر رہے ہیں مگر تیرے باطنی ارادے پسپا ہیں۔

بعض مشائخ کرام نے تصوف کی تعریف تین طرح سے کی ہے۔

وہ کہتے ہیں: صفاء قلب، حسن خلق اور اتباعِ شریعت رسول اللہ ﷺ کا نام تصوف ہے۔

ترک ملکیت، لغو گفتگو سے پرہیز اور فقط اللہ کو اپنے لیے کافی سمجھنا تصوف ہے۔

اللہ کا بندے کو صفاء باطن کی صفت سے متصف کرنا ہی تصوف ہے۔

میں نے حصری سے صوفی کی تعریف پوچھی تو انہوں نے فرمایا: صوفی ایسے بندے کو کہتے ہیں جسے نہ زمین نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہو اور نہ آسمان اس پر سایہ فگن ہو۔ یعنی نہ آسمان نے براہ راست اس کو اپنے سایہ تلے رکھا ہوا ہے اور نہ ہی زمین نے اٹھا رکھا ہے بلکہ وہ اللہ کے سہارے قائم رہتا ہے اور ہر واقعے کو منجانب اللہ تصور کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں نے اللہ کے کلام میں اپنی رائے کو شامل کیا تو کون سا آسمان مجھے پناہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اپنے اوپر اٹھائے گی۔ ❶

---

ابوعبداللہ قاسم بن سلام نے شیخ ابراہیم التیمی سے اسے نقل کیا جبکہ ابراہیم التیمی نے حضرت صدیق اکبر سے ملاقات نہ کی۔ بہر حال امام ابن حجر عسقلانی سے منسوب کتاب " "میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن حجر کے اس رسالہ کا ترجمہ مفتی خلیل قادری برکاتی نے کیا ہے۔

# توحیداور مؤحد

یوسف بن حسین رازیؒ نے فرمایا: ایک شخص نے ذوالنون مصری سے حقیقت توحید بیان کرنے کے لیے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا: حقیقتِ توحید یہ ہے کہ تو یہ جان لے کہ جملہ اشیاء میں قدرتِ الٰہ اس طرح موجود ہے کہ اسے ان اشیاء میں شامل کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ وہ پہلے ہی سے ان میں اصلاً موجود ہوتی ہے۔ اور اللہ نے ہر چیز کسی مشق یا کوشش کے بغیر تخلیق کی ہے، **اس کی صفت ہی ہر شے کی علت ہے جب کہ اس کی صنعت کی کوئی علت نہیں**۔ آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر کرنے والا **سوائے اس کے اور کوئی نہیں**۔ اور تیرے وہم وگمان میں اس کا جو بھی تصور موجود ہے وہ قطعی اس سے مختلف ہے۔

حضرت جنیدؒ توحید کے بارے میں فرماتے ہیں: توحید یہ ہے کہ مؤحد (اللہ کو ایک جاننے والا) پوری طرح اللہ کے کمال احدیت کے ساتھ اس کی وحدانیت کا یقین کرتے ہوئے یہ جان لے کہ اس کی ذات واحد ہے کہ نہ اسے کسی نے جنم دیا اور نہ اس نے کسی کو جنم دیا۔ اور اس کے علاوہ تمام اضداد، امثال، اشباہ اور معبودوں کی مکمل نفی کرے۔

ایک اور موقع پر جنید بغدادیؒ نے موضوعِ توحید پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: توحید ایک ایسا مفہوم ہے کہ جس میں تمام اشیاء و رسوم معدوم اور جملہ علوم ختم ہو کر رہ جائیں۔ اور صرف اسی کی ذات لم یزل باقی رہ جائے۔

مذکورہ بالا دونوں تعریفیں توحید ظاہری سے متعلق تھیں۔ اور جو تعریف ہم اب پیش کرتے ہیں اس کا تعلق توحید خاص سے ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں۔ توحید خاص یہ ہے کہ بندہ اللہ کے حضور ایسے وجود کی مانند ہو جس پر اس کی تدبیر کے تصرفات اس کے احکامِ قدرت کے وقع کے ساتھ جاری ہیں، وہ بحر توحید کی موجوں سے کھیلتا ہوا اس طرح فناءِ نفس سے ہمکنار ہو کہ دعوتِ خلق سے اسے سروکار نہ رہے اور قرب حق تعالیٰ کے ایسے مقام پر فائز ہو کہ فناء نفس کی منزل پر پہنچ کر اس کی حس وحرکت بھی رخصت ہو جائے۔ اور یہاں تک کہ وہ وجودِ وحدانیتِ رب کو قبول کرنے کا احساس تک بھی نہ کر سکے۔ اور وہ اپنے انجام کو آغاز جان لے تا کہ اس کی حالت اس کے وجود میں آنے سے قبل کی سی ہو جائے۔

مزید فرمایا کہ توحید، علائقِ زمانی کی تنگنائیوں سے نکل کر میدانِ سرمدیت میں قدم رکھنے کا نام ہے۔

جنید کے قول ''اس کی حالت اس کے وجود میں آنے سے قبل کی سی ہو جائے'' کی وضاحت کے لیے ہم یہ آیت مبارکہ پیش کرتے ہیں:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ [الاعراف: ۱۷۲]

ترجمہ: ''اور اے محبوب: یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی۔''

اور جنید بغدادی خود اپنے قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس وقت جب کہ بندوں کے وجود نہ تھے تو صرف ارواح نے ہی اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا تھا یعنی بندہ اپنے وجود کو اسی طرح نیست کر دے جیسے یوم الست کو صرف روح تھی اور اسی نے اقرار توحید کیا تھا۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ سے ایک شخص دلف بن جحدر نے توحید مجرد کی حقیقت کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے کہ توحید مجرد کے بارے میں زبانی وضاحت چاہتا ہے حالانکہ جس نے توحید کو الفاظ کا جامہ پہنایا وہ ملحد ہوا، جس نے اس کی طرف اشارہ کیا وہ شرک ٹھہرا، جو اس سے خاموش رہا وہ جاہل ہے جس نے خود کو واصل سمجھا اسے کچھ ہاتھ نہ آیا، جس نے خود کو قریب سمجھا وہ دور ہے اور جس نے بتکلف وجد طاری کیا اس نے سب کچھ کھو دیا۔

جان لو کہ تم نے جب کبھی اسے اپنے اذہان، عقول اور خیالات کی مدد سے بزعم خود پوری طرح پہچاننے کی کوشش کی تو بیشک تمہارا نتیجہ باطل اور تمہارے اپنے وجود ہی کی طرح مصنوعی ثابت ہوا۔

اگر ہم یہاں ابوبکر شبلیؒ علیہ الرحمۃ کے توحید سے متعلق مذکورہ بالا قول کی کچھ وضاحت پیش کر دیں تو بے محل نہ ہوگا۔ کہنا یہ ہے کہ ان کی تمام تر تعریف توحید کا خلاصہ، قدیم کو حادث کے ذریعے پہچاننے سے علیحدہ کرنا ہے۔ یعنی یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان جو کہ حادث ہے وہ اللہ کی ذات قدیم کو واقعتاً پہچان سکے یا اس کی وصل حاصل کر سکے۔

بندوں کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق اس کی حمد وثنا اور عبادت انجام دیتے رہیں۔

یوسف بن حسین نے توحید کی تین تعریفیں بیان کی ہیں:

پہلی:

توحید عامہ سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف وحدانیت کے پیش نظر رہتے ہوئے اضداد، امثال، اشکال اور انداد غائب ہو جائیں۔ اس حالت میں کہ حقیقتِ تصدیق کے غائب ہو جانے اور حقیقتِ اقرار کے باقی رہنے کے ساتھ رغبت و خوف سے سکون ملے۔

مذکورہ تعریف میں حقیقت تصدیق کے غائب ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ حقیقتِ تصدیق کے باقی رہنے سے بندہ رغبت وخوف سے سکون نہیں پا سکتا۔

دوسری:

توحید اہل حقائق: اس کی توحید کی ایک ظاہری تعریف اس طرح ہو سکتی ہے کہ رویتِ اسباب واشباہ کے غائب ہو جانے کے ساتھ اقرارِ وحدانیت ہو۔ اور یہ اقرار اس طرح ہو کہ امر ونہی پر ظاہر وباطن میں عمل ہو۔ اور قیام شواہد واستجابت کے ساتھ رغبت وخوف ماسوا کا ازالہ کیا جائے۔

اگر چہ سوال کیا جائے کہ معارضہ رغبت وخوف کے ازالے کا کیا مطلب جب کہ دونوں حق ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ رغبت وخوف دونوں حق ہیں اور دونوں اپنی جگہ موجود مگر انہیں غلبۂ وحدانیت نے اس طرح مغلوب کر رکھا ہے جیسے سورج کی روشنی ستاروں کی روشنی پر غالب آ جاتی ہے اور وہ بظاہر نظر نہیں آتے۔

تیسری:

توحید خاص: اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنی حقیقت، وجد اور قلب کے ساتھ اللہ عزوجل کے حضور میں اس طرح حاضر ہو کہ

اس کے تصرفات تدبیر اس پر جاری ہوں اور اس کے احکام قدرت اس پر اس طرح مرتب ہوں کہ بندہ بحر توحید میں غوطہ زن ہو کر پانی مراد کو واقعتاً پانے کے بعد اپنے نفس اور حواس کو فنا کر چکا ہو اور وہ پھر سے اسی طرح ہو گیا ہو جیسا کہ ہونے سے قبل تھا اور اس کا بیان جیسا کہ حضرت جنید نے کہا اللہ کے اس قول میں ہے "وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ" اس آیت کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں۔

حقیقت توحید کے بارے میں مشائخ عظام کا ایک اور بیان بھی ہے۔ اور وہ بیان ہے اس پر فائز ہستیوں کا۔ انہوں نے اس کے بارے میں جو اشارات دیئے ہیں وہ اگرچہ سمجھنے سے بالا ہیں تاہم بعض کا ہم یہاں ذکر کر کے ان کی ممکن حد تک شرح بھی پیش کرتے ہیں۔

**یہ اشارات دراصل ایک پیچیدہ علم ہے** جو اس کے اہل لوگوں پر تو واضح ہیں اور جب ان کی تشریح کی جاتی ہے تو ان کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔ مجھے ان کی تشریح پر اس بات نے ابھارا کہ میں نے ان کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ جب کہ کتاب کو وہ بھی پڑھیں گے جو اسے سمجھ لیں گے اور وہ بھی جو نہیں سمجھ پائیں گے اور ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔

ہم نے جن اشارات کا ذکر کیا ہے ان میں سے رویم بن احمد بن یزید البغدادی کا یہ قول ہے کہ توحید آثار بشریت کے مٹنے اور صرف الوہیت کے باقی رہ جانے کو کہتے ہیں۔

**واضح رہے** کہ آثار بشریت کے مٹنے سے ان کی مراد عاداتِ نفس کا تبدیل ہو جانا ہے۔ کیونکہ یہ عاداتِ نفس ربوبیت کو اپنی نظر میں اپنے افعال سے منسوب کرتی ہیں۔ جیسے بندے کا کہنا: انا "میں" جب کہ اَنَا صرف اللہ ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ انیت صرف اللہ ہی کے لیے ثابت ہے۔ یہ تو معنی تھا "آثار بشریت کے مٹنے" کا اور "صرف الوہیت باقی رہ جانے کا مفہوم یہ ہے کہ قدیم کو حادث چیزوں سے بالکل الگ کر لے۔

ایک اور بزرگ کہتے ہیں کہ توحید، توحید کے سوا سب کچھ بھول جانے کو کہتے ہیں۔ یعنی صرف وہی کچھ یاد رہے جس پر حکم حقیقت کا وجوب ثابت ہو۔

مزید کہا کہ وحدانیت حق کے سوا سب کچھ فنا کر دینے اور صرف اس کے باقی رہنے کا نام ہے ماسواء کے فنا سے مفہوم فناء عبد ہے۔ اس طرح کہ اپنے نفس وقلب کے ذکر کو فنا کر کے اللہ کی عظمت اور اسی کے ذکر کو دوام دے۔

ایک شیخ کہتے ہیں کہ توحید میں خلق اور اللہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہوتا۔ اور توحید حق تعالیٰ کے لیے ہے جب کہ خلق صرف اس کے طفیل میں ہے۔

توحید کے بیان میں ہم یہ آیت پیش کرتے ہیں اور اسی سے توحید کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

قول باری تعالیٰ ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ [آل عمران: ١٨]

ترجمہ: "اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں جو عزت والا اور حکمت والا ہے۔"

اللہ نے اپنی توحید پر خلق سے پہلے گواہی دی گویا من حیث الحق توحید کی حقیقت وہی ہے جس پر اللہ نے خود خلق سے پہلے گواہی دی اور من حیث الخلق اس کی حقیقت وہی ہے۔ جوانہوں نے حقیقت و وجد کے اعتبار سے اسی قدر پائی جس قدر اللہ نے ان کے لیے مقرر کی اور جو اس نے ان سے چاہی۔ اور وہ لوگ صرف ''ملائکہ اور اولوالعلم اور قائماً بالقسط'' ہی ہیں۔

اور بطریق اقرار، توحید میں سب مسلمان برابر ہیں۔ اور جو طریق اقرار کا قابلِ اعتماد ہے وہ دل سے ہے زبان سے نہیں۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: جس نے توحید کے بارے میں کوئی تصور باندھا، مشاہدہ معانی کیا، علم الاسماء پر عبور حاصل کیا۔ اسماء الٰہی کی اللہ کی طرف نسبت کی اور صفات کو اس سے منسوب کیا اس نے توحید کی بو تک بھی نہیں سونگھی مگر جس نے یہ سب کچھ جاننے کے بعد اسے منفی کر دیا وہی مؤحد ہے مگر رسمی طور پر حقیقتاً نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خود ذاتِ حق تعالیٰ ہی توحید سے بہتر طور پر آگاہ ہے وہ خود ہی اثبات صفات ولغوت کرتا ہے اور اسی انداز سے کرتا ہے جیسا کہ اس کے لائق شان ہے۔ توحید کو وہ خو اسی لیے بہتر طور پر جانتا ہے کہ اس کے اور توحید کے درمیان کسی ادراک، ال اور توہم کا وسیلہ موجود نہیں ہوتا۔

بعض عارفین کا کہنا ہے کہ توحید وہ ہے جو صاحبِ بصیرت کو اندھا، عاقل کو متحیر اور ثابت قدم کو دہشت زدہ کر دیتی ہے۔ کیونکہ جو بھی حقیقتِ توحید کو جاننے کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اس کے دل میں عظمتِ کبریا بسیرا کر لیتی ہے اور اس کی ہیبت اس پر طاری ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں بندہ ہیبت زدہ اور اس کی عقل حیرت زدہ ہو جاتی ہے۔

ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: مقام اولین اسی کو حاصل ہوتا ہے جو علم توحید کو پا لیتا ہے۔ اور اس کی مدد سے تمام اشیاء ماسوا اللہ کے ذکر تک کو قلب سے منفی کر کے فقط اللہ کی یکتائی کو جان لیتا ہے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ توحید کی پہلی علامت بندے کا جملہ اشیاءَ سے خروج یا علیحدگی ہے۔ اور تمام اشیاء کو ان کے پروردگار کی طرف لوٹانا ہے۔ حتیٰ کہ مخلوق اپنے رب کے سامنے ہو اور وہ اسے دیکھتا ہو۔ اس صورت میں کہ وہ خود ان میں قائم اور متمکن ہو، پھر وہ انہیں ان کے نفوس میں اس طرح مخفی کر دے کہ وہ خود اپنے نفس سے مخفی ہو جائیں گویا ان کے نفس کو ان کے نفوس ہی میں مار کر انہیں اپنے لیے منتخب فرما لے۔ اس طرح کی توحید، ظہور توحید کی شیت سے باب توحید میں دیمومیت ساتھ پہلا داخلہ ہے۔ اور اس کی وضاحت یوں ہے کہ اشیاء ماسوا اللہ کا ذکر قلب سے فنا ہو جائے اور اللہ کا ذکر بندے کے قلب پر اس طرح جاری ہو جائے کہ اللہ کے سوا تمام اذکار زائل ہو جائیں (یعنی اسے سب کچھ بھول جائے اور فقط ذکر خدا ہی یاد رہے۔)

دیمومیت۔ دوام سے ہے یعنی ہمیشہ جاری و باقی رہنا۔

ہر شے سے خروج کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی استطاعت کی طرف یا نفس کی جانب کسی چیز کی نسبت نہ کرے۔ ہر چیز کی مضبوطی یا قوت کو اللہ کے ساتھ قائم مانے۔

جملہ اشیاء کا اپنے مالک کے حضور حاضر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک و متولی صرف اللہ کو جانے اور ان کا وجود اللہ کے ساتھ قائم مانے یہ نہ سوچے کہ اشیاء خود اپنی ذات سے قائم ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

**ترجمہ شعر:** ''ہر شے اسی کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے''۔

اور ہر چیز میں اس کے موجود ہونے سے مراد ہے کہ اگر بندہ اشیاء کی طرف نظر کرے تو اس پر تلوین کا غلبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اشیاء کا وجود اللہ کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

تلوین اور تمکین تصوف کے دو مقامات ہیں۔ مقامِ تلوین میں حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور سالک مغلوب الحال رہنے لگتا ہے۔ جب کہ مقامِ تمکین میں سالک کو قرار حاصل ہوتا ہے اور کبھی مغلوب الحال نہیں ہوتا۔ (مترجم)

اور یہ قول کہ ''اللہ ان کو ان میں مخفی کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ خود سے خود بے خبر ہوتے ہیں اور انہیں مار دیتا ہے ان کے نفوس ہی میں''، اس کی تشریح یہ ہے کہ انہیں کوئی حس نہیں رہتی اور نہ ہی وہ اپنی ظاہری و باطنی حرکات کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ حرکات اگرچہ بظاہر انہی کے اشاروں سے ہوتی ہیں مگر درحقیقت مشیت و تقدیرِ ایزدی کے سامنے مٹ جاتی ہیں۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک شخص سے فرمایا: جانتے ہو؟ تمہاری توحید کیوں درست نہیں ہوتی۔ اس شخص نے عرض کیا: حضور معلوم نہیں ایسا کیوں ہے۔ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ تو اللہ کو خود اپنے ہی ذریعے جاننا چاہتا ہے۔ مزید کہا کہ فقط اس شخص کو توحید سے کامل آگاہی حاصل ہوتی ہے اور اسی کی توحید درست ہوتی ہے جس کا انکار ہی اس کا اقرار ہو۔ اور جب ان سے اس اقرار کی وضاحت پوچھی گئی تو فرمایا: اقرار سے مراد انانیت ہے اور وہ یہ ہے کہ مؤحد اپنے اقرار کا انکار کرے یعنی ہر چیز میں اپنے اثباتِ نفس کو راہ نہ دے جیسے وہ ہے: میرا، مجھ سے، میری جانب، مجھ پر اور مجھ میں وغیرہ۔

یہ ضروری ہے کہ مؤحد انانیت یعنی میں کو ختم کرے اور باطن سے اس کا انکار کرے چاہے بظاہر اس کی زبان پر اقرار ہی کیوں نہ جاری ہو۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ ہی نے ایک اور شخص سے کہا: تو توحیدِ بشری کا طالب ہے کہ توحیدِ خدا کا؟ اس شخص نے جواب دیا: ان دونوں میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا ہاں توحیدِ بشری سزا اور جزا سے ڈرنے کو کہتے ہیں اور توحیدِ خدا یہ ہے کہ تو فقط اللہ ہی کو عظیم سمجھے اور اسی کی توقیر و تعظیم کرے۔

قولِ شبلی علیہ الرحمۃ کی وضاحت یہ ہے کہ عوض پانا اور اللہ کے سوا کسی اور سے طمع رکھنا یا کام بنانے کی توقع کرنا تقاضائے بشریت ہے اسی لیے جس نے صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پیشِ نظر اس کو واحد جانا وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس نے صرف سزا و جزا کے خوف سے اسے ایک مانا۔ حالانکہ خوفِ عذابِ الٰہی بھی ایک اچھی صفت ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جس نے علمِ توحید میں سے ذرہ برابر علم بھی حاصل کر لیا گویا اس نے اس قدر بڑا بوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا کہ اب وہ ایک ذرے کو اٹھانے سے بھی قاصر ہے۔ اور ایک بار فرمایا: کہ جسے علمِ توحید میں سے ذرہ برابر علم اللہ نے عطا کیا تو گویا اس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو اپنی پلکوں کے ایک بال کی نوک پر اٹھا رکھا ہے۔ یعنی جب اس کے سینے میں اللہ کی وحدانیت کا نور جلوہ گر ہوتا ہے تو ساری کائنات اس کو بہت چھوٹی اور ہلکی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اصل کائنات کا نور اس کے اندر موجود ہوتا ہے اور جملہ مخلوقات اسے ذرہ برابر دکھائی دیتے ہیں۔ جب کہ ایک روایت کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں۔ اور وہ پر ہی اتنے بڑے ہیں کہ پھیلا دے تو شرق و غرب کو ڈھانپ لے۔ اور ابن عباس سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام کرسی کے پایے کے سامنے یوں ہیں جیسے زرہ کا ایک حلقہ کہا جاتا ہے کہ جبریل علیہ السلام

عرش، کرسی اور وہ مقام جو اہل علم کو حاصل ہے یہ سب مل کر ملکوت سے ماوراء جو کچھ ہے اس کے مقابل مثل ریت کے ایک ٹیلے کے ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم۔

ابو العباس بن عطا بغدادی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حقیقتِ توحید کی علامت، نسیانِ توحید ہے۔ اور صدق توحید یہ ہے کہ اس کے ساتھ ذاتِ واحد کو قائم مانا جائے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ بندہ اللہ کی توحید میں روایتِ توحید کو اپنی تخلیق سے پہلے بھول جائے اور صرف رویت قیام الٰہی کو باقی رکھے۔ کیونکہ اگر اللہ عزوجل ان کو ان کے ارادے کے مطابق مقصد سے ہمکنار نہ فرمائے تو وہ کبھی توحید کو نہیں پا سکتے۔

ہمارے مشائخ کرام کی موضوع توحید پر بیشتر مستقل تصانیف ہیں مگر ہم نے صرف ضرورت کی تکمیل کے لیے ان میں سے بہت کم نکات کا یہاں اس کتاب میں ذکر کیا ہی ہے۔

# معرفت اور عارف

ابوسعید الخزاز رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ معرفت کے سرچشمے دو ہیں (خوف خدا میں) آنکھوں کا آنسو بہانا اور مقدور بھر مجاہدہ کرنا۔

ابوتراب نخشبی علیہ الرحمہ نے عارف کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا: عارف وہ ہے جسے کوئی چیز مکدر نہ کر سکے اور ہر چیز کو اس سے صفا ملے۔ احمد بن عطاء علیہ الرحمۃ کہتے ہیں ''معرفت دو چیزوں کے جاننے کا نام ہے ایک اللہ دوسرے حقیقت اللہ کو جاننا یہ ہے کہ بندہ اللہ کی وحدانیت کو ان اسماء وصفات کے ذریعے جانے جو اللہ نے خلق کے لیے ظاہر کر رکھی ہیں اور حقیقت کو جاننے کا مفہوم یہ ہے کہ اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں کیونکہ اللہ کی صمدیت و ربوبیت درمیان میں حائل ہے جیسا کہ قول عزوجل ہے:

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا [طٰہٰ:۱۱۰]

ترجمہ: ''اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا۔''

کوئی راستہ حقیقت کو جاننے کا نہ ہونے کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت جو کہ بندوں کی استطاعت سے باہر نہیں، کا ان کو اسماء وصفات کے ذریعے پانے کی اجازت دی ہے مگر حقیقت تک رسائی تو کجا اس میں سے ذرہ برابر کا بھی سمجھ لینا کسی کے بس میں نہیں۔ اس لیے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ عزوجل کی عظمت و کبریائی کی وادیوں میں سے پہلے ذرے کے ظاہر ہوتے ہی لاشی ہو جاتی ہے۔ الغرض معرفتِ حقیقت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں عظمت و کبریائی کی صفت موجود ہو (اور بلاشبہ اس صفت سے صرف ذاتِ واجب الوجوب ہی متصف ہے) اسی مفہوم کو ادا کرتے ہوئے کسی کا قول ہے: اسے اس کے سوا کسی اور نے نہیں جانا اور نہ ہی اس کے سوا کسی نے اس کو چاہا۔ کیونکہ اس کی صمدیت (بے نیازی) احاطہ و ادراک کو روکے ہوئے ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ [البقرہ:۲۵۵]

ترجمہ: ''اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے''

اس ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

''پاک ہے وہ ذات کہ جس نے اپنے بندوں کو اپنی معرفت کا سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں بتایا کہ وہ اسے اپنی عقلِ قاصر سے ہی جائیں۔

ابوبکر شبلی سے پوچھا گیا کہ کب بندہ مقامِ مشاہدہ پر فائز ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جب شاہد ظاہر ہو جائے، شواہد فنا ہو جائیں، حواس جاتے رہیں اور احساس مضمحل پڑ جائے۔

اور جب ان سے مذکورہ کیفیت کے آغاز و انجام کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا: آغاز اللہ کی معرفت ہے اور انجام

اس کی توحید۔ مزید کہا کہ معرفت کی نشانی یہ ہے کہ بندہ خود کو اللہ کے غلبہ وقوت کے قبضہ میں سمجھے اور اسی حالت میں اس پر قدرت کی کارروائیاں جاری رہیں۔

معرفت کی ایک علامت محبت بھی ہے کیونکہ جس نے اس کو پہچانا اسی نے اس سے محبت کی۔ ابو یزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی رحمہ اللہ سے صفتِ عارف کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے یوں وضاحت کی کہ پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو برتن کا۔ اگر اسے سفید برتن میں ڈالا جائے تو تُو اسے سفید سمجھے گا۔ اور سیاہ میں تو اسے سیاہ رنگ کا سمجھے گا حالانکہ مختلف احوال کی تبدیلی اس میں بظاہر یہ تبدیلی پیدا کر رہی ہوتی ہے یعنی پانی اپنی صفاء رنگت کے ساتھ متصف ہوتے ہوئے برتن کے رنگ میں رنگا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر درحقیقت برتن کا رنگ اس کی صفاء اور اصل حالت کو تو نہیں بدل سکتا دیکھنے والا چاہے اسے سفید یا سیاہ پائے مگر وہ اپنی مستقل صفت کے ساتھ متصف رہتا ہے۔ اسی طرح عارف اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے تعلق کی کیفیت دراصل ایک رہتی ہے چاہے احوال بدلتے ہی رہیں۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے عارف کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ وہ ان کی تعریف بیان کرنے والوں کی دسترس سے باہر نکل گئے ہیں۔ اور کسی نے معرفت سے متعلق یہ کہا کہ معرفت، اللہ کی توحید کو مطالعۂ قلوب کے ذریعے اس کے لطائفِ تعریف کے مطابق پانے کو کہتے ہیں۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ اے ابوالقاسم! عارفین اللہ سے کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے جواباً کہا: عارفین اللہ سے اپنے لیے حفاظت و پناہ طلب کرتے ہیں۔

محمد فضل سمرقندی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: کہ عارفین اللہ جل جلالہ سے نہ کچھ طلب کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ اسی حالت میں جوانہوں نے پالیا سو پالیا، کیونکہ عارفین اللہ ہی کے ساتھ قائم، باقی اور فانی ہیں۔ محمد ابن الفضل سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عارفین اللہ سے اس خوبی کی حاجت رکھتے جس کے ہوتے ہوئے سارے محاسن پورے ہو جاتے ہیں۔ اور جسے کھو کر سارے محاسن قبائح سے بدل جاتے ہیں۔ اور وہ خوبی، استقامت ہے۔ یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ عارف کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں شامل ہو کر بھی ان سے جدا ہوتا ہے۔ مزید کہا کہ عارف ایک بندہ ہی تھا جو ظاہر ہو گیا (یعنی ممتاز ہو گیا)

ابوالحسین النوری سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات ہے کہ اللہ کو عقل پا بھی نہیں سکتی اور اس کے سوا وہ جانا بھی نہیں جا سکتا؟ آپ نے جواب دیا: انتہاء والا بے انتہاء کو کیسے پا سکتا ہے یا مصیبتوں کا مکلف اسے کیسے جان سکتا ہے جس کے لیے کوئی منیبت ہے نہ آفت۔ یا اللہ کی ذات صاحب کیفیت کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ خالقِ کیفیت بھی وہی ہے۔ یا وہ پابند زمان و مکان کیسے ہو سکتا ہے جبکہ زمان و مکان کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ اور اسی طرح اس نے اول کو اولیت بخشی اور آخر کو مؤخر کیا۔ اگر وہ ذاتِ جل جلالہ اول و آخر کو پیدا نہ فرماتا تو اولیت و آخریت کا علم کیسے ہو سکتا۔ اور ازلیت فی الواقع ابدیت ہے ان دونوں میں کوئی حدِ فاصل نہیں۔ جیسا کہ اولیت آخریت ہے اور آخریت اولیت بعینہٖ یہی حال ظاہریت و باطنیت کا ہے بس اتنی سی بات ہے کہ محبوب حقیقی کبھی دولت وصال سے نواز دیتا ہے اور کبھی محروم رکھتا ہے صرف اس لیے کہ تجدیدِ لذت ہوتی رہی۔ یعنی وصل و ہجر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تاکہ وصل کی لذت میں اضافہ ہوتا رہے۔ اور وہ بندے کی بندگی کو دیکھتا رہے۔

جس نے اسے اس کی صفت تخلیق سے پہچانا اس نے اسے مشاہدے کے ذریعے نہیں جانا اور یہ صفت تخلیق اس کے قول ''کُن'' سے متعلق ہے۔

اور ابوالحسین نوری کے قول مشاہدے کے ذریعے پہچاننے سے مراد یہ ہے کہ بندہ، یقین و مشاہدۂ قلب کے ساتھ ایمان بالغیب کے حقائق کو پوری طرح جان لے اور ان سے مانوس ہو جائے۔

اللہ کے لیے کسی طرح کی توقیت اور تغیر کو لازم قرار دینا کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ اس کی ذاتِ واجب الوجوب تو جیسی تھی ویسی ہی رہے گی اور جو اس نے فرمایا یا فرمائے گا دونوں حالت میں برابر ہے۔ قریب تر اس کے لیے بعید تر ہے اور بعید تر اس کے لیے قریب تر۔ بلاشبہ خلق کے لیے اس کی معرفت من حیث الخلق ہی ہوتی ہے۔ اور قرب و بعد، رضا و عدمِ رضا میں خلق کی صفتِ تلوین موجود ہوتی ہے اور یہ اللہ کی صفت نہیں۔

احمد بن عطاء علیہ الرحمۃ کا معرفت خداوندی سے متعلق ایک قول جسے ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ واقعتاً مقدم الذکر ہی کا قول ہے: وہ کہتے ہیں کہ برائیاں تب برائیاں بنتی ہیں جب انہیں اللہ پوشیدہ رکھتا ہے اور نیکیاں تب نیکیاں بنتی ہیں جب وہ انہیں ظاہر و عیاں فرماتا ہے۔

اور یہ نیکی و بدی دو ایسی صفات ہیں جو ازل سے جاری ہیں اور اللہ کے مقبول اور دھتکارے ہوئے بندوں پر اپنے اثرات مرتب کرتی رہتی ہیں۔ مقبول بندوں پر ان کے شواہد روشنی کی صورت میں اور دھتکارے ہوئے بندوں پر اس کی پوشیدگی کے شواہد ظلمت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں زرد رنگ (شہرے) چھوٹی آستینیں یا جبے کسی کام نہیں آتے۔

میرے خیال کے مطابق مذکورہ بالا قول مفہوم کے اعتبار سے ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ کے اس قول سے ملتا جلتا ہے کہ خلق کے اعمال اللہ کو راضی یا ناراض نہیں کرتے وہ جس سے راضی ہو جائے انہیں ایسے اعمال میں لگا دیتا ہے جو اس کی رضا کا باعث ہوتے ہیں اور جس سے ناراض ہو جائے انہیں ایسے کاموں میں مصروف کر دیتا ہے جو اس کی ناراضگی کا سبب بن جاتے ہیں۔

میرے نزدیک ابن عطاءِ علیہ الرحمہ کے قول کی شرح یہ ہے کہ برائیاں اس لیے برائیاں سمجھی جاتی ہیں کہ اللہ ان سے اعراض فرماتا ہے اور نیکیاں اسی کے لیے نیکیاں بنتی ہیں۔ کہ اللہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور انہیں قبولیت بخشتا ہے۔

اسی ضمن میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو صحیفے لے کر نکلے ایک ان کے دائیں اور دوسری ان کے بائیں ہاتھ میں تھا پھر آپ نے فرمایا یہ اہل جنت اور ان کے آباؤ اجداد کے ناموں کی فہرست ہے۔ اور اہلِ دوزخ اور ان کے آباؤ اجداد کے ناموں کی فہرست ہے۔ [1]

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ کا کہنا ہے کہ جب اللہ نے اپنی معرفتِ ذات بندوں کو عطا کر دی تو ان کے نفوس ان سے جدا ہو گئے پھر انہوں نے لذاتِ سرمدی کے شواہد میں سے پہلے نظارے پر کوئی وحشت محسوس نہ کی۔ مذکورہ قول کی وضاحت یہ ہے کہ جس نے اپنے معبود کی عطا کردہ معرفت میں سے پہلے مقام کو پا لیا تو اسے ماسوا اللہ سے نہ کوئی وحشت لاحق ہوئی اور نہ ہی انس۔

---

[1] سنن ترمذی میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ہے، امام ترمذی نے فرمایا: ھذا حدیث حسن صحیح غریب۔

## حقیقتِ عارف

یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں جب تک بندہ معرفت حاصل کرتا رہتا ہے اسے یہ کہا جاتا ہے کہ تو کوئی چیز اختیار نہ کر اور اپنے اختیار سے دور رہ یہاں تک کہ تجھے عرفان مل جائے۔ اور جب بندہ معرفت پا کر عارف ہو جاتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اب تو چاہے کوئی چیز اختیار کر یا نہ کر تیری مرضی ہے کیونکہ اب تو جو بھی اختیار کرے گا وہ ہمارے اختیار کے ساتھ ہو گا اور جو کچھ ترک کرے گا تو ہمارے ہی اختیار سے ترک کرے گا۔ اس لیے کہ اب تو اختیار و عدم اختیار دونوں حالتوں میں ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ اور مزید کہا کہ یہ دنیا ایک دلہن کی مانند ہے جس نے اسے طلب کیا پھر اس کو خود سے دور نہ کر سکا۔

زاہد اس کے چہرے کو سیاہ کرتا ہے۔ اس کے بالوں کو نوچتا ہے اور اس کے کپڑے پھاڑتا ہے۔ اور عارف اپنے محبوب ازلی سے دل لگائے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

شیخ مذکورؒ کہتے ہیں کہ جب حصولِ معرفت میں عارف سے ادب کا دامن چھوٹ گیا تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوا۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کہتے ہیں عارف کی تین نمایاں خصوصیات ہیں۔

پہلی: اس کے سینے میں جب شمعِ معرفت فروزاں ہوتی ہے تو وہ پرہیزگاری کے چراغ کو بجھا نہیں دیتی۔

دوسری: وہ کسی ایسے باطنی علم کا قائل نہیں ہوتا جو اسے ظاہری احکامِ شریعت کی پابندی سے روکے۔

تیسری: اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات و اکرامات کی اکثرت اسے حرام چیزوں کے قریب بھی نہیں جانے دیتی۔

کسی شیخ کا قول ہے کہ وہ عارف نہیں جس نے آخرت کی فکر کرنے والے نیکوکاروں سے معرفت کا ذکر کیا چہ جائے کہ دنیا داروں سے اگر عارف اپنے رب کی اجازت کے بغیر اس سے توجہ ہٹا کر خلق کی طرف متوجہ ہوا تو وہ رسوا ہوا۔

اے سالک! تو اسے اس وقت تک نہیں پہچان سکتا جب تک تیرے دل پر اس کی حقیقت کا غلبہ نہ ہو تو اسے کیونکر یاد کر سکتا ہے جب تک تیرے دل میں اس کے لطف و کرم کا احساس موجود نہ ہو۔ کیا تو اس کی صدائے محبت کو بھول گیا ہے؟ جو اس نے وجودِ خلق سے پہلے تجھے دی تھی۔

مجھ سے محمد بن احمد بن حمدون الفراء علیہ الرحمۃ نے کہا کہ کسی شخص نے عبدالرحمان فارسی علیہ الرحمۃ سے کمالِ معرفت کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے: جب متفرقات ایک ہو جائیں، احوال و مقامات یکساں ہو جائیں اور احساسِ تمیز مٹ جائے تو کمالِ معرفت کا مقام آتا ہے۔

مذکورہ قول کی وضاحت یہ ہے کہ بندے کا وقت ہر حالت میں ایک ہونا چاہیے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اور وہ تمام حالات میں اللہ کے ساتھ لو لگائے رکھے اور ماسوا سے تعلق کو منقطع رکھے اور یہی وہ لازمی امور ہیں جن کے ہوتے ہوئے سالک کو کمالِ معرفت کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

## ذریعۂ معرفت

ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا: آپ نے اللہ کو کس چیز کے ذریعے پہچانا؟ تو انہوں نے فرمایا: اللہ ہی

کے ذریعے ایک اور سوال میں ان سے کہا گیا کہ عقل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو انہوں نے جواب دیا: عقل عاجز ہے اور اپنی ہی طرح کسی عاجز چیز کی پہچان ہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عقول کو پیدا فرمایا تو اس سے سوال کیا: میں کون ہوں؟ جواباً عقل خاموش رہی۔ پھر اسے سرمۂ وحدانیت لگایا تو پکار اٹھی: اللہ۔ خلاصہ یہ نکلا کہ عقل نے اللہ کو، اللہ ہی کے ذریعے جانا۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ نے ایک سوال کہ اللہ نے سب سے پہلے بندوں پر کون سا فرض عائد کیا تو فرمایا: معرفت جیسا کہ قول خداوندی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

ترجمہ: ''اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لِيَعْبُدُوْنِ (کہ میری بندگی کریں) کی تفسیر يَعْرِفُوْنِ (تاکہ میری معرفت حاصل کریں) سے فرمائی۔ یعنی عبادت کرنے سے مراد معرفت الٰہی کا حصول ہے۔

ایک شیخ سے معرفت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: قلب کی گہرائیوں سے جملہ اسماء وصفات کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کا اثبات اور اس کی تصدیق کا نام معرفت ہے۔ کیونکہ اسی کی ذات ہی عزت، قدرت، عظمت اور غالب ہونے میں یکتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا بے مثال، سمیع، بصیر، بے کیف اور بے مثل ہے۔ اور اللہ ہی قلوب سے اضداد، امثال اور اسباب کو دور فرماتا ہے۔ اور معرفت تو ایک عطیہ ہے۔

معرفت آتشِ شوق اور وجد ہے جب کہ ایمان نور اور عطاء وبخشش ہے۔

مومن و عارف میں یہ فرق ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف اللہ کی آنکھ سے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مومن صاحب قلب ہوتا ہے۔ اور عارف قلب نہیں رکھتا۔ قلبِ مومن ذکر اللہ سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور عارف کو سوائے محبوب ازلی کے قرار نہیں۔ گویا ایک ذکر حبیب میں محو ہے۔ تو دوسرا رخ یار کے مشاہدے سے شاد کام۔

معرفت کی تین اقسام ہیں۔ معرفتِ اقرار، معرفتِ حقیقت، اور معرفتِ مشاہدہ۔ معرفت مشاہدہ میں فہم، علم اور عبارت وکلام شامل ہے۔

یوں تو معرفت سے متعلق بے شمار اشاراتِ لطیفہ اور تعریفات کاملہ موجود ہیں مگر ان کی وہ قلیل تعداد جو ہم پیش کر آئے ہیں، سالک کے لیے کافی ہیں۔ اس کے علاوہ استدلال کرنے والوں اور ہدایت چاہنے والوں کے لیے بھی ان میں کافی مواد موجود ہے۔

حسن بن علی بن حیویہ دامغانی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ابوبکر زاہر آبادی نے معرفت کے بارے میں فرمایا: معرفت ایک ایسا اسم ہے جس کا معنیٰ قلب میں وجودِ تعظیم کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ اور یہ سالک کو تشبیہ وتعطیل سے بچائے رکھتا ہے۔

# احوال ومقامات

## مقامات اوران کی حقیقت

اللہ کے نزدیک، عبادات، مجاہدات، ریاضت اوراس کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کے لحاظ سے بندے کا کیا مقام ہےتواس کے جواب میں قرآن کے یہ الفاظ پیش کئے جاتے ہیں ہیں کہ

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ [ابراهيم:١٤]

ترجمہ: ''یہ اس کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے عذاب جو حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے۔''

اور فرمایا:

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ [الصافات:١٦٤]

ترجمہ: ''اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔''

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ قولِ رسول اللہ ﷺ ''الارواح جنود مجندہ'' (1) کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ارواح اپنے اپنے مقامات کے مطابق جمع ہوں گی۔ اور مقامات یہ ہیں مثلاً توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، رضا اور توکل وغیرہ۔

## مفہومِ احوال

صفاء اذکار میں سے جو کچھ کیفیات دلوں میں جاگزین ہوتی ہیں یا دل اس میں مقام اختیار کرتے ہیں، احوال کہلاتے ہیں۔

حضرت جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ حال دل پر نزول کرتا ہے مگر ہمیشہ اس میں نہیں رہتا۔ اور یوں بھی کہا گیا کہ حال ذکر خفی کو کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ بہترین ذکر، ذکرِ خفی ہے۔ (2)

حال مجاہدات، ریاضات اور عبادات کے طریق پر نہیں ہوتا بلکہ وہ مراقبہ، قرب، محبت، خوف، رجاء شوق، انس، طمانیت، مشاہدہ اور یقین وغیرہ کی طرح ہے۔

ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ نے کہا جب معاملہ قلوب تک پہنچ جاتا ہے تو جوارح استراحت کرتے ہیں۔

ابوسلیمان کا یہ قول دو معانی کا حامل ہے۔ ایک یہ کہ یہاں استراحتِ جوارح سے مراد مجاہدات ہیں اور قلب کو اللہ کے

---

(1) صحیح بخاری بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جبکہ صحیح مسلم، مسند احمد میں بروایت حضرت ابوہریرہ ہے۔

(2) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا، امام سیوطی نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا۔

ذکر سے غافل کر دینے والے اشغال وخیالات و مذمومہ سے جوارح مامون ہو جاتے ہیں دوسرے یہ کہ بندہ مجاہدہ، اعمال اور عبادات میں اس قدر تمکن حاصل کر لے کہ وہ اس کا ٹھکانہ بن جائیں اور اس کا قلب ان سے لذت وحلاوت پائے۔ اور وہ پہلے کی طرح اب ان میں کرب والم کی کیفیت سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے اور میرا خیال ہے کہ محمد بن واسع نے کہا ہے کہ میں برابر بیس برس تک ہر رات کرب کے عالم میں بسر کرتا رہا جس کے نتیجے میں مجھے مسلسل دس برس کی راحت وآسائش نصیب ہوئی۔

میرا خیال ہے کہ مالک بن دینار نے کہا کہ میں لگاتار بیس برس تک قرآن مجید کو چپاتا رہا تا آنکہ دس برس تک تلاوت کی لذتوں سے کامیاب ہوا۔ جنید بغدادیؒ کا قول ہے۔ تحفظِ حقوق صرف حراست قلوب سے ملتا ہے اور جس کا باطن نہیں وہ گناہ پر اصرار کرنے والوں میں سے ہے۔

مقامات کے ضمن میں شیوخ عظام کے بے شمار اقوال و جوابات ہیں اور اسی طرح احوال میں بھی مگر ہم نے اختصار کی راہ اختیار کی ہے۔

## مقامِ توبہ

ابو یعقوب یوسف بن حمدان السوسی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اللہ کی جانب متوجہ ہونے والوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔ اور توبہ ہر اس چیز سے، جس کو علم شریعت نے برا بتایا ہو، سے ہر اس شے کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں جسے شریعت نے اچھا قرار دیا ہو۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: توبہ یہ ہے کہ گناہوں کو بھلایا نہ جائے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے کہا: توبہ یہی ہے کہ تو اپنے گناہوں کو بھول جائے۔

ابو یعقوب السوسی علیہ الرحمۃ اور سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ نے توبہ کی جو تعریف فرمائی اس کا تعلق مریدین، طالبین اور سالکین کی توبہ سے ہے۔ اور جنید علیہ الرحمہ کی تعریف توبہ کہ گناہوں کو بھلا دینا چاہیے اس کا تعلق محققین کی توبہ سے ہے۔ کیونکہ یہ وہ بندے ہوتے ہیں جن کے قلوب پر عظمت خدا اور اس کے دائمی ذکر کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ گناہوں کو بھول ہی جاتے ہیں۔ جیسا کہ رویم علیہ الرحمہ نے فرمایا: توبہ سے توبہ کرنا ہی توبہ ہے۔ اور اسی طرح ذوالنون مصری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ عوام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص غفلت سے۔

توبہ کے بارے میں ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے جو کچھ کہا ہے وہ بلاشبہ توبہ کی خاص الخاص تعریف ہے۔ وہ فرماتے ہیں، توبہ یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا ہر چیز سے توبہ کرے۔ اور اسی مفہوم کی طرف ذوالنون علیہ الرحمہ نے یوں اشارہ کیا ہے کہ مقربین کے گناہ ابرار کی نیکیاں ہوتی ہیں۔ مزید کہا کہ ریاء عارفین، اخلاصِ مریدین ہے۔

سالک جب طاعات وقرباتِ الٰہی کے ذریعے ابتداء میں اللہ کا تقریب حاصل کرنے کے دوران ان طاعات وقرباتِ الٰہی میں قرار حاصل کرتا ہے، ان کی تصدیق کرتا ہے اور انوار ہدایت سے مالا مال ہو کر عنایت و رعایت خداوندی کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ اس کا قلب عظمتِ الٰہ کا مشاہدہ کرتا ہے صنعتِ صانع اور احسانِ قدیم پر غور وفکر کرتا ہے تو اپنی ارادت وہدایات کی صورت میں، طاعات واعمال اور قربتوں کی طرف التفات اور ملاحظہ وسکون سے تائب ہو جاتا ہے۔

ہمارے سامنے تین طرح کے توبہ کرنے والے ہیں۔ ایک وہ جو گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو غفلتوں سے تائب ہوتے ہیں اور تیسرے وہ جو اپنی طاعتوں اور نیکیوں پر نگاہ رکھنے سے توبہ کرتے ہیں۔

## ورع

ورع (پرہیزگاری) ایک بلند مقام سلوک ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''تمہارے دین کا سرمایہ، ورع ہے۔'' ❶

اہل ورع کے تین طبقے ہیں ایک وہ جو شبہات سے اجتناب کرتا ہے اور یہ شبہات حلال وحرام کے واضح احکامات یا مبہم احکات سے تعلق رکھتے ہیں۔

ابن سیرین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، میرے لیے ورع سے بڑھ کر کوئی چیز آسان نہیں جب بھی مجھے کسی چیز میں شک ہو جائے اسے بلاتردد ترک کر دیتا ہوں۔

اہل ورع کا دوسرا طبقہ ہر اس شے سے اجتناب کرتا ہے جس سے ان کا قلب دوری چاہے اور جسے اختیار کرنا انہیں ناگوار ہو۔ یہ مقام صرف اہل تصدیق اور ارباب قلوب واہل دل کو حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور رسالتمآب ﷺ نے فرمایا: گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ ❷

ابو سعید خراز علیہ الرحمہ نے ورع کے بارے میں فرمایا: ورع یہ ہے کہ لوگوں پر تم سے ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہونے پائے اور یہاں تک کہ کبھی کوئی تیرے خلاف ظلم یا کسی زیادتی کی دھائی نہ دے۔

حارث محاسبی علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا ہاتھ ساری زندگی کبھی مشکوک طعام کی طرف نہیں اٹھا۔ جعفر خلدی کہتے ہیں کہ محاسبی علیہ الرحمہ مشتبہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو ان کی انگشتِ شہادت کی رگ زور زور سے پھڑکنے لگتی اور اس طرح وہ مشکوک طعام سے خبردار ہو جاتے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ بشر حافی علیہ الرحمہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں کسی دعوت پر بلایا گیا اور جب ان کے سامنے کھانا چنا گیا تو باوجود کوشش کے ان کا ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ سکا۔ انہوں نے تین بار کوشش کی مگر بے سود۔ ایک شخص نے جو اس راز سے آشنا تھا میزبان سے کہا: اس طرح کے باکمال صوفی کو حرام یا مشکوک طعام پر بلانا مناسب نہیں تھا۔ اس واقعہ کو سہل بن عبداللہ کے اسی طرح کے ایک واقعے سے بھی تقویت ملتی ہے۔

میں نے بصرہ میں احمد بن محمد بن سالم کو یہ کہتے سنا کہ سہل بن عبداللہ سے حلال کی تعریف بیان کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا: حلال کی تعریف یہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اللہ کی نافرمانی کا اندیشہ نہ ہو۔

جس چیز میں معصیت خدا کا اندیشہ ہو اس کے بارے میں فقط اشارۂ قلب ہی سے جانا جا سکتا ہے۔ اور اس کے لیے بطور دلیل میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پیش کرتا ہوں: آپ نے حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنے دل ہی سے

---

❶ امام طبرانی، بزار، اور سیوطی نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا۔ خیر دینکم الورع اس کی اسناد حسن ہے۔

❷ امام بخاری نے ادب المفرد میں، امام مسلم نے صحیح میں اور امام ترمذی نے سنن میں اسے روایت کیا۔ جبکہ امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

پوچھ لیا کرو دوسرے لوگ تو جو چاہیں گے کہیں گے۔''اور مزید فرمایا: گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔
رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ دونوں اقوال سے آپ بخوبی جان سکتے ہیں کہ جائز اور ناجائز معلوم کرنے کے لیے قلبی اشارے کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی گئی۔

اہل ورع کا تیسرا طبقہ عارفین وواجدین کا ہے ان کے ورع کی کیفیت کے بارے میں ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ورع یہ ہے کہ تو ہر اس چیز کو برا سمجھے جو تجھے اللہ سے دور کر دے۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ ورع کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: حلال یہ ہے کہ اس میں اللہ کی نافرمانی کا اندیشہ نہ ہو اور حلال خالص یہ ہے کہ اس میں اللہ کو بھلا دینے کا شائبہ تک نہ ہو۔

ورع سے متعلق ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا: تیرا قلب ایک لمحے کے لیے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ رہے یہی ورع ہے۔

الغرض تینوں طبقات اہل ورع کی ورع کو اقسام میں ظاہر کیا جائے تو پہلی ورع عام دوسری ورع خاص اور تیسری خاص الخاص ورع ہے۔

## زہد

زہد، مقاماتِ تصوف میں سے وہ مقام ہے جو احوال و مقاماتِ بلند کی اساس ہے۔ بلاشبہ اللہ کا قرب حاصل کرنے والوں، اس پر توکل کرنے والوں اور ہر حال میں راضی رہنے والوں کے لیے جادۂ الفت کا پہلا قدم ہے۔ جس نے اس مقام پر فائز ہوتے ہوئے اپنی بنیاد مضبوط نہ کی وہ بعد میں آنے والے مقامات کی طرف ترقی نہ پا سکا۔ چونکہ حب دنیا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے اور اس سے زہد اختیار کرنا ہی ہر بھلائی اور اطاعت کی بنیاد ہے کہتے ہیں کہ جو دنیوی جاہ وحشمت سے محبت کرنے والے کے نام سے مشہور ہوا تو گویا وہ ہزار برے ناموں سے موسوم ہوا اور جسے دنیا سے زہد (یعنی کنارہ کشی) اختیار کرنے والے کے نام سے پکارا جائے تو گویا اسے ہزار اچھے ناموں سے یاد کیا گیا اور زہد کا حلال سے گہرا تعلق ہے کیونکہ حلال اختیار کرتے وقت مشکوک اور حرام چیزوں سے پرہیز کرنا ہوتا ہے۔

## طبقاتِ زہاد

زہاد کے تین طبقے ہیں۔ پہلے طبقے کے زہاد کوئی دنیوی ملکیت نہیں رکھتے۔ اور جس چیز سے ان کے ہاتھ خالی ہوتے ہیں اس سے ان کے دل بھی خالی ہوتے ہیں یعنی وہ دل میں بھی کسی دنیوی ملکیت کی خواہش نہیں رکھتے۔ جیسا کہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا قول ہے: زہد ہاتھوں اور دلوں کا طمع سے پاک ہونا ہے۔ سری سقطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جن چیزوں سے ہاتھ خالی ہوں ان سے دل بھی خالی ہوں تو زہد کی دولت حاصل ہوتی ہے۔

دوسرے طبقے میں وہ زہاد شامل ہیں جنہیں زہد میں انتہائی رسوخ اور استقلال حاصل ہوتا ہے۔ رویم علیہ الرحمہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: دنیا میں جو کچھ ہے اس کی خواہش سے نفس کو روکنا صرف زہد میں راسخ و ماہر صوفیہ ہی کا حصہ ہے۔ کیونکہ خود ترکِ دنیا میں بھی زاہد کو ایک طرح کی نفسانی لذت محسوس ہوتی ہے وہ اس طرح کہ لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اسے شہرت حاصل ہوتی ہے۔ الغرض جس نے دل کی گہرائیوں سے ان تمام

لذات سے کنارہ کشی یعنی زہد اختیار کیا وہی راسخ و ماہر زہاد میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

زہاد کا تیسرا حلقہ ان صوفیہ پر مشتمل ہے جن کو اس بات کا علم اور یقین ہوتا ہے کہ اگر ساری دنیا ان کی ملکیت اور ان کے لیے حلال قرار دے دی جائے اور انہیں اس پر کسی طرح کے محاسبے کا بھی خطرہ نہ ہو اور وہ بھی جان لیں یہ کہ ایسی حالت میں اللہ کے ہاں ان کے مقام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی تب بھی وہ دنیا میں زہد ہی کو اختیار کئے رکھیں۔ گویا ان کے زہد کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جب سے دنیا کی کوئی چیز پیدا کی گئی تب سے انہوں نے اس کی طرف گناہِ التفات نہیں کی۔ اور اگر اللہ کی نظر میں اس دنیا کی وقعت پر پشہ کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس دنیا سے زہد اختیار کرنے کو ترک کر دیتے اور ایسا کرنے سے تائب ہو جاتے۔ [1]

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: زہد غفلت ہے کیونکہ یہ دنیا لاشئی ہے اور لاشئی سے کنارہ کشی یعنی زہد اختیار کرنا صوفی کی غفلت ہی ہے۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ نے فرمایا: دنیا ایک دلہن کی مانند ہے جس نے ایک بار اس کا قرب حاصل کیا پھر اس سے دور نہیں ہوا مگر زاہد کی پہچان یہ ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہوئے وہ اس عروس جہاں کے چہرے کو مسخ کرتا ہے، اس کے بال نوچتا ہے اور اس کے کپڑے پھاڑتا ہے مگر ایک کامل و راسخ زاہد کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب حقیقی جل جلالہ کی محبت میں اس قدر محو و بے خبر ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا کی آراستہ و پیراستہ صورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

مقام فقر کی اہمیت کا اندازہ اس آیت مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ [البقرہ:۲۷۳]

ترجمہ: ''(تمہارے صدقات) ان فقیروں کے لیے ہیں جو راہ خدا میں رکے ہوئے ہوں اور وہ زمین میں کاروبار کرنے کے لیے سفر نہ کر سکتے ہوں۔''

اور ارشادِ حضور رسالت مآب ﷺ ہے: بندے کے لیے فقر کے گہنے سے بڑھ کر کوئی خوبصورت گہنا نہیں۔ [2]

ابراہیم بن احمد خواص علیہ ارحمہ کا قول ہے:

فقر عزت کا لباس، انبیاء علیہم السلام کا پہناوا، صالحین کا پیراہن، متقین کا تاج، مومنین کا جمال، عارفین کا سرمایہ، مریدین کی آرزو، اطاعت گزاروں کا قلعہ، گنہگاروں کا زنداں، گناہوں کا مٹانے والا، نیکیوں کو بڑھانے والا، درجات بلند کرنے والا، منزل تک پہنچانے والا، اللہ کی خوشنودی کا باعث اور بندوں کی عزت کا باعث ہے۔

## فقراء

فقراء تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کے پاس اسبابِ دنیوی میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا وہ کسی سے ظاہراً کچھ طلب کرتے ہیں اور نہ باطناً۔ کسی سے کسی چیز کے ملنے کی توقع نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی کسی سے کچھ لینے کی لالچ رکھتے ہیں۔ یہ مقام مقربین کا ہے۔

---

[1] سنن ترمذی میں بروایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہے، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔

[2] امام طبرانی نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔

Scanned by CamScanner

فقراء کے بارے میں سہل بن عبداللہ کا قول ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں، کسی کو یہ بات کہنا جائز نہیں کہ صوفیہ فقیر ہیں بلکہ وہ تو اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر غنی ہوتے ہیں۔

ابوعبداللہ ابن جلاء علیہ الرحمہ حقیقت فقر کے بارے میں کہتے ہیں: اپنی دونوں آستینوں کو دیوار پر مار کر کہو کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔

ابوبکر زقاق علیہ الرحمہ نے ابوعلی رود باری علیہ الرحمہ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ فقراء ضرورت کے وقت بھی کسی سے کچھ لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ فقراء عطا کے بجائے عطا کرنے والے پر ہی اکتفا کئے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ابوبکر زقاق نے یہ سن کر کہا یہ تو درست ہے مگر میرا خیال ہے کہ فقراء وہ طائفہ ہے جسے کسی کے عطا کرنے سے کچھ فائدہ بھی نہیں پہنچتا وہ فقط وصل یار کے بھوکے ہوتے ہیں۔ اور فاقہ انہیں تکلیف نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ان کا مطلوب و مقصود تو صرف اللہ ہی ہوتا ہے۔

میں نے ابوبکر طوسی علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے سنا کہ ایک طویل عرصہ تک مختلف لوگوں سے یہ سوال پوچھتا رہا کہ آخر فقراء ہر شے پر کیوں فقر اختیار کرتے ہیں مگر کہیں سے کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا اور بالآخر میں نے نصر بن الحمامی علیہ الرحمہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: فقرا ہر چیز پر اس لیے فقر اختیار کرتے ہیں کہ فقر، منازلِ توحید میں سے پہلی منزل ہے اور مجھے اس جواب نے مطمئن کر دیا۔

فقراء کے دوسرے طبقے کے صوفیہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کچھ نہ رکھتے ہوئے بھی کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔ نہ وہ براہ راست مانگتے ہیں اور نہ بالواسطہ بن مانگے کوئی کچھ دے دے تو اُسے رد نہیں کرتے قبول کر لیتے ہیں۔

جنید علیہ الرحمہ نے فرمایا: سچے فقیر کی نشانی یہ ہے کہ نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے اور نہ کسی سے مقابلہ کرتا ہے اگر کوئی مقابل آ بھی جائے تو خاموش رہتے ہیں۔ سہل بن عبداللہ سے فقیر کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سچا فقیر نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے اور نہ ہی اپنے پاس کوئی چیز جمع رکھتا ہے۔

ابوعبداللہ ابن الجلاء علیہ الرحمہ کا قول ہے: تجھے حقیقی فقر تب حاصل ہو گا جب کہ تو نے فقر اپنے نفس کی خاطر اختیار نہ کیا ہو۔ اور جب بھی فقر حقیقی تجھے حاصل ہو گا تو وہ ہرگز تیرے اپنے نفس کے لیے نہ ہو گا۔ اور اس حیثیت سے کہ تو نے اپنے لیے فقر اختیار نہ کیا ہو گا تو تو فقیر یعنی محتاج ہی نہ ہو گا بلکہ درحقیقت غنی ہو گا۔ (یعنی مستغنی باللہ)

ابراہیم الخواص فرماتے ہیں: فقیر صادق کی پہچان یہ ہے کہ وہ شکایت زبان پر نہیں لاتا اور مصائب کے اثرات کو ظاہر نہیں کرتا۔ ایسے مقام پر صدیقین فائز ہوتے ہیں۔

فقراء کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہیں ہوتا اور جب کبھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے ہی ہم مسلک کسی بھائی سے مانگ لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا ہم مسلک بھائی اس کے ایسا کرنے سے خوش ہو گا۔ اور اس طبقے کے فقراء اپنے ہم مسلک بھائیوں سے کچھ طلب کرنے کا کفارہ خلوص کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔

جریری علیہ الرحمہ کے مطابق حقیقی فقیر وہ ہے جو معدوم کو طلب کر کے خود کو موجود سے محروم نہیں کرتا۔

رویم علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر دنیوی شے کے عدم کا نام فقر ہے۔ اور فقیر اُسے کہتے ہیں جو دنیوی اشیاء کو اپنے لیے نہیں

بلکہ دوسروں کے لیے حاصل کرے۔ فقر میں یہ مقام صدیقین کو حاصل ہوتا ہے۔

## مقامِ صبر

صبر مقامات سلوک میں سے وہ اہم اور اعلیٰ مقام ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے۔

الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝[الزمر:١٠]

ترجمہ: ''صابروں کو بھرپور اور بے حساب اجر دیا جائے گا۔''

جنید علیہ الرحمہ صبر کے بارے میں کہتے ہیں: تکلیف کا فقط اللہ کے لیے اس وقت تک برداشت کرنا کہ وہ ٹل جائے، صبر ہے۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ کا قول ہے: اکثر لوگ صبر کے بوجھ کو اٹھانے سے فرار اختیار کر کے دنیوی اسباب کی طلب کا سہارا لیتے ہیں اور وہ ان اسباب پر اس طرح بھروسہ کر بیٹھتے ہیں کہ گویا وہی اُن کے رب ہیں۔

## شبلی اور ایک اجنبی کا مکالمہ

کسی اجنبی شخص نے ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ سے صبر کے موضوع پر ایک گفتگو کی جو اس طرح ہے:

اجنبی: کون سا صبر، صابرین کے لیے مشکل ترین ہوتا ہے؟

شبلی: صرف اللہ کی اطاعت میں صبر اختیار کرنا مشکل ترین ہے۔

اجنبی: نہیں!

شبلی: خالصتاً اللہ کے لیے صبر اختیار کرنا۔

اجنبی: نہیں!

شبلی: تو کیا وہ صبر کہ جس میں خصوصی انعامات عطا ہوتی ہیں مگر بندہ ادب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

اجنبی: نہیں!

شبلی: (غضب ناک ہوکر) تجھ پر افسوس ہے پھر کون سا صبر ہے جو مشکل ترین ہے۔

اجنبی: مشکل ترین صبر یہ ہے کہ بندہ قربِ الٰہی پانے کے بعد بارگاہِ ایزدی سے دور کیے جانے پر صابر رہے۔

یہ سن کر ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے ایسی چیخ ماری کہ قریب تھا ان کی روح جسم سے جدا ہو جاتی۔

## اصنافِ صابرین

بصرہ میں قیام کے دوران میں نے ابن سالم علیہ الرحمہ سے صبر کرنے والوں کے بارے میں سوال کا کی تو فرمایا: صبر کرنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ متصبر جو بتکلف صبر کرتے ہیں۔ دوسرے صابر جو فی الواقع صبر اختیار کرتے ہیں۔ اور تیسرے صبار جو بہت زیادہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔

بتکلف صبر کرنے والا اللہ کے ذریعے صبر کرتا ہے۔ وہ بعض اوقات تو صبر اختیار کرتا ہے اور بعض اوقات اس سے عاجز ہوتا ہے۔ قتادہ علیہ الرحمہ نے کہا کہ جن چیزوں سے منع کیا گیا ان سے باز رہنا اور جن کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ان پر ثابت

قدم رہنا صبر ہے۔

صابر کی یہ علامت ہے کہ وہ رضائی خدا کے لیے اختیار کرتا ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی مصائب پر غم کا اظہار نہیں کرتا۔ مگر اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فریاد کرے، جیسا کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں حالتِ مرض میں ایک صوفی کی عیادت کو گیا تو گفتگو کے دوران اس نے ایک دلدوز چیخ ماری اس پر میں نے اس سے کہا کہ وہ شخص محبت میں صادق نہیں جس نے مصیبت و دکھ میں صبر نہ کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا: نہیں بلکہ یوں کہئے کہ وہ شخص سچا محب نہیں جس نے دکھ سے لذت حاصل نہ کی۔

اس ضمن میں شبلی علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ ہے کہ جب انہیں شفا خانے میں داخل کیا گیا اور اس کے بعد کچھ احباب بغرض عیادت گئے تو انہوں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کے چاہنے والے، اس پر شبلی نے جواباً ان کی طرف اینٹیں پھینکیں اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کو پکارا کہ اے محبت کے جھوٹے دعویدارو! کیا تم مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور میرے دیئے ہوئے دکھ پر صبر تک نہیں کر سکتے۔

جہاں تک صابرین میں سے صنفِ صبار کا تعلق ہے۔ تو یہ درجہ اسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ جس نے اللہ کے ذریعے، اللہ ہی کے لیے اور اللہ کو ہی اپنا جاننے پر صبر اختیار کر لیا ہو۔ صبار یعنی انتہائی درجے کا صابر وہ ہوتا ہے کہ اگر مصائب کے پہاڑ بھی اس پر ٹوٹ پڑیں تو بھی اس کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹنے نہیں پاتا۔ اور وہ ظاہری باطنی دونوں لحاظ سے غیر متزلزل رہتا ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ صبر کی وضاحت میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) آنسوؤں نے رخساروں پر جو سطریں رقم کیں وہ اس نے بھی پڑھ ڈالیں جو اچھی طرح پڑھ نہیں جانتا۔

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ وارفتۂ الفت کی الم شوق واندیشۂ فراق میں ڈھلی ہوئی صدا زبوں حالی و تنگی سے خالی نہیں ہوتی۔

(۳) محبت نے صبر کیا اور یہاں تک صبر کیا کہ خود صبر نے بھی دہائی دی اور محبت کا شیدائی پکار اٹھا کہ اے صبر! صبر کر۔

صبر کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کے سر مبارک پر دشمنانِ خدا نے آرہ چلایا تو انہوں نے ایک دلدوز آہ نکالی اور اللہ نے وحی کی وساطت سے انہیں خبر دی کہ اے زکریا! اگر تیری دوسری آہ مجھ تک پہنچی تو میں تمام زمینوں اور آسمانوں کو ایک دوسرے پر الٹا دوں گا۔ ❶

## مقامِ توکل

کیا اعلیٰ مقام ہے توکل کا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ایمان کا ذکر کیا وہاں توکل کو بھی اس کے ساتھ ہی بیان فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ [المائدہ:۲۳]

---

❶ اسرائیلیات میں سے ہے۔

ترجمہ: ''اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔''

اور فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ [ابراھیم:۱۲]

ترجمہ: ''اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

مذکورہ آیاتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے توکلِ متوکلین کو توکل مومنین سے مخصوص کیا اور پھر ایک مقام پر خاص الخاص توکل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ [الطلاق: ۳]

ترجمہ: ''اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتا جیسا کہ سید المرسلین وامام المتوکلین ﷺ سے خطاب فرمایا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى [الفرقان:۵۸]

ترجمہ: ''اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہیں مرے گا اور اسے سراہتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو اور وہی کافی ہے۔''

اور فرمایا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ [الشعرا:۲۱۸،۲۱۷]

ترجمہ: ''اور اس پر بھروسہ کرو جو عزت والا مہربانی والا ہے جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم (نماز کے لیے) کھڑے ہوتے ہو۔''

## درجاتِ توکل

توکل کے تین درجے ہیں۔ توکل عام، توکل خاص اور توکل خاص الخاص۔

پہلے درجے کی تعریف ابوتراب نخشبی علیہ الرحمہ کے الفاظ میں یوں ہے کہ توکل جسم کی عبودیت کا عادی بنانے اور قلب کو ربوبیت وکفایت پر مطمئن رکھنے کا نام ہے۔ یعنی بندے کو کچھ عطا ہو تو شکرِ خداوندی بجالائے اور اگر محروم رکھا جائے تو قضاء قادر پر صبر وشکر کے اطمینان سے بیٹھا رہے۔

## توکل عام سے متعلق اقوال صوفیہ

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ: تدبیر نفس کو ترک کرنے اور ہر طرح کے خوف وقوت سے بے نیاز رہنا ہی توکل ہے۔

ابوبکر زقاق علیہ الرحمہ: توکل یہ ہے کہ ساری زندگی کو فقط ایک دن سمجھ لیا جائے تاکہ کوئی آنے والا دن رہے اور نہ اس کا غم۔

رویم علیہ الرحمہ: توکل یہ ہے کہ اللہ کے بندے سے وعدے کا اعتبار کیا جائے۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ تمام معاملات اللہ پر چھوڑ دینا ہی توکل ہے۔

## توکل خاص اقوال صوفیہ کے آئینے میں

ابوالعباس ابن عطاء علیہ الرحمہ: جس نے اللہ پر اس کے ماسوا کے لیے توکل کیا تو اس نے اللہ پر ہرگز توکل نہ کیا۔ توکل خاص تو یہ ہے کہ وہ اللہ پر اسی کے لیے اور اسی کے ذریعے ہو۔ اور اللہ پر توکل کو صرف مقامِ توکل پانے کی خاطر ہی اختیار کیا جائے۔

ابو یعقوب نہرجوری علیہ الرحمہ: توکل، اسباب دنیا و آخرت کی لذتوں سے محرومی اور نفس کی موت کا نام ہے۔

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ: توکل کی اصل فقر و فاقہ ہے۔ متوکل کو چاہیے کہ انتہائی خواہشات اور آرزوؤں کے ایام میں بھی توکل کو ترک نہ کرے۔ اور ساری زندگی، ایک لمحے کے لیے بھی اپنے توکل کی جانب متوجہ نہ ہو۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ: توکل کی مثال اس چہرے کی مانند ہے کہ جس کے ظاہری خدوخال نہ ہوں اور توکل فقط ان لوگوں کا حصہ ہے جو اپنے نفس کو مار چکے ہوں اور عجز و انکساری کی ایسی کیفیت کے حامل ہوں کہ گویا وہ جیتے ہی اہل قبور ہیں۔

## توکل خاص الخاص اور اقوالِ صوفیہ

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ: اللہ کے لیے خود کو اس طرح وقف کر دو کہ تیرا اپنا وجود باقی نہ رہے اور فقط ذاتِ الٰہ ہی باقی رہ جائے جس کو زوال نہیں۔

بعض صوفیہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی حقیقتِ توکل کے اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ کمال میں کمال حاصل کرنا فقط ذات حق تعالیٰ کا حصہ ہے۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ: ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرنا توکل ہے۔

احمد بن ابی الحواری علیہ الرحمۃ سے ان کے شیخ نے فرمایا: اے احمد آخرت کے کئی راستے ہیں جن میں سے اکثر سے تیرے شیخ کو واقفیت ہے مگر ایک راستہ ایسا ہے کہ جس سے تیرا شیخ محروم ہے اور وہ ہے راہ توکل۔

بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ جس شخص نے توکل کا کاملاً حاصل کرنا ہوا سے چاہیے کہ ایک قبر کھود کر خود کو اس میں دفن کر دے اور دنیا و مافیہا کو بھول جائے۔ اور جہاں تک حقیقتِ توکل بکمالہ جاننے کا تعلق ہے۔ تو اسے خلق میں سے کوئی بھی نہیں پا سکا۔

## مقام رضا اور اہل رضا

مقامِ رضا کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ ؕ [البینہ:۸]

ترجمہ: ''اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔''

اور فرمایا:

وَ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ؕ [التوبۃ: ۷۲]

ترجمہ: ''اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔''

مذکورہ آیات مبارکہ میں اللہ جل جلالہٗ نے بندوں سے راضی رہنے کے ذکر کو بندوں کے اس سے راضی رہنے کے ذکر

پر اولیت دی اور اس طرح اسے اہم ٹھہرایا۔

رضا اللہ کی جانب ایک دروازہ ہے اور دنیا میں ایک جنت کے برابر ہے۔ رضا یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ہر حلم پر راضی رہے۔

## رضا اور اقوالِ صوفیہ

جنید بغدادی علیہ الرحمہ: رضا اپنے اختیار سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔

قنادعلیہ الرحمہ: اللہ تعالٰی کے فیصلے پر سکون واطمینان اختیار کرنے کو رضا کہتے ہیں۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ: اللہ کی قضا پر قلب کا مسرور ہو جانا رضا ہے۔

ابن عطا علیہ الرحمہ: رضا یہ ہے کہ بندہ قلب کو اللہ تعالٰی کے دائمی اختیار کی طرف متوجہ رکھے کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے جو کچھ نتائج اپنے بندے کے لیے منتخب فرمائے ہیں وہ اس کے لیے مفید ہیں۔ اس لیے بندے کو ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہنا چاہیے۔

ابو بکر داسطی علیہ الرحمہ: اپنی جدوجہد میں رضا کو حاکم بناؤ۔ ایسا نہ ہو کہ رضا کو خود پر مسلط کر کے اس کی لذتوں اور حقیقتوں سے محروم رہ جاؤ۔

## طبقاتِ اہلِ رضا

اہل رضا کے تین طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے کہ وہ اپنے دکھ درد کے اظہار کو یکسر ختم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دل اللہ کی طرف سے ہر دکھ، غم، آزمائش، آسائش اور منع وعطا کو خوشی سے قبول کرتے ہیں۔

اہل رضا کا دوسرا طبقہ اللہ سے راضی رہنے کے احساس کو چھوڑ کر اللہ کے اس سے راضی رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اور وہ اپنی خواہش اللہ کے اس قول کے مطابق کرتے ہیں کہ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اور چاہے تنگ دستی، خوشحالی اور منع وعطا کے حالات اس پر آ جائیں تو بھی وہ اللہ کے اس سے راضی رہنے پر اپنی رضا کو ترجیح نہیں دیتا۔

تیسرا طبقہ اہل رضا کا مذکورہ حدود سے بھی کہیں آگے بڑھا ہوا ہے۔ اس طبقے کے صوفیہ نے اللہ کی دائمی عنایت کو رضائے عبد اور رضائے الٰہی کی بنیاد ٹھہرایا۔

ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں خلق کے اعمال ہی اللہ کو راضی یا ناراض نہیں کرتے بلکہ وہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس سے ایسے کام لے لیتا ہے کہ وہ اس کی رضا کا باعث بن جاتے ہیں۔

# احوالِ صوفیہ عظام علیہم الرحمہ

## مراقبہ

حالِ مراقبہ کا ذکر ذیل کی ان آیاتِ مبارکہ میں موجود ہے۔

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ [الاحزاب:۵۲]

ترجمہ: ''اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ [ق:۱۸]

ترجمہ: ''کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ کہیں اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔''

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ [التوبہ:۷۸]

ترجمہ: ''کہ اللہ ان کے دل کی پوشیدہ بات اور سرگوشی کو جانتا ہے۔''

وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ [التغابن:۴]

ترجمہ: ''اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔''

مذکورہ بالا آیات کے علاوہ بھی کئی دیگر آیاتِ قرآنیہ میں حالِ مراقبہ کا ذکر موجود ہے۔ حضور سید الکونین ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی بندگی اس طرح بجالاؤ کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ پاتے تو یہی سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' ❶

بندہ کا مراقبہ یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین کرے کہ اس کا رب اس کے باطن کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور اس کے ان تمام خیالات و تصورات سے بھی بخوبی آگاہ ہے جو اسے اپنے مالکِ حقیقی کی یاد سے دور رکھتے ہیں۔

ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اللہ سے دلوں کا حال کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے جب کہ دلوں میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ ہی کی جانب سے دلنشین کیا ہوا ہوتا ہے۔

جنید علیہ الرحمہ کا قول ہے: مجھ سے ابراہیم اجری علیہ الرحمہ نے کہا: اے لڑکے! اگر تو اپنے ارادے سے ذرا برابر بھی اللہ کی طرف لوٹا دے تو یہ سارے عالم سے بہتر ہے۔

حسن بن علی دامغانی علیہ الرحمہ کہتے ہیں اپنے باطن کی حفاظت کر کیونکہ تمہارے باطن کے معاملات سے اللہ تعالیٰ اچھی طرح باخبر ہے۔

### اہلِ مراقبہ کے طبقات

اہلِ مراقبہ کے تین طبقے ہیں۔

---

❶ اس کی تخریج گزر چکی۔

پہلے طبقے کے لوگ جس طرح کے حال مراقبہ پر فائز ہوتے ہیں اس کا حال گزشتہ سطور میں حسن بن علی وامغانی کے قول میں بیان ہو چکا ہے۔

دوسرا گروہ اہل مراقبہ کا وہ ہے جس کے بارے میں احمد بن عطا علیہ الرحمہ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جس نے ماسوی اللہ کو فنا کر کے حق کو حق پر مراقب (نگہبان) ٹھہرایا اور اپنے اخلاق واعمال اور آداب میں جناب ختم الرسل علیہ التحیۃ والسلام کی اتباع کی۔

تیسرے طبقے میں اکابر صوفیہ شامل ہوتے ہیں جو اللہ ہی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں اور اس عمل میں اللہ سے مدد مطلب کرتے ہیں۔ اور اللہ نے اس طرح کے اپنے مخصوص بندوں کو اس کرم سے نوازا ہے کہ تمام حالات میں وہ انہیں ان کے نفوس کے حوالے کرے گا اور نہ ہی انہیں کسی اور کا محتاج فرمائے گا۔ اور وہی ان کے تمام معاملات کی نگہبانی کرتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ [الاعراف:۱۹۶]

ترجمہ: ''اور وہ نیکیوں کو دوست رکھتا ہے۔''

ابن عطا علیہ الرحمہ نے خراسان کے کسی دانشور سے جو کہ جہالت کا شیدائی اور تقشف کو اپنائے ہوئے تھا یہ کہا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو کچھ تو نے اپنے تن من پر مسلط کر رکھا ہے وہ تیرے پہلو میں ایک میل ہے جو برابر تیرے دل پر چڑھتا چلا جا رہا ہے اور تو اپنے باطن میں اس میل کی نگہبانی کر رہا ہے۔ تجھے تو چاہیے کہ اپنے ظاہر و باطن پر اپنے رب کو نگہبان بنائے کیونکہ اعمال وعبادات انجام دے کر انہیں اپنے ظاہر و باطن میں جگہ دے کر ان کی نگہبانی سے تو کہیں بہتر ہے کہ تو اپنے محبوبِ حقیقی جل جلالہٗ کو اپنے دل میں بسا کر اسی کا مراقبہ کرتا رہے۔

## حالِ قرب

حالِ قرب کا ذکر مختلف آیاتِ قرآنی میں اس طرح ہوا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ [البقرہ:۱۸۶]

ترجمہ: ''اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔''

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ [ق:۱۶]

ترجمہ: ''اور ہم شہ رگ سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔''

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ [الواقعہ:۸۵]

ترجمہ: ''اور ہم اس کے زیادہ پاس تم سے مگر تمہیں نگاہ نہیں۔''

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ [بنی اسرائیل:۵۸]

ترجمہ: ''وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہیں۔''

آخر الذکر آیت مبارکہ میں وسیلہ سے مراد قرب ہے۔ اور اس سے ماقبل کی آیت میں اللہ نے اپنے سے بندوں کے

قرب ہونے کا ذکر کیا۔ اور پھر بندوں کے اس سے قریب ہونے کو وسیلے کے معنیٰ میں بیان فرمایا:

مشاہدہ کرنے والے بندے کے حالِ قرب کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ سے اس کا قلب قریب ہوتا ہے۔ اور یہ قرب اسے اطاعتِ خداوندی اور ظاہراً و باطناً بارگاہ رب العزت میں ہمہ وقت اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ارادے سے پیش کرنے کے باعث حاصل ہوتا ہے۔

## درجاتِ قرب

قرب کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ طرح طرح کی اطاعتیں کر کے اور یہ جانتے ہوئے کہ اللہ اس سے بہت قریب اور اس پر قادر ہے، قربِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔

متقربین میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں مذکورہ حالت پر استقامت حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ عامر بن عبداللہ فرماتے ہیں: میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی کہ جس سے اپنے بجائے اللہ کو قریب تر نہ دیکھا ہو۔ ملاحظہ ہوں اسی ضمن میں چند اشعار۔

**ترجمہ اشعار:**

① مین نے تجھ کو اپنے نہاں خانۂ دل میں پایا تو میری زبان نے تجھ سے سرگوشیاں کیں۔ گویا ہم کچھ اوصاف میں اکٹھے ہو گئے اور کچھ میں جدا۔

② اگرچہ تیری عظمتِ شان نے تجھ کو میری نظروں سے اوجھل رکھا تاہم وجد نے تجھے میری آنتوں یعنی باطن کے قریب کر دیا۔

قرب کے دوسرے درجے کے بارے میں جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: واضح رہے کہ اللہ اپنے بندوں کے قلوب سے اسی قدر قریب ہوتا چلا جاتا ہے کہ جس قدر ان کے قلوب اس سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ لہٰذا تو اس جانب دھیان کر کہ تیرے قلب کے قریب کیا ہے؟

ایک صوفی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں کہ وہ ان سے اسی قدر قریب ہوتا ہے جتنا کہ وہ اس سے قریب ہوتے ہیں۔

قرب کے تیسرے درجے میں اکابر صوفیہ شامل ہوتے ہیں۔ اور اس کی وضاحت ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے ایک ملاقاتی سے بیان فرمایا: ملاقاتی سے آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا بغداد سے۔ آپ نے کہا: بغداد میں کس کی صحبت میں رہے ہو۔ وہ بولا: ابوحمزہ کی صحبت میں، آپ نے اس سے فرمایا جب تو بغداد جائے تو ابوحمزہ سے کہنا کہ جسے ہم قرب القرب سمجھتے رہے ہیں وہ دراصل بعد البعد ہے۔

اسی مفہوم کو ابو یعقوب السوسی علیہ الرحمہ یوں بیان کرتے ہیں: جب تک بندے کو قرب کا احساس رہتا ہے قرب باقی نہیں رہتا۔ اور جب وہ قرب کی کیفیت پر فائز ہوتے ہوئے خود کو قرب سے منفی کر دیتا ہے تب اسے قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ سے قریب ہو جاتا ہے۔

## محبت

محبت احوال صوفیہ میں سے محبت ایک اہم حال ہے۔جس کا ذکرمختلف آیات مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

## قول عزوجل:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ [المائدة:٥٤]

ترجمہ: ''توعنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے۔''

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[آل عمران:٣١]

ترجمہ: ''اے محبوب تم فرما دو لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔''

اور فرمایا:

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ [البقرہ:١٦٥]

ترجمہ: ''وہ ان (معبودوں) کو اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں۔اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی سے محبت نہیں۔''

پہلی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں سے اپنی محبت کا ذکر بندوں کی اس سے محبت کے ذکر سے پہلے فرمایا۔

دوسری آیت کریمہ میں بندوں کی اِس سے محبت اور اس کی بندوں سے محبت بیان کی گئی ہے۔

تیسری آیت مبارکہ میں بندوں کی اس سے محبت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

جو بندہ حال محبت پر فائز ہوتا ہے وہ اللہ کے عطا کردہ انعامات کا اپنی چشم بصیرت سے ادراک کرتا ہے۔قرب معبود کو ہمہ وقت قلب میں موجود پاتا ہے اور قلب میں اس کی عنایت، حفاظت، ہدایت اور قدیمی محبت کو محسوس کرتا ہے۔جس بندے کو اس طرح کی کیفیات حاصل ہوں بلاشبہ اس نے کماحقہٗ اللہ جل جلالہٗ سے محبت کی۔

اہل محبت کے احوال تین قسم کے ہیں۔ پہلا حال محبتِ عام کا ہے جو اللہ کے احسان اور مہربانی کے نتیجے میں رونما ہوتا ہے۔سیدالرسل ﷺ نے فرمایا:

دل کی یہ جبلت ہے کہ جس نے اس کو راضی رکھا اس سے محبت کی اور جس نے ناراض کیا اس سے نفرت کی۔

مذکورہ حالِ محبت کی شرط حضرت سمنون علیہ الرحمہ نے یوں بیان کی کہ دائمی ذکرِ محبوب ہی سے محبتِ خالص حاصل ہوتی ہے کیونکہ جس نے واقعی محبت کی اس نے ذکرِ حبیب کی کثرت کی۔

سہل بن عبداللہ محبت کے بارے میں کہتے ہیں۔محبت، اللہ کی جانب سے ہر چیز پر راضی رہنے، کیفیت کو ہمیشہ کے لیے اختیار کرنے، اتباع رسول اور اللہ کے حضور مناجات وفریاد کی شیرینی وحلاوت کے باوصف ذکر خداوندی میں دوام پیدا کرنے کا نام ہے۔

سیدالشہداء حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے محبت کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: بندہ اس کی محبت میں اپنی ہی

پوری کوشش کرے پھر جو حبیب کی منشا ہو وہ کرے، یہی محبت ہے۔ کسی نامعلوم صوفی کا قول ہے کہ ثنائے محبوب سے والہانہ شوق، اس کی اطاعت اور ہر حال میں اس کے حضور سر تسلیم خم کرنے کو محبت کہتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ؎

**ترجمہ شعر:**

ترجمہ: اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی اطاعت اختیار کرتا، کیونکہ جو محبت کرتا ہے وہ اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔

محبت کا دوسرا حال اللہ جل جلالہٗ کی شانِ بے نیازی، رعبِ جلال وعظمت، علم اور قدرت پر چشم دل کو وا کرنے سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ محبت کی یہی مذکورہ کیفیت فقط صادقین (سچے چاہنے والوں) اور محققین کو نصیب ہوتی ہے۔ اس حالِ محبت کی توضیح میں جناب ابوالحسین نوری فرماتے ہیں: محبت کیا ہے؟ حجابات کا اٹھنا اور رازہائے سربستہ کا ظاہر ہونا۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ یوں گویا ہیں کہ محبت اپنے جمیع ارادوں کی نیستی اور تمام صفات و حاجات کو جلا کر راکھ کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔

ابوسعید خراز محبت کی سرمدیِ لذتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں سعادت وخوش بختی ہے اس بندے کے لیے جس نے اس پیکرِ حسن لم یزل کی محبت کا جام نوش کیا۔ اور اس طرح ربِ جلیل کے حضور مناجات اور اس کے قرب و محبت کی نعمتوں سے شادکام ہوا کہ قلب محبت کی لازوال دولت سے مالا مال ہو گیا اور اشتیاق و الفت کے سرمدی کیفیت سے سرشار ہو کر جھوم اٹھا۔ اللہ اللہ! کیا خوب عاشق ہے ایسا بندہ کہ جو حبِ حبیب میں ہر دم محو اس کا جویاں اور اس کے سوا بے قرار و بے چین ہے۔

محبت کی تیسری کیفیت (حال) ان صدیقین و عارفین سے متعلق ہے جو اللہ کی اپنے بندوں سے الفتِ قدیم و بے علت کو جانتے اور محسوس کرتے ہیں۔ اور اسی طرح پاکیزہ و بے داغ محبت کا رشتہ ان کے اور محبوب حقیقی کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ محبت کی اسی قسم کے بارے میں ذوالنون مصری علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: خالص بے داغ محبت وہ ہے جس میں قلب اور دیگر جوارح سے محبت اس طرح ساقط ہو جائے کہ تمام اشیاء اور بندے کا وجود بھی صرف اللہ کے لیے ہی وقف ہو کر رہ جائے۔ گویا خود محبت کو اپنے دل میں محسوس کرنا بھی ماسوائے اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے جو اونچے درجے کے صوفیہ کا خاصا نہیں۔)

ابو یعقوب السوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ محب اپنی محبت میں اس وقت تک سچا نہیں ہو سکتا جب تک وہ احساس محبتِ سے احساس محبوب تک نہ پہنچ جائے۔ اور اس کو اپنی محبت تک کا علم بھی نہ رہے۔ جب محب، محبت محبوب میں یہاں تک رسائی حاصل کر لے تو سمجھ لو کہ اس کی محبت مکمل اور بے کدورت ہے اور وہ محبت ہے بغیر محبت کے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا کہنا ہے: محبت، صفات محب کا صفاتِ محبوب سے بدل جانے کو کہتے ہیں۔ شیخ مذکور کی یہ وضاحت دراصل اللہ کے اس قول سے مستفاد ہے جس میں فرمایا گیا کہ ایک مقام ایسا بھی ہے جس میں اللہ فرماتا ہے کہ میں ہی بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ ❶

---

❶ حدیث قدسی ہے۔ صحیح بخاری میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

## خوف

ہم نے حالِ قرب کے بیان کے بعد حالِ محبت وخوف کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ قرب دو حالتوں کا تقاضا کرتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ صوفیہ کے قلوب پر احساسِ قرب کے دوران خوف طاری ہوتا ہے یا محبت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ وہ تقسیم ہے جس کے تحت اللہ نے ہر دل کو تصدیقِ حقیقت یقین اور خشیت کی دولت عطا فرمائی ہے۔ اور اس کا تعلق کشفِ غیوب سے ہے۔

اگر بندے کے قلب نے قربِ محبوب کے دوران اس کی عظمت، ہیبت اور قدرت کا مشاہدہ کیا تو وہ خوف وحیا کی جانب بڑھے گا اور اگر اس کے قلب نے قرب کے دوران شفقت ومحبت اور مہر واحسان کا مشاہدہ کیا تو وہ محبت، شوق، قلق، سوز وں، اللہ کے قدیمی لطف واحسان اور ایک دائمی تنگی کی کیفیت سے دوچار ہوگا۔ اور یہ سب کچھ صرف اللہ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے اور یہی خدائے علیم وعزیز کا وہ مقررہ اندازہ ہے جس کا تعین اس نے خود فرمایا ہے۔

## اقسامِ خوف

خوف کی تین قسمیں ہیں۔

مخصوص بندوں کا خوف، متوسط بندوں کا خوف اور عام بندوں کا خوف،

مذکورہ تینوں اقسامِ خوف کا ذکر مختلف آیات مبارکہ میں بالترتیب یوں کیا گیا ہے:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ [آل عمران:١٧٥]

ترجمہ: ''تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔''

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ [الرحمن:٤٦]

ترجمہ: ''اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔''

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ [النور:٣٧]

ترجمہ: ''ڈرتے ہیں اس دن سے جس دن الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔''

عام بندے اللہ کے غضب وعذاب سے ڈرتے ہیں اور سطوتِ معبود سے مطلع ہونے کے سبب ان پر خوفِ خدا طاری ہو جاتا ہے۔

درمیانے درجے کے بندوں کا خوف اللہ سے دوری اور معرفتِ خالص کے مکدر ہونے کے خدشے سے پیدا ہوتا ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ خوف کے بارے میں فرماتے ہیں: خوف کا مطلب اللہ سے اس خدشے کے تحت ڈرتے رہنا ہے کہ کہیں وہ بندے کو اپنے سے دور نہ کردے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں نے ایک عارف سے خوف کی تعریف پوچھی تو فرمایا: میں تو خود اس تلاش میں ہوں کہ کوئی مجھے خوف کی تعریف سے آگاہ کرے۔ پھر مزید فرمایا کہ اکثر خوف کرنے والے اس بات سے اللہ کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں وہ اپنے نفس پر شفقت نہ کر بیٹھیں اور اس بات سے بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ کوئی ایسا عمل نہ کر بیٹھیں جو انہیں حکم خداوندی سے دور لے جائے۔

ابن خبیق علیہ الرحمہ نے کہا:

''میرے نزدیک خوف خدا رکھنے والے وہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ خوف وامن کی حالت میں رہے جیسا کہ ایک وقت میں مخلوق اللہ کا خوف رکھتی ہے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اللہ اسے مطمئن اور مامون فرما دیتا ہے۔''

قنادعلیہ الرحمہ کا قول ہے:

''علامتِ خوف یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو کسی نیک کام کے زمانہِ حال میں کرنے کے بجائے مستقبل قریب میں انجام دینے کی بیماری نہ لگائے۔''

بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ ہیجانِ قلوب اور تربیت سے خوف رکھنا ہی علامت خوف ہے۔ ابن خبیق علیہ الرحمہ نے کہا: میرے نزدیک خائف وہ ہے جو شیطان سے اس قدر خوف نہ رکھے جس قدر کہ خود اپنے نفس سے ڈرے۔

خوف خدا رکھنے والوں میں جو لوگ طبقۂ خواص سے تعلق رکھتے ہیں ان کے خوف کی کیفیت سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں:

''اللہ کا خوف رکھنے والے بندوں کے خوف میں سے ایک ذرہ بھی سارے عالم کے لوگوں تقسیم کردیا جائے تو یہ ان کی نجات کا سامان ہو جائے۔ ان سے اس بارے میں جب سوال کیا گیا کہ اس درجہ کا خوف رکھنے والوں کے پاس کس قدر خوفِ خدا ہوتا ہے تو فرمایا: پہاڑ برابر۔''

ابن جلاء علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''خوف خدا رکھنے والا اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ خوف کے اعلیٰ درجے پر فائز بندے فراقِ محبوب سے لرزاں رہتے ہیں جب کہ نچلے درجے والے پر خوفِ عذاب طاری ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ درجے کا خوف پانا تو بہت دور کی منزل ہے۔ کیونکہ جب تک نفس میں کسی طرح کی بھی رعونتیں باقی رہیں خوف کا یہ مقام حاصل ہونا ممکن نہیں۔

نفس کی رعونتوں سے مراد نفس کی تدبیریں، دعوی کرنا اور اپنی عبادت گزاریوں پر نظر رکھنا ہے۔''

## رجاء

جن آیات قرآنی میں رجاء (امید) کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ [الاحزاب:۲۱]

ترجمہ: ''بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو۔''

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ [اسرائیل:۵۷]

ترجمہ: ''اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔''

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا [الکہف:۱۱۰]

ترجمہ: ''تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ی ہواسے چاہیے کہ نیک کام کرے۔''
رجاء (امید) کی تفسیر میں کہا گیا کہ اللہ کی جانب سے اچھا بدلہ پانے کی توقع کرنا ہی احوال تصوف میں وہ حال ہے جسے رجاء (امید) کہا جاتا ہے۔
حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: اگر مومن کے خوف اور رجاء (امید) کا وزن کیا جائے تو برابر نکلیں گے۔ ❶
بعض صوفیہ کا قول ہے کہ خوف ورجاء عمل کے دو پَر ہیں جن کے بغیر وہ فضائے قبولیت کی جانب پرواز نہیں کرسکتا۔
''ابوبکر وراق علیہ الرحمہ نے فرمایا: اللہ کی جانب سے رجاء (امید) ہی اس کا خوف رکھنے والوں کے لیے وہ فرحت بخش نعمت ہے کہ جو حاصل نہ ہو تو دل سکڑ جائیں اور عقلیں جاتی رہیں۔''

## اقسامِ رجاء

رجاء (امید) کی تین اقسام ہیں۔
اللہ سے فقط اسی کی امید رکھنا، وسعتِ رحمت کی امید اور ثواب پانے کی امید۔
حصول ثواب و وسعت رحمت کی امید یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے انعامات کا ذکر سنے اور ان کے عطا ہونے کی امید رکھے۔ اور جب اس کو اپنے رب کے کرم وجود اور بخشش وعطا کا علم ہو جائے تو اس کا دل اپنے معبود کے فضل وکرم کا امیدوار ہو جائے۔ جیسا کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی دعا میں اللہ کے حضور عرض کیا کرتے تھے:

اللهم ان سعة رحمتك أرجالنا من اعمالنا عندنا و اعتقادنا على عفوك أرجاء عندنا من عقابك.

''اے ہمارے رب ہمارے لیے اپنے اعمال سے بڑھ کر تیری وسعت رحمت امید افزا ہے۔ اور ہم تیرے عذاب سے بڑھ کر تیری عفو ودرگزر کے امیدوار ہیں۔''

اسی طرح کسی نے یوں کہا: اے میرے رب! جس نے تیری ذات ہی کو اپنے ارادوں کا محور بنایا اور مصائب کی گھڑیوں میں تجھے پکارا بے شک تو نے اس پر اپنے لطف وکرم کے خزانے کھول دیئے۔
اے آرزو بھرے دلوں کی منزل! ہمیں ایسی آسائش سے نواز جو ہمیں بار بار تیری رضا کے چشموں سے سیراب کرے اور تیری قربت سے قریب کردے۔
اللہ سے واقعتاً امید رکھنے والا دراصل اس کی ذات سے امید رکھنے میں اس قدر ثابت قدم ہوتا ہے کہ سوائے اس کے کسی اور کی تمنا ہی نہیں کرتا۔ گویا وہ اللہ سے اللہ کے قرب ہی کا تمنائی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے امید کے بارے میں کہا: اللہ سے امید رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ تیرے نہاں خانہ دل میں اسی کی آرزو کا گزر رہے۔
ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں ایک وادی میں گھوم رہا تھا کہ ایک عورت سے ملاقات ہوگئی۔ وہ کہنے لگی: آپ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا: مسافر۔ کہنے لگی: کیا قربت محبوب میں بھی مسافر کے غم موجود ہوتے ہیں؟

---

یہ حدیث نہیں ہے بلکہ اسلاف میں سے کسی بزرگ کا کلام ہے، امام سیوطی نے اس قول کے بارے میں کہا کہ حضرت عبداللہ بن احمد نے زوائد الزھد میں ثابت بنانی کا یہ قول ذکر کیا ہے۔

## مفہومِ خوف وامید (رجاء)

اجل صوفیۂ کرام واہل تصوف نے خوف ورجاء کے اصل مفہوم سے متعلق اپنی اپنی آراء دی ہیں۔ جن میں سے احمد بن عطا علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ یوں تو لوگ خوف ورجاء کو جانتے ہیں مگر اُن کی حقیقت تک پہنچنے کا طریق صرف یہی ہے کہ ان دونوں کے حصول کے راستے کو طے کیا جائے اور ان دونوں کے حاصل کرنے ہی کو اپنا مقصود نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان کے ذریعے ذات باری تعالیٰ سے صرف اسی کی ذات کے لیے خوف کیا جائے اور اسی سے اسی کی تمنا کی جائے۔

اس بارے میں مزید کہا گیا کہ خوف وامید دونوں اس وقت تک نفس کے تابع رہتی ہیں جب تک دل سے غیر پر بھروسہ آرزوئے امن اور یاس وحرمان کے جذبات خارج ہو کر صرف اور صرف للہ فی اللہ خوف ورجاء باقی نہ رہ جائیں۔

ابو بکر الواسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: کہ خوف کے ساتھ کئی تاریکیاں بھی ہیں جن میں خوف کرنے والا ہمیشہ حیران و پریشان رہتا ہے تا آنکہ رجاء (امید) اپنی روشنیاں لے کر آتی ہے تو سارے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور بندہ مقاماتِ راحت تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسے میں قوتِ ارادہ اس پر غالب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ دن کا حسن ظلمتِ شب سے ہے۔

خوف ورجاء میں صلاح کائنات موجود ہے۔ جب دل خوف کے اندھیروں میں محصور ہو اور رجاء کے راستوں پر چل نکلے تو وہ امیر ہوتا ہے۔

الغرض محبت، خوف اور رجاء (امید) تینوں احوال باہم دگر مربوط ہیں۔

کسی نامعلوم صوفی کا قول ہے کہ جس محبت میں خوف شامل نہ ہو یا جس خوف میں امید کا عنصر نہ ہو وہ آفت زدہ ہے۔ اور اسی طرح جس امید میں خوف نہ ہو وہ بھی آفت زدہ ہے۔

## جذب وشوق

سید الرسل ﷺ کا ارشاد ہے:

''لوگ جنت کے مشتاق ہوتے ہیں۔ رب کعبہ کی قسم! کہ جنت ایک ہوائے عطر بیز ہے جو مسرت بخشتی ہے، ایک نہر ہے جو رواں ہے اور ایک بیوی ہے جو حسین ہے۔''

حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام اپنی دعا میں فرماتے تھے:

اسئلك لذة النظر الى وجهك والشوق الى لقآئك. [1]

ترجمہ: ''اے میرے رب میں تجھ سے لذت دیدار اور شوق بقا کا طالب ہوں۔''

یہاں لذت دیدار سے مراد آخرت میں دیدار الٰہی ہے جب کہ شوق بقا کا مفہوم اس دنیا میں اس کے وصال کا شوق رکھنا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کو جنت کا اشتیاق ہو اس نے نیکیوں میں جلدی کی۔ [2]

مزید فرمایا کہ جنت علی، عمار اور سلمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مشتاق ہے۔ [3]

---

[1] امام نسائی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا۔

[2] صحیح ابن حبان میں بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہے۔

[3] امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک سے اُسے ''سنن'' میں روایت کیا۔ اس کی سند صحیح ہے۔

کسی بندے کا شوق سے سرشار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لقائے محبوب میں اپنے وجود سے بھی بے پرواہ ہو جائے۔
کسی نامعلوم صوفی نے شوق کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا: دل کا وارفتۂ ذکر یار ہو جانا ہی شوق ہے۔ کسی اور کا کہنا ہے کہ شوق وہ آگ ہے جو اللہ نے اپنے عشاق کے دلوں میں لگا رکھی ہے تاکہ ماسوا اللہ تمام خواہشات وخیالات اور جملہ ارادوں کو بھسم کر دے۔
ابومحمد جریری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اگر شوق میں فائدہ نہ ہوتا تو اس کی صعوبتوں کو کوئی نہ اٹھاتا۔
ابوسعید خراز علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اہلِ شوق کے دل میں اس کی محبت میں وارفتہ اور بے قرار ہوتے ہیں۔ اور کیا ہی عجب کیفیت ہوتی ہے ان بے قراروں کی جن کو اس کے بغیر چین نہیں۔ سوائے اس کے ان کا کوئی ٹھکانہ ہوتا ہے اور نہ کسی سے وہ مانوس ہوتے ہیں۔

## مقاماتِ اہلِ شوق

اہل شوق، شوق کے تین مقامات میں سے کسی ایک پر فائز ہوتے ہیں۔ پہلا مقام یہ ہے کہ اس میں اہلِ شوق اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقربین کو دیئے جانے والے انعامات واکرامات ثواب فضل اور رضاء کے طالب ومشتاق ہوتے ہیں۔
دوسرے مقام میں بندہ شوق لقاء محبوب میں خود فراموشی کی حد تک صرف وصلِ یار کا طالب ہوتا ہے۔
تیسرے مقام پر وہ اہلِ شوق فائز ہوتے ہیں جو قرب کا اس طرح مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں کہ گویا وہ ان کے سامنے ہے غائب نہیں وہ اس کیفیت میں وہ اس کے ذکر سے دل کو فرحاں وشاداں پاتے ہیں۔
مقامِ مذکور کے اہل شوق کہتے ہیں کہ شوق تو غائب کے لیے ہوتا ہے جب کہ اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس حاضر ہے غائب نہیں۔ تو ایسے میں احساس شوق نہیں رہتا۔ گویا ایسے لوگ مشتاق ہیں بلاشوق احساسِ شوق کا کھو دینا ہی انہیں دوسرے اہل شوق سے ممتاز کرتا ہے۔

## اُنس

اللہ سے انس رکھنے کا مفہوم اس پر اعتماد کرنا، اس سے خوش ہونا اور اس سے اعانت طلب کرنا ہے۔ اس کے علاوہ انس کی مزید کوئی تشریح نہیں کی جا سکتی۔
ایک خبر میں ہے کہ مطرف بن عبداللہ بن شخیر رحمۃ اللہ علیہ (یہ کبار تابعین میں سے تھے) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو لکھا: تجھے فقط اللہ ہی کے ساتھ انس رکھنا چاہیے۔ اور اسی کی صحبت میں رہنا چاہیے۔ کیونکہ جو اللہ کے بندے ہیں وہ اللہ ہی کے ساتھ انس رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنی خلوت میں جلوت سے بڑھ کر اللہ سے انس رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ بہت زیادہ نفرت کرنے والے ہوں وہ انتہائی انس رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ انتہائی انس رکھنے والے ہوتے ہیں وہ بہت زیادہ نفرت کرنے والے ہوتے ہیں۔
کسی نامعلوم عارف علیہ الرحمہ نے انس کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اس نے حقیقی انس کے مقام پر فائز کرنا چاہا تو انہیں اپنے ماسوا کے خوف سے باز رکھا۔
اللہ کے ساتھ انس رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی طہارت مکمل ہو اور اللہ کا ذکر خالص طور پر کرتا ہو وہ ہر اس شے

سے نفرت کرتا ہو جو اسے محبوب سے غافل کرے اور اس کے نتیجے میں اللہ اس سے انس رکھتا ہو۔

## احوالِ اہلِ انس

اہلِ انس کے تین احوال ہیں۔

پہلا یہ کہ بندہ صرف ذکرِ حبیب میں محورر ہے اور محبوب سے غافل کر دینے والی ہر چیز سے نفرت کرے، اطاعت کو عزیز جانے اور گناہ سے اجتناب کرے۔ جیسا کہ سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ نے کہا بندے کے اللہ سے انس رکھنے کی پہلی منزل یہ ہے کہ اس کے جوارح اور نفس، عقل سے مانوس ہو جائیں۔ اسی طرح عقل، نفس علم شریعت سے مانوس ہو جائے، پھر مجموعی طور پر عقل، نفس اور جوارح خالصتاً اللہ کے لیے عمل صالح کرنے سے مانوس ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ پوری طرح اپنے رب سے مانوس ہو کر اسی سے خوشی پاتا ہے۔

انس کا دوسرا حال یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے انس رکھے اور اس کے علاوہ جملہ خیالات و اسباب سے دوری اختیار کرے۔ جیسا کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے کہا گیا کہ اللہ سے انس رکھنے کی علامت کیا ہے؟ تو فرمایا: جب تو یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی مخلوقات سے مانوس کر رکھا ہے تو سمجھ لے کہ وہ تجھے اپنی ذات سے دور کر رہا ہے۔ اور جب تجھے یہ محسوس ہو کہ وہ تجھے اپنی خلقت سے دور کر رہا ہے تو یقین کرے کہ وہ اپنی ذات سے تجھے انس رکھنے کی توفیق بخش رہا ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے انس باللہ سے متعلق کہا: اللہ کا خوف رکھتے ہوئے، بندے کا اپنی حشمت و عزت کو خود سے منفی کر دینا انس ہے۔

انس کا تیسرا حال یہ ہے کہ اللہ کے قرب، تعظیم اور ہیبت کی وجہ سے احساس انس کا کھو دینا ہی انس ہے۔ جیسا کہ کسی عارف کا قول ہے: بلاشبہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں۔ جنہیں اس نے اپنی ہیبت میں لے رکھا ہے۔ اور اسی ہیبت نے انہیں ماسوا اللہ سے انس رکھنے سے باز رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں کسی نے لکھ بھیجا کہ ''اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب سے نامانوس فرمائے۔'' آپ نے جواباً لکھا: اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب سے نامانوس فرمائے کیونکہ جب اس نے تجھے اپنے قرب سے مانوس کیا تو یہ تیرا ارادہ تیری چاہت تھی اور جب اس نے تجھے اپنے قرب سے نامانوس کیا تو یہ اس کی مشیت تھی نامانوس کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ بندے کو اپنے قرب سے ہیبت زدہ فرمادے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ انس یہ ہے کہ تو اپنی ذات اور سارے جہاں سے مانوس ہو جائے۔

## اطمینان

ارشاد بار تعالیٰ ہے:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ [الفجر:۲۷]

ترجمہ: ''اے اطمینان والی جان!''

مذکورہ آیاتِ مبارکہ میں مطمئنۃ سے مراد مطمئنۃ بالایمان یعنی ایمان کے ساتھ مطمئن رہنے والی جان ہے۔

اور فرمایا:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ [الرعد:۲۸]

ترجمہ: ''وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔''

اور قصہ ابراہیم علیہ السلام میں ارشادفرمایا:

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِىْ [البقر:۲۶۰]

ترجمہ: ''مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کوقرار آ جائے۔''

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جب قلبِ مومن کو اللہ دولتِ سکون سے نواز دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ قرار پکڑ لیتا ہے تو قلبِ مومن قوی ہوجاتا ہے اور جملہ اشیاء اس سے مانوس ہوجاتی ہیں۔

حسن بن علی دامغانی علیہ الرحمہ قولِ خداوندی: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پہلے قلوب، بالترتیب معرفتِ جلال کبریاء سے نرم، معرفتِ رحمتِ رحیم سے خوش، معرفت حفاظت و کفایت خداوندی سے پرسکون اور معرفتِ لطف وکرم کریم سے مانوس ہوتے ہیں، تب کہیں حجاب اٹھتے ہیں۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ سے ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ کے اس قول کہ ''جب قلب اپنی قوت اکٹھی کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے'' کی تشریح کے لیے عرض کیا گیا تو فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ قلب تب اطمینان حاصل کرتا ہے جب اسے قوت بخشنے والے کی معرفت حاصل ہوجائے۔

حال اطمینان پر صرف وہ بندہ فائز ہوتا ہے جس کی عقل رسا، ایمان وقوی، علم راسخ اور ذکر خالص ہونے کے ساتھ اسے اپنی حقیقت سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

## اقسامِ اطمینان

اطمینان کی تین اقسام ہیں۔

پہلی قسم کا اطمینان اُن عام لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو صرف اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوجاتے ہیں اللہ کی بارگاہ میں ان کی وسعت رزق اور دیگر آفتوں کے ٹل جانے کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔جیسا کہ قولِ خداوندی ہے:

النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ [الفجر:۲۷]

یہاں مطمئنہ سے مراد مطمئنہ بالایمان (ایمان کی دولت پاکر مطمئن) ہے۔یعنی اللہ کے سوا کوئی دافع ومانع نہیں۔

اطمینان کی دوسری قسم وہ ہے جو خواص کو حاصل ہوتا ہے۔کیونکہ یہ لوگ اللہ کے فیصلوں پر راضی، اس کی طرف سے آنے والی ہر مصیبت پر صابر، مخلص، متقی، پرسکون اور مطمئن ہوتے ہیں۔جیسا کہ قرآن کریم گویا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ [النحل:۱۲۸]

ترجمہ: ''بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔''

اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [البقرہ:۱۵۳]

ترجمہ: ''بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔''

الغرض مذکورہ درجے پر فائز صوفیہ اللہ کے قول ''مع الصابرین'' کے ذریعے مطمئن ہو گئے گویا ان کی طمانیت اور احساس اطاعت لازم وملزوم ہیں۔

اطمینان کی تیسری قسم ہو ہے جس سے خاص الخاص بندگانِ خدا بہرور ہوتے ہیں۔ انہیں علم ہوتا ہے کہ ان کے باطن اللہ سے اس کی ہیبت و تعظیم کے طاری ہونے کے سبب مطمئن نہیں ہو سکتے۔ اور بلاشبہ اللہ کی کوئی انتہا نہیں کہ اسے پایا جا سکے اس کی مثال محال ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہمسر ہو سکے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جس کا دل اس طرح کی دولت سے مالا مال ہو اسے کسی اور چیز سے کیا اطمینان و سکون مل سکتا ہے۔ اور جو شخص اس طرح کی مزید دولت پانے کا تشنہ رہا وہ ایسے سمندر میں غوطہ زن ہوا جس کی کوئی اتھاہ نہیں۔

## مشاہدہ

خدا لم یزل کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ﴿۳۷﴾ [ق:۳۷]

ترجمہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔''

یہاں شہید سے صالح حاضر القلب ہے۔

اور فرمایا:

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ [البروج:۳]

ترجمہ: ''(قسم ہے) اور اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں۔''

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: شاہد خود ذاتِ حق تعالیٰ ہے۔ اور مشہور کَوْن، (وجود عالم) اور اسی کی ذات برحق نے کل موجودات کو معدوم کیا پھر انہیں وجود عطا کیا۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمہ نے فرمایا: جس نے اپنے قلب سے ذاتِ حق کا مشاہدہ کیا۔ اس سے ماسوا اللہ سب کچھ منفی ہو گیا۔ اور عظمتِ وجود باری تعالیٰ کے سامنے کسی اور شے کا وجود معدوم ہو گیا۔ اور قلب میں فقط وجودِ حق ہی باقی رہ گیا۔

عمر بن عثمان مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جو چیز قلوب کو غیب کے ذریعے حاصل ہو اور اسے نہ تو عیاں کیا جا سکے اور نہ وجو سمجھا جا سکے اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ مشاہدہ قلب کے ذریعے رویتِ حق کو حاصل کرنے اور رویت عیاں کے اتصال کو کہتے ہیں کیونکہ قلب کے ذریعے رویت تو کشف یقین کی کثرت کے سامنے فقط ایک تو ہم ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا ''اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔'' [1]

آیت مبارکہ کے الفاظ ''وھو شہید'' کی وضاحت میں صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ شہید سے بچشم عبرت اشیاء کا مشاہدہ کرنے والا اور بچشم غور و فکر ان کا معائنہ کرنے والا ہے۔

عمرو مکی علیہ الرحمہ نے فرمایا: مشاہدہ خلق سے غائب اور اللہ کے حضور حاضر رہنے کو کہتے ہیں۔ اور اسی حضور کو قربِ الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل ذکرہ نے فرمایا:

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ [الاعراف:١٦٣]

ترجمہ: ''اوران سے حال پوچھواس بستی کا کہ دریا کے کنارے تھی۔''

آیت کریمہ میں، حاضرۃ البحر، کا معنی قریۃ البحر (دریا سے قریب) ہے۔ اور قریۃ البحر کا مطلب ''شاھد البحر'' (دریا کا مشاہدہ کرنے والی) ہے۔

عمرو مکی علیہ الرحمہ نے مشاہدے کے بارے میں مزید کہا کہ مشاہدہ زوائد یقین کا نام ہے اور یہ زوائد، مکاشفاتِ حضور کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ جو دائرہ قلب سے کسی طرح خارج نہیں ہوتے۔ اور کہا کہ مشاہدہ، حضور کو کہتے ہیں جب کہ یہ حضور بمعنی قرب ہے، جو کہ علم یقین اور اس کے حقائق سے متصل ہوتا ہے۔

## احوالِ اہل مشاہدہ

احوالِ اہل مشاہدہ تین طرح کے ہیں۔

پہلے حال پر فائز لوگ اصاغر کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ نے کہا اشیاء کو عبرت وفکر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

دوسرے حال پر جو لوگ فائز ہوتے ہیں وہ درمیانی درجے والے کہلاتے ہیں۔ ان کی حالت وہی ہوتی ہے جس کی طرف ابوسعید خراز علیہ الرحمہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ جملہ مخلوقات اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور اسی کی ملکیت ہیں۔ جب اللہ اور بندے کے مابین مشاہدے کا تعلق استوار ہوتا ہے تو اس کے وہم وخیال میں بھی ماسوا اللہ کچھ نہیں ہوتا۔

اہل مشاہدہ کے تیسرے حال کے متعلق عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف ''کتاب المشاہدہ'' میں لکھا ہے کہ عارفین کے قلوب مشاہدۂ حق تعالیٰ اس حال میں کرتے ہیں کہ فقط حق ظاہر ہوتا ہے اور خلق مخفی۔ گویا وہ ہر شے میں اسی کو دیکھتے اور جملہ کائنات کا اسی کی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ بیک وقت حاضر بھی ہوتے ہیں اور غائب اور دونوں حالتوں میں صرف اللہ ہی کو موجود پاتے ہیں الغرض وہ اللہ کی ظاہراً و باطناً اور اولاً و آخراً دیکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ [الحدید:٣]

ترجمہ: ''وہی اللہ وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔''

مختصراً یہ کہ مشاہدہ ایک بلند کیفیت اور حقائق یقینی کی ایک نورانی کرن ہے۔

## یقین

کتاب اللہ میں یقین کی تین اقسام بین کی گئی ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے عفو، عافیت اور دنیا وآخرت میں یقین عطا کرنے کی دعا مانگو۔ (1)

اور آپ نے مزید فرمایا کہ ''اگر میرے بھائی عیسیٰ السلام کا یقین کچھ اور بھی بڑھا ہوا ہوتا تو وہ فضا میں چلتے۔'' (2)

(1) مسند احمد اور سنن ترمذی میں بروایت حضرت ابوبکر ہے، امام ترمذی نے اس روایت کو ''حسن غریب'' قرار دیا جبکہ امام نسائی نے دوسرے طریق سے اسنادِ صحیح سے اُسے روایت کیا ہے۔

(2) امام غزالی نے اسے کیمیائے سعادت میں نقل کیا، جبکہ حافظ عراقی نے اسے حدیث منکر قرار دیا۔

عامر بن قیس کہتے ہیں اگر میرے سامنے سے حجابات اٹھا دیے جائیں تو میرا یقین کم ہو جائے گا کیونکہ میں تو غیب پر ایمان لایا ہوں جب کہ رفع حجابات کا تعلق وجد و تحقیق سے ہے۔

قول رسول اللہ ﷺ ہے: خلق کو بعد الموت اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس پر ان کی موت واقع ہوتی ہوگی۔ [1]

تجربہ، مشاہدہ سے پوری مشابہت نہیں رکھتا لہٰذا بہت ممکن ہے عامر بن قیس کے قول میں میرا یقین سے مراد علم الیقین ہو۔

ابو یعقوب نہر جوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب بندہ یقین کے تمام حقائق کو پالے تو آزمائش اس کے لیے نعمت اور خوشی مصیبت بن جاتی ہے۔

یقین سے مراد مکاشفہ ہے جس کی تین اقسام، پہلی قسم وہ عینی مشاہدہ ہے جو روز قیامت حاصل ہوگا دوسری قسم میں حقیقی ایمان و ایقان کے ساتھ بلا حد وکیف جو مکاشفہ قلوب کو حاصل ہو، شامل ہے۔ اور تیسری قسم کا مکاشفہ انبیاء کو معجزات کے ذریعے قدرتِ خداوندی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو کرامات سے۔

## طبقاتِ اہل یقین

بلاشبہ یقین احوال سلوک میں اعلیٰ درجہ کا حال ہے اور اس پر فائز بندوں کے تین طبقے ہیں۔

پہلے طبقے والے اصاغر کہلاتے ہیں۔ اور اس میں مریدین اور عوام شامل ہوتے ہیں اور اس کی تعریف کے بارے میں جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ یقین کا پہلا درجہ یہی ہے کہ بندہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز پر یقین کرلے اور جو کچھ بندوں کے ہاتھ میں ہو اس سے لاتعلقی و مایوسی اختیار کرے۔

اسی ضمن میں جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا قول ہے: یقین شک کے اٹھ جانے کو کہتے ہیں۔

ابو یعقوب علیہ الرحمہ نے کہا: جب بندہ اللہ کی جانب سے ہر فیصلے پر راضی ہو تو جان لیں کہ یقین کی کیفیت اس میں راسخ ہوگئی۔

رویم بن احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: قلب کا اپنے مقصود کے بارے میں ثابت قدمی کے ساتھ یقین کرلینا ہی یقین ہے۔

دوسرے طبقے کے اہل یقین درمیانے درجے والے کہلاتے ہیں۔ یہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ ان کے یقین کی کیفیت کا اندازہ ابن عطا علیہ الرحمہ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے وہ کہتے ہیں یقین وہ حالت ہے جس میں تمام عوارض ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائیں۔

ابو یعقوب نہر جوزی علیہ الرحمہ کا قول ہے:

جب بندے میں کیفیت یقین راسخ ہو جائے تو وہ یقین کے ایک درجے سے دوسرے درجے کی طرف برابر ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ یقین ہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہو جاتا ہے۔

ابو الحسین نوری علیہ الرحمہ نے فرمایا: یقین مشاہدہ ہے۔

اہل یقین میں سے تیسرے طبقے کے لوگوں کو اکابر کہا جاتا ہے۔ یہ مخصوص ترین بندے ہوتے ہیں۔ ان کی کیفیت سے

---

[1] صحیح مسلم میں اور سنن ابن ماجہ میں بروایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہے۔

متعلق عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: یقین کامل، اللہ کی تمام صفات سمیت اس کی ذات کے مکمل اثبات کو کہتے ہیں۔اور کہا کہ یقین کی تعریف یہ ہے کہ بندے کا قلب یقین کے ذریعے حاصل ہونے والے الہام کے ذریعے پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ابو یعقوب علیہ الرحمہ کا قول ہے:

''بندہ یقین کو نہیں پا سکتا تاوقتیکہ عرش سے لے کر پاتال تک کے تمام اسباب وعوارض سے منقطع نہ ہو جائے جو اس کے اور اللہ کے درمیان حائل ہوں اس کے پیش نظر صرف اللہ کی ذات ہو اور وہ اسے جملہ موجودات پر ترجیح دے۔

یقین ایک ایسی حالت ہے جس کی اعلیٰ ترین صورتوں کی کوئی حد نہیں، بس اتنا ہی جان لینا چاہیے کہ جوں جوں سالک، دین کی حقیقت سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔اس کا یقین بھی مدارجِ ترقی طے کرتا جاتا ہے۔

یقین تمام احوال سلوک کی بنیاد ہے۔یہی وہ لفظ ہے جس پر آ کر احوال ہوتے ہیں۔اور یقین ہی تمام احوال کا باطن ہے۔اور باقی تمام احوال اس کا ظاہر۔یقین کی اصل غیب کی تصدیق کے ثبوت کا نام ہے۔بشرطیکہ شک وشبہ درمیان نہ رہے اور اللہ کی بارگاہ میں عرضداشت سے بندے کو لطف ومسرت اور حلاوت حاصل ہو۔مزید یہ کہ بندہ پاکیزہ و پرخلوص نگاہوں سے قلب کے ذریعے اپنے محبوبِ ازلی کا نظارہ کرے اور تمام اسباب وعلل اور دیگر عوارض سے اس کا دل پاک ہو۔

ارشاد رب العالمین ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴿۷۵﴾ [الحجر:۷۵]

ترجمہ: ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں فراست والوں کے لیے۔''

وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ [الذٰریٰت:۲۰]

ترجمہ: ''اور زمین میں یقین والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جب یقین معنوی لحاظ سے قلب میں جاگزین ہو جائے تو بندہ ''مشاہدہ احوال سے بہرہ ور ہوتا ہے۔یقین کے معنوی حقائق کو جان لینے کے بعد بندہ تفکراتِ عالم سے آزاد ہو جاتا ہے۔یہ کیفیت مقام صدیق میں سے ایک شف ہے۔اس پر فائز لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ

[النساء:٦٩]

ترجمہ: ''تو انہیں ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا۔یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہید اور نیک لوگ۔''

شہداء انہیں کہتے ہیں جو اپنی جانیں رب کے ہاتھ بیچ ڈالیں اور صالحین سے مراد وہ بندے ہیں جو اپنی امانتوں اور وعدوں کے محافظ رہتے ہیں۔

# قرآن فہمی و اتباع قرآن میں مقرب صوفیہ کا مقام

## اتباعِ کتاب اللہ

قول باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ

[آل عمران:۷]

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ جن کے معنی ہیں اشتباہ ہے۔''

اور فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [بنی اسرائیل: ۸۲]

ترجمہ: ''اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔''

اور فرمایا:

يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ [یٰسین:۱،۲]

ترجمہ: ''حکمت والے قرآن کی قسم۔''

اور فرمایا:

حِكْمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ [القمر:۵]

ترجمہ: ''انتہا کو پہنچی ہوئی حکمت۔''

سرور کائنات جناب ختم الرسل ﷺ نے فرمایا:

''قرآن کریم اللہ جل شانہ کی ایسی مضبوط رسی ہے کہ اس کی عجیب و غریب نادر حکمتیں ختم ہونے میں آتی ہیں اور نہ کثرت تکرار سے اس کی حلاوت اور عمومی اعجاز میں بوسیدگی پیدا ہوتی ہے۔ جس نے اس کے مطابق کہا اس نے درست کہا جس نے اس پر عمل کیا ی وہ ہدایت پا گیا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ سنایا اس نے عدل و قائم کیا جس نے اسے تھام لیا وہ راہ راست پر چلا۔'' [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس کو علم حاصل کرنے کا شوق ہو وہ قرآن حکیم کی تلاوت کرے کہ اس میں ساری نسل انسانی کا علم موجود ہے۔ [2]

قرآن کریم میں اللہ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سنن ترمذی میں بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہے۔

[2] طبرانی نے اپنی اسانید سے اسے روایت کیا اور بقول حافظ الہیثمی اس کے بعض رجال، رجال صحیح ہیں۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ [البقرہ:۱]

ترجمہ: ''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔''

مذکورہ آیت مبارکہ کی تفسیر یوں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کتاب جسے سید الرسل ﷺ پر اتارا گیا۔ مومنین کے لیے ہر طرح کے شک وشبہ سے خالی ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ ہی کی جانب سے ہے اور اس میں مومنین کے لیے امور دینی کے سلسلے میں پیش آنے والے ان تمام اشکالات کا حل موجود ہے جو انہیں ایمان بالغیب کے بعد لاحق ہوں۔

ایمان بالغیب دراصل ان تمام باتوں کی تصدیق ہے جو مومنین کو قرآن حکیم کے ذریعے بتائی گئیں مگر وہ ان کی آنکھوں سے غائب ہیں۔

اور ایک آیت مبارکہ میں یوں فرمایا:

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ [النحل:۸۹]

ترجمہ: ''اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔''

گویا آیت مذکورہ میں اہل فہم کے لیے ایمان بالغیب کے بعد یہ افادہ موجود ہے کہ وہ اس کے ہر حرف میں پوشیدہ علوم کے خزانوں میں سے اسی قدر حاصل کر سکتے ہیں جو ان کے لیے مقدر ہے۔

قرآن کریم کے انہی سربستہ خزائن فہم اور ادراک سے متعلق صوفیہ نے ذیل کی آیات مبارکہ کا حوالہ دیا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ [الانعام:۳۸]

ترجمہ: ''ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔''

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ [یٰسین:۱۲]

ترجمہ: ''اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب ہیں۔''

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ [الحجر:۲۱]

ترجمہ: ''اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم انداز سے۔''

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں مِنْ شَيْءٍ سے مراد علم دین اور اللہ تعالیٰ اور خلق کے مابین واقع ہونے والے احوال کا علم ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ [بنی اسرائیل:۹]

ترجمہ: ''بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔''

مذکورہ آیتِ بارکہ کی وضاحت یہ ہے کہ بے شک یہ قرآن اسی مفہوم کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو صحیح ترین ہو۔

اہل فہم نے صوفیہ کرام سے یہ بات اخذ کی ہے کہ قرآن جس صحیح ترین بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس کا حصول فقط اسی صورت میں ممکن ہے کہ کلامِ الٰہی کی آیات کو حضورِ قلب نصیحت گیری ذکر وفکر اور کمالِ تدبر کے ساتھ تلاوت کیا جائے۔ اور یہی بات اس آیت میں واضح ہے جس میں ارشاد فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹ [ص:۲۹]

ترجمہ: ''یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری برکت والی تا کہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقلمند نصیحت مانے۔''

علماء باطن (صوفیہ کرام) نے ذیل کی ایک اور آیت مبارکہ سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ تدبر، تفکر اور عبرت فقط حضورِ قلب ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ ۝۳۷ [ق:۳۷]

ترجمہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔''

یہاں آیت مذکورہ میں شہید سے مراد حاضر القلب ہے۔ اور اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں قلب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۝۸۸ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝۸۹ [الشعراء:۸۸۔۸۹]

ترجمہ: ''جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔''

ایک اور مقام پر ذات باری تعالیٰ نے قلبِ سلیم ہی کو خلق کا امام ٹھہرایا:

وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝۸۳ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝۸۴ [الصٰفٰت:۸۴،۸۳]

ترجمہ: ''اور بیشک اسی کے گروہ سے ابراہیم ہے جب کہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلامت دل ہو کر۔''

اہل فہم کہتے ہیں کہ قلبِ سلیم سے مراد وہ دل ہے جس میں بجز ذات لم یزل کے کچھ نہ ہو۔ سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: اگر بندے کو قرآن حکیم کے ہر حرف کے ہزار مطالب عطا کئے جائیں تو بھی وہ قرآن کریم کی کسی ایک آیت کے معانی کو پوری طرح نہیں جان سکتا اس لیے کہ قرآن، کلامِ الٰہی ہے اور اس کی صفت۔ جس طرح اس کی کوئی انتہاء نہیں اسی طرح اس کی صفت کی بھی کوئی حد نہیں۔ کلامِ الٰہی کا علم اولیاء اللہ کو اسی قدر عطا ہوتا ہے جس قدر ان کا رب چاہتا ہے۔

اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور اس کے معانی ومطالب کا کامل حصول خلق کے بس میں نہیں کیونکہ ان کے اذہان حادث اور مخلوق ہیں۔

## دعوت واصطفاء

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: دعوت عام ہے جب کہ ہدایت خاص اور آپ نے اس ضمن میں اس ایت

مبارکہ کی طرف اشارہ فرمایا:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ [یونس:۲۵]

ترجمہ: ''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔''

اوپر کی سطور پر میں مذکور آیت مبارکہ میں دعوت عام ہے اور ہدایت خاص کیونکہ ہدایت سے مراد اللہ کی جانب بڑھنا ہے۔ اور وہ لوگ جنہیں اللہ نے چن لیا اور انہیں عزیز جانا وہ ان لوگوں سے بلند مقام رکھتے ہیں جنہیں اس نے پکارا یا اپنی جانب دعوت دی۔

اصطفا کا ذکر جن آیات مبارکہ میں آیا ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ اٰۗللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ [النمل:۵۹]

ترجمہ: ''تم کہو سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اس کے چنے ہوئے بندوں پر کیا اللہ بہتر ہے۔''

آیت مذکورہ میں اسلام سے اشارہ ہے ان بندوں کی طرف جنہیں اللہ نے چن لیا مگر یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ کون اور کیسے ہیں۔

اور فرمایا:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ [الحج:۷۵]

ترجمہ: ''اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔''

مفسرین نے من الناس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد صرف انبیاء علیہم السلام ہی ہیں۔ مگر اس کا مفہوم یہ نہیں کہ بندوں میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی چنا ہوا بندہ ہوتا ہی نہیں، کیونکہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ [فاطر:۳۲]

ترجمہ: ''پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔''

الغرض سابقہ دونوں آیات میں انبیاء علیہم السلام اور دیگر بندوں کے انتخاب میں فرق قائم کر دیا گیا ہے۔ اور وہ بندے کہ جنہیں کتاب اللہ کا وارث ٹھہرایا گیا بے شک یہی مومن ہیں مزید یہ کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر مومنین کے احوال باہم یکساں نہ ہونے کے بارے میں بی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ [فاطر: ۳۲]

گویا اصطفاء کو دو اقسام میں بیان فرمایا: اصطفاءِ انبیاء جس کی بناء عصمت، تائید، وحی اور تبلیغ پر ہے۔ اور دیگر تمام مومنین کا انتخاب، حسن معاملگی، مجاہدات اور حقائق و منازل پر قائم ہے۔

ایک مقام پر فرمایا:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ [المائدة: ٤٨]

ترجمہ: ''ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ مگر منظور ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو۔''

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں فقط یہ بتایا گیا کہ مومنین بھلائی کی جانب سبقت کریں جب کہ یہ وضاحت کہ بھلائی کیا ہے؟

دیگر آیات میں بیان فرمائی:

ملاحظہ ہوں اسی ضمن میں چند آیات:

فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ [البقرہ:٢]

ترجمہ: ''اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔''

مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ [آل عمران:١٣٨]

ترجمہ: ''اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے۔''

إِيَّايَ فَاتَّقُونِ [البقرہ:٤١]

ترجمہ: ''اور مجھی سے ڈرو۔''

إِيَّايَ فَارْهَبُونِ [البقرہ:٤٠]

ترجمہ: ''اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔''

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ [آل عمران:٧٥]

ترجمہ: ''تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔''

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ [المائدۃ:٣]

ترجمہ: ''تو ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔''

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ [البقرہ١٥٢]

ترجمہ: ''تو میری یاد کرو میں تمہاری چرچا کروں گا۔''

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا [المائدۃ:٢٣]

ترجمہ: ''اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔''

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ [النسا:٥٩]

ترجمہ: ''حکم مانو اور اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔''

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا [العنکبوت:٦٩]

ترجمہ: ''اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی۔''

وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ [النمل:٤٠]

ترجمہ: ''اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے۔''

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾ [آل عمران:١٤٦]

ترجمہ: ''اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔''

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ [البينة: ٥]

ترجمہ: ''اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں۔نرے اسی پر عقیدہ لائے۔''

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ [الاحزاب:٢٣]

ترجمہ: ''کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔''

اس کے علاوہ اور کئی آیات میں اللہ کی جانب رجوع کرنے والوں، صابروں، اللہ کا خوف رکھنے والے مردوں اور عورتوں، توبہ، رجوع الی اللہ پر ہی بھروسہ کرنے والوں، تسلی، قناعت اور ترکِ اختیار کو بیان کیا گیا۔ جیسا کہ ذیل کی چند آیات مبارکہ سے واضح ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى [النساء:٧٧]

ترجمہ: ''تم فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے۔اور ڈر والوں کے لیے آخرت اچھی۔''

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ [آل عمران:١٤]

ترجمہ: ''یہ زندگی دنیا کی پونجی ہے۔اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا۔''

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ [آل عمران:٣٢]

ترجمہ: ''اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود۔''

مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾

ترجمہ: ''اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا مال ہے۔''

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾ [الشوریٰ:٢٠]

ترجمہ: ''جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے۔اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔''

اور شیطان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا [فاطر:٦]

ترجمہ: ''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اس دشمن سمجھو۔''

اور فرمایا:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً [الجاثية:۲۳]

ترجمہ: ''بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی۔ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا۔''

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ [النازعات:۳۷]

ترجمہ: ''تو وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔''

اسی طرح کی کئی دیگر آیات بھی ہیں جن میں نیکیوں کی جانب سبقت کرنے اور بھلائی کو جزو زندگی بنانے کی تلقین کی گئی۔ اور ان میں صدق و اخلاص کا بھی بکثرت ذکر کیا گیا ہے۔

جہاں تک نیکیوں کو قبول کرنے کا تعلق ہے تو اس میں تمام مومن یکساں ہیں مگر ان کے درجات حقائق میں تفاوت ہے مگر مخاطبین کے درجے جدا جدا ہیں جن کا ذکر اگلے باب میں ہوگا۔

# مخاطبین کلامِ الٰہی کے درجات اور قبولِ خطاب میں ان کا باہمی تفاوت

مخاطبین کے تین درجات ہیں پہلے درجے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے خطاب الٰہی کو سنا اُسے قبول کیا اور اس کا اقرار کیا مگر عمل کرتے وقت دنیوی مفادات، اتباعِ نفس اور غفلت ان کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی۔ وہ دشمن (شیطان) کے جھانسے میں آ گئے اور خواہشاتِ دنیا پر مر مٹے۔ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم کی مختلف آیات یوں گویا ہیں:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ [الجاثية: ۲۳]

ترجمہ: ''بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا۔ اور اللہ نے باوصف علم کے گمراہ کیا۔''

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ [الکہف:۲۸]

ترجمہ: ''اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا۔''

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ [الاعراف:۱۹۹]

ترجمہ: ''اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو۔ اور بھلائی کا حکم دو۔''

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ [آل عمران:۱۴]

ترجمہ: ''لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی

کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی۔''

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ [آل عمران:۱۵]

ترجمہ: ''تم فرماؤ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتادوں پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بیبیاں اور اللہ کی خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔''

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے خطاب الٰہی کو سنا، قبول کیا، تائب ہوئے۔ اللہ کی جانب رجوع کیا، عمل اطاعت اختیار کی احوال ومنازل کی حقیقت کو جانا، معاملات میں سچے ثابت ہوئے اور مقامات میں خالص نکلے۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر قرآن نے انعامات واکرامات کی نوید لیے یوں کیا ہے:

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ [لقمٰن:۵،۴]

ترجمہ: ''وہ جو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر یقین لائیں وہی اپنے رب کی ہدایت پر ہیں۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا [الکہف:۱۰۷]

ترجمہ: ''بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے، فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔''

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ [النحل:۹۷]

ترجمہ: ''جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت ہو مسلمان تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائیں گے اور ضرور انہیں ان کا نیکی کا اجر دیں گے۔''

آیت مذکورہ میں اکابر صوفیہ نے حیات طیبہ کا مفہوم قناعت اور رضا بیان کیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ [المومنون:۲،۱]

ترجمہ: ''بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔ اور وہ جو کسی بے ہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے۔''

عمرو مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ماسوا اللہ، دلوں میں موجود ہر شے لغو و بے معنی ہے۔ آپ نے بتایا کہ اللہ کو ایک جاننے والے، اللہ کے سوا ہر شے سے منہ موڑے ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ [المؤمنون:۱۱،۱۰]

ترجمہ: ''یہی لوگ وارث ہیں جنت الفردوس کی میراث پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اوپر کی آیت کریمہ میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں اور بھی کئی آیات قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔
اور یہی وہ خوش بخت بندے ہیں جن کو خداوند قدوس نے باقی لوگوں پر فضیلت بخشی اور انہیں ثواب بے حساب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا:

مخاطبین کلام الٰہی کے تیسرے درجے میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے ذکر کو اللہ نے علم اور خشیت جیسے اوصاف سے مزین فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا [فاطر:۲۸]

ترجمہ: ''اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔''

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ [آل عمران:۱۸]

ترجمہ: ''اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف کے ساتھ قائم ہو کر۔''

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ [الزمر:۹]

ترجمہ: ''کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔''

اور تیسرے درجے پر فائز بندوں کی بھی مزید تخصیص فرمائی تو یوں ارشاد فرمایا:

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

[آل عمران:۷]

ترجمہ: ''اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔''

اور اس آیت کے ذریعے ان تیسرے درجے کے بندوں کو مزید عنایات سے نوازتے ہوئے ان کی فضیلت میں ایک اور خصوصیت کا اضافہ فرما دیا:

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: والرسخون فی العلم سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیب الغیب کی اتھاہ گہرائیوں میں اپنی روح کے ساتھ اتر گئے اور سرالسر کو جان لیا۔ گویا ان کے رب کریم نے جو چاہا انہیں بتا دیا۔ اور آیت کریمہ کا جو مفہوم و معنی انہیں عطا کیا وہ دوسروں کو نہیں دیا۔ اس طرح یہ بندگانِ کاص مزید کچھ حاصل کرنے کی غرض سے فہم کی روشنی لے کر بحرِ علم میں غوطہ زن ہو گئے، جس کے نتیجے میں ان پر بے بہا خزائن معرفت کے منہ کھول دیئے گئے۔ اور کلام اللہ کے ہر حرف و آیت میں پنہاں، متلاطم بحرِ معانی نے ان کا رخ کیا۔ اور انہوں نے اس مقام پر پہنچ کر نص قرآن سے بیش قیمت مطالب اخذ کئے اور نادرۂ روزگار حکمتوں کا پتہ دینے لگے۔ بعض تو ان بندگانِ خدا میں سے ایسے بھی ہیں جن کے علمی مبلغ کے سامنے سمندروں کی حیثیت ایک قطرہ کے برابر ہے۔ بلاشبہ علم کی یہی وہ نادر قسم ہے جس سے خدائے علیم وخبیر نے انبیاء علیہم السلام، مقرب اولیاء کرام اور اصفیاء کو نوازا۔ اور یہی وہ مقرب بندے ہیں جنہوں نے اپنے باطن کو صفائی ذکر خالص اور حضور قلب کے ساتھ بحر

ادراک کی پنہائیاں سرکیں تو ایک جوہر نایاب کو پالیا۔ اور انہیں یہ بھی علم ہو گیا کہ خود مصادرِ کلام کا سرچشمہ کہاں ہے۔ عرفان و آگہی کے اسی پر معنی سفر میں وہ ایک ایسے منبع تک پہنچ گئے جس نے انہیں بحث و تمحیص اور غور و فکر کے ذریعے مطالب و معانی کے حصول سے آزاد کر دیا۔

اب پیش ہے ابوبکر واسطی کی مذکورہ بالا گفتگو کی شرحِ ابوسعید خراز علیہ الرحمہ کی زبانی: آپ نے فرمایا: قرآن حکیم کی ابتدائی فہم، اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ عمل ہی کے دائرے میں علم فہم اور استنباط موجود ہے جیسا کہ قرآن کریم گویا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ [ق:۳۷]

ترجمہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔''

فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ [الزمر:۱۸]

ترجمہ: ''تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔''

مذکورہ بالا ایت مبارکہ میں جہاں اتباعِ احسن کے لیے کہا گیا ہے تو اس کی شرح یہ ہے کہ قرآن کریم سارا احسن ہے۔ مگر اتباعِ احسن سے مراد وہ مفہوم ہے جو قلب مومن پر قرآن کی سماعت سے منکشف ہو اور اسی آیت سے مقابل کی آیت میں القاءِ سمع سے مراد، سمجھنے اور احکام اخذ کرنے کی نیت سے اپنی سماعت کو قرآن کریم کی طرف مبذول کرنا ہے۔

# سماعت قرآن حکیم کے ذریعے اخذ اسرار و معانی

## سماعت قرآن کے تین طریقے

یہ ذہن نشین رہے کہ پوری توجہ سے قرآن مجید کو سننے کے تین طریقے ہیں جو مجھ تک ابوسعید خراز علیہ الرحمہ سے پہنچے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو اس طرح سنا جائے کہ گویا خود حضور رسالت مآب علیہ التحیۃ والسلام تلاوت فرما رہے ہیں اور بندہ سن رہا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسے اس طرح سنا جائے کہ گویا جبریل علیہ السلام، آنحضرت ﷺ کے روبرو تلاوت کر رہے ہیں جیسا کہ ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ [الشعرا:۱۹۲،۱۹۳]

ترجمہ: ''اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر۔''

تیسرا طریق یہ ہے کہ تو اس طرح سنے کہ گویا خود ذاتِ حق تعالیٰ سے براہِ راست سن رہا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [بنی اسرائیل:۸۲]

ترجمہ: ''اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔''

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ [الزمر:۱]

ترجمہ: ''کتاب اتارنا ہے اللہ عزت و حکمت والے کی طرف سے۔''

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٢﴾ [المومن:۱۔۲]

ترجمہ: ''یہ کتاب اتارنا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا علم والا (ہے)۔''

جب بندہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ براہ راست حق تعالیٰ سے قرآن کریم کی سماعت کرے تو اس وقت فہمِ انسانی سے ماسوا اللہ ہر شے خارج ہو جاتی ہے اور وہ اپنی قوتِ مشاہدہ، ذکرِ خالص پوری قوتِ ارادی، حسنِ ادب اور صفاء باطن کے ساتھ، اللہ کے حضور حاضر ہوتا ہے اور اس غیب تک پوری سرعت کے ساتھ پہنچتا ہے جس کے بارے میں قرآن ناطق ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ [البقرہ:۳]

ترجمہ: ''وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔''

ابوسعید ابن اعرابی علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

کہ (اس تیسرے طریق پر عمل صوفیہ) اللہ سے غیب میں غائب ہوتے ہیں۔ اور وہ کامل غیب پر ایمان رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور باوجودیکہ کہ اللہ کی ذات غیب ہے، ان کا ایمانِ کامل بالغیب

انہیں کبھی ذاتِ حق تعالیٰ کے بارے میں کسی شک میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ [یونس:۳۵]

ترجمہ: ''تم فرماؤ کہ اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے۔تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے حکم پر چلنا چاہیے یا اس کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا جائے۔''

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ [یونس:۳۲]

ترجمہ: ''پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔''

ابوسعید خراز علیہ الرحمہ نے فرمایا: جب بھی کسی بندے نے رب سے کوئی چیز پائی تو گویا اس نے اس غیب کو پالیا جو کہ صفاتِ حقائق میں سے خارج ہے۔اور یہ غیب وہی ہے جس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ [البقرہ:۳]

ترجمہ: ''وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔''

## غیب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلوب کو اپنی مجلہ صفات و اسماء کے اثبات کا مشاہدہ کرایا اور انہیں کچھ معاملات بھی عطا فرمائے، انہی صفات، اسماء اور معلومات کو قلوب نے قبول کر لیا اور ان کا مشاہدہ کیا۔ یہی غیب ہے۔جن بندوں نے اس مقام کو پایا انہوں نے بھی کاملاً اس غیب کو پانے کا دعویٰ نہیں کیا۔اس ضمن میں یہ آیت مبارکہ ملاحظہ ہو۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ [لقمٰن:۲۷]

ترجمہ: ''اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔''

جب اللہ کے کلام کی تعریف و توصیف اور اس کا فہم حاصل کرنے تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تو اس کی صفات کی حقیقت اس کی اصلیتِ ذات تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اہلِ بصیرت و فہم نے بالاتفاق اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ہر چیز جس کی طرف، محققین، واجدین، عارفین اور موٴحدین نے اشارہ کیا یا اسے کسی بھی چیز سے تعبیر یا اسے کسی شے سے بھی عبارت نہیں کیا جاسکا یا اس کی طرف دلیل کے ساتھ کوئی اشارہ کنایہ نہ ہوسکا یا صوفیہ کرام نے اپنی دانست کے مطابق اسے جس طرح سے بھی بیان کیا وہ تمام سوائے اس غیب کے کچھ نہیں جس کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا: الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

# صوفیہ کرام اور قرآن فہمی

اللہ تعالیٰ نے جملہ صوفیہ کرام، اہلِ حقیقت، مریدین، عارفین، صاحبانِ ریاضت ومجاہدات کے بارے میں قرآن کریم کے ذریعے بہت کچھ بیان فرمایا ہے۔

ملائکہ کا ذکر اس طرح فرمایا:

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ [بنی اسرائیل:۵۷]

ترجمہ: ''وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔''

## ذکر مومنین:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ [المائدہ:۳۵]

ترجمہ: ''ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔''

مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ نے غیب پر ایمان لانے والوں کو اپنی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا پھر ایک اور مقام پر مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے مومنین کو بھلائی کی طرف تیزی سے بڑھنے کا حکم فرمایا:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝

[المومنون:۵۵]

ترجمہ: ''کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے۔ یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں۔''

اہل دانش وبینش نے اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ بھلائی کی طرف بڑھنے کی سب سے پہلی کوشش یہ ہے کہ دنیا کے مال ودولت میں قلت پسندی برتی جائے فقط حصولِ رزق کے پیچھے پڑ جانے کو ترک کیا جائے، جمع ومنع سے دوری اختیار کی جائے، کثرت پر قلت اور دنیوی رغبت پر دنیا سے کم لگاؤ کو ترجیح دی جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جن کو بھلائی کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ [المومنون:۵۷]

ترجمہ: ''بے شک وہ جو اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں۔''

آیت گزشتہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کا ذکر خشیت (ڈر) اور اشفاق (سہم جانا) کے ساتھ کیا۔ خشیت اور اشفاق فقط خوف کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ یہ دونوں باطنی اسماء ہیں جن کا تعلق اعمالِ قلب سے ہے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ خشیت، خوف کی وہ صورت ہے جو دل کی گہرائیوں میں ایک سربستہ راز ہے۔

اس اشفاق خوف کی وہ صورت ہے جو خشیت سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ قلب کے پوشیدہ ترین رازوں میں سے ایک ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝ [طٰہٰ:۷]

ترجمہ: ''تو وہ بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے۔''

خشیت کے بارے میں مزید یہ کہا گیا ہے کہ خشیت انکسار قلب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضوری سے حاصل ہوتا ہے۔ خشیت واشفاق کے مقام بلند کا ذکر کرنے کے بعد کی آیت ملاحظہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ [المومنون:۵۸]

ترجمہ: ''اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔''

مذکورہ دونوں آیات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو خشیت و اشفاق کا ذکر فرمایا ہے اور دوسری آیت میں ایمان کا ذکر ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خشیت و اشفاق کی کیفیت ایمان سے پہلے تھے بلکہ اس کیفیت سے پہلے وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور ان کے دلوں میں یہ خیال موجود تھا کہ اللہ تعالیٰ خشیت و اشفاق کی کیفیت سے نواز کر انہیں ایمان میں اور پختہ کرنا چاہتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت کے ذکر کے بعد ان کے ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ [الاعراف:۱۵۸]

ترجمہ: ''تو ایمان اللہ کے رسول النبی الامی غیب بتانے والے پر کہ (جو) اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔''

اہل دانش (صوفیہ کرام) نے مذکورہ آیت کریمہ سے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ ایمان کے بڑھنے کی کوئی حد نہیں اور اہلِ حق اپنے آغاز سے انجام تک ایمان کی حقیقتوں کو پاتے رہتے ہیں مگر ان میں سے کوئی اس کی آخری حد تک نہیں پہنچا کیونکہ اس کی کوئی آخری حد ہی نہیں۔

پھر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ [المومنون:۵۹]

ترجمہ: ''اور جو اپنے رب کا کوئی شریک نہیں کرتے۔''

اللہ نے اپنے بندوں کو خشیت، اشفاق اور ایمان سے متصف کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ وہ اپنے رب کے ساتھ کبھی کوئی شریک نہیں ٹھہراتے۔

## شرکِ خفی

مذکورہ بالا آیت میں شرک سے مراد شرکِ خفی ہے۔ اور یہ وہ شرک ہے جو بندے کے دل میں اپنی عبادات اور ریاضات کی طرف متوجہ ہو جانے اور ان کا عوض پانے کے خیال کے جگہ پکڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر بندہ ایمان کی

واضح صورت کا حامل ہونے اور یہ جانتے ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی نفع وضرر پہنچانے والا نہیں، کے بعد بھی خیالِ مذکورہ کو دل میں جگہ دے تو وہ شرکِ خفی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مختصراً آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایسی صورت میں اس کے خاص بندے ہر وقت اپنے رب سے اخلاص کی دولت عطا ہونے کے طلب گار رہتے ہیں۔ کیونکہ اخلاص ہی ایک ایسی دوا ہے جو اس مرضِ خفی کا مداوا ہو سکتی ہے جاننا چاہیے کہ شرکِ خفی، گھٹا ٹوپ تاریک رات میں ایک سیاہ پتھر پر چھوٹے سے رینگنے والے کیڑے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے یعنی اس کا سراغ بہت مشکل سے لگایا جا سکتا ہے۔

## جہالت علم اور عمل کی اچھوتی تشریح

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ کہنے والے تو کئی ہیں مگر مخلص مؤحد کم ہوتے ہیں یہ ساری دنیا جہالت کی تاریکی سے مشابہ ہے جس میں کچھ حصہ علم کا بھی ہے۔ اور علم فقط استدلال ودلائل کی صورت باقی رہ جاتا ہے اگر اس پر عمل نہ ہو۔ پھر یہ عمل بھی گرد وغبار کے اڑتے ہوئے منتشر ذرات ہیں اگر اس میں اخلاص شامل نہ ہو جب کہ اہلِ اخلاص ہمہ وقت ایک نازک موڑ پر کھڑے ہوتے ہیں کہ ذرا سی لغزش بھی انہیں دولتِ اخلاص سے محروم کر سکتی ہے۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿٦٠﴾ [المومنون:٦٠]

ترجمہ: ''اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔''

اس آیت سے صوفیہ کرام نے یہ مفہوم لیا ہے کہ صاحبِ اخلاص بندوں کے دل خوفزدہ ہوں گے باوجودیکہ وہ ان احوالِ بلند پر فائز ہوں گے جن کا ہم صفحاتِ گزشتہ میں ذکر کر آئے ہیں۔ اور یہ خوف جس کا ذکر آیت مذکورہ میں آیا ہے ایک ایسا خوف ہے کہ جس پر سے پردہ نہیں اٹھایا جا سکتا کیونکہ اس معاملے کا تعلق عاقبت سے ہے جس کا علم سوائے ذات علیم وخبیر کے کسی کو نہیں۔ اور یہ صاحبِ اخلاص نیکوکار خوفزدہ ہیں کہ خدا جانے ان کی عاقبت کیسی ہوگی۔ اور ان کے اعمال قبولیت پائیں یا نہیں۔ اسی کیفیت کو قرآن نے لفظ وجلۃ یعنی ایک انجانے خوف سے تعبیر کیا ہے۔ اسی وجہ سے ایسے بندے ہر وقت اللہ کے حضور عاقبت بالخیر ہونے کے ملتجی ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ آیت کریمہ نیکوکاروں سے متعلق ہے نہ بدکاروں سے۔ اس کے ثبوت میں ہم جناب سید الکونین ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان سے مراد وہ اشخاص ہیں جو زنا، چوری اور شراب نوشی کے مرتکب ہوں۔ آپ نے جواباً فرمایا: نہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات کرنے میں پابندی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ انہیں یہ فکر بھی لاحق ہوتی ہے کہ ان کے اعمال قبولیت پائیں یا نہ پائیں گے۔ [1]

پھر رب العزت نے اپنے نیکوکار بندوں کو نیک اعمال کی جانب سبقت کرنے پر انہیں سابقین کے درجے سے نوازتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ''یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہی سب سے پہلے انہیں پہنچے۔''

---

[1] مسند احمد میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہ ہے، جبکہ ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

# مقامِ سابقین مقربین اور ابرار قرآنی آیات کے آئینے میں

ارشاد باری تعالیٰ:

وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ [الواقعة:١٠ - ١١]

ترجمہ: ''اور جو سبقت سے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقربِ بارگاہ ہیں۔''

ایک اور آیت میں ابرار و سابقین پر مقربین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ [المطففين:١٨ - ١٩]

ترجمہ: ''ہاں ہاں بے شک نیکیوں کی لکھت سب اونچی محل علیین میں ہے۔ اور تو کیا جانے علیین کیسی ہے۔''

اور فرمایا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ [المطففين:٢٢-٢٣]

ترجمہ: ''بے شک نیکوکار ضرور چین میں ہیں۔ تختوں پر دیکھتے ہیں۔''

ابرار سے متعلق اللہ نے قرآن حکیم میں وہ تمام شرف اور نعمتیں بیان فرمائی ہیں جن کے لیے انہیں مستحق گردانا۔ اس کے علاوہ مقامِ علیین میں ان کے درجات کا بیان بھی فرمایا۔ انہیں کی پہچان کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ [المطففين:٢٤]

ترجمہ: ''تو ان کے چہروں میں چین کی تازگی پہچانے''

یعنی اہل جنت میں سے ابرار اپنی پیشانیوں پر ایک تازگی و شگفتگی لیے ہوئے ہوں گے جس کے ذریعے وہ باقی اہل جنت سے ممتاز نظر آئیں گے۔ اور فرمایا:

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ [المطففين:٢٥]

ترجمہ: ''نتھری شراب پلائیں گے جو مہر کی ہوئی رکھی ہے۔''

واضح رہے کہ باقی اہلِ جنت کو رحیق مختوم نوش کرائے جانے کا کہیں ذکر نہیں فرمایا:

پھر فرمایا:

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ [المطففين:٢٨٢٧]

ترجمہ: ''اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے وہ چشمہ جس سے مقربانِ بارگاہ پیتے ہیں۔''

آیات گزشتہ سے واضح ہوا کہ ابرار کو اللہ نے رحیق مختوم سے نواز اور باقی اہل جنت کی شراب پر ان کی شراب کو چشمۂ تسنیم کی شراب ملائے جانے کے ساتھ فضیلت بخشی۔ اور یہ تسنیم ایک چشمہ ہے جنت میں جس سے مقربین پئیں گے۔ الغرض ابرار کی شراب جس کے ذریعے انہیں باقی اہلِ جنت کی شراب پر فضیلت دی گئی خود اس لحاظ سے علت سے خالی نہیں کہ اس میں مقربین کو چشمے تسنیم کی شراب ملائی گئی ہے جب کہ مقربین کی شراب خالصتاً تسنیم سے آتی ہے جس کی ملاوٹ ہی سے ابرار

کی شراب باقی اہل جنت کی شراب پر فوقیت رکھتی ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ بہت خوبصورت انداز میں فرماتا ہے کہ ابرار اپنی چمکتی پیشانی اور اپنی شراب میں چشمہ تسنیم جیسے مبارک ترین چشمے کی شراب کی ملاوٹ کے باعث باقی اہل جنت سے تو ممتاز ہیں مگر وہ مقربین کے مقام سے آگے نہیں کیونکہ وہ اسی تسنیم سے سدا پیتے رہیں گے۔

اسی ذکر کو اور آیات میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا ۝ [الدھر:۵]

ترجمہ: ''بے شک نیک پئیں گے اس جام میں سے جس کی طونی کافور ہے۔''

اور فرمایا:

وَیُسْقَوْنَ فِیْهَا کَاْسًا کَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا ۝ عَیْنًا فِیْهَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا ۝ [الدھر:۱۸۔۱۷]

ترجمہ: ''اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی ملونی ادرک ہوگی وہ ادرک کیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہتے ہیں۔''

انعامات اہل جنت کے باب میں فرمایا:

وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا ۝ [الدھر:۲۰]

ترجمہ: ''اور جب تو ادھر نظر اٹھائے ایک چین دیکھے اور بڑی سلطنت۔''

آیت مذکورہ میں انعامات جنت کا ذکر فرماتے ہوئے ان کا وصف بیان نہیں کیا گویا وہ ایسی نعمتیں ہیں جن کی کوئی صفت بیان ہی نہیں کی جاسکتی۔ اور مزید فرمایا:

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ [الدھر:۲۱]

ترجمہ: ''اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی۔''

یعنی جہاں کہیں بھی ابرار کے پینے کا ذکر آیا تو ملاوٹ والی شراب پینے کے ساتھ انہیں مخصوص کیا مگر جب بھی مقربین کے پینے کا ذکر فرمایا تو اس میں ملاوٹ کا تذکرہ نہیں کیا۔

## ادراکِ حقائق اور استطاعت مومنین

وَلَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [المومنون:۶۲]

ترجمہ: ''اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت بھر۔''

اس آیت سے واضح ہوا کہ مومنین کو ان کی طاقت کے مطابق یہ استطاعت عطا کر دی گئی ہے کہ وہ حقائق، منازل اور احوال تک رسائی حاصل کر سکیں کیونکہ جس قدر حقائق انبیاء علیہم السلام یا ان کے علاوہ مومنین کو عطا کئے گئے ہیں وہ تمام اللہ کے اس قول سے باہر نہیں۔ فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [التغابن:۱۶]

ترجمہ: ''تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔''

# قرآن اور تاکیدِ اعمال

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ''[التغابن:١٦] (تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے) میں یہ بات ظاہر فرما دی ہے کہ اگر کوئی بندہ تمام فرشتوں، انبیاء کرام اور صدیقین کے اعمال کے برابر اعمال لے کر بھی اس کے حضور میں پیش کرے تو بہت ممکن ہے کہ یہ اس مقدار سے کہیں کم ہو جس کے انجام دینے کا حق تھا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ فرشتے جن کی فطرت میں عبادت ودیعت کی گئی ہے وہ بھی اس کی بارگاہ میں یہی عرض کرتے ہیں:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا [البقرہ:٣٢]

ترجمہ: ''پاکی ہے تجھے ہمیں علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔''

گویا ملائکہ نے مشاہدہ حقیقت کے بعد اپنے علم وعبادات سے برأت ظاہر کی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ''[آل عمران:١٠٢] سے متعلق ہے کیونکہ تقویٰ ہی تمام احوال کے آغاز و انجام کی اصل ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ گزشتہ سطور میں قرآن کریم کی دونوں آیات میں مفہوم کے اعتبار سے باہمی ربط ہے اور یہی ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ '' میں تاکید اعمال موجود ہے کیونکہ اگر آپ نے ایک ہزار رکعت نفل ادا کیے اور ابھی ایک رکعت اور ادا کرنے کی استطاعت موجود تھی جس کی ادائیگی آپ نے دوسرے وقت پر اٹھا رکھی تو اس طرح آپ نے استطاعت کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح اگر آپ نے ہزار بار اللہ کا ذکر کیا مگر ایک بار اور بھی فکر کرنے کی استطاعت باقی تھی۔ مگر آپ نے اسے دوسرے وقت کے لیے ملتی کر دیا تو آپ نے اپنی استطاعت کو چھوڑ دیا۔

اگر آپ نے کسی سائل کو ایک درہم بطور خیرات دیا اور ایک درہم مزید خیرات کرنے کی گنجائش تھی جو آپ نے خیرات نہ کیا ی تو اسے استطاعت سے روگردانی کہا جائے گا۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ '' میں تاکیدِ عمل موجود ہے۔

تاکید عمل سے متعلق کچھ مزید آیات ہیں:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ [النسا:٦٥]

ترجمہ: ''تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔''

آیت گزشتہ میں محل تاکید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسمیہ یہ فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنا حکم بنائے بغیر مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اگر ان کے دلوں یا ذہنوں میں کسی طرح کی کوئی کجی ناپسندیدگی یا عدم تسلیم کی کیفیت باقی رہی تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہیں۔ چاہے وہ حکم ان کو قتل کرنے کا ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان سے خارج ہو جانے کی قسم کھائی۔

الغرض اگر سطور گزشتہ میں مذکور تمام احوال کو پیشِ نظر رکھ کر ان پر اس حکم کو قیاس کریں جس کے مطابق ہم سب پابند ہیں کہ اللہ کے فیصلوں پر صبر کریں اور جو عادات، خصائل، رزق، اجل اور اعمال اس نے ہمارے لیے مقدر فرمائے انہیں بجان و دل تسلیم کریں، تو ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی کجی یا کمی ضرور باقی رہے گی اور اس لحاظ سے ہم اور ہمارے ساتھ بے شمار لوگوں کے پاس ایمان کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے اور ایسی صورت میں اگر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا سہارا نہ رہے تو وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔

# مطالب حروف واسماء

وہ تمام افکار ونتائج جن تک علوم واذہان نے رسائی حاصل کی ہے قرآن کریم کے دو جملوں بسم اللہ اور الحمد للہ سے نکلے ہیں۔ اور ان دونوں جملوں کا مفہوم بالترتیب ''اللہ کے ذریعے'' اور ''اللہ کے لیے'' ہے اس مفہوم میں یہ اشارہ موجود ہے کہ جو کچھ ذہن انسانی کے دائرے میں ہے وہ خود سے قائم نہیں بلکہ اللہ ہی سے اور اسی کے لیے ہے۔

## باءِ بسم اللہ کی صوفیانہ تشریح

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ بسم اللہ کی با میں کس طرف اشارہ ہے۔ تو فرمایا:

تمام ارواح واجسام اور حرکات خود اپنی ذات میں قائم نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ قائم ہیں۔

ابو العباس بن عطاء علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ عارفین کے دلوں کو کس چیز سے کون ملتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کی تاب کے پہلے حروف با ء بسم اللہ سے کیونکہ اس باء کا معنی ہے کہ اللہ ہی کے ذریعے اشیاء کا ظہور ہوتا ہے اور اسی سے وہ فنا ہوتی ہیں۔ اس کے جلوے سے آراستہ اور اسی کے عدمِ تجلی سے قبیح ہو جاتی ہیں۔

اس کے نام اللہ میں ہیبت وکبریائی الرحمن میں محبت ومودت اور الرحیم میں اس کی مدد اور فتح ہے بے شک اس کی ذات اعلیٰ صفات پاک ہے جس نے اپنے اسماء میں جدا جدا لطیف نکات پوشیدہ رکھتے ہیں۔

## نیکی وبدی کیا ہے؟

ابو العباس ابن عطاء علیہ الرحمہ کے قول ''اسی کے جلوے سے آراستہ'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی عمل کا نیکی میں شمار ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ عمل عند اللہ مقبول ہوا۔ گویا اسی کی قبولیت سے نیکی نیکی کہلاتی ہے۔ اور ابن عطاء کے قول ''اسی کے عدوم تجلی سے قبیح'' کا مفہوم یہ ہے کہ اس عمل کو اللہ نے پسند نہیں فرمایا۔ اور اس سے منہ پھیر لیا۔ اسی بنیاد پر برائی کو برائی کہا جاتا ہے ورنہ برائی بذاتِ خود برائی نہیں صرف قبولیتِ خدا تعالیٰ سے محرومی ہی اس کو گناہ یا برائی کا نام دیتی ہے۔

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: اللہ کے تمام اسماء کی خصوصیات سے اپنے کردار کو سنوار جا سکتا ہے۔ مگر دو نام اللہ اور الرحمن ایسے ہیں کہ جو فقط اس لیے ہیں کہ بندہ ان کے فقط تعلق قائم رکھے اور اسی طرح اس کی صفت صمدیت بھی ادراک کی رسائی سے باہر ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِہٖ عِلۡمًا ﴿۱۱۰﴾ [طٰہٰ:۱۱۰]

ترجمہ: ''اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا۔''

## اسم ذات اللہ ہر صورت میں با معنی ہے

خالق ارض وسماء کا ذاتی نام ہے۔ جو کہ تمام اسماء الٰہیہ میں سب سے بڑا ہے۔ اس اسم کی خصوصیت ہے کہ اگر اس سے پہلا حرف الف ہٹا دیا جائے تو للہ (اللہ کے لیے) باقی رہ جاتا ہے۔ دوسرا حرف لام دور کر دیا جائے تو لہٗ (اس کے لیے) رہ

جاتا ہے۔ اور اگر تیسرا حرف یعنی دوسرا لام حذف کر دیا جائے تو صرف ''ھاء'' جاتا ہے اور جملہ اسرار و رموز اسی ''ھاء'' میں پوشیدہ ہیں کیونکہ اس ھا کا معنی ھو یعنی وہ ہے جبکہ باقی اسماء کی صورت یہ ہے کہ اگر ایک حرف طبعی ان سے حذف کر دیا جائے تو وہ بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسم اعظم یعنی اسم اللہ سے کسی اور کو موسوم نہیں کیا جا سکتا۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: الف تمام حروف میں سے پہلا حرف ہے۔ اور جملہ حروف سے بڑا بھی۔ اس حرف سے اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف جو کہ تمام اشیاء کا جامع ہے اور ان سے جدا بھی۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمہ کا قول ہے: کہ جب بندہ اللہ کے ساتھ کامل تعلق قائم کر لیتا ہے تو تلاوتِ کلام اللہ کے دوران اسے ان مفاہیم و مطالب سے آگہی حاصل ہوتی رہتی ہے جن سے عام لوگ بے خبر رہتے ہیں۔ یہی وہ بندگانِ خاص ہیں جنہیں کوئی شے اللہ سے دور نہیں لے جا سکتی۔ اور آپ نے مزید فرمایا: ہر حرفِ قرآن میں ایک جہانِ معانی پنہاں ہوتا ہے جو بندے کے مقام کے مطابق اس پر آشکار ہوتے رہتے ہیں۔ الم کے پہلے حرف الف میں جو علوم پوشیدہ ہیں وہ دوسرے حرف لام میں پوشیدہ علوم سے بالکل مختلف ہیں۔ اور سمجھنے والے ان سے جو مفہوم اخذ کرتے ہیں وہ ان کے حضورِ قلب اور سفاء ذکر کے اعتبار سے باہمی طور پر مختلف ہوتے ہیں۔

ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے اکثر ایک ہی آیت پر مسلسل پانچ راتیں صرف کیں مگر کوئی مفہوم اخذ نہ کر سکا اور اگر یہی غور و خوض جاری رکھتا تو شاید ساری زندگی اسی طرح نہ سمجھنے میں کٹ جاتی۔ مگر کئی بار ایسا ہوا کہ ادھر میں نے تلاوت شروع کی اور میرا ذہن نہایت تیزی کے ساتھ مطالب اخذ کرتا رہا اور میرے ذہن کی پرواز بدستور اس قدر تیز ہو گئی کہ اللہ ہی نے اپنے قدرتِ کاملہ سے اسے لوٹایا۔

وہب بن ورد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ہم نے بہت باتیں، اقوال اور کتابیں پڑھیں مگر قرآن حکیم کی تلاوت اور اس کے معنی کو سمجھنے سے بڑھ کر دلوں پر رقت طاری کر دینے اور سوز قلب عطا کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی۔

# قرآن کریم سے استنباط کرنے اور سمجھنے کے غلط اور صحیح اصول

قرآن کریم سے صحیح استنباط کرنے اور اس کے پوشیدہ لطیف اشارات و رموز سمجھنے کا پہلا صحیح اصول یہ ہے کہ اس چیز کو مقدم نہ کیا جائے جسے اللہ نے مؤخر کیا ہو اور اس چیز کو مؤخر نہ کیا جائے جسے اس نے مقدم کیا ہو۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ ان حدود کو پامال کرنے کی کوشش نہ کی جائے جن کی ایک اطاعت گزار بندہ پابندی کرتا ہے تاکہ کہیں اس طرح کا عمل بندے کے لیے دائرہ بندگی سے خارج ہونے کا سبب نہ بن جائے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ شارح، قرآن کریم میں تحریف کا مرتکب نہ ہو۔ جیسا کہ ایک شخص سے کسی نے اس قول کی وضاحت چاہی:

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ [الانبیاء:۸۳]

ترجمہ: ''اور ایوب کو (یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کو مجھے تکلیف پہنچی۔''

تو اس شخص نے تحریف کرتے ہوئے کہا کہ مسنی الضر (مجھے تکلیف پہنچی) کا مفہوم ہے ماساءنی الضر (مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی)۔

اسی طرح ایک شخص نے قول باری تعالیٰ:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۖ۝۶ [الضحیٰ:٦]

ترجمہ: ''کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا۔ پھر جگہ دی۔''

کی تشریح اس طرح کی کہ یتیم سے مراد در یتیم یعنی بے مثال ہوتی ہے۔

اور کسی نے قولِ خاندی:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ [الکہف:۱۱۰]

ترجمہ: ''تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔''

کی وضاحت یوں کی کہ ان مثلکم عندکم ہے۔ (یعنی میں تمہارے نزدیک تم جیسا بشر ہوں) الغرض مذکورہ تمام مثالیں اور اس طرح کی دیگر تشریحات بلاشک وشبہ غلط اور اللہ پر بہتان باندھنے کے مترادف ہیں۔

اب ہم قرآنی آیات کی چند ایک ایسی صوفیانہ تشریحات پیش کرتے ہیں جو صحیح ہیں۔

ابوبکر کتانی علیہ الرحمہ نے قولِ خداوندی:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝۸۹ [الشعراء:۸۹]

ترجمہ: ''مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔''

کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا: قلبِ سلیم تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اس طرح اللہ سے واصل ہو کہ اس میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک موجود نہ ہو۔ دوسرے وہ جس میں اللہ کے ساتھ مشغولیت کا احساس تک بھی نہ ہو اور اس کے سوا کسی

اور کا ارادہ بھی نہ ہو۔

تیسرے اس شخص کا دل جو اللہ سے واصل ہو مگر اس میں سوائے اللہ کے کوئی اور شے موجود نہ ہو اور اللہ سے اللہ کے ساتھ فناء ہو چکا ہو اور اللہ سے اللہ کے ساتھ فنا ہو جانے سے مراد بندوں کے دل سے اطاعت، ذکر الٰہی اور ذکر خدا سے محبت تک کا احساس ختم ہو چکا ہو۔ اور اس کے دل میں موجود محبت الٰہی، اللہ کی جانب سے اس کو یاد کرنے میں فنا ہو جائے اور بندوں سے اللہ کی یہ محبت عالم خلق سے پہلے کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اللہ کا ذکر اس لیے کیا کہ خود اللہ نے انہیں پہلے یاد کیا۔ اور اگر انہوں نے اللہ سے محبت کی تو اس لیے کہ پہلے اللہ نے ان سے محبت کی۔ اور اگر انہوں نے اطاعت کی تو اس لیے کہ پہلے اللہ نے ان پر عنایت کی۔

ارشاد فرمایا:

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۙ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ۙ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۙ

[الشعراء:۷۸ تا۸۰]

ترجمہ: ''وہ جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے راہ دے گا۔ اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے شاہ کرمانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آیت میں یہ فرمایا گیا کہ جس نے مجھے پیدا فرمایا وہی میری اپنی جانب رہنمائی کرتا ہے اور غیر کی طرف نہیں جانے دیتا۔ اور وہی ذات وحدہ لاشریک ہے جو مجھے اپنی رضا سے کھلاتا اور اپنی الفت کا جام پلاتا ہے۔ اور جب میں اپنے مشاہدِ نفس کے نتیجے میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہ مجھے اپنے مشاہدے کے ذریعے شفا عطا فرمتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے میرے نفس سے مارتا اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ گویا میں اسی کے ساتھ قائم ہوں نہ اپنی ذات کے ساتھ اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اس روز شرمندہ نہیں فرمائے گا جب میں اس کے حضور اس حال میں کھڑا ہوں گا کہ میری نظر اپنے اعمال پر ہوگی اور پوری طرح اسی کا محتاج ہوں گا۔

رسول اللہ ﷺ پر یہ حقیقت منکشف تھی کہ انہوں نے جو کچھ پایا وہ فقط اپنے رب کے فضل سے پایا۔ اور وہ جو کچھ بھی تمنا کریں گے صرف اسی کی رحمت بے پایاں ہی سے پائیں گے اسی کیفیت میں آپ نے یہ دعا فرمائی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۙ [الشعراء:۸۳]

ترجمہ: ''یا رب مجھے حکم (حکمت و علم) عطا کر اور مجھے ان سے ملا دے جو تیرے قربِ خاص کے سزاوار ہیں۔''

قولِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ [الرعد:۲۸]

ترجمہ: ''وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔''

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: قلبِ مومن اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ مگر قلبِ عارف سوائے اس کے کسی اور شے سے مطمئن نہیں ہوتا۔

قولِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ [النور:۳۰]

ترجمہ: ''مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں''۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ مذکورہ آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں: ابصار ہم سے ظاہری و باطنی دونوں آنکھیں مراد ہیں۔یعنی سر میں لگی ہوئی آنکھیں اللہ کی حرام اور ممنوع کی ہوئی چیزوں کو نہ دیکھیں۔اور دل کی آنکھوں سے اللہ کے سوا کسی اور شے کو نہ دیکھے۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ [ق:۳۷]

ترجمہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو کان لگائے اور متوجہ ہو۔''

ابو بکر شبلی آیت مذکورہ کو وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں لمن کان قلب سے مراد وہ بندہ ہے کہ اللہ ہی اس کا قلب ہو پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

**ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''میرے جسم میں تیرے لیے کوئی ایک متعین دل نہیں بلکہ میرا ہر ہر عضو دل ہے اور یہ سارے دل فقط تیرے لیے ہیں۔''

مذکورہ بالا تمام تفصیلات کا تعلق قرآن کریم کو براہِ راست فہم وادراک کے حوالے سے سمجھنے سے متعلق تھیں اور اب ہم ان اشارات کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذریعے بالواسطہ آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر ہوتی ہے جیسا کہ ابو العباس بن عطا علیہ الرحمہ نے اپنے اس قول کہ لغزشوں کے ساتھ اللہ کا کوئی تعلق نہیں کے ذریعے اس آیت کی طرف اشارہ کیا اور اس سے استدلال کیا۔

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ [البقرہ:۲۰۹]

ترجمہ: ''اور اگر اس کے بعد بھی بچو (پھسلو) کہ تمہارے پاس روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

اسی طرح ابن عطاء علیہ الرحمہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ محب سے اس کے صفات بشری سمیت عذاب اور رنج کی کیفیت ساقط کر دی جاتی ہے اور اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے تھے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ [المائدہ:۱۸]

ترجمہ: ''اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔تم فرما دو پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے۔بلکہ تم آدمی ہو اس کی مخلوقات سے۔''

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمہ سے معرفت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ کیا۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ

يَفْعَلُوْنَ ۝ [النمل:٣٤]

ترجمہ: ''بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل (کر دیتے ہیں) اور ایسا ہی کرتے ہیں۔''

آپ نے آیت مذکورہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والوں کو غلام بنالیں اور انہیں ذلیل وخوار بنا کر رکھیں۔ اور وہ ان کے حکم سے سرمو انحراف نہ کریں اسی طرح معرفت جب کسی کے دل میں جاگزین ہوتی ہے تو دیگر تمام چیزوں کو نکال باہر کرتی ہے اور اس میں ہر متحرک شے کو جلا ڈالتی ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے سماع کے دوران اپنے سکون اور قلب اضطراب کے بارے میں پوچھے جانے کے بعد اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

[النمل:٨٨]

ترجمہ: ''اور تو دیکھے گا کہ پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں۔ اور وہ چلتے ہوں گے بادلوں کی چال۔ یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔''

ابوعلی رودباری علیہ الرحمہ جب اپنے رفقاء کو اکھٹا دیکھتے تو یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے۔

هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝ [الشوریٰ:٢٩]

ترجمہ: ''اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔''

زہری علیہ الرحمہ نے اپنے قول کہ ''انسان وہ جو بولے تو ایک لمحے کے لیے اور خاموش رہے تو سارا دن۔'' اس آیت کو دلیل بنایا:

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ

[محمد(ﷺ):٣٠]

ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان کو دکھا دیں کہ تم ان کی صورت سے پہچان لو اور ضرور تم انہیں بات کے اسلوب میں پہچان لو گے۔''

مذکورہ اقوال اور ان کی طرح کی دیگر امثال قرآن کریم کی صحیح تشریحات ہیں مزید اللہ ہی بہتر جانتا ہے قارئیں اگر قرآنِ حکیم کی تفسیر سے متعلق کوئی اشارات یا اقوال کہیں بھی مطالعہ کریں تو انہیں چاہیے کہ سطور گزشتہ میں بیان کردہ معیارات پر انہیں ضرور پرکھ لیں تا کہ غلط اور صحیح کا اندازہ ہو سکے۔

# اتباعِ اسوہِ رسالتماب ﷺ

## صوفیہ کی قرآن فہمی اور اتباعِ اسوۂ حسنہ

اللہ جل جلالہ نے رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعَا [الاعراف:۱۵۸]

ترجمہ: ''تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔''

آیت مبارکہ میں ہمیں حضور رسالت ماب ﷺ نے یہ سکھایا کہ انہیں تمام مخلوقاتِ عالم کے لیے جامع بنا کر بھیجا گیا۔

اور فرمایا:

اِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۙ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ

[الشوریٰ:۵۳،۵۲]

ترجمہ: ''اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو اللہ کی راہ کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔''

آیت مبارکہ میں اللہ نے اس بات کی تصدیق فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فقط سیدھے راستے ہی کی جانب رہنمائی فرماتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ﴿۳﴾ [النجم:۳]

ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔''

یعنی ہم ان کے ہر قول کو خواہشات سے پاک سمجھیں اور مزید رسول اللہ ﷺ کے منصب کی تشریح میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ ٭ [الجمعہ:۲]

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اَن پڑھوں انہی میں ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔''

اس آیت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے یہ قرآن ہم تک پہنچا انہیں سے ہم نے قرآن اور حکمت سیکھی۔ یہاں حکمت سے مراد ان کی سنت آداب، اخلاق، افعال حقائق اور احوال ہیں۔ آپ نے ہمیں وہ سب کچھ پہنچایا جو آپ پر نازل ہوا اور جس کے پہنچانے پر آپ کو مامور کیا گیا۔

جیسا کہ قرآن حکیم گویا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ [المائد:٦٧]

ترجمہ: ''اے رسول پہنچا دو جو کچھ اتارا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے۔''

اور اللہ نے تمام خلق کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ [النور:٥٤]

ترجمہ: ''تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔''

اس ضمن میں ایک اجور مقام پر فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [النسا:٨٠]

ترجمہ: ''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا''۔

امت کے ہر فرد کو چاہیے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ عطا فرمائیں وہ بلا چون و چرا قبول کرلیں اور جس سے وہ منع فرمائیں اس سے باز رہیں۔ اس مفہوم کی ایک آیت مبارکہ:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [الحشر:٧]

ترجمہ: ''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔''

قرآن کریم نے آپ کی پیروی کو شرطِ ہدایت ٹھہراتے ہوئے کہا:

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ [الاعراف:١٥٨]

ترجمہ: ''اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔''

اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا [النور:٥٤]

ترجمہ: ''اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے راہ پاؤ گے۔''

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کرنے پر فتنہ و عذاب میں مبتلا ہو جانے سے متعلق فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ [النور:٦٣]

ترجمہ: ''تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔''

اتباع رسول ﷺ سے متعلق ایک اور جگہ پر اللہ نے فرمایا کہ مومنوں کے لیے اللہ اور اللہ کے لیے مومنوں کی محبت صرف اسی امر میں پوشیدہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو لازمۂ حیات بنائیں۔

فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [آل عمران: ٣١]

ترجمہ: ''اے محبوب تم فرما دو لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔''

مومنین کی توجہ کو اسوۂ حسنہ اپنانے کی جانب مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [الاحزاب:۲۱]

ترجمہ: ''بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔''

ایک بیان ہو چکیں اب اسی ضمن میں وہ احادیث بیان کی جاتی ہیں جو ثقہ راویوں نے ثقہ راویوں سے روایت کیں اور نہایت احتیاط وحفاظت کے ساتھ ہم تک پہنچا ئیں لہٰذا ان کو جاننا اور ان پر عمل کرنا ہم سب مومنین کا فرض ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ سے ظاہر ہے:

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ [النور:۵۶]

ترجمہ: ''اور نماز بر پا رکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔''

اور فرمایا:

اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ [الزخرف:۴۳]

ترجمہ: ''بے شک تم سیدھی راہ پر ہو۔''

الغرض آپ کی ذات گرامی علیہ التحیۃ والسلام ہی جملہ خلق کے لیے نمونہ اور ان کی اطاعت روز قیامت تک لازم ہے۔ البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا شمار مرفوع القلم لوگوں کے زمرے میں ہوتا ہے۔

جس نے قرآن سے موافقت اور سنتِ رسول کی مخالفت کی وہ بلاشبہ قرآن کا مخالف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے جس قدر اخلاق، افعال، احوال، اوامر، نواہی، مباحات، ترغیبات اور ترہیبات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ ان کو اپنانا اور آپ کو اطاعت کرنا ہی سب سے بہترین اتباع ہے۔ ہاں جس مسئلے کے خلاف باقاعدہ کوئی دلیل موجود ہو اس پر عمل کو روک دینا درست ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ [الاحزاب:۵۰]

ترجمہ: ''یہ خالص تمہارے لیے ہے امت کے لیے نہیں۔''

اور جیسا کہ آپ نے صوم وصال کے بارے میں فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں''۔ [1] (یعنی رسول اللہ ﷺ کا معاملہ بعض افعال واحوال میں ہم سے مختلف ہے لہٰذا ایسے افعال واحوال کی اتباع ہم پر لازم نہیں۔)

اور قربانی سے متعلق حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ابو بردہ بینار سے فرمایا: قربانی کرو اور تیرے بعد ایسا کرنا کسی کے لیے جائز نہ ہوگا۔ [2]

جہاں تک رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئیں حدود، احکام، عبادات، فرائض سنن، امر ونہی، مباحات، رخصت اور توسیع کا تعلق ہے تو یہ جملہ علماء وفقہاء نے مدون کر چھوڑے ہیں۔ اور ان کے ہاں باقاعدہ مشہور ومروج ہیں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو ائمۂ دین کہلاتے ہیں۔ یہ اللہ کی حدود کے محافظ، سنتِ رسول سے تمسک کرنے والے، دینِ الٰہی کی تائید کرنے

[1] صحیح بخاری، مسلم، موطا امام مالک اور سنن ترمذی میں بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

[2] صحیحین میں بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

والے، لوگوں کے لیے دین کو محفوظ رکھنے والے اور ان کے لیے حلال وحرام اور حق و باطل کو الگ الگ دکھانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خلق کے لیے اللہ کی حجت ہیں اور حق کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ یہی لوگ خواص ہیں جنہیں عوام میں سے انتخاب کیا گیا۔ پھر ان میں سے بھی خاص افراد چنے جاتے ہیں جو اصولِ دین کے استحکام حدود اللہ کی حفاظت اور سنتِ رسول سے تمسک کرنے کے بعد بیٹھے نہیں رہتے بلکہ طاعات، آداب، عبادات، بلند اخلاق اور احوال سعیدہ کی تمام اقسام کے بارے میں احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں مزید غور وخوض کرتے ہیں اور سید الکونین ﷺ کے بلند ترین کردار کے مثالی نمونے کو ہمہ وقت اپنے عمل کا محور سمجھتے ہیں۔ جس چیز کو سید الرسل ﷺ نے بڑا جانا اُسے بڑا سمجھا اور جسے انہوں نے چھوٹا سمجھا اسے چھوٹا جانا۔ جو شے انہوں نے گھٹائی اسے گھٹا دیا اور جو انہوں نے بڑھائی اسے بڑھا دیا جسے انہوں نے ناپسند فرمایا اسے ناپسند کیا اور جو کچھ انہوں نے اختیار کیا اسے اپنا لیا جو چیز آپ نے ترک فرمائی اسے چھوڑ دیا۔ جن آزمائشوں پر آپ نے صبر فرمایا ان پر صبر اختیار کیا ی۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے دشمن جانا اسے اپنا دشمن جانا جس سے انہوں نے دوستی کی اسے دوست ٹھہرایا جسے انہوں نے فضیلت بخشی اسے افضل جانا جس چیز سے انہوں نے رغبت ظاہر فرمائی اس کی طرف مائل ہوئے اور جس سے وہ دور رہے اس کے قریب نہ گئے۔

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خلق رسول کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا ان کا خلق قرآن تھا یعنی ان میں قرآن سے پوری طرح موافقت موجود تھی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اعلیٰ اخلاق دے کر بھیجا گیا۔ [2]

---

1. مسند احمد، صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔
2. مسند احمد میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

# آنحضور ﷺ کے خداداد بلند اخلاق و عادات

حضور رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں: میری تربیت اللہ نے فرمائی اور کیا خوب تربیت کی۔ ۱

فرمایا: میں تم میں سے سب سے بڑھ کر اللہ کو جاننے والا اور اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ ۲

فرمایا: مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ جنسِ فرشتہ یا جنس انسان سے نبی بن کر آؤں۔ جبریل نے مجھے اشارۃ کہا: عاجزی اختیار کرلو۔ اس پر میں نے کہا: میں انسانی جنس میں سے نبی بننا چاہتا ہوں کہ مجھے بھوک بھی لگے اور سیری بھی حاصل ہو۔ ۳

فرمایا: میرے سامنے پوری کائنات کو پیش کی گیا مگر میں نے انکار کردیا۔

فرمایا: اگر میرے پاس کوہِ اُحد کے برابر سونا بھی ہوتا تو سارے کا سارا راہ خدا میں خرچ کر ڈالتا صرف اس قدر باقی رکھتا کہ قرضہ چکا لیتا۔ ۴

ایک روایت ہے کہ آپ نے کبھی اگلے روز کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھا۔ صرف ایک بار زندگی میں سارے سال کے لیے خرچ اکٹھا کرلیا تاکہ عیال اور باہر سے آنے والے وفود کی مہمانداری پر خرچ کیا جاسکے۔ ۵

روایت ہے کہ آپ کے پاس کبھی ایک ہی وقت میں دو قمیص نہیں ہوتی تھیں۔ ۶ اور کبھی آپ کے لیے خصوصی طور پر کھانا نہیں چنا گیا۔ اور آپ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ کبھی گندم کی روٹی سیر ہوکر نہیں کھائی اور آپ نے یہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے اپنایا کوئی اضطراری کیفیت نہ تھی کیونکہ اگر وہ اپنے رب جل جلالہ سے پہاڑوں کو سونا بنا دینے کو کہتے اور بلاشرکت غیر ان کی ملکیت بھی مانگتے تو ان کے لیے یہ سب کچھ کردیا جاتا اسی طرح کی اور بھی کئی روایات و اخبار موجود ہیں۔

روایت ہے کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بلال! خرچ کر اور عرش والے کے ہوتے ہوئے کمی سے نہ گھبرا۔ ۷

حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمتِ اقدس میں کھانا پیش کیا۔ آپ نے کچھ تناول فرمایا اور باقی جو بچ رہا وہ بریرۃ نے رکھ چھوڑا۔ اور دوسری رات آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: کیا تجھے یہ خوف نہ تھا کہ روزِ قیامت اس کھانے کے بدلے آگ ہوگی۔ کبھی اگلے روز کے لیے کوئی چیز جمع نہ رکھنا کیونکہ اللہ ہر روز کا رزق علیحدہ علیحدہ عطا فرماتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر بھوک ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ اور جب بھی دو کام پیش آئے تو آسان کو اختیار کیا۔ ۸

---

۱ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

۲ صحیح بخاری بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

۳ صحیح ابن حبان میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

۴ صحیحین میں بروایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہے۔

۵ شیخین سے بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مفہوم کی حدیث روایت کی۔

۶ معجم صغیر میں امام طبرانی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

۷ امام ذہبی نے اس حدیث کو حسن الاسناد قرار دیا۔

۸ متفق علیہ حدیث۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ ﷺ ہل چلانے والے تھے اور نہ ہی تاجر۔ آپ کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ اون کا لباس زیب تن فرماتے۔ اپنا جوتا خود مرمت فرما لیتے، گدھے پر سواری کرتے بکری کا دودھ دوہ لیتے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے اور سواری کرتے ہوئے اپنے ساتھ کسی کو بٹھا لینے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ امیری کو پسند نہیں فرماتے تھے اور افلاس سے ڈرتے نہ تھے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر سالم ایک ایک اور دو دو ماہ اس طرح گزر جاتے کہ گھر میں کھانا پکانے کے لیے آگ تک روشن نہ ہوتی اور ایسے میں دو ہی چیزوں کھجور اور پانی پر آپ اور آپ کے اہل وعیال کا گزارہ ہوتا۔

روایت ہے کہ آپ کی زواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو جب یہ اختیار دیا گیا کہ اپنے لیے جو چاہیں چن لیں تو انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو چن لیا۔ اور اسی ضمن میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ [الاحزاب:۲۸]

ترجمہ: ''اے غیب بتانے والے (نبی) اپنی بیویوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور آزمائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔''

**آپ کی ایک دعا یہ تھی:**

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَ احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ.

ترجمہ: ''میرے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مجھے مسکینی ہی کی حالت میں موت عطا کر اور قیامت کے روز مساکین ہی کے زمرے میں اٹھا۔'' [1]

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتِ يَوْمٍ بِيُوْمٍ

ترجمہ: ''اے میرے رب! آل محمد کو ایک ایک دن کا الگ الگ رزق عطا فرما۔'' [2]

ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود اونٹ کی ٹانگ کو ران سے باندھتے تھے (اونٹ کو بیٹھا ہوا ہی رکھنا ہو تو ایسا کرتے ہیں) پانی ڈھونے والے اونٹ کو پانی پلا دیتے، گھر کی مرمت کرتے، جوتا مرمت کر لیتے، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، بکریاں دوہ لیتے خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے اور اگر خادمہ آٹا پیستے پیستے تھک جاتی تو اس کے ساتھ آٹا پیستے۔ آپ بازار سے اپنا سودا اٹھا کر گھر تک لانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ امیر و غریب دونوں سے ایک سا مصافحہ کرتے، سلام کرنے میں ابتداء کرتے، جو آپ کی دعوت کو قبول کر لیتے اور جس قسم کا طعام بھی دعوت میں پیش کیا جاتا اسے حقیر نہ جانتے چاہے ردی کھجور بھی سامنے رکھ دی جاتی۔ آپ نرم خو، شریف الطبع، حسن معاشرت والے، شگفتہ رو متبسم لب، چہرے پر حزن مگر ترش روئی سے پاک، عجز پسند ایسے کہ ذلت قریب نہ پھٹکے، فیاض مگر فضول خرچی سے دور، رقیق القلب، ہمیشہ متوجہ رہنے والے اور ہر مسلمان پر مہربان تھے۔ سیر ہو جانے کے بعد کبھی ڈکار نہیں لیتے تھے اور نہ کبھی لالچ کی طرف

[1] ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا۔

[2] شیخین، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا۔

ہاتھ بڑھاتے۔ [1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ چلتی ہوا سے بھی بڑھ کر فیاض تھے۔ آپ نے ایک شخص کو دو پہاڑوں کے مابین ایک پوری وادی بھیڑ بکریوں سے بھری ہوئی عطا کر دی۔ یہ شخص جب اپنے قبیلے میں پہنچا تو کہنے لگا کہ رسول ﷺ اللہ ایک ایسے شخص کی طرح عطا کرتے ہیں جسے کبھی افلاس کا ڈر نہیں ہوتا۔ [2] آپ میں فحاشی، بدکلامی اور بچگانہ حرکت ہرگز نہ تھیں۔ [3] آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور زمین پر ہی نشست فرماتے، عباء پہنتے، مسکینوں کے ساتھ مل کر بیٹھتے، بازار تشریف لے جاتے، اپنے ہاتھ کو تکیہ بنا لیتے اور کسر نفسی سے کام لیتے، آپ کو کبھی کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ کبھی تنہا کھانا نہیں کھایا کبھی اپنے غلام کو مارا نہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کو مارا۔ مگر صرف اللہ کی راہ میں مارا۔ آپ کبھی چار زانو ہو کر نہیں بیٹھے اور نہ ہی کبھی تکیہ لگا کر کھانا کھایا۔ فرمایا کرتے: میں اللہ کے بندے کی طرح بیٹھتا ہوں اور ایک حقیقی بندے کی طرح کھاتا ہوں۔ [4]

روایت ہے کہ آپ نے بھوک سے اپنے بطن مبارک پر پتھر باندھے حالانکہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے کوہ ابوقیس کو سونے میں تبدیل کر دینے کے لیے بھی کہتے تو وہ آپ کی دعا قبول کر لیتا۔ [5] آپ ایک بار مع اپنے صحابہ کے ابوالہیثم ابن التیہان کے ہاں بلا دعوت کے تشریف لے گئے۔ ان کے کھانے میں سے تناول فرمایا۔ اور ان کے پانی میں سے نوش فرمایا۔ پھر فرمایا کہ یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔ [6]

ایک روایت ہے کہ کسی شخص نے آپ کو پانچ اصحاب سمیت مدعو کیا۔ اور چھٹا صحابی اس وقت داخل ہوا جب دعوت دینے والے نے اس کے شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ [7]

ایک حدیث میں روایت کیا گیا کہ آپ ایک رومال اوڑھتے تھے جس پر کچھ نقش و نگار تھے۔ اسے آپ نے یہ کہہ کر پھینک دیا [8] کہ کہیں اس کے نقش و نگار مجھے اپنی جانب متوجہ نہ کر لیں۔ اور فرمایا: مجھے ابوجہم کا جبہ لا کر دو۔

آپ سے ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کرنے کے بارے میں عرض کیا گیا تو فرمایا: کیا تم سب کے پاس دو نئے کپڑے ہیں؟ [9] پھر فرمایا: میں ایک ایسی خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی مجھے تم یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ [10]

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مگر مجھے کوئی فخر نہیں۔ [11] آپ نے فرمایا: میں نے بعض کو عطا

---

[1] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی اس طویل حدیث مبارکہ کا ذکر اجمالاً اور تفصیلاً دیگر کتب حدیث میں بھی ذکر ملتا ہے۔ آپ علیہ السلام کے جن اوصاف و محاسن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے ان میں سے بعض کا تذکرہ صحیحین میں جبکہ بعض سنن اربعہ اور بعض دیگر کتب حدیث میں ہیں۔

[2] مسند احمد اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

[3] امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

[4] مسند احمد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔

[5] متفق علیہ بروایت حضرت جابر عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

[6] الموطا، سنن ترمذی اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[7] شیخین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

[8] مفق علیہ۔

[9] صحیحین اور الموطا میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

[10] اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہیں۔

[11] صحیح مسلم بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

بخشش سے نوازا اور بعض کو محروم رکھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جسے میں نے عطا کیا وہ مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے جسے میں نہیں دیا۔ [۱]

فرمایا: سب سے پہلے فقرا انصار جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کی حالت یہ ہوگی کہ سر کے بال گرد آلود کپڑے میلے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ناز و نعم میں رہنے والی عورتوں سے نکاح نہیں کرتے تھے اور جن پر بند دروازوں کو نہیں کھولا جاتا تھا۔ (یعنی وہ مشکلات میں مبتلا رہتے تھے) [۲]

فرمایا: میرا اور دنیا کا کیا تعلق۔ [۳] تم میں سے ہر ایک کا گزارے کا سرمایہ اتنا ہونا چاہیے جتنا کہ سوار کا زادِراہ۔ [۴]

فرمایا: میری امت کے فقراء امراء سے نصف یوم، جو کہ پانچ سو برس کے برابر ہوگا پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

فرمایا: ہم پیغمبروں کا طائفہ سب سے بڑھ کر آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے بعد جو لوگ افضل ہوں پھر ان سے کم درجے کے افضل اور بندے کو اس کے دین کے معیار پر آزمایا جاتا ہے۔ اگر اس کا دین وایمان پختہ ہو تو ایسا شخص بہت بڑی آزمائش میں سے گزرنے والا ہوتا ہے۔

آپ سے ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے آپ نے فرمایا پھر آزمائش کے لیے تیار ہو جاؤ۔ [۵]

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں عزیز ہیں (خوشبو، نماز، خواتین) [۶] آپ نے یہ فرمایا کیا تم اپنی دنیا کو بہتر جانتے ہو۔ خود کو اس سے علیحدہ کر کے اسے لوگوں کے لیے چھوڑ دیا۔

آپ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ایک اینٹ پر اینٹ بھی نہیں رکھی تھی۔ آپ نے اس حالت میں دنیا سے سفر فرمایا کہ آپ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس ایک صاع جَو کے بدلے رہن پڑی تھی۔ [۷] آپ نے اپنے پیچھے درہم چھوڑے نہ دینار نہ آپ کی میراث تقسیم ہوئی اور نہ ہی آپ کے گھر سے کوئی اثاثہ ملا۔ آپ فرماتے تھے ہم انبیاء کوئی میراث چھوڑ کر نہیں جاتے صرف صدقہ چھوڑ جاتے ہیں۔ (یعنی جو مال ومتاع اگر نبی چھوڑ جائے تو وہ مفادِ مومنین کے لیے بطور صدقہ کے صرف کر دیا جائے) [۸]

آپ ہدیہ وعطیہ قبول فرماتے تھے۔ صدقہ کبھی نہ کھاتے البتہ صدقہ دینے والوں سے لے کر تقسیم فرما دیتے۔ آپ فرماتے کے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وحی نہیں بھیجی کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بن جاؤں بلکہ مجھے تو یہ وحی کی گئی:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ۧ [الحجر]

---

۱ صحیحین میں بروایت حضرت سعد رضی اللہ عنہ۔

۲ مسند احمد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۳ مسند احمد، صحیح ابن حبان سنن ترمذی میں ہے۔

۴ اسناد جید کے ساتھ طبرانی اور ابو یعلی نے حضرت حباب سے روایت کیا۔

۵ طبرانی نے کعب بن عجرہ سی روایت کیا۔

۶ عقیلی نے اسے ضعیف قرار دیا۔

۷ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیحین اور سنن ترمذی میں ہے۔

۸ صحیحین، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں یہ حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرھم سے مروی ہے۔

# مومنین کو اللہ کی عطا کردہ سہولتوں اور عنایتوں سے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بنوقریظہ، بنونظیر، فدک اور خیبر کے احوال عطا فرمائے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس لباس تھا جو انہیں تحفۃً دیا گیا تھا۔ ڈھال اور تلوار تھی جس کے دستے میں چاندی کا کام کیا گیا تھا۔ پردے تھے جو گھر میں موجود تھے۔ ایک علم تھا، ایک گھوڑا، ایک خچر، ایک اونٹنی، ایک گدھا، چادر، عمامہ، موزے جو شاہ نجاشی نے آپ کو ہدیۃً بھیجے تھے اور دیگر چیزیں۔

مزید یہ کہ آپ ٹھنڈی میٹھی چیز پسند فرماتے تھے [1] اور خبیص شوق سے تناول فرماتے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا: خوب کھاؤ پیو۔ مذکورہ اور اس طرح کی کئی دوسری روایات صحیحہ ہیں جن کا تعلق امت کو دین میں آسائش، سہولت اور وسعت و رخصت دینے سے ہے۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے لیے خلق کے امام و رہنما ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے ایک سچا اور آسان دین دے کر مبعوث کیا گیا اور آپ نے فرمایا کہ میں بھولتا ہوں تاکہ یہ میری سنت بن جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو مال کمانے، مختلف پیشے اختیار کرنے، چیزیں جمع کرنے کی رعایت، ان کی مجبوریوں کو جاننے کے باوصف، نہ دیتا تو وہ ہلاک ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ اللہ نے تو بندوں کو مال جمع کرنے، مختلف صنعتیں اور تجارتیں اختیار کرنے کی دعوت نہیں دی بلکہ ان کے لیے یہ سب کچھ اس لیے جائز کر دیا کہ اسے بندوں کی کمزوریوں کا علم ہے اور وہ ان کی مجبوریوں سے باخبر ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ اسی کی اطاعت و عبادت کی جائے اور تمام مومنوں کو اپنے ذکر، شکر اور توکل کی راہ سجھائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝٤١ [الحزاب:٤١]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو۔''

اور فرمایا:

عَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝٢٣ [المائد:٢٣]

ترجمہ: ''اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔''

وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝٩٢ [الانبیاء:٩٢]

ترجمہ: ''اور میں تمہارا رب ہوں تو میری عبادت کرو۔''

إِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝٤٠ [البقرۃ:٤٠]

ترجمہ: ''اور خالص میرا ہی ڈر رکھو۔''

---

[1] مسند احمد، سنن ترمذی میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ [البقرة:۴۱]

ترجمہ: ''اور مجھی سے ڈرو۔''

مذکورہ مباحات اور کئی امور میں رخصتوں کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام عام لوگوں سے مختلف ہیں کیونکہ اگر لوگوں کو ان کی اجازت دی گئی ہے تو اس لیے کہ وہ ضعیف اور مجبور ہیں۔ وہ صبر وقناعت کی تلخیوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے نفوس حظ دنیوی کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اور یہی وہ میلانِ نفس ہے جو بعض اوقات انہیں گمراہی کی جانب لے جاتا ہے۔ مگر انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل ہٹ کر ہے وہ تائید نبوت، قوتِ رسالت اور انوارِ وحی سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ دنیوی حظ میں شرکت کرتے ہیں یا دیگر امور دنیوی میں حصہ لیتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ وہ خود لطیف اٹھائیں بلکہ اس لیے کہ لوگوں کے لیے قائم کردہ حدود کی نشاندہی وہ اپنے عمل سے پختہ کر دیں وہ حظ اٹھانے کے لیے ان میں حصہ نہیں لیتے بلکہ اپنے فرائض پورے کرتے ہیں۔ کیا آپ کی نظر سے یہ آیت مبارکہ نہیں گزری۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ [الحشر:۷]

ترجمہ: ''جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کی ہے۔ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔''

آیت مذکورہ میں یہ خبر دی گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو جو مالِ غنیمت عطا فرمایا وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے کہ وہ اسے مناسب طریق پر تقسیم کریں۔ اور خمس الخمس جنہیں رسول اللہ ﷺ چاہیں عطا فرمائیں:

قرآن پر عمل پیرا ہونے والوں اور رسول اللہ ﷺ کی یا تباع کرنے والوں کے تین طبقے ہیں۔

ایک وہ جن کا تعلق دین میں دی گئی سہولتوں، رخصتوں اور مباحات وتاویلات سے ہے۔ دوسرے وہ جن کا تعلق دینی قوانین کے علم سے ہے۔

تیسرے وہ جن کا تعلق جہاں دینی قوانین کے علم سے ہے وہاں وہ اس سے آگے بھی نظر رکھتے ہیں وہ ایسے احوال، اعمال، اخلاق اور حقائق تک خود کو پہنچاتے ہیں جن سے بندے کے ایمان میں انتہائی پختگی اور کمال پیدا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے حارثہ نے عرض کیا: میں نے نفس کو دنیا سے کنارہ کش کر لیا، اور راتوں کو جاگا اور دن کو روزہ سے رہا آپ نے فرمایا تو نے حقیقت کو پالیا۔ اور اب اس پر ثابت قدم رہ یا آپ نے یہ فرمایا کہ ایک بندہ جس کا قلب اللہ نے منور فرما دیا۔ ❶

کہا جاتا ہے کہ تصوف سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس کی بنیاد چار حدیثیں ہیں ایک حدیث جبریل علیہ السلام جب انہوں نے آپ سے ایمان واحسان کے بارے میں سوال کیا اور آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ❷

---

❶، ❷ تخریج گزر چکی ہے۔

دوسری حدیث عبداللہ بن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر فرمایا: اے لڑکے تو حقوق اللہ کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا۔ [1]

تیسری حدیث حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے [2] اور نیکی وہ ہے جس سے تیرا دل مطمئن ہو جائے۔ چوتھی حدیث بشر بن نعمان سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اب حرام وحلال وہ دونوں الگ الگ واضح ہیں۔ [3]

ایک اور روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام میں ضرر ہے اور نہ ضرر پہنچانے کی کوئی صورت۔ [4]

---

[1] سنن ترمذی میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

[2] تخریج گزر چکی۔

[3] امام بخاری ومسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

[4] امام مالک نے مرسلاً یحییٰ المازنی سے اس حدیث کو روایت کیا جبکہ مسند احمد، اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ہے۔

# صوفیہ اور اتباعِ رسول ﷺ

میں نے ابوعمر وعبدالواحد بن علوان علیہ الرحمہ سے اور انہوں نے حضرت جنید علیہ الرحمہ کو یہ کہتے سنا کہ علم تصوف کا احادیثِ رسول سے گہرا ربط ہے۔

میں نے ابوعمر واسماعیل بن نجید علیہ الرحمہ سے اور انہوں نے ابوعثمان سعید بن عثمان الحیری کو یہ کہتے سنا کہ جس نے سنت رسولِ کو اپنے اوپر قولاً وفعلاً جاری کرلیا اور اس کی زبان سے حکمت ہی کی بات نکلی۔ اور جس نے اپنے اوپر خواہشاتِ نفس کو قولاً وعملاً حاکم بنالیا اس کی زبان سے بدعت کی بات نکلی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَ [النور:۵۴]

ترجمہ: ''اور اگر رسول کی فرماں برداری کروگے راہ پاؤگے۔''

میں نے طیفور بسطامی سے انہوں نے موسیٰ بن عیسی المعروف بہ عمی سے انہوں نے اپنے والد سے اور ان سے ابویزید بسطامی نے یہ کہا کہ ہمارے ساتھ چلو کہ اس زاہد سے ملاقات کریں جو خود کو ولی اللہ کہلواتا ہے۔ یہ زاہد اپنے زہد وعبادت کے لیے مشہور تھا اور مجھ سے طیفور نے اس کا نام ونسب بھی بیان کیا تھا (موسی بن عسیٰ کے والد کہتے ہیں) کہ ہم اس سے ملنے گئے تو وہ زاہد گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جارہا تھا اور جب مسجد میں داخل ہوا تو قبلہ کی جانب تھوک دیا یہ دیکھ کر ابویزید بسطامی علیہ الرحمہ نے کہا آؤ واپس چلیں کیونکہ جس شخص کا آداب رسول پر عمل نہیں وہ ولی کیسے ہوسکتا ہے۔

ابویزید بسطامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''میں نے ارادہ کیا کہ اللہ سے کھانے کی طرف رغبت اور عورتوں کی جانب خواہش کو ختم کرنے کا سوال کروں۔ مگر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہ کیا تو میں کیوں خلافِ سنت کروں۔ لیکن اللہ نے میرے دل کی بات پوری کردی اور اب یہ حالت ہے کہ عورت سامنے آئے تو اتنی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ یہ دیوار ہے یا عورت۔''

میں نے ابوطیب احمد بن مقاتل مکی بغدادی علیہ الرحمہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ حضرت شبلی کی وفات کے روز میں جعفر خلدی کے ہاں بیٹھا تھا کہ بندار دینوری آگئے جو کہ شبلی علیہ الرحمۃ کے خادم تھے۔ اور ان کی وفات کے وقت پاس موجود تھے۔ ان سے جعفر خلدی علیہ الرحمہ نے پوچھا: آپ نے شبلی کی موت کے وقت کیا دیکھا۔ بندار نے کہا: جب ان کی زبان بند ہوگئی اور ماتھے پر پسینہ آگیا تو اشارے سے مجھے وضو کرانے کو کہا۔ میں نے وضو کرادیا۔ مگر ڈاڑھی کا خلال بھول گیا۔ اس پر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر میری انگلیاں اپنی ڈاڑھی میں داخل کرکے خلال کیا۔ یہ سن کر جعفر رو پڑے اور کہنے لگے ایسے شخص کا کیا کہنا کہ جس سے عالم نزع میں جب کہ زبان بند تھی اور جبیں عرق آلود، وضو میں خلال تک نہ چھوٹا۔

میں نے احمد بن علی وجیہی سے اور انہوں نے ابوعلی رودباری کو یہ کہتے سنا کہ تصوف میں میرے استاذ حضرت جنید، فقہ

میں ابو العباس بن سریج ،نحو لغت میں ثعلب اور حدیث میں ابراہیم حربی استاذ تھے۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا: آپ نے اللہ کو کیسے پہچانا؟ جواب ملا میں نے اللہ کو اللہ ہی کے ذریعے پہچانا۔ اور اللہ کے سوا باقی تمام چیزوں کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے پہچانا۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: ہر ایسا وجد باطل ہے جس کی سندِ قرآن وسنت سے نہ ملتی ہو۔

ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں: اکثر یوں ہوتا ہے کہ کوئی حقیقت میرے دل کو چالیس روز مسلسل کریدتی رہتی ہے مگر میں اسے اس وقت تک قلب میں جگہ نہیں دیتا جب تک وہ حقیقت اپنے ہمراہ قرآن وسنت سے دو گواہ لے کر نہ آئے۔

اتباع رسول ﷺ سے متعلق میرے حافظے میں سردست اسی قدر معلومات تھیں جو میں نے سپرد قلم کر دیں اور یہی کافی بھی ہے کہ زیادہ سے قاری کر کے لیے تحریر کے بوجھل ہونے کا اندیشہ ہے۔

بے شک اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

# صوفیانہ تشریحات

## صوفیاء کے نزدیک مفہوماتِ قرآن وحدیث

مستنبطات کسے کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں صوفیہ بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ مفہوم اہل فہم اور محققین قرآن کو سنت سے اخذ کرتے ہیں اسے مستنبطات کہتے ہیں۔ یہ اہل فہم و محققین امت ے بالغ نظر افراد ہوتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول سے ظاہری و باطنی طور پر موافقت رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کو کسی وقت بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ قرآن وسنت کے ظاہری و باطنی احکامات پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اور جب انہیں قرآن وسنت کی اتباع کا یہ کمال حاصل ہوتا ہے تو اللہ کی جانب سے انہیں ایسا علم عطا کیا جاتا ہے جو وہ پہلے نہیں جانتے۔ یہ علم اشارہ کہلاتا ہے۔ پھر مزید یہ کہ انہیں ان کے درجاتِ عبودیت کے مطابق سر بستہ حقائق واسرار سے باخبر کیا جاتا ہے۔

الغرض مذکورہ تمام درجات واحوال سے گزرنے کے بعد یہ اہل دانش وبینش قرآن وسنت سے جو کچھ اخذ کرتے ہیں اسے مستنبطات کہتے ہیں۔

قول خداوندی ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ [محمد:۲۴]

ترجمہ: ''تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جس نے جو کچھ جانا اس پر عمل کیا اس کے بدلے اللہ کی طرف سے اسے ایک ایسا علم عطا ہوتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہیں ہوتا [1] اور یہ علم دوسرے اہل علم کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور اقفال القلوب (دل کے تالے) سے دلوں پر، خواہشاتِ نفس کی اتباعِ کثرت نگاہ، حب دنیا، طویل غفلت، حرص، آرام طلبی، خیانت اور خودنمائی کی وجہ سے زنگ لگ جانا مراد ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سچی توبہ کے ذریعے اس زنگ کو دور کردیتا ہے۔ تو یہ تالے کھل جاتے ہیں، اور قلوب، پردۂ غیب سے پانے والے اسرار وحقائق اور جملہ فوائد سے معمور ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ پانی زبان جو اِن حقائق کی ترجمانی ہوتی ہے کے ذریعے انہیں سالکین وطالبین کے گوش گزار کرتے ہیں تو انہیں خاطر خواہ فائدہ پہنچتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ [النساء:۸۲]

ترجمہ: ''تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں۔ اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔''

---

[1] حلیۃ الاولیاء میں بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غور فکر کرنے کی تلقین فرمائی ہے، اور یہ کہا ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی جانب سے ہوتا ہے تو اس میں لوگوں کو بہت اختلاف ملتا۔

اور فرمایا:
وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ [النساء:۸۳]

ترجمہ: ''اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے تو اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ بعد میں کاوش کرتے ہیں۔''

آیت کریمہ میں منہم کی ضمیر کا مفہوم اہلِ علم ہے اور صوفیہ کہتے ہیں کہ اولوالامر سے مراد اہل علم ہیں۔ گویا اہل علم اور ان میں سے اہلِ استنباط کی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا: یا رسول اللہ! مجھے علم غرائب سکھائیں۔ آپ نے فرمایا: پہلے علم پر کہاں تک عمل کیا ہے۔ اولاً اسے محکم کرو پھر آنا اور علم غرائب بھی سیکھ لینا۔ ❶

ہر دور میں مختلف علاقوں کے علماء وفقہاء کے قرآن وسنت سے متعلق ان کے مشہور ومعروف مستنبطات ہوتے ہیں۔ اور ان میں ان کے ہاں باہمی اختلاف اور دلائل بھی جاری رہتے ہیں۔ جیسا کہ ان میں سے کسی نے کہا کہ حدیث

انما الاعمال بالنيات اور و لكل امرئ مانوى فمن كانَ هجرته الى الله و رسوله الخ.❷

اور یہ بات انہوں نے صرف طریق استنباط سے اخذ کی۔

مزید برآں اہل کلام اور علماء کے تمام عقلی استدلال، مستنبطات ہی ہیں۔ اور یہ بہترین ہیں بشرطیکہ ان سے باطل کی تردید اور حق کی تائید مقصود ہو۔

اور بہترین مستنبطات وہ ہیں جو صوفیہ کرام اخذ کرتے ہیں۔

---

❶ یہ روایت شدید ضعیف ہے، ابونعیم اور ابن عبدالبر نے اسے روایت کیا۔

❷ شیخین نے حضرت فاروق اعظم سے اسے روایت کیا، امام بخاری نے صحیح بخاری کی ابتداء انما الاعمال بالنیات سے کی ہے۔

# علوم واحوالِ تصوف سے متعلق صوفیہ کی تشریحات کا باہمی اختلاف

تجھے خدا فہم سے نوازے اور وہم کو تجھ سے دور فرمائے یہ ذہن نشین کر لے کہ صاحبانِ احوال وارباب قلوب (صوفیہ) کے احوال، علوم اور حقائق کے مفاہیم سے متعلق، اپنے اپنے مستنبطات ہیں۔ انہوں نے قرآن کے ظاہری متن سے بھی لطیف و پر اسرار نکات نکالے ہیں۔ جن کا ذکر ہم عنقریب کریں گے۔ ان کے ہاں بھی مستنبطات میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ اہل ظاہر کے ہاں موجود ہوتا ہے۔ لیکن اہلِ ظاہر کا اختلاف غلطی وسہو کی جانب رہنمائی کر سکتا ہے جب کہ اہل باطن (صوفیہ کرام) کا اختلاف ایسے نتیجے سے دور ہی رہتا ہے کیونکہ یہ اختلاف فضائل، محاسن، مکارم، احوال، اخلاق، مقامات و درجات پر مبنی ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ علماء کا اختلاف رحمت ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ علماء ظاہر کے ہاں اختلاف من جانب اللہ رحمت ہوتا ہے۔ کیونکہ جو درست بات پر ہوتا ہے وہ غلطی کرنے والے کی تردید کرتا ہے۔ اور لوگوں کے لیے خطا کرنے والے کی خطا کو واضح کرتا ہے۔ تا کہ وہ دین میں غلطی کرنے سے بچے رہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ لوگ ہلاکت کا شکار ہو کر دین سے جاتے رہیں۔

اہل حقائق کا اختلاف بھی اللہ کی طرف سے رحمت ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کے مطابق گفتگو کرتا ہے، اپنے حال کے مطابق جواب دیتا ہے۔ اپنے وجد کے مطابق اشارہ کرتا ہے۔ گویا ان کے اختلاف میں اہل طاعت، ارباب قلوب اور مریدین اور محققین کے لیے استفادے کا پہلو موجود ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے درجات کے مطابق فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

ہم نے صوفیہ کے اختلاف کے بارے میں جو کچھ کہا اس کی مزید وضاحت ذوالنون رحمہ اللہ کی اس حکایت سے ہوتی ہے کہ ان سے فقیر صادق کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو کہنے لگے: فقیر صادق وہ ہوتا ہے جو خود کسی چیز سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ سب چیزیں اس سے اطمینان پاتی ہیں۔

ابو عبداللہ سے فقیر صادق کی تعریف پوچھی گئی تو کہا: فقیر وہ ہے کہ ہر چیز اس کی ملکیت میں ہو مگر وہ کسی چیز کی ملکیت نہ ہو سکے۔

ابوالحارث اَوْلاسی نے فقیر صادق کے بارے میں کہا: فقیر صادق خود کسی شے سے انس نہیں رکھتا مگر جملہ اشیاء اس سے انس رکھتی ہیں۔

یوسف بن الحسین کہتے ہیں: فقیر صادق اپنے وقت کا احترام کرے اور اس کو ترجیح دے جس نے اپنے وقت سے دوسرے وقت کی طرف توجہ کی اس پر فقیر صادق کا نام صادق نہیں آتا۔

حسین بن منصور نے کہا: فقیر صادق کے سامنے اگر اسباب پیش ہوں تو کامل رضا سے انہیں اختیار نہیں کرتا۔

شیخ نوری کہتے ہیں: کہ اسباب کے ذریعے اگر کوئی مصیبت وغیرہ فقیر صادق پر آن پڑے تو اس کے لیے وہ خدا سے کوئی شکوہ نہیں کرتا بلکہ ہر حالت میں اس کی جانب سے مطمئن رہتا ہے۔

سمنون علیہ الرحمہ کہتے ہیں: فقیر صادق مفقود سے انس کرتا ہے جب کہ جاہل موجود سے شغف رکھتا ہے۔ اور وہ موجود سے نفرت کرتا ہے جب کہ جاہل مفقود نفرت کرتا ہے۔

ابوحفص نیشاپوری نے کہا: فقیر صادق ہر وقت اپنی کیفیات کی دنیا میں مگن ہوتا ہے۔ اور جو اس کی دنیا میں خلل انداز ہو وہ اسے اپنی دنیا سے نکال کر اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ فقیر صادق کسی شے سے غناء طلب نہیں کرتا بلکہ ہر شے اس سے غناء طلب کرتی ہے۔

مرتعش نیشاپوری علیہ الرحمہ کہتے ہیں: فقیر صادق کو مصائب و آلام روزگار ستاتے ہیں مگر اسے ان کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔

الغرض صوفیہ کرام کے مفہومات میں ان کے احوال و مراتب کے لحاظ سے فرق بھی پایا جاتا ہے اور سالکین اپنے اپنے مقام و مرتبے کے مطابق ان سے مستفید ہوتے ہیں۔

# خصائص رسول اللہ ﷺ قرآن کی روشنی میں

جہاں تک قرآنِ کریم سے صوفیہ کے اخذ کردہ مفہومات یا مستنبطات کا تعلق ہے تو ان میں سے کچھ تو ہم صوفیہ کے اتباع قرآن سے متعلق باب میں بیان کر آئے ہیں۔ یہاں اس باب میں ہم نے ان مفہومات کا ذکر کرنا ہے جن کا تعلق آپ کے شرف اور دیگر انبیاء پر آپ کی فضیلت سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ [یوسف:۱۰۸]

ترجمہ: ''تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی پاکی ہے اور میں شریک کرنے والا نہیں۔''

ابوبکر واسطی کہتے ہیں کہ ادعوا الی اللہ علی بصیر کا معنی یہ ہے کہ میں اپنی ذات کو درمیان میں نہیں لاتا بلکہ انہیں اپنے دلائل کی طرف بلاتا ہوں۔ اور ایک دوسرا معنی علی بصیر کا یہ ہے کہ مجھے یقین کہ یہ بصیرت میرے لیے ہدایت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ فقط مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک اور مفہوم علی بصیرۃ کا یہ ہے کہ نفع ونقصان میرے ہاتھ میں نہیں بلکہ ان دونوں کا تعلق اللہ سے ہے، وہ چاہے تو ان میں سے کوئی بھی بندے کو پہنچا سکتا ہے۔ اور اللہ کے ارشاد انا و من اتبعنی کا معنی یہ ہے کہ جس نے اس بصیرت پر میرا اتباع کیا اور سبحان اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ جس چیز کو بھی اہم جانیں یا جو بھی ارادہ کریں اس کا تعلق اللہ کی ذات پاک سے ہو۔ اور وما انا من المشرکین کی تفسیر یہ ہے یعنی میں مشرکوں میں سے نہیں کہ لوگوں کے لیے ہدایت کو اپنی طرف سے خیال کروں یا فقط اپنی طرف سے اس کی جانب دعوت دینے کے ذریعے اس کی جانب سے ہدایت ملنے کا خیال بھی کروں۔

اور فرمایا:

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ [الاعراف: ۲۹]

ترجمہ: ''تم فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت اور اس کی عبادت کرو نرے اس کے بندے ہو کر جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے۔''

صوفیہ کے نزدیک اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اے نبی! کہہ دو کہ میرے رب نے میرے اور خلق کے معاملے میں اور اللہ اور میرے معاملے میں انصاف کے ساتھ حکم دیا۔

اور واقیموا وجوھکم عند کل مسجد کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے منہ کو سیدھا کرو ہر سیدھے راستے کا ارادہ کرتے وقت۔ وادعوہ مخلصین لہ الدین یعنی اسے ریا کاری وغرور کے بغیر پکارو۔ اور اپنے اس عمل پر ناز اں بھی نہ ہو جانا۔ کما بداء کم تعودون یعنی جس

طرح پہلے اس نے تمہیں پیدا کیا تو اسی طرح تم نتائج تک بھی پہنچ جاؤ گے۔ اور فرمایا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

[حم السجدہ:۵۳]

ترجمہ: ''ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے اپنے وجود میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے۔''

مذکورہ آیت کی تشریح میں صوفیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عنقریب ہم عالم ملکوت میں انہیں اپنی صفات دکھائیں گے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں پر جن کے لیے ہم وضاحت کرتے ہیں یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ وہ حق ہے اور اس کے سواسب باطل۔ اس ضمن میں سید الرسل ﷺ نے فرمایا کہ عربوں نے سب سے بڑھ کر جو سچ بات کہی ہے وہ لبید کا یہ مصرع ہے ع

**ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''جان لو کہ اللہ کے سواسب کچھ باطل ہے۔''

## خصوصیاتِ رسول ﷺ

محمد عربی علی التحیۃ والسلام کی ذاتِ اقدس سے متعلق چند خصوصیات جو صوفیہ بیان کرتے چلے آئے ہیں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ والصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور شرح صدر کی درخواست کرتے ہوئے فرمایا تھا:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ [طٰہٰ: ۲۶،۲۵]

ترجمہ: ''اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔''

جب کہ آنحضرت ﷺ کو بغیر درخواست کے انشراح صدر کی نوید سنائی گئی قرآن گویا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ [انشراح:۱]

ترجمہ: ''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔''

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں التجا کی:

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ [الشعراء:۸۷]

ترجمہ: ''اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔''

مگر اللہ نے حبیب کو خلیل پر فضیلت عطا کی اور ان کے سوال کئے بغیر ہی فرمایا:

لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ [التحریم:۸]

ترجمہ: ''جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو۔''

اور آپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ [الانشراح:۱تا۵]

ترجمہ: ''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔''

## اندازِ خطاب

اسی ضمن میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوق کو اپنی جانب راہ دکھاتے ہوئے عالمِ ملکوت اور دیگر چیزوں کے ساتھ خطاب کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

[الانعام:۷۵]

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی زمینوں اور آسمانوں کی۔''

اور فرمایا:

اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ [الاعراف:۱۸۵]

ترجمہ: ''کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو چیز اللہ نے بنائی۔''

اور فرمایا:

اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ [الروم:۸]

ترجمہ: ''کیا انہوں نے اپنے جی میں نہ سوچا۔''

اور فرمایا:

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ [الغاشیہ:۱۷]

ترجمہ: ''تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا۔''

لیکن جہاں بھی رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا تو براہِ راست انہی کے ذکر سے خطاب کو شروع کیا۔

جیسا کہ فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ [الفرقان:۴۵]

ترجمہ: ''اے محبوب کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ کیسا پھیلا یا سایہ۔''

## حبیب و خلیل

قولِ باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا [النساء:۱۲۵]

ترجمہ: ''اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا۔''

اس آیت کی تفسیر میں صوفیہ کہتے ہیں کہ خلیل، خُلّت سے ماخوذ ہے اور خُلّت کا معنی ہے وہ چیز جو دل کو چھیڑے اور اس میں سوراخ کرے جب کہ محبت کا مطلب ہے ایسی شے جو دل کے وسط میں جگہ کرے اور دل کے سوا دل میں جو کچھ ہو اُسے مٹا دے یہیں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حبیب کو خلیل پر کس قدر فضیلت حاصل ہے۔

خلیل سے یوں خطاب فرمایا:

اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ [الصّٰفّٰت:۱۰۲]

ترجمہ: ''کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔''

اور حبیب سے خطاب ہوا تو یوں:

وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ [الضحیٰ:۵]

ترجمہ: ''اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر فرمایا تو اس طرح:

وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ [طٰہٰ:۱۲۱]

ترجمہ: ''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔''

گویا ان کی خطا کا ذکر ان کی توبہ سے پہلے کیا اور پھر فرمایا:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ۝ [طٰہٰ:۱۲۲]

ترجمہ: ''پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔''

حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

فَغَفَرْنَا لَهٗ [ص:۲۵]

ترجمہ: ''تو ہم نے اسے معاف کر دیا۔''

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ [ص: ۳۴ـ۳۵]

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تخت پر ایک بے جان بدل ڈال دیا۔ پھر رجوع لایا عرض کی اے میرے رب مجھے بخش دے۔''

لیکن آنحضرت ﷺ سے فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ [التوبہ:۴۳]

ترجمہ: ''اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔''

اور معاف کرنے کا ذکر عتاب سے پہلے کیا تا کہ کہیں ذکر عتاب آپ پر نا گوار نہ گزرے اور ایک جگہ آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ [الفتح:۲]

ترجمہ: ''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے۔ تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔''

مذکورہ آیت میں بخش دینے کا ذکر گناہ سے پہلے کیا۔ اور گناہ کو گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی معاف فرما دیا، مزید فضیلت

یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دیگر انبیاء کرام کی طرح تمام معجزات عطا کرنے کے بعد کئی اور معجزے بھی عطا فرمائے مثلاً شق القمر، انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونا اور معجزۂ معراج۔ پھر مزید یہ کہ دیگر انبیاء کرام کو جو کچھ عطا ہوا اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خلت یعنی دوستی، موسیٰ علیہ السلام کو کلام اور سلیمان علیہ السلام کو حکومت اور ایوب علیہ السلام کو صبر سے مختص فرمایا مگر آنحضرت ﷺ کو جو کچھ مجد و شرف عطا فرمایا اسے ان کی طرف منسوب کہیں بھی نہیں فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی زندگی کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ [الحجر:۷۲]

ترجمہ: ''اے محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔''

اور فرمایا:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ [النساء:۶۵]

ترجمہ: ''تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔''

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ [الفتح:۱۰]

ترجمہ: ''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔''

اور فرمایا:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

[الانفال:۱۷۱]

ترجمہ: ''تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور اے محبوب وہ خاک آپ نے پھینکی۔ آپ نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس انداز سے تربیت فرمائی تھی کہ آپ پکار اٹھے: اے اللہ! میں حملہ نہیں کرتا بلکہ تو کرتا ہے۔ میں میدان جنگ میں حرکت کرتا نہیں بلکہ تو کرتا ہے۔ اور میں ارادہ نہیں کرتا بلکہ تو کرتا ہے۔ فرمایا:

اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝ [کہف:۱۸]

ترجمہ: ''اے سننے والے اگر تو انہیں جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان سے ہیبت میں بھر جائے۔''

اس آیت کی تفسیر میں ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے: آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اے محمد ﷺ اگر تو ہمارے سوا کسی بھی چیز کو اوپر سے جھانک کر دیکھے تو اسے چھوڑ کر تم ہماری طرف دوڑ کر لوٹ آؤ گے۔

## معراجِ جسمانی

فرمایا:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ﴾ [بنی اسرائیل:۱]

ترجمہ: ''پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکت رکھی۔''

اس آیت کی تفسیر میں صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ اگر مذکورہ آیت میں معراج سے معراج روحانی مراد ہوتی جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں تو یہاں کبھی عبد کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔ کیونکہ عبد کا اطلاق روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا ﴿۱۱۳﴾ [النسا:۱۱۳]

ترجمہ: ''اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔''

اس آیت کی تشریح میں صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتا ہے کہ میں نے تجھ پر اس لحاظ سے بہت بڑا فضل کیا ہے کہ تجھے چن لیا کیونکہ نبوت و رسالت عبادات و ریاضات کی بنیاد پر بطور استحقاق کے نہیں ملتی اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت عطا نہ فرماتا کیونکہ اس طرح تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی عمریں آپ کی عمر سے طویل تھیں اور اس لحاظ سے ان کی عبادات بھی آپ سے بڑھ کر تھیں لہٰذا فضیلت بھی ان کو ملتی اللہ نے آپ کو مکمل اور مخصوص انداز تخاطب سے یوں خطاب فرمایا:

وَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا [الطور:۴۸]

ترجمہ: ''اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔''

اور آپ کے علاوہ دوسروں سے یوں خطاب فرمایا:

اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا [آل عمران:۲۰۰]

ترجمہ: ''صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو۔''

اور فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَہُمۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ [الزمر:۱۰]

ترجمہ: ''صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے بے گنتی۔''

آنحضرت ﷺ کے لیے صبر بالمراقبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ [النحل:۱۲۷]

ترجمہ: ''اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔''

یہاں آپ کے لیے صبر کی جزاء کا ذکر تک نہیں کیا کیونکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس قدر خاص ہے کہ آپ کے ساتھ معاوضہ وغیرہ کی بات ہی نہیں فرمائی۔

# رسول اللہ ﷺ کے خصائص

## احادیث کی روشنی میں

اس باب میں صوفیہ کے ان استنباطات ومفہومات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق آنحضور ﷺ کے خصائص سے ہے۔
ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے سجدے کی حالت میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

''تیری ناراضگی سے تیری رضا میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اور تیری سزا سے تیری صفتِ عفو میں پناہ تلاش کرتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ طلب کرتا ہوں۔ میں ویسی ثنا ہرگز نہیں کرسکتا جیسا کہ تو خود اپنی ثنا کا حق ادا کرسکتا ہے۔'' ❶

اہل معرفت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کا یہ سجدہ اس آیت کا مصداق ہے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ [العلق:۱۹]

ترجمہ: ''سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔''

چونکہ وہ قرب حاصل کر چکے اس لیے انہوں نے اللہ کی صفات سے اس کی دیگر صفات کی پناہ مانگی پھر ان پر قرب کا ایک اور معنی کھلا تو فرمایا: اللّٰھم اعوذبك منك (اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں) اور قرب کی ایک اور منزل پالی تو پناہ مانگنے کی کیفیت بھی ختم ہوگئی اور فرمایا: ''لا احصی ثناء علیك'' (میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کرسکتا) پس وہ محلِ قرب میں پناہ مانگنے سے مرعوب ہو گئے تو ثنا کی طرف پناہ لی اور جو بندہ پناہ بھی نہ مانگ سکے جو کہ عبودیت کی حد ہے۔ وہ ثناء الٰہی کیسے ادا کرسکتا ہے جو کہ اللہ کی صفت ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: ''لا احصی ثناء علیك'' پھر جب انتہائی قرب کے عالم میں ثناء سے بھی گھبرا اُٹھے تو یہ جان کر خود کو ثنا کے دائرے سے بھی خارج کر لیا کہ خلق سے پہلے اللہ نے خود اپنی ثناء کی تھی اور خلق کی حمد بیان کرنے سے پہلے خود اپنی حمد بیان کی تھی۔ اور اپنی وحدانیت پر خلق کی گواہی سے پہلے خود ہی شاہد بنا تھا۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ وسلم نے فرمایا: ''انت کما اثنیت علی نفسک'' اور یہ آپ کا وہ مقام ہے جہاں نہایت تجرید وتفریب کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور بندہ ہر شے کی ایسی نفی کرتا ہے کہ خود جیسے تھا ہی نہیں اور اللہ ہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث میں جس حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے اگر تمام واجدین، عارفین اور توحید کے محققین کے جملہ اشارات کو جمع کر لیا جائے تو بھی اس حقیقت کا عشرِ عشیر سامنے نہیں آسکتا جسے آپ نے ایک اشارے سے واضح فرمادیا۔

رسول اللہ ﷺ کے قول: ''اگر تمہیں وہ کچھ معلوم ہو جائے جس کا مجھے علم ہے تو روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔'' ❷ بلکہ تم

❶ صحیح مسلم، الموطا، سنن ترمذی ونسائی وابوداؤد میں ہے۔ ❷ اس کی تخریج گزر چکی۔

پہاڑیوں کی جانب نکل جاؤ اور بچھونوں پر آرام نہ کرسکو۔
کہتے ہیں کہ اگر وہ علم جو آپ جانتے تھے اور بتاتے نہ تھے، آپ پر نازل کئے گئے علوم میں سے ہوتا اور اس کے پہنچانے کا حکم آپ کو ہوتا تو آپ ضرور اسے لوگوں تک پہنچاتے۔ اور آپ نے لوتعلمون اس لیے فرمایا کہ لوگ اسے نہیں جانتے تھے۔ اور چونکہ اس علم کا تعلق عام رائج علوم سے نہیں تھا۔ اس لیے امت میں سے کسی نے آپ سے سکھانے کا مطالبہ نہیں کیا۔

آنحضرت ﷺ کو جس قدر حقائقِ علوم اللہ نے ودیعت کئے اگر پہاڑوں پر رکھے جاتے تو وہ پگھل جاتے۔ مگر آپ ان علوم میں سے اسی قدر لوگوں کو سکھاتے تھے جس قدر انہیں ان کی ضرورت ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ [محمد:١٩]

ترجمہ: ''تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔''

اور فرمایا:

قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ [طٰہٰ:١١٤]

ترجمہ: ''اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ولو تعلمون ما اعلم سے یہ بات واضح کی کہ میں تم میں سے اللہ کو بہت زیادہ جانتا ہوں۔
آپ کا ایک قول ہے: ''میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں، میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

اس حدیث میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اس کو سمجھنے کی کسی کی عقل وفہم کو طاقت نہیں۔ اور یہ کسی کے بس میں نہیں کہ وہ بتا سکے کہ اللہ نے آپ کو کیا کھلایا اور پلایا اور یہ سب معاملہ کیا ہے۔ کیونکہ آپ نے اس سلسلے میں کچھ وضاحت نہیں فرمائی۔

آپ کی ایک دعا ہے: اے میرے رب! بچے کی طرح میری کفالت کر۔ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے سے جدا نہ کر۔ اور تیرے سوا میرا کوئی ٹھکانہ اور کوئی نجات کی جگہ نہیں۔

مذکورہ دعا میں آپ نے سچے دل سے پناہ چاہی ہے۔ اور اللہ کے حضور عاجزی کا اظہار کیا ہے اور اپنی ذات اور اس کے متعلقات کو یکسر ایک جانب چھوڑ دیا۔

ابوبکر واسطی کا قول ہے: صدق دل سے اللہ کی پناہ مانگنے، اظہارِ فقر، اور پورے خلوص وتوجہ سے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے باطن آراستہ ہوتا ہے۔

دنیا سے آنحضرت ﷺ کے سفر اختیار کرنے کے وقت آپ کے قول (ہائے میرے دکھ) کی وضاحت میں صوفیہ نے کہا: کہ آپ نے غم ودکھ کی صدا اس لیے بلند کی کہ موت کے وقت آپ جو مقامات ومراتبِ بلند دکھائے گئے اور جن تک آپ پہنچنے ہی والے تھے۔ تو ایسے میں آپ کو اس سے تھوڑی دیر کی جدائی میں بھی دکھ محسوس ہو رہا تھا اور ایسا دکھ لازماً شوقِ لقاء میں پیش آیا کرتا ہے۔

میں نے محمد بن داؤد دنیوری سے اور انہوں نے جریری کو یہ کہتے سنا کہ حضرت جنید علیہ الرحمہ سے رسول اللہ ﷺ کے اس قول: ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں مگر مجھے اِس پر کوئی فخر نہیں۔'' [1] کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا: کہو تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے جواباً کہا: رسول اللہ ﷺ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا کہ یہ فضیلت تو میرے رب کی عطاء ہے اور مجھے عطاء پر کوئی فخر نہیں کیونکہ مجھے اپنے عطا کرنے والے پر فخر ہے۔ یہ سن کر جنید علیہ الرحمہ نے کہا:

اے ابا محمد! تو نے بہترین تشریح بیان کی۔

جنید علیہ الرحمہ سے آنحضرت ﷺ کے زوجۂ زید (جو آپ کا متبنیٰ تھا) یعنی زینب سے نکاح کرنے کی وضاحت اور اس میں پوشیدہ حکمت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: حضرت زید کو ابن نبی ﷺ پکارا جاتا تھا جب کہ وہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے، حقیقی بیٹے نہ تھے اسی لیے اللہ نے چاہا کہ آپ زید کی منکوحہ سے نکاح کر لیں تا کہ متبنیٰ اور حقیقی بیٹے میں فرق واضح ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ سے بخشش طلب کرو اور اس کے حضور توبہ کرو کیونکہ میں ہر روز سو مرتبہ اس کی بخشش طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔'' [2] اس قول کا مفہوم واضح کرتے ہوئے صوفیہ کہتے ہیں کہ آپ اس لیے توبہ و بخشش کی طرف مائل رہتے تھے کہ آپ ہر سانس کے ساتھ ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتے تھے۔ اس لیے جب ان کی اگلی سانس کی کیفیت گزشتہ سانس سے برتر ہوتی تھی اور قرب کی ایک اور سیڑھی طے کر لیتے تھے تو وہ پچھلی سانس کی حالت سے اللہ کی بخشش طلب کرتے اور توبہ کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بھائی عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ رحمت فرمائے اگر ان کا تعین بڑھ جاتا تو وہ ہوا پر اڑتے۔'' [3]

جنید علیہ الرحمہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کی خبر دی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنے یقین کے بل بوتے پر پانی پر چلتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یقین چونکہ ان کے یقین سے بڑھ کر تھا اسی لیے وہ معراج کی رات ہوا پر چلے۔ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا یقین بھی میرے یقین کی طرح زیادہ ہوتا تو انہیں بھی ہوا پر چلنے کی قوت عطا کی جاتی۔

میں (شیخ ابونصر) نے حصری علیہ الرحمہ کو رسول اللہ ﷺ کے قول: ''مجھے اللہ کے ہاں ایک ایسا وقت بھی حاصل ہے جس میں میرے ساتھ سوائے اس کے کوئی شریک نہیں ہوتا۔'' کی یہ وضاحت کرتے ہوئے سنا کہ چاہے یہ صحیح ہو یا غلط کہ آپ نے ہی یہ بات کی۔ پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے جملہ اوقات میں کیفیت ایسی ہی رہتی تھی کہ ان کے ساتھ سوائے اللہ کے کوئی اور شریک نہ ہوتا۔ ہاں جس وقت انہیں خلق کو سکھانے اور تربیت دینے کا امر کیا جاتا تو وہ ایسی حالت میں لوٹ آتے کہ ان کی صفات پر احکام کی عملی کیفیت جاری کر دی جاتی تا کہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔ پھر جب ان کی صفات پر انوار

[1] اس کی تخریج گزر چکی۔

[2] امام حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس کے بارے کہا: صحیح علی شرط الشیخین ''شیخین کی شرط پر یہ روایت صحیح ہے''۔

[3] اس کی تخریج گزرے چکی۔

باطن کی تجلی ہوتی تو وہ خلق سے جدا ہو کر خالق سے جا ملتے۔ جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک رات کو اچانک بیدار ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بستر اطہر میں موجود نہیں۔ میں انہیں ڈھونڈنے اٹھ کھڑی ہوئی تو میرے ہاتھ ان کے پاؤں پر جا پڑے، جب کہ وہ سجدے میں محو تھے۔ میں نے اس وقت آپ کو یہ دعا پڑھتے سنا: ''اللھم اعوذ برضاک من سخطك'' یہی وہ وقت ہوتا تھا جب کہ آپ خلق سے کٹ کر اپنے رب کے قریب ہوتے اور ایسے میں آپ کے رب کے سوا کوئی اور نہ ہوتا تھا۔

## احادیث نبوی اور صوفیہ کے اخذ کردہ مفہومات

ابوالحسن احمد بن محمد بن سالم سے بصرہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس اشارے کے بارے میں سوال کیا گیا: ''سب سے پاکیزہ اور اچھی خوراک وہ ہے جو بندہ اپنے ہاتھوں سے کما لائے''۔ [1] سائل نے پوچھا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم کمانے کے غلام بن کر رہ جائیں گے: آپ نے جواب دیا: ''کمانا سنت رسول ہے۔ اور توکل رسول اللہ کا حال ہے۔ آپ نے امت کے لیے کسب کو اس لیے سنت ٹھہرایا کہ وہ ان کی کمزوری سے واقف تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ توکل جو کہ آپ کا حال ہے اگر اس سے لوگ عاجز ہوں اور وہ اس مقام و مرتبے سے گر جائیں جو آپ کو توکل میں حاصل تھا تو انہیں کسب تھام لے جو کہ آپ کی سنت ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتی تو وہ ہلاکت کا شکار ہو جاتے۔

مذکورہ بالا حدیث کی ایک شرح یہ بھی کی گئی کہ اگر بندہ اپنے رب کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور وہ اس کی دعا کو قبول فرما لے تو یہی اس کے لیے ہاتھ کی کمائی (کسب) ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: میرا رزق میری تلوار کے سائے تلے مقرر ہے۔'' [2] اس قول کی تشریح میں شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ آپ کی تلوار سے مراد آپ کا اللہ پر توکل ہے۔ اور جو ذوالفقار ہے وہ لوہے کا وہ ٹکڑا ہے جسے تلوار کہتے ہیں۔ اسی ضمن میں دیگر کئی مستنبطات صوفیہ بھی ہیں۔ مگر طوالت کے پیش نظر انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

ارشاد رسالت مآب ہے: ''اگر تم اللہ کامل توکل رکھو تو وہ تمہیں ایسے غذا پہنچائے جس طرح پرندے کو عطا فرماتا ہے کہ صبح خالی پیٹ اڑ جاتا ہے اور شام ڈھلے سیر ہو کر واپس آ جاتا ہے۔'' [3] اس قول پر کسی نے جناب جنید بغدادی سے سوال کیا کہ: پرندہ بھی تو اڑتا، حرکت کرتا اور طلب رزق میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے اس میں بغیر کوشش کئے بیٹھے بٹھائے رزق ملنے کی تو کوئی صورت نہیں۔ جواباً حضرت جنید نے فرمایا: اللہ کا ارشاد ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً [الکہف:۷]

ترجمہ: ''بے شک ہم نے زمین کا سنگار کیا جو کچھ اس پر ہے۔''

لہٰذا پرندوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر جانا اور نقل مکانی کرنا فقط اس زینتِ دنیا کی خاطر ہے جس کا ذکر اللہ نے گذشتہ آیت میں فرمایا ہے۔ گویا ان کا اڑنا اور حرکت کرنا، اس زمین کی زینت و آراستگی کے لیے ہے نہ کہ طلبِ رزق کے لیے۔

---

[1] امام احمد، طبرانی اور حاکم نے حضرت رافع بن جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

[2] حضرت عبداللہ بن عمر اس حدیث مبارکہ کے راوی ہیں، یہ روایت مسند احمد میں ہے اور یہ صحیح الاسناد ہے۔

[3] یہ حدیث صحیح ہے، مسند احمد، ترمذی اور مستدرک للحاکم وغیرہ میں ہے۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے دو اقوال نقل کر کے ان کی تفسیر بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا: اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تو اسے نہ دیکھے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ [1]

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے سوال: احسان کیا ہے؟ کہ جواب میں بھی وہی قول دہرایا جو آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا تھا۔

عمرو بن عثمان مکی کہتے ہیں: کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے کا مفہوم یہ ہے کہ تو اسے اس طرح دیکھتا ہے جیسے رویت اور یقین کے درمیان کوئی چیز۔ آپ نے اس دیکھنے کی کیفیت کو نہ تو عیاں کیا ہے اور نہ ہی خالصتاً یقین ٹھہرایا ہے۔ بلکہ ایک مثال دے کر آپ نے ایسی وضاحت فرمائی جو حقائقِ ایمان کی آخری حد کی نشاندہی کرتی ہے۔ اور یہی وہ مقام و کیفیت ہے جس کا مطالبہ آپ نے حارثہؓ سے کیا تھا بشرطیکہ حارثہ والی خبر صحیح ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی اللہ کی فطرت میں سخاوت اور حسن اخلاق کی خوبی ودیعت ہوتی ہے۔ [2]

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ابوبکر واسطی کہتے ہیں: ولی اللہ کی سخاوت یہ ہے کہ اپنا قلب و نفس اللہ کو ہبہ کر دے اور حسن خلق یہ ہے کہ ولی اللہ اللہ کی مختلف تدبیروں پر اپنی طبیعت کو ختم کر دے۔

شبلی علیہ الرحمہ سے حدیث: جب نفس اپنے لیے روزینہ اکٹھا کر لے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔ کی تشریح پوچھی گئی تو فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب نفس کو روزینہ دینے والے کا علم ہو جائے تو وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ۝ [النساء:۸۵]

ترجمہ: ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

قولِ نبوی ہے: کسی شے سے تیری محبت تجھے اندھا بہرا کر دے گی۔ اس کی تشریح میں جنید بغدادی کہتے ہیں کہ دنیا سے تیری محبت آخرت کے بارے میں اندھا بہرا کر دے گی۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم اہل غم کو دیکھو تو اللہ سے عافیت کی دعا کرو۔''

شبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: اہل غم سے مراد اہلِ غفلت ہیں۔

ایک اور قولِ رسول اللہ ﷺ ہے: ''جس قلب پر دنیا کی حکمرانی ہو۔ وہ حلاوتِ آخرت سے محروم رہے گا۔'' شبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بجا فرمایا۔ اور اس کی تشریح میں اس طرح کرتا ہوں کہ جس قلب پر آخرت کی حکمرانی ہو وہ حلاوت توحید سے محروم رہتا ہے۔

محمد بن فرغانی علیہ الرحمہ ابو جحیفہ سے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد ''اے ابا جحیفہ! سوال علماء سے کرو، دوستی و دانش مندوں کی اپناؤ اور محفل بزرگوں کی اختیار کرو۔'' [3] کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: علماء سے حلال و حرام کے

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ [2] امام ذہبی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا۔

[3] امام طبرانی نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

بارے میں پوچھو، دانشمندوں سے دوستی اختیار کرو جو اپنی دانش وبینش کی روشنی میں صدق وصفا اور اخلاص کے راستے پر چلتے ہیں اور بزرگانِ دین کے ساتھ بیٹھو جو ہمہ وقت اللہ ہی کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اسی کی ربوبیت کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور اللہ کی قربت کے نور سے دیکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مومن وہ ہے جو اپنی نیکی سے خوش ہو اور اپنی بدی سے رنجیدہ۔

اس کی تشریح میں سہل بن عبداللہ نے فرمایا: مومن کی نیکی سے مراد اللہ کی نعمتیں اور اس کا فضل وکرم ہے۔ جب کہ بدی سے مراد اس کا اپنا نفس ہے جو برائی میں پڑ جائے۔

رسالت مآب ﷺ کا فرمان ہے: ''دنیا ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ سوائے اللہ کے ذکر کے۔'' [1]

اس کی تشریح سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں ذکر اللہ سے مراد حرام سے کنارہ کرنا ہے یعنی جب بھی حرام بندے کے سامنے ہو وہ ذکر اللہ میں مصروف ہو جائے اور یہ بات ذہن میں رکھے کہ اللہ اس سے باخبر ہے۔ اس طرح وہ ارتکاب حرام سے بچ جاتا ہے۔

یہ تھیں وہ تشریحات جن کا تعلق براہ راست صوفیہ کے قرآن وحدیث سے مستنبط نکات سے ہے اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا قرآن وحدیث سے صوفیانہ استنباط کی کوئی اصل ملتی ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہین کہ ہاں! جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کہ وہ اپنے اصحاب میں پہنچے ہوئے تھے اور عبداللہ بن عمر جو سب سے کم عمر تھے بھی موجود تھے، ''کہ کون سا درخت انسان سے مشابہ [2] ہے۔'' ابن عمر فرماتے ہیں کہ لوگ جنگل کے درختوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے مگر میرے دل میں یہ بات آئی کہ بے شک وہ درخت کھجور ہی کا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جواب دیتے ہوئے شرم دامن گیر ہوئی اور خاموش رہا یہاں تک کہ آپ نے خود ہی فرما دیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد عمرؓ سے کہا کہ میں حضور ﷺ کے سوال کے جواب میں ''کھجور'' کہنے والا ہی تھا اس پر حضرت عمر نے فرمایا: ''اگر تم یہ بات اس وقت کہہ دیتے تو میرے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔ اس ساری بات سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے صحابہ میں سے کم سن ابن عمر کے علاوہ کسی کا ذہن اس بات کی طرف نہیں گیا، اسی طرح ان معانی سے استنباط واستدلال قلوب پر فیضان الٰہی کے اپنے اصول کے مطابق ہوتا ہے۔

---

[1] بقول ترمذی یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

[2] صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

# صحابہ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین

## ذکر ومحاسنِ صحابہ

ارشادخداوندی ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ [الواقعہ: ۱۰۰]

ترجمہ: ''اور سب میں اگلے پہلے مہاجر وانصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔''

آیت کے ظاہر سے تو سابقون کا اطلاق تمام صحابہ کرام پر ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہیں مگر ایک اور آیت سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہی سابقین دراصل مقربین ہیں جیسا کہ فرمایا:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ [الواقعہ: ۱۱۰]

ترجمہ: ''اور جو سبقت لے گئے وہ سبقت ہی لے گئے کہ یہی بارگاہ میں مقرب ہیں۔''

مقربین کی خصوصیات اور وجہ تخصیص ہم صفحات گزشتہ میں بیان کر آئے ہیں۔

اور فرمایا:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ [التوبہ: ۷۲]

ترجمہ: ''اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔''

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اکبر سے مراد اقدم یعنی بہت قدیم ہے گویا اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم اپنے قدیم علم کی بناء پر کہا۔ اس طرح مفہوم یہ ہوا کہ اللہ نے چاہا کہ وہ اس سے رضا طلب کریں اور پھر انہیں راضی کر دیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابی ستارے ہیں ان میں سے تم نے جس کی پیروی کی تم نے ہدایت پالی۔'' [1] اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں نجوم (بڑے ستاروں) کی قسم کھائی ہے جن سے ان کی زیادہ روشنی کی وجہ سے بحر و بر میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نجوم سے تشبیہ دی ہے نہ کہ کواکب سے کیونکہ کواکب چھوٹے ستارے ہوتے ہیں جن سے رہنمائی حاصل نہیں کی جاسکتی اور ہدایت کو پیروئ صحابہ سے جملہ ظاہر و باطنی معانی میں مشروط فرمایا ہے۔ جہاں تک ظاہر معانی کا تعلق ہے۔ تو وہ، حدود، احکام اور حلال و حرام میں علماء و فقہاء کے ہاں رائج ہیں۔

---

[1] امام بیہقی نے اسے روایت کیا جبکہ امام دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث مبارک کو روایت کیا۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے: میری امت پر سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ابوبکر صدیقؓ، سب سے زیادہ قوی عمرؓ، سب سے زیادہ باحیا عثمانؓ، سب سے بڑھ کر علم فرائض کا جاننے والا زیدؓ، سب سے بڑھ کر حلال وحرام کا علم فرائض کا جاننے والا زیدؓ، سب سے برھ کر حلال وحرام کا علم جاننے والا معاذؓ بن جبل، سب سے بڑا قاری ابی بن کعبؓ اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا علیؓ ہے جب کہ اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر غفاریؓ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں۔ ①

ہدایت کے پیروی صحابہ کے ساتھ مشروط ہونے کے باطنی مفاہم کا آغاز ہم رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے کرتے ہیں جب انہوں نے فرمایا: ''میرے بعد ابوبکر عمر رضی اللہ عنہا کی پیروی کرنا''② لہٰذا ہم بھی پہلے ابوبکر اور پھر عمر کے تذکرے سے ابتدا کرتے ہیں۔

ابوعتبہ حلوانی کہتے ہیں: کیا میں تمہیں ان احوال سے مطلع نہ کروں جن پر صحابہؓ رسول ﷺ قائم تھے۔

**پہلا حال** یہ تھا کہ وہ اللہ کے دیدار کو زندگی سے بڑھ کر عزیز جانتے تھے۔

**دوسرا حال:**

كانوا لا يخافون عدوا قلوا او كثروا.

ترجمہ: ''دشمنوں کی کثرت وقلت سے خائف نہ ہوتے تھے۔''

**تیسرا حال:** دنیا میں تنگی وعسرت سے کسی طرح خوف نہیں کھاتے تھے۔ اللہ کی جانب سے رزق ملنے پر بھروسہ رکھتے تھے۔

**چوتھا حال:** اگر ان میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑتی تو نقل مکانی نہ کرتے تا آنکہ اللہ ان کے لیے کوئی فیصلہ صادر نہ فرماتا۔

محمد بن علی کتانی کہتے ہیں: ابتداءِ اسلام کے زمانے میں لوگ آپس میں دین کے مطابق معاملات طے کرتے تھے یہاں تک کہ یہ حالت بھی نہ رہی۔ پھر دوسرے قرب کے لوگوں نے ایک دوسرے سے وفاداری برتی، تا آنکہ یہ بھی نہ رہی پھر تیسرا زمانہ آیا: اور لوگ ایک دوسرے سے مروت کے ساتھ پیش آتے تھے پھر مروت بھی ختم ہوگئی پھر چوتھے قرن میں حیاء موجود رہی۔ کچھ عرصہ بعد حیاء بھی نہ رہی اور اس کے بعد لوگ صرف رہبت ورغبت ہی ایک دوسرے سے برتنے لگے۔

---

① امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک کے طریق سے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا۔

② امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت حذیفہ سے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا۔

# سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ذکر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ کرام پر ان کی ان احوال کے لحاظ سے فضیلت جو صوفیہ کے لیے رہنما اصول ہیں۔

مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر پکارنے والا یہ پکارے کہ جنت میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا۔ تو مجھے یہ امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ اور اگر کوئی یہ صدا بلند کرے کہ دوزخ میں ایک ہی شخص جائے گا تو مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں شخص میں نہ ہوں۔'' مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہی رجاء اور خوف کی سب سے بڑی کیفیت ہے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔

ابوالعباس ابن عطاء سے قول خداوندی ''کونوا ربانیین'' کی تشریح کے لیے کہا گیا تو فرمایا: کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم ابوبکر صدیق کی طرح ہو جاؤ۔ کیونکہ جب سید الرسل ﷺ کا انتقال ہوا تو تمام مسلمانوں کے دل پریشان ہو گئے مگر ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل حوصلے میں رہا۔ اور آپ نے باہر کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! جو محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو بلاشبہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ تو بے شک وہ زندہ ہے کبھی اس کو موت نہیں آئے گی۔ ❶

الغرض یہ کہ ربانی کی تعریف یہ ہے کہ حوادث اس کے قلب پر بالکل اثر انداز نہیں ہوتے چاہے انقلاب شرق و غرب بھی کیونکہ نہ برپا ہو جائے۔

ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ تصوف پر مبنی پہلا بیان امت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے ادا ہوا جس سے صوفیہ نے وہ لطیف مطالب اخذ کئے جس میں عقلاء الجھے رہے۔ اور یہ بیان وہ تھا جو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا۔ اے ابوبکر تو نے اپنے اہل و عیال کے لیے کیا باقی چھوڑا؟ تو ابوبکر صدیق نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول۔

مجھے اپنی زندگی کی قسم کہ حقائقِ تفرید میں اہل توحید کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بلند اشارہ نہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کے کئی اقوال ہیں جو صوفیہ کے لیے معانی و لطائف کا منبع ہیں جیسا کہ آپ کا وہ قول جو آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا جب رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے تھے اور صحابہ اس صدمے سے بری طرح متاثر تھے۔ آپ نے فرمایا تھا: جو محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا سو وہ تو اس جہان سے رخصت ہو گئے، اور جو اللہ کی پرستش کرتا ہے سو وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔'' اس قول سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ثباتِ توحید کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہی وہ قول ہے جس سے آپ نے دیگر صحابہ کے قلوب میں بھی ثباتِ توحید کو جاگزین فرمایا۔

اور غزوۂ بدر کے موقع پر جب آنحضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

---

❶ مسند احمد اور مسند عبدالرزاق میں یہ روایت موجود ہے۔

ترجمہ: ''اے میرے رب! اگر تو نے اس گروہِ (مومنین) کو آج ہلاک کر دیا تو اس کے بعد روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔''

تو اس موقع پر حضرت ابوبکر کا یہ ارشاد بہت اہمیت رکھتا ہے:

یارسول اللہ! آپ فکر نہ کریں خدا کی قسم کہ وہ آپ سے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کرنے والا ہے [1] اور اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾ [الانفال: ۱۲]

ترجمہ: ''جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔ عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا۔''

اس آیت کے ذریعے اس وعدے کی تصدیق کی گئی جس میں اللہ کی جانب سے مدد پہنچنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت تمام صحابہ کے قلوب اس سلسلے میں مضطرب تھے۔ اور اسی آیت سے حضرت ابوبکر صدیق کی خصوصیت اور ان کے ایمان کی حقیقت کو بھی واضح کیا گیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا وجہ ہے باوجود احوال میں مکمل ہونے کے رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے روز متغیر ہو گئے تھے جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطمئن رہے۔ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ چونکہ نبی کریم ﷺ ابوبکر کی نسبت اللہ کو بہت بڑھ کر جانتے تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باقی صحابہ کے مقابلے میں بہت قوی ایمان کے حامل تھے۔ اس لحاظ سے یہ واضح ہو گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طمانیت کا باعث وعدۂ حق تعالیٰ پر مضبوط ایقان و ایمان تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا متغیر ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ اللہ کو بہت زیادہ جانتے تھے۔ اور وہ اللہ کی جانب سے وہ علوم و معارف رکھتے تھے جو نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانتے تھے اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی اور ان سے بہرہ ور تھا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھتے کہ جب بھی تیز ہوائیں چلنے لگتیں تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا جب کہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کا رنگ بھی متغیر نہ ہوتا۔ اور آپ کا قول ہے: اگر تم وہ کچھ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم روتے زیادہ اور ہنستے کم۔ اور تم پہاڑیوں کی جانب نکل جاتے۔ اور تم بستروں پر آرام سے نہ سو سکتے''[2] (مذکورہ حدیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کا متغیر ہونا یا پریشان ہونا اللہ سے بہت زیادہ قریب ہونے اور علوم و اسرار سے انتہائی واقفیت کی بنا پر تھا)

حضرت ابوبکر صدیق کو بصیرت اور الہام دونوں عطیے عطا کئے گئے تھے۔ جن کا استعمال آپ نے تین بار کیا۔ پہلی بار اس وقت جب تمام صحابہ کرام نے زکوٰۃ کا انکار کرنے والے مرتدین کے خلاف جہاد نہ کرنے پر اتفاق کر لیا تھا مگر حضرت ابوبکر صدیق ان کے خلاف جہاد کرنے پر ڈٹے رہے۔ اور کہا کہ اگر انہوں نے رسی کا ایک ٹکڑا بھی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ میں ادا کرتے تھے، ادا نہ کیا تو میں ان سے مقابلہ کروں گا۔ نتیجہ یہ نکال کہ بالآخر آپ ہی کی رائے درست ثابت ہوئی

---

[1] صحیح مسلم، سنن ترمذی بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

[2] اس کی تخریج گزر چکی۔

اور باوجود اختلاف کرنے کے آخر کار تمام نے آپ ہی کے فیصلے پر صاد کیا۔ [1]

دوسری بار آپ نے اپنی راست والہامی بصیرت سے اس وقت کام لیا جب تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو واپس بلانے کا فیصلہ کیا مگر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم۔ میں اس گرہ کو کبھی نہیں کھولوں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہو۔ [2]

اور تیسری مرتبہ اس وقت جب آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! میں نے تجھے ایک تحفہ دیا اور وہ ہے تیرے وہ دو بھائی اور دو بہنیں۔ جب کہ عائشہ صدیقہ کو صرف یہی معلوم تھا کہ ان کے دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی امید سے تھیں جب آپ نے فرمایا: کہ میرے وجدان میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ وہ بچی کو جنم دے گی اور اس نے بچی ہی جنی۔ اور یہ آپ کے فراست والہام جیسی خوبیوں سے مزین ہونے کی ایک بہت بڑی مثال تھی۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' [4]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عظمت کردار اور شخصیت کی بزرگی سے متعلق اور بھی بے شمار واقعات وروایاتِ صحیحہ موجود ہیں مگر طوالت سے بچنے کی خاطر اختصار ہی کو کافی سمجھا گیا۔

بکر بن عبداللہ الحزنی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق فرمایا کرتے: ''اے آدم علیہ السلام کی اولاد! اٹھو اور اس آگ کو بجھا ڈالو جسے تم نے جلا رکھا ہے۔''

ایک روایت ہے کہ اگر کبھی آپ نے کوئی چیز کھائی اور بعد میں شبہ پڑ گیا تو اسی وقت اُسے قے کر کے اگل دیتے۔ اور فرماتے: ''خدا کی قسم! اگر اس مشتبہ کھائی ہوئی چیز کے ساتھ میری روح بھی نکل جائے تو میں اسے خارج کرنے میں تامل نہ کروں گا۔ کیونکہ میں نے آن حضرت ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے یہ سنا ہے کہ جس جسم کو حرام کی غذا ملی ہو وہ آگ کی بہت زیادہ مستحق ہو گی۔'' اور آپ فرمایا کرتے: چاہتا ہوں کہ میں سبزہ ہوتا اور مجھے چرندے کھاتے اور خوفِ عذاب و دہشت یوم الحساب کا سوچ کر خیال کرتا ہوں کہ مجھے تو پیدا ہی نہ کیا جاتا۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: قرآن کریم کی تین آیات ایسی ہیں جن نے مجھے باقی ہر چیز سے بے نیاز کر دیا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے:

ترجمہ: ''اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں۔''

اس آیت سے میں نے یہ جان لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھلائی عطا کرنا چاہے تو سوائے اس کے اسے کوئی ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا۔ اور دوسری آیت یہ ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ [البقرة: ١٥٢]

---

[1] شیخین اور اصحاب سنن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا۔

[2] امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا۔

[3] امام مالک وطبرانی بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: ''تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔''

اسی لیے میں نے اللہ کے سوا سب کچھ بھلا کر صرف اسی کے ذکر ہی کو حرزِ جان بنالیا۔اور تیسری آیت یہ ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا [هود: ٦]

ترجمہ: ''اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔''

خدا کی قسم میں نے اس آیت کی تلاوت کے بعد پھر کبھی اپنے لیے رزق کا غم ہی نہیں کیا۔

## مدحِ صدیقؓ میں ابوالعتاہیہ کے چند اشعار

**ترجمہ اشعار:**

(۱) اے وہ شخص! کہ تو دنیاوآزمائش دنیا پر نازاں ہے یہ غرورِ دنیا کچھ بھی نہیں صرف مٹی پر مٹی رکھنے کے مترادف ہے۔

(۲) جب تو تم لوگوں میں سے شریف ترین شخص کو دیکھنا چاہے تو اس بادشاہ پر نظر کر جو درویشوں کے لباس میں ملبوس ہے۔

(۳) یہی وہ شخص ہے کہ جس کی مہربانی کا لوگوں پر سکہ جما ہوا ہے اور یہی وہ شخص ہے جو دین و دنیا دونوں میں ٹھیک ٹھیک چلتا ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: توحید کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بڑھ کوئی بہتر قول نہیں کہا گیا۔آپ نے فرمایا: پاک ہے وہ اللہ کہ جس نے خلق کے لیے اپنی معرفت سے خلق کے عاجز ہونے کے سوا کوئی راستہ نہیں بنایا۔

# سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

سید الرسل ﷺ نے فرمایا: امتوں میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ بذریعۂ الہام کلام فرماتا ہے۔ اور اگر اس امت میں ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہے۔

کسی شیخ سے حضرت عمر کے اللہ سے بذریعۂ الہام ہم کلام ہونے یعنی ان کے محدث ہونے کے بارے میں وضاحت کے لیے کہا گیا تو فرمانے لگے۔ درجۂ صدیقین میں سے اعلیٰ درجہ پر فائز بندے کو محدث کہتے ہیں۔ اور اس کے آثار حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نمایاں تھے جیسا کہ بیان کیا گیا کہ جب وہ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تو عین خطبے کے درمیان انہوں نے باوازِ بلند پکارا: ''یا ساریۃ الجبل'' (اے ساریہ پہاڑ کی جانب ہو جاؤ۔) حالانکہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ قلعۂ نہاوند کے دروازے پر کھڑے تھے انہوں نے اتنی دور سے آپ کی آواز سن لی اور پہاڑ کی جانب ہو گئے جس کے نتیجے میں انہیں دشمن پر فتح نصیب ہوئی۔ بعد میں جب ساریہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو کیسے علم ہو گیا تھا تو کہنے لگے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدا خود سنی کہ وہ فرمارہے تھے: اے ساریہ پہاڑ کی جانب ہو جاؤ۔ (1)

ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو خطبہ دیتے ہوئے ایک ایسی قمیص پہنے دیکھا جس میں بارہ پیوند لگے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو مجھے میرے عیبوں سے باخبر کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان عمر کے سائے سے ڈرتا ہے۔ (2)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو اللہ سے ڈرا اس نے اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا نہیں کیا اور نہ ہی اس نے وہ کچھ کیا جو اللہ چاہتا تھا۔ اور اگر قیامت نہ ہوتی تو تم وہ کچھ دیکھتے جو تمہارے گمان سے بالکل مختلف ہوتا۔ اس کے بعد آپ نے ایک کچی اینٹ اٹھا کر فرمایا کاش کہ میں یہی اینٹ ہوتا کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ کاش کہ میں کچھ بھی نہ ہوتا۔

آپ نے ایک اور روایت کے مطابق فرمایا: مجھے فقط اسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا جو اللہ کے لیے اور اسی کی جانب سے تھی۔ اور اس طرح کی آزمائش میں میرے لیے چار نعمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی آزمائش میری قدرت سے باہر ہوتی ہے۔ اور دوسری یہ کہ مجھے اس سے وحشت نہیں ہوتی۔ تیسری یہ کہ اس میں رضا سے مجھے محروم نہیں کیا جاتا۔ اور چوتھی یہ کہ میں اس پر اللہ سے ثواب پانے کی امید کرتا ہوں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے تو مجھے اس بات کی پرواہ نہ ہوتی کہ ان میں سے کس پر سوار ہو جاؤں۔

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اپنے افلاس کی شکایت کی آپ نے فرمایا: کیا تیرے ہاں آج رات کا کھانا موجود ہے

---

(1) امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس کا ذکر کیا۔

(2) شیخین نے بطریق حضرت سعد بن ابی وقاص، ترمذی نے بطریق حضرت عائشہ صدیقہ، اور امام احمد نے بطریق حضرت بریدہ ان الفاظ سے ملتی جلتی احادیث ذکر کی ہیں۔

اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا پھر تو مفلس نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے روئے زمین پر کوئی شخص بھی اس قدر عزیز نہیں کہ اس کے چہرے جیسا چہرہ لے کر اللہ کی بارگاہ میں شرف باریابی پاؤں سوائے ایک شخص کے اور وہ ہے یہ چادر اوڑھے ہوئے عمر (رضی اللہ عنہ) ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو دوپہر کے وقت کسی کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے دیکھا تو ان سے دشمن کے بارے میں پوچھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: صدقہ کے اونٹ لوٹ لیے گئے ہیں ان کی بازیافت کے لیے دوڑا جا رہا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا: یا امیر المومنین آپ نے اپنے بعد خلفاء کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔

صوفیہ حضرت عمر کی خصوصیات کو اپنے لیے نمونہ اور نشانِ راہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ وہ پیوند لگے کھردرے کپڑے پہنتے، ترک شہوات فرماتے، مشکوک چیزوں سے اجتناب فرماتے اور ہر معاملے میں وقار و شرافت کا اظہار فرماتے حق کے واضح و ثابت ہونے کے بعد لوگوں کی ملامت کی پروانہ کرتے۔ باطل کو مٹانے والے تھے، حقوق کے اعتبار سے اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے طاعات کو اختیار کرنے میں شدت برتتے۔ اور ممنوعہ چیزوں سے اجتناب میں سختی سے کاربند تھے۔ آپ کی اس قسم کی باتیں بہت طویل ہیں جن سے چند ہم نے بیان کی ہیں۔

یہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد میں بیٹھا دیکھا تو انہیں کام کرنے کمانے کا حکم دیا۔ اور جس کے بارے میں انہوں نے حضرت سلمان کو بھی لکھا، تو یہ اس لیے کہ آپ کو اس جماعت کے مسجد میں بیٹھنے میں کوئی کمزوری یا لوگوں سے طمع رکھنے جیسی برائی نظر آئی ہوگی یا کوئی اور کمزوری۔ اسی بنا پر آپ نے انہیں ہاتھ سے کمانے کا حکم دیا (ورنہ مسجد میں صرف للہ فی اللہ بیٹھا جائے اور کوئی کمزوری قلب و نظر میں نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات عمر و ابوبکر رضی اللہ عنہما، نے اصحاب صفہ کو دیکھا ہی تھا جب کہ ان کی تعداد تین سو دس یا اس سے زیادہ تھی۔ مگر رسول اللہ، حضرت عمر اور حضرت ابوبکر نے اسے برا نہیں منایا اور نہ ہی اصحابِ صفہ کو مسجد سے نکل کر کسبِ معاش کا حکم دیا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غزوہ اُحد کے روز اپنے بھائی زید الخطاب سے فرمایا: اگر تو پسند کرے تو میں اپنی زرہ اتار کر تجھے دے دیتا ہوں۔ جواباً زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسے آپ شہید ہونا چاہتے ہیں ویسے ہی مجھے بھی شہادت عزیز ہے۔'' مذکورہ روایت میں حضرت عمر کا بغیر زرہ کے میدان جہاد میں جانے کی خواہش سے ہمیں حقیقتِ توکل کے بارے میں ایک بہت بڑا اشارہ ملتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر نے فرمایا: میں نے چار چیزوں میں عبادت کو موجود پایا ہے:

پہلی: اللہ کے فرائض کی ادائیگی۔

دوسری: اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے اجتناب۔

تیسری: فقط اللہ سے ثواب پانے کی خاطر امر بالمعروف کرنا۔

چوتھی: اللہ کے غضب سے بچنے کے لیے برائیوں سے لوگوں کو روکنا۔

# امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تمکین سے نوازا گیا تھا کہ جو کہ محققین (صوفیہ) کے اعلیٰ مراتب میں سے ایک ہے اور حضرت عثان کی جن خصوصیات سے صوفیہ کا تعلق ہے۔ وہ متقدمین کی زبانی ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ان سے تونگری اپنانے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ مقام صرف انبیاء وصدیقین ہی کے لیے درست ہوتا ہے۔ اور تونگری جو صدیقین کے احوال میں سے ہے اختیار کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اشیاء کو استعمال میں لا کر ان سے دور رہے اور دوسری صورت یہ کہ اشیاء کے ساتھ برائے نام رہتے ہوئے ان سے کاملاً جدا ہو، جیسا کہ یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے عارف کی تعریف پوچھی گئی تو فرمایا: ایک ایسا شخص کہ اشیاء کے ساتھ رہنے والا بھی اور ان سے جدا بھی ہو۔

ابن الجلاء فقیر صادق کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کا اشیاء میں دخول غیر کے لیے ہوتا ہے، اپنے لیے نہیں۔

اور حضرت عثان کا معاملہ بالکل ایسا ہی ہے کہ انہوں نے دنیا کے مال ومتاع کو اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے خرچ کیا۔ جیسا کہ ایک روایت کے مطابق وہ خود فرماتے ہیں: اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اسلام میں شگاف ایسا ہے جسے میں نے اپنے مال سے بھرنا ہے تو میں نے یہ مال کبھی جمع نہ کیا ہوتا۔ جس شخص کی یہ حالت ہو اس کی علامت یہ ہے کہ ہمیشہ مال کو جمع رکھنے سے خرچ میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے جیش العسرۃ کی تیاری اور بئر رومۃ (کنواں) کی خرید میں کیا۔ جسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے (یعنی خرید بئر رومہ اور تجہیز جیش عسرت) کے بعد حضرت عثانؓ کچھ بھی کریں انہیں اس کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔''

روایت ہے کہ حضرت عثان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے غلام کو ایک ہزار درہم کی تھیلی دے کر روانہ کیا۔ اور غلام سے یہ کہا اگر انہوں نے یہ رقم قبول کر لی تو اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔

مذکورہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کے اموال اس طرح کی مدات میں صرف کرنے کے لیے بروقت تیار رکھے جاتے تھے۔ اور ایسی سخاوت صرف کامل معرفت والے ہی کو حاصل ہوتی ہے۔

میں نے ابن سالم سے اور انہوں نے سہل بن عبداللہ کو یہ کہتے سنا: سعۃ (تونگری) کا مقام صرف اس شخص کو مل سکتا ہے۔ جو اذن (اجازت من جانب اللہ) سے نوازا گیا ہو۔ ایسے بندے کو جس قدر اس کا رب تعالیٰ اجازت دیتا ہے اسی قدر اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اور اسی قدر مال روک رکھتا ہے جتنے کی اللہ اسے اجازت دے۔ اور ایسا بندہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ اموال کو اس لحاظ سے اپنے پاس رکھے ہوئے ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق اس کے ذریعے پورے کرتا ہے نہ کہ اپنی آسائش کے لیے اسے جمع رکھتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس وکیل کی سی ہے جو اپنے مالک کے مال میں اس کی اجازت سے مالکانہ تصرف کرتا ہے۔ بلاشبہ ایسا مقام ایک مشکل مقام ہے جس میں کئی لوگوں نے غلطی کہینا پر خود کو اس پر فائز سمجھا ہوا ہے حالانکہ وہ دنیا کے غلام ہیں۔ چہ جائیکہ ایسے مقام پر فائز ہوں۔

سہل بن عبداللہ نے فرمایا: بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص دنیوی مال ومتاع کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ

اپنے وقت کا سب سے بڑا تارک الدنیا بھی ہوتا ہے۔ سہل بن عبداللہ سے کہا گیا کہ کس طرح ؟ فرمایا: عمرو بن عبدالعزیز کی طرح کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں اپنے لیے جلائے جانے والے تیل اور قوم کے لیے جلائے جانے والے تیل میں بھی فرق قائم رکھتے رہے۔ وہ اپنا چراغ تین سرکنڈوں پر رکھتے تھے۔ اور زمین کے خزانوں کے مالک تھے۔

یہاں کچھ لوگ غلط فہمی کی بنیاد پر غناء کو فقر پر ترجیح دے بیٹھتے ہیں حالانکہ وہ یکسر غلطی پر ہوتے ہیں اور ایسے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیوی مال واسباب کی کثرت کی بنا پر مذکورہ لوگ غنی نہ تھے اور نہ ہی کوئی دنیوی مال ومتاع نہ رکھنے کے باعث فقیر کہلایا جاسکتا ہے بلکہ ان کا غنی ہونا اس لیے ہے کہ وہ اللہ کو پاچکے تھے اور فقیر اس لیے کہ وہ اللہ ہی کے حاجت منداور اسی کی چاہت کے پیاسے تھے۔

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے باغ کا گٹھا اٹھا کر لا رہے تھے جب کہ ان کے کئی غلام تھے۔ کسی نے عرض کیا: آپ نے یہ گٹھا کسی غلام سے کیوں نہ اٹھوالیا؟ آپ نے فرمایا: میں یہ اپنے کسی غلام سے اٹھواسکتا تھا میری مرضی یہ تھی کہ اپنے نفس کو آزماؤں کہ وہ اس سے عاجز آتا ہے اور اسے ناپسند کرتا ہے کہ نہیں۔ یہاں یہ بات واضح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نفس کو نہیں بلکہ ریاضت نفس کو تلاش کر رہے تھے تاکہ مبادا وہ اپنے مال ومنال سے مطمئن ہو جائیں کیونکہ آپ کا معاملہ اس طرح کے حالات میں دوسرے لوگوں سے مختلف تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر رکعت میں قیام کے بعد سبع طوال پڑھتے تھے اور رات کو بیدار رہتے۔

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کسی کی بدگوئی نہیں کی اور نہ کبھی اپنی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے چھوا ہے۔ ❶

آپ کی تمکین اور ثبات واستقامت کی دلیل وہ واقعہ ہے جب آپ کو شہید کردیا گیا مگر آپ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ ❷ نہ کسی کو جنگ وجدل کی اجازت دی اور نہ ہی گود سے قرآن مجید کو ہٹایا اور اسی حالت میں آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ خون مصحف پر بہہ نکلا آپ خون میں لتھڑ گئے اور خون اس آیت پر گرا۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ [البقرة: ١٣٧]

ترجمہ: ''تو اے محبوب عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا۔''

میں نے ابوعمرو بن علوان سے اور انہوں نے حضرت جنید کو ایک شب یہ مناجات کرتے ہوئے سنا میرے اللہ! کیا تو مجھے اپنے قرب کے قریب میں رکھے گا یا مجھے اپنے وصل کے ذریعے خود سے جدا کردے گا۔ بیہات ہے، میں نے ابوعمرو سے پوچھا بیہات سے کیا مراد ہے تو کہا: تمکین۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بھلائی کو چار چیزوں میں جمع پایا۔

۱۔ نوافل کے ذریعے اللہ سے محبت کے اظہار میں۔

۲۔ احکام خداوندی پر صبر میں۔ ۳۔ اللہ کی مقرر کردہ تقدیر پر راضی رہنے میں۔

۴۔ اللہ کی نگاہ سے حیاء کرنے میں۔

❶ ابن ماجہ بروایت حضرت عثمان۔ ❷ مسند ابویعلی بروایت مسلم بن سعید، اس کے رجال ثقات ہیں۔

# امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ

احمد بن علی وجیہی نے ابوعلی روزباری سے اور انہوں نے جنید بغدادی کو یہ کہتے سنا: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگوں میں شریک نہ ہوتے تو ہمیں اپنے علم سے بہت مستفیض فرماتے آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا تھا۔ اور یہ علم لدنی ایسا علم ہے جس سے حضرت خضر علیہ السلام کو بھی نوازا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ [الکہف: ٦٥]

ترجمہ: ''اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔''

آپ نے موسیٰ وخضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے قصہ ضرور سنا ہوگا کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا [الکہف: ٦٧]

ترجمہ: ''آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے۔''

یہاں پر بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ ولایت کو نبوت پر فضیلت دی گئی۔ ان شاءَ اللہ آئندہ صفحات میں ہم اس طرح کا خیال رکھنے والوں کی تردید کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ کو اللہ نے گہرے مطالب و معانی لطیف اشارات، علم ایمان اور معرفتِ توحید سے متعلق خوبصورت و دلنشین عبارات واقوال سے نوازا۔ اس کے ساتھ آپ کے اخلاق اور عادات بھی ارفع تھیں۔ جملہ صوفیہ کرام آپ کی مذکورہ خصوصیات کو اپنے لیے ایک نمونہ سمجھتے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق روایات واخبار کافی ہیں۔ مگر طوالت سے پرہیز کرتے ہوئے ہم کچھ مختصراً پیش کرتے ہیں۔

حضرت علی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے رب کو کس طرح جانا؟ آپ نے فرمایا: جس طرح اللہ نے مجھے اپنی ذات کا علم عطا کیا ہے اس کے مطابق وہ اس طرح ہے کہ اس سے کوئی صورت مشابہ ہے۔ نہ ہی حواس کے ذریعے اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی لوگ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ وہ دوری میں قریب اور قرب میں بعید ہے۔ وہ ہر چیز کے اوپر ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی شے اس کے نیچے ہے۔ ہر شے کے تحت موجود ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی شے اس سے اوپر ہے۔ ہر شے کے سامنے ہے مگر کوی شے اس کے سامنے نہیں۔ وہ ہر شے میں اس طرح موجود ہے کہ کسی شے کی طرح کسی شے سے اور کسی شے میں نہیں۔ پاک ہے اس کی ذات والا صفات جو مذکورہ تعریف کے مطابق ہے اور اس کے علاوہ کسی اور طرح سے نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو پہلے سے موجود کسی شے سے نہیں بنایا اور نہ کسی پہلے سے موجود شے سے اپنی صفت میں مشابہت پیدا کی جب کہ دیگر سارے صانع کسی شے سے ہی ایک اور شے بناتے ہیں۔ اور اس جہان میں جس قدر عالم لوگ ہیں وہ پہلے جاہل تھے اور جہالت سے علم کی جانب آئے جب کہ اللہ تعالیٰ ایسا عالم ہے کہ اس

پر کبھی عرصۂ جہالت نہیں گزرا بلکہ وہ ہمیشہ سے عالم ہی ہے۔

عمرو بن ہند ایمان کے بارے میں حضرت علی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایمان قلب میں ایک سفید نقطے کی مانند ہے جوں ہی ایمان میں اضافہ ہوتا ہے قلب بھی مزید سفید ہوتا جاتا ہے اور جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو قلب بھی پوری طرح سفید ہو جاتا ہے اور منافقت جب دل میں سیاہ نقطے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور جوں جوں دل میں گھر کرتی جاتی ہے یہ سیاہی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے جب منافقت مکمل طور سے دل پر چھا جاتی ہے تو سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

## اوّلیں شارحِ احوال ومقامات

ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایمان کے بارے میں استفسار کیا تو فرمایا: ایمان کے چار ستون ہیں۔ صبر، یقین، عدل اور جہاد۔ پھر آپ نے ان چاروں احوال کے دس دس درجے بیان فرمائے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہوں گے جنہوں نے احوال ومقامات پر گفتگو کی۔

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ سب سے بڑھ کر بے عیب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے عقل کو اپنا امیر بنایا اور اسے کسی وزیر سے بچائے رکھا۔ جس نے موعظت کو اپنی زمام، صبر کو اپنا قائد تقوی کو اپنا نگہبان خوف خدا کو اپنا جلیس اور موت ومصیبت کو اپنا دوست بنایا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اس میں ایک علم ہے کاش کہ کوئی اس امانت کو اٹھانے والا مل جاتا۔

آپ باقی صحابہ کرام سے بایں لحاظ ممتاز تھے کہ آپ کو توحید ومعرفت کو بیان کرنے پر کامل عبور تھا۔

بیان ایک ایسا ملکہ ہے کہ جس کا شمار اعلیٰ احوال ومعانی میں ہوتا ہے۔

قولِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ [آل عمران: ۱۸۷]

ترجمہ: ”اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا۔“

اور فرمایا:

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۸ [آل عمران]

ترجمہ: ”یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے۔“

کوئی بندہ اس وقت تک کمال کو نہیں پہنچتا جب تک اسے ملکہ بیان حاصل نہ ہو۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جو عقل رکھتا ہو وہ علم سے بھی بہرہ ور ہو اور نہ ہر علم رکھنے والا حسنِ بیان کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے، ہاں جب کسی کو بیک وقت عقل، علم اور بیان کی صلاحیتیں عطا کی گئی ہوں تو وہ منصب کمال کو پہنچا۔

ایک مشہور روایت ہے کہ جب صحابہ کرام دین کے بارے میں کسی مشکل مسئلے سے دو چار ہوتے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور وہ ان کی مشکل کو فوراً حل کر دیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اپنے دوست سے محبت میں میانہ روی برتو کہ کل کہیں وہی تیرا دشمن نہ ہو جائے۔ اور اپنے دشمن سے بحدِ اعتدال دشمنی کرو کہ کل وہی تیرا دوست نہ بن جائے۔ ❶

آپ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے خزانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے سونا چاندی! جا میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایک قمیص پہنی تھی جو آپ نے تین درہم میں خریدی تھی اور جسے بعد میں آپ نے ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کے برابر پھاڑ دیا (یعنی لمبی آستینوں کو انگلیوں کے برابر کاٹ دیا۔

ایک روز آپ نے دن بھر مزدوری کی۔ شام کو ایک مد (دو رطل کے برابر ایک پیمانہ) کھجور معاوضہ ملا جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اور انہوں نے تناول فرما کر تقویت پائی۔

آپ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تو چاہے کہ اپنے دوست سے ملاقات کرے تو قمیص اور جوتے کو پیوند لگا، اپنی خواہشات کم کر، اور سیر ہو کر مت کھا۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ ❷

کہا جاتا ہے کہ جب آپ کو شہید کیا گیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اے کوفہ کے لوگو! تمہاری آنکھوں کے سامنے امیر المؤمنین شہید کر دیئے گئے۔ انہوں نے دنیا میں اپنے پیچھے صرف چار سو درہم چھوڑے جو انہوں نے اس لیے الگ رکھ چھوڑے تھے کہ اس سے ایک خادم خریدیں گے جو ان کی خدمت کرے گا۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ کا رنگ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی متغیر ہو جاتا اور کانپنے لگے اور ایسی حالت میں جب آپ سے اس کا سبب پوچھا جاتا تو فرماتے اس امانت کو لوٹانے کا وقت آن پہنچا ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ [الاحزاب: ٧٢]

ترجمہ: "بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی۔"

اسی لیے مجھے خدشہ ہے کہ اس امانت کو بہتر طور پر ادا کر سکوں گا یا نہیں۔

آپ نے ایک موقع پر فرمایا: "میرے اور میرے نفس کی مثال چرواہے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی سی ہے کہ چرواہا جب اپنے ریوڑ کو ایک جانب سے اکٹھا کرتا ہے تو دوسری طرف سے بکھر جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احوال، اخلاق اور افعال سے متعلق بہت سے اقوال اور روایات ہیں جو صوفیہ کرام میں سے اربابِ قلوب اور اہلِ اشارات کے لیے ہمیشہ رہنما اصول کا کام دیتی چلی آئی ہیں۔

الغرض دنیا کو ترک کرنے والوں، اپنی تمام تر ملکیتوں کو خیر باد کہنے والوں اور فقر و تجرید کی بساط پر بیٹھنے والوں کے امام

---

❶ یہ روایت موقوف ہے، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ سے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

❷ ابن سعد نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جنہوں نے دنیوی مال ومتاع میں سے کچھ تو راہ خدا میں قربان کر دیا اور کچھ حصہ اپنے اہل وعیال، صلہ رحمی اور دیگر حقوق کی ادائیگی کے لیے باقی چھوڑا ان کے امام سیدنا عمر الخطاب رضی اللہ عنہ اور جنہوں نے اپنے تمام اموال اللہ کے لیے جمع کیے، اسی کے لیے روکے رکھے، لوگوں کو اس میں سے عطا کیا اور خرچ کیا، ان کے امام سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور دنیا کا طواف نہ کرنے والوں چاہے وہ انہیں بغیر مانگے بھی کیوں نہ ملے اور اسی طرح دنیوی مال ومتاع سے دور رہنے والوں کے امام سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ بھلائی چار چیز میں ہے، خاموشی، قوتِ گویائی، بینائی اور حرکت۔ ہر ایسی گفتگو جو ذکرِ خدا سے خالی ہو لغو ہے، ہر وہ خاموشی جو فکر کے لیے اختیار نہ کی گئی ہو، سہو ہے، ہر وہ نگاہ جس میں عبرت نہ ہو وہ غفلت ہے اور ہر وہ حرکت جو اللہ کی عبادت کے لیے نہ ہو سستی و کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنی قوت گویائی کو ذکرِ خداوندی، خاموشی کو فکر، نظر کو عبرت اور حرکت اور کو اللہ کی بندگی کے لیے وقف کر دیا ہو۔ اور لوگ اس کی زبان اور ہاتھوں سے محفوظ ہوں۔

# اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

احادیث کے مطابق اصحاب صفہ کی تعداد کم و بیش تین سو دس تھی یہ حضرات نہ کاشتکاری کرتے تھے۔ نہ گھوڑوں کو سدھاتے تھے اور نہ ہی تجارت کرتے تھے۔ مسجد میں سوتے اور مسجد ہی میں کھانا کھاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان سے انس رکھتے ان کی مجلس میں بیٹھا کرتے ان کے ساتھ کھاتے پیتے اور لوگوں کو ان کی عزت کرنے اور ان کی فضیلت جاننے کی تلقین فرماتے تھے۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے اصحاب صفہ کا ذکر ذیل کی آیات مبارکہ میں فرمایا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [البقر:۲۷۳]

ترجمہ: ''ان فقریوں کے لیے جو راہِ خدا میں روکے گئے۔''

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ [الانعام:۵۲]

ترجمہ: ''اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔''

اور فرمایا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ [الکہف:۲۸]

ترجمہ: ''اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ سے ان کا ذکر اس طرح فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ [عبس:۱،۲]

ترجمہ: ''تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔''

آخر الذکر آیت کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل کی گئی جن کا تعلق اصحاب صفہ سے تھا۔ یہ وہ شخص تھے جنہیں دیکھ کر آپ فرماتے: اے وہ شخص کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے عتاب کیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب تک اصحاب صفہ آنحضرت ﷺ کے گرد بیٹھے رہتے آپ کبھی ان کی مجلس سے از خود نہ اٹھتے اور ان سے مصافحہ کرتے وقت جب تک وہ ہاتھ نہ کھینچ لیتے آپ اپنا ہاتھ کھینچنے میں پہل نہ فرماتے۔

اکثر یوں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کو صاحب استطاعت صحابہ میں تقسیم فرمادیتے کسی کے ساتھ تین تو کسی کے ساتھ چار پانچ بھیج دیتے تاکہ وہ ان کے خورد نوش کا بندوبست کرے۔ بعض اوقات اکیلے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ۸۰ اصحاب صفہ کو ساتھ لے جاتے۔ ❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا جو ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھ تھے جوان

---

❶ صحیح بخاری میں بروایت حضرت ابو ہریرہ۔

❷ قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ، محمد بن سیرین سے حلیۃ الاولیاء میں مروی ہے۔

کے گھٹنوں تک نہیں پہنچتے تھے اور جب ان میں سے کوئی رکوع میں جاتا تو کپڑے کو کھینچ کر رکھتا کہ مبادا ستر پوشی نہ رہے۔ [1]

ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اُون کی عبائیں پہن کر ہمارے جسموں سے بھیڑ بکریوں کی بو آنے لگی۔

عبداللہ بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم نے اصحابِ صفہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خشک کھجوریں کھا کھا کر ہمارے پیٹ جل گئے آپ نے ہم پر مردار کا کھانا بھی حرام کر دیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ صبح صبح آ کر یہ کہتے ہیں کہ خشک کھجور نے ہمارے پیٹ جلا دیئے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہی خشک کھجور اہل مدینہ کی خوراک ہے۔ اور جو چیز انہوں نے ہمیں مہیا کی وہی ہم نے آپ کو بھی فراہم کی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ اللہ کے رسول کے گھر سے تو ایک یا دو دو ماہ تک گندم کی روٹی پکنے کے لیے دھواں تک نہیں اٹھتا اور اس کا گزارہ سوائے کھجور اور پانی کے کسی اور چیز پر نہیں۔ [2]

مذکورہ حدیث میں قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں اصحابِ صفہ سے معذرت کرتے ہوئے ان کی شکایت کو رَد نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی انہیں کوئی پیشہ اختیار کر کے کمانے کا حکم دیا۔

ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب صفہ کی ایک جماعت کو اس حال میں دیکھا کہ وہ (مختصر اور نامکمل کپڑوں کے باعث) برہنگی سے بچنے کے لیے ایک دوسرے میں خود کو چھپا رہے تھے۔ ایک قاری انہیں قرآن کریم کی آیات سنا رہا تھا اور وہ رو رہے تھے۔ [3]

اصحاب صفہ کے علاوہ دیگر صحابہ بھی بلند احوال، پاکیزہ اعمال اور اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ تھے اور ان کی یہ خصوصیات بلاشبہ صوفیہ کے لیے نور ہدایت کا درجہ رکھتی ہیں۔

---

[1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، صحیح بخاری میں ہے۔

[2] امام حاکم نے طلحہ بصری سے روایت کیا اور یہ صحیح الاسناد ہے۔

[3] اس حدیث کو امام ابوداؤد، ترمذی اور بزار نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

# فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم

زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کو ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں اپنی چادر کا کنارہ خود سیتے ہوئے دیکھا۔

حارث بن عمیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نزع کے وقت یہ کہتے سنا: ''اپنے چاہنے والے کی جس طرح چاہے جان لے لے مگر مجھے تیری عزت وجلال کی قسم میں پھر بھی تجھ سے محبت کئے جاؤں گا۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے عذاب الٰہی کے خوف سے کہا: کاش میں خاک ہوتا اور ہوا میں مجھے اڑاتی پھرتیں۔ کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تنتیس برس تک پیٹ کی بیماری میں مبتلا رہے ایک روز دوست ان کی عیادت کرنے کو گئے تو ان سے کہا: آپ کی بیماری کی طوالت ہمارے آپ کے پاس آنے سے مانع رہتی ہے۔انہوں نے جواب دیا: آپ ایسا نہ کریں۔میرے رب کو اگر میری یہ تکلیف پسند ہے تو مجھے بھی یہی پسند ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ [الحجر:۴۳]

ترجمہ: ''اور بے شک جہنم ان سب کا وعدہ ہے۔''

تو چیخ ماری اور ماتھے کو پیٹ کر رہ گئے پھر وہ باہر کی جانب نکل کھڑے ہوئے اور تین روز باہر ہی رہے۔ [1]

روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ عراق سے شام کی طرف پیدل جا رہے تھے انہوں نے موٹے کپڑے کا جبہ پہنا ہوا تھا اور چہرے کا رنگ متغیر تھا ان کی یہ حالت دیکھ کر کسی نے کہا کہ آپ نے خود کو ذلیل کر دیا ہے۔حضرت سلمان نے فرمایا: آخرت کا سنور جانا ہی اصل بھلائی ہے اب تو میں غلام ہوں اور اسی لیے غلاموں جیسا لباس پہنتا ہوں جب مجھے آزاد کر دیا جائے گا تو پھر خوبصورت لباس پہنوں گا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دورِ جاہلیت میں تاجر تھا اسلام قبول کیا تو چاہا کہ تجارت اور عبادت کو یکجا کر لوں مگر ایسا نہ ہو سکا اور بالآخر میں نے عبادت کو تجارت پر ترجیح دی۔ [2]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی والدۂ محترمہ سے ان کی افضل عبادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: تفکر اور توکل۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا حق پر قائم رہنا فقط اللہ کے لیے ہے۔اور اللہ سے میرے اسی تعلق نے میرے لیے کوئی دوست نہ چھوڑا۔روزِ حساب کے خوف سے میرے جسم پر گوشت باقی نہ رہا۔اور اللہ کی جانب سے ملنے والے ثواب پر پختہ یقین نے میرے گھر میں کچھ نہ رہنے دیا۔مجھے اس ایک دن کا غم کھائے جا رہا ہے جو ابھی آیا بھی نہیں۔کسی

---

[1] شیخ حافظ العراقی کہتی ہیں کہ میں نے اس روایت کو بہت تلاش کیا مگر مجھے اس کی صحت کسی طریق سے معلوم نہ ہو سکی۔

[2] بقول حافظ ہیثمی ،اس روایت کے رجال صحیح ہیں اور طبرانی اسے روایت کیا۔

نے سبب پوچھا تو فرمایا: میری امید میری اجل سے بھی آگے نکل گئی میں چاہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے درخت پیدا کیا ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کسی دعوتِ ولیمہ میں تشریف لے گئے مگر وہاں آپ نے کوئی ایسی بات سنی کہ یہ کہتے ہوئے، وہاں سے لوٹ آئے کہ جس نے لوگوں کے گناہوں میں اضافہ کیا وہ بھی انہی میں سے ہے اور جوان کے اچھے عمل سے خوش ہوا وہ ان کے نیک کاموں میں شریک ہے۔

حبیب بن مسلمہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کے پاس ایک ہزار درہم لے کر گئے مگر انہوں نے یہ کہہ کر وہ درہم لوٹا دیئے کہ ہماری بکری ہے جس سے ہمیں دودھ مل جاتا ہے۔اور سوری بھی ہے۔جس کی پیٹھ پر سوار ہو کر سفر کر لیتے ہیں اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی تو نہی دنوں حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی ہتھیلی پر طاعون کا پھوڑا نکل آیا اور صحابۂ کرام بھی اس وباء سے گھبرا گئے۔اس پر ابوعبیدہ نے فرمایا: مجھے اللہ کی قسم! کہ اگر اس طاعون کے پھوڑے کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں انہیں قبول نہ کروں۔

ایک شخص نے ابوعبید بن جراح رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگنے کے لیے سوال کیا مگر آپ نے اپنے کچھ نہ دیا وہ دوسری مرتبہ آیا تو آپ نے اس کو کچھ عطا کیا اور ساتھ یہ بھی کہا جس نے تجھے خالی ہاتھ لوٹایا اور جس نے تجھے عطا کیا وہ میں نہیں اللہ تعالیٰ ہے۔

آپ نے ایک اور موقعہ پر فرمایا: بہتر تھا کہ مینڈھا پیدا کیا گیا ہوتا اور اللہ کے نام پر قربان کر دیا جاتا، میری ہڈیوں سے سارا گوشت کھالیا جاتا یا کاش کہ مجھے پیدا ہی نہ کیا گیا ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: خوش آمدید! اے ناپسندیدہ چیزو! یعنی موت اور تنگ دستی، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی مجھ پر آ جائے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں ابابیل کے گھونسلے تھے، اور انہوں نے بچے دے رکھے تھے کسی نے کہا کہ آپ ان ابابیل کے گھونسلوں کو گرا کیوں نہیں دیتے۔اس پر آپ نے فرمایا: میں یہ زیادہ پسند کروں گا کہ میرے ہاتھ میری اولاد کی قبریں کھودتے ہوئے ٹوٹ جائیں بجائے اس کے کہ میں اپنے ہاتھوں سے ان پرندوں کے گھونسلوں میں سے ایک انڈہ بھی لے کر توڑوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو دیوار پر بیٹھے پاؤں لٹکائے اشعار گنگنا رہے تھے میں نے کہا اے میرے بھائی! کیا اسلام اور قرآن سے بہرہ ور ہونے کے بعد یہ حالت ہے تو انہوں نے جواب دیا: میرے بھائی شعر تو عرب کا دیوان ہے۔کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے تنہا رسول اللہ ﷺ کے سامنے ننانوے کافر مبارز (جنگ کے آغاز میں مقابلے کے لیے للکارنے والے) جہنم رسید کیے اور اب یہ حالت ہے کہ بستر پر مروں گا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر کے شاہ شہرک سے ایک جنگ کے موقع پر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ کتنے ہی ایسے مفلس و نادار لوگ ہیں کہ جن کے کسی سوال کو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا: اور اگر یہ لوگ اللہ پر کوئی قسم

کھائیں تو وہ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں مین سے ایک براء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

براء بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرتے تھے کہ اے میرے رب! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میرے ساتھیوں کو فتح نصیب کر اور مجھے شہادت عطا فرما۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول کی انہیں شہادت اور ان کے ساتھیوں کو فتح عطا کی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ بیٹھنے کی جگہ تمہارے اپنے گھر ہیں کہ جہاں بیٹھ کر نہ تم کسی کو دیکھتے ہو اور نہ کوئی تمہیں دیکھتا ہے۔

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو فقر و فاقہ کی آزمائش میں اس لیے ڈالتا ہے کہ بندہ محتاج ہو کر اس کے پاس آئے اور اسی کو پکارے۔

کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے رخسار کثرتِ گریہ سے جوتے کے تسمے کی مانند ہو گئے تھے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ میں کپڑے کو پیوند لگا کر پہنتا ہوں تو ایسا لباس میرے اللہ کی نظروں میں بلند ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اور ایسا پیوند لگا لباس مجھے اس لباس سے زیادہ عزیز ہے۔ جو مجھے خالق اور مخلوق دونوں کی نظروں میں گرا دے۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرمایا: لوگ آخرت کو عزت نہیں پا سکتے اگر وہ اپنی تعریف و ثناء کو ترک نہ کر دیں۔ اور اللہ کی محبت میں ان کو ملامت نہ کیا جائے۔

اور فرمایا کہ بندے کو حج اور جہاد کا اجر پوری طرح نہیں مل سکتا جب تک کہ وہ مصیبت واذیت پر صبر کرنا نہ سیکھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی ایسے شخص سے ملنا چاہے جس کے دِل کو اللہ نے نورِ ایمان سے منور فرمایا ہو تو وہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔

حضرت ثعلبہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے آ رہے تھے اور اس روز وہ مروان بن الحکم کے نائب بھی تھے۔ اس موقع پر انہوں نے مجھ سے کہا اے ابن مالک! امیر کے لیے راستہ کشادہ کرو میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے اتنا ہی راستہ آپ کے لیے کافی ہے۔ اتنے میں انہوں نے پھر کہا کہ امیر کے لیے راستہ کشادہ کرو۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو رونے لگے کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے: اس لیے روتا ہوں کہ منزلِ نجات دور ہے اور زادِ راہ کم یقین کمزور ہے اور ایک گہرا گڑھا سامنے ہے خدا جانے اس گڑھے سے جنت کی جانب جانا ہو گا یا دوزخ کی جانب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رات کو تین حصوں میں منقسم کر رکھا ہے۔ پہلا حصہ نماز کے لیے دوسرا حصہ سونے کے لیے اور تیسرا حصہ احادیث رسول ﷺ یاد کرنے کے لیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز سب سے پہلے جو لوگ حوضِ کوثر کے پاس پہنچیں گے وہ لاغر و دبلے لوگ ہوں گے کہ اگر ان کو رات آلے تو غم کے ساتھ اس کا استقبال کریں۔ [5]

---

[5] یہ روایت صحیح الاسناد ہے، اسے ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم میں سے کچھ لوگ غیر شادی شدہ تھے اور ہم مسجد میں سور ہتے تھے کیونکہ ہمارا اور کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسی کو عزیز جانو جس کے دین کا تمہیں اعتبار ہو۔ اور فرمایا: متقی اور صاف باطن شخص کو کھانا کھلایا کرو اور ایسے شخص ہی سے کھایا کرو۔ اور فرمایا: ابنِ آدم پر وہی کچھ مسلط کیا جاتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہو اگر وہ صرف اللہ سے ڈرتا رہے تو وہ اس پر کوئی چیز مسلط نہیں فرماتا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کتنی ہی ایسی لحاتی لذتیں ہیں جو انسان کا طویل غموں میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ وہ دن میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کا باعث بنتا ہے جب میرے گھر والے مجھ سے کسی چیز کے نہ ہونے کا شکوہ کریں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کہیں دعوت پر مدعو کیا گیا وہاں آپ نے کچھ لوگوں کو اہلِ عجم جیسا لباس پہنے دیکھا۔ تو یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے کہ جس نے کسی قوم سے مشابہت پیدا کی وہ انہی میں سے ہو گیا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد کے روز فرمایا: اے اللہ میں تجھ پر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں دشمن کے مقابل اتروں وہ مجھے قتل کر دیں پھر میرا پیٹ چاک کر دیں پھر مجھے مسخ کر دیں اور اس حالت میں تجھ سے ملوں تو تو مجھ سے سوال کرے کہ کس کے لیے قتل ہوئے ہو؟ اور میں جواب دوں تیرے لیے! سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش کی یہ دعا قبول ہوئی اور ویسا ہی ہوا جیسے انہوں نے چاہا تھا۔ [1]

صفوان بن محرز مازنی فرمایا کرتے تھے جتنی دیر میں گھر آ کر بیوی کے پاس بیٹھو اور ایک چپاتی لے کر کھا لوں بس اتنی سی مدت کے لیے اس دنیا میں کسی بندے کے برائی کا موقع ملتا ہے اور اس سے مدت بڑھنے نہیں پاتی کہ وہ یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوفروہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ تھے اور بنی سلیم کے غلام تھے۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اللہ کا ذکر کئے بغیر ایک میل چلے تو پھر سے واپس ہو کر آغازِ سفر کیا اور ذِکرِ الٰہی بھی کرتے گئے۔ جب منزل پر پہنچے تو اللہ کے حضور عرض کی۔ یا اللہ! ابوفروہ کو نہ بھلانا کہ اس نے تجھے نہیں بھلایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک قبر کے پاس بے ہوشی طاری ہو گئی لوگ ان پر رونے دھونے لگے جب ہوش میں آئے تو کہا ہر نکلنے والی جان اور ہر رینگنے والے جانور کی جان مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہے۔

کسی نے پوچھا ایسا کیوں ہے تو جواب دیا: اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی ایسا لمحہ نہ آ جائے کہ جس میں مجھ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ ہو سکے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابورواحہ رضی اللہ عنہ اچانک رو پڑے۔ انہیں دیکھ کر ان کی اہلیہ بھی رو پڑیں آپ نے پوچھا رونے کا سبب کیا ہے اہلیہ نے کہا اس لیے کہ آپ رو رہے ہیں۔ اس پر آپ نے کہا میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ دوزخ میں داخل کیا جاؤں گا اور نکالے جانے کی خبر نہیں دی گئی۔

---

[1] امام طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ساری رات اس طرح گزاری کہ کھڑے رہے اور آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے روتے رہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

[الجاثیۃ:۲۱]

ترجمہ: ''کیا جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے؟؟''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چیونٹیوں کو کھلاتے تھے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: پاکیزہ دل اور راست گو پاکیزہ دل شخص کی وضاحت کے لیے عرض کیا گیا تو مزید فرمایا: پاکیزہ دل سے مراد ایسا متقی اور صاف باطن بندہ جس کے دل میں کدورت و حسد نہ ہو، اور جو دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت کرتا ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے اندر ایسا بندہ سوائے ابورافع کے اور کوئی نظر نہیں آیا۔ ❶

محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بھلائی عطا کرنا چاہتا ہے تو اس کی طبیعت میں تین خوبیاں پیدا فرما دیتا ہے۔ پہلی یہ کہ اسے دین فہمی عطا کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ اسے دنیا سے کنارہ کش فرما دیتا ہے۔ اور تیسری یہ کہ اسے عیوبِ نفس دیکھنے کی صلاحیت سے نواز دیتا ہے۔

حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ بنو قشیر کی مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے آپ نے جب یہ آیت تلاوت کی تو گر کر جان بحق ہو گئے۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ یَوْمَىِٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۙ﴿۹﴾ [المدثر:۹،۸]

ترجمہ: ''پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن کڑا دن ہے۔''

حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے آپ نے ہمیں جنت اور دوزخ یاد دلائی اور اس طرح سے یاد دلائی کہ گویا جنت و دوزخ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ آپ کی مجلس سے اٹھ کر گھر آیا تو ہنسا اور لوگوں سے ملا اس پر میں نے یہ کہا کہ حنظلہ نے منافقت کی۔

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حنظلہ! تجھے کیا ہو گیا؟ میں نے انہیں سارا قصہ سنایا تو فرمایا: بلاشبہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ پھر حنظلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اپنی حالت سے باخبر کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے حنظلہ! اگر تم گھروں میں بھی ویسے ہی رہو جیسا کہ میرے سامنے ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بچھونوں پر آ کر تم سے مصافحہ کریں۔ (راوی کہتے ہیں) یا آپ نے یہ فرمایا: اے حنظلہ! قیامت، قیامت (یعنی قیامت کو یاد رکھو)

حضرت لجاج رضی اللہ عنہ جن کی کنیت جیسا کہ ابوداؤد سجستانی نے اپنی کتاب میں درج کی ہے، ابوکثیر ہے۔ یہ صحابیٔ رسول تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر تقریباً پچاس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔

❶ امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اسنادِ صحیح کے ساتھ اسے روایت کیا۔

انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً ایک سو بیس برس تھی۔ حضرت لجاج کہتے ہیں کہ میں جب سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہوں، کبھی پیٹ کو طعام سے نہیں بھرا۔ اور اسی قدر طعام میرے لیے کافی رہتا ہے۔ (زیادہ کی ضرورت سے بے نیاز ہوں)

روایت ہے کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے تیس درہم چھپا کر گھر میں رکھے ہوئے تھے جنہیں وہ بھول گئی۔ ایک سال گزرا تو اُسے یاد آئے۔ اور ابو جحیفہ نے اس سے کہا: اے ہذیل کی بہن! تو گھر کے لیے برا اثاثہ تیار کرتی رہ اور جب میں مروں گا تو میرا شمار ذخیرہ اندوزوں کی صف میں کیا جائے گا۔ حضور ﷺ تو اس دنیائے فانی سے رخصت فرما گئے مگر ان کا عہد ابھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ انہوں نے دینار، درہم، گندم کا آٹا یا جو کچھ بھی اپنے پیچھے نہیں چھوڑا۔

حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی صبح ایسی مجھ پر طلوع نہیں ہوئی جس میں میرے پاس کوئی حاجت مند یا کسی مسئلے میں مدد طلب کرنے والا نہ آیا ہو۔ مگر میں نے اس طرح کے معاملات کو ایسے مصائب سمجھا کہ جن پر میں اپنے رب سے اجر کی درخواست کرتا ہوں۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے ایک گھوڑا خریدا صرف دو ماہ کی مدت کے لیے۔ جب ان کے اس فعل کی خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: اسامہ لمبی امید باندھنے والا ہے۔ [1]

حضرت بلال وصہیب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ دونوں عرب کے ایک قبیلے میں گئے اور ان سے رشتہ مانگا۔ قبیلہ والوں نے پوچھا: آپ دونوں کون ہیں؟ کہا: بلال وصہیب۔ ہم گمراہ تھے، اللہ نے ہمیں ہدایت فرمائی، ہم غلام تھے اللہ نے ہمیں آزاد فرمایا۔ ہم مفلس تھے ہمیں اللہ نے خوش حالی عطا کی۔ اگر آپ لوگ ہماری شادیاں کر دیں تو ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اگر ہماری اس اپیل کو مسترد کرتے ہیں تو بھی اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اہل قبیلہ نے کہا کہ تمہاری شادیاں ہو جائیں گی۔ اس کے بعد خلوت میں حضرت صہیب نے حضرت بلال سے کہا آپ نے قبیلہ والوں سے رسول اللہ ﷺ سے ہمارے تعلقات کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ خاموش رہیں، آپ نے سچ بولا اور سچ ہی نے آپ کے نکاح کا بندوبست کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن ربیعہ اور حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں رشتۂ مواخاۃ (بھائی چارہ) میں بندھے ہوئے تھے۔ [2] حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے حالانکہ یہی مصعب تھے کہ جنہیں مکہ میں مَیں نے خوشحالی زندگی بسر کرتے اور قیمتی ادنی شال اوڑھے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مواخاۃ کے بعد میں مدینہ کی ایک دوکان پر رہٹ سے پانی ڈھونے کا کام کرتا شام کو ایک مد کھجور بطور اجرت ملتے تو سیدھا مصعب رضی اللہ عنہ کے پاس سے لے جاتا۔ اور ایک روز حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو ان کے پاس سوائے حیس کے ایک ٹکڑے کے اور کچھ نہ تھا۔ آدھا ٹکڑا حجرت مصعب بن عمر نے خود تناول فرما لیا اور آدھا حضرت عبداللہ بن ربیعہ کے لیے لے گئے۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی

---

[1] یہ روایت موسوعہ ابن ابی الدنیا، حلیہ الاولیاء، شعب الایمان اور مسند الشامیین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

[2] صحیح بخاری میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے۔

چارہ قائم کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ کی دو بیویاں تھیں انہوں نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا میں اپنا نصف تمہیں دیتا ہوں اور میں ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں تا کہ تو اس سے نکاح کرے۔ مگر حضرت عبدالرحمن نے ایسا نہ کیا اور کہا: سعد مجھے بازار کا راستہ بتا دو۔ وہ آپکو بازار لے گئے اور چند ہی دنوں میں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کھجور گھی اور پنیر کی اچھی خاصی مقدار کمالی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں ایک مہمان آیا۔ آپ گھر تشریف لے گئے مگر وہاں کھانے کی کوئی چیز نہ ملی۔ اسی وقت انصار کا ایک شخص آیا جو مہمان کو اپنے گھر لے گیا۔ اس مہمان کے سامنے کھانا رکھ دیا اور بیوی سے کہہ دیا کہ چراغ بجھا دے۔ اندھیرے میں وہ بھی مہمان کے ساتھ اس طرح ہاتھ چلاتا رہا کہ جیسے کھانا کھا رہا ہو۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے انصار کے اس شخص سے کہا: اللہ کو تمہاری مہمان نوازی کا یہ عجیب انداز پسند آیا اور اسی بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: [1]

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [الحشر:۹]

ترجمہ: ''اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔''

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صحابی کو کسی شخص نے بکری کا سر تحفۃً دیا جسے انہوں نے یہ کہہ کر دوسرے صحابی کو بھجوا دیا کہ میرے بھائی کو اس کی مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔ اسی طرح یہ صحابہ کرام کے ساتھ مختلف گھروں میں گھومتا رہا اور آخر اسی شخص کے پاس پہنچا جس نے اسے تحفۃً پہلے صحابی کو پیش کیا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ انہی صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

مختصراً یہ کہ سطور مذکورہ میں تمام وہ احوال واخبار جو ہم نے صحابہ کرام سے متعلق ہدیۂ قارئین کیے اور اپنی جگہ مختلف لطیف اشارات ونکات کے حامل ہونے کے باعث ہر دور میں صوفیہ اکرم اور سالکین وطالبین کے لیے مشعل راہ کا کام دیتے رہے۔

---

[1] امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا۔

# آدابِ صوفیہ

ارشادِ خداوندی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا [التحریم: ٦]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔۔۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے نفسوں کو ادب سکھاؤ اور انہیں علم سے آراستہ کرو کہ اس طرح تم انہیں جہنم کی آگ سے محفوظ کرلو گے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: کسی والد نے کوئی ایسا بچہ نہیں جنا جو اچھے آداب سے بہتر ہو۔ [1]

آپ (ﷺ) ہی کا ایک اور فرمان ہے: اللہ نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ بہترین ادب سکھائے جانے میں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اس طرح ممتاز ہیں کہ انہیں ادب سکھایا گیا (یعنی بہترین ادب کا امتیاز آپ ہی کی ذات گرامی کو حاصل ہے)۔

محمد بن سیرین سے دریافت کیا گیا کہ کون سے آداب اللہ سے قریب تر اور اس کے حضور بندے کی قربت کا باعث بنتے ہیں۔ آپ نے کہا: اس کی ربوبیت کی معرفت، اطاعت شعاری، خوشحالی پر شکر اور مصیبت پر صبر کرنا ایسے آداب ہیں جو اللہ سے قریب تر اور بندے کے لیے اس کی قربت پانے کا باعث ہیں۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سے آداب ہیں جن کے ذریعے بندہ اس دنیا میں فائدہ اٹھا سکے اور آخرت کے روز اللہ سے قریب تر ہو سکے؟ آپ نے کہا: دین کی سمجھ حاصل کرنا کیونکہ یہ سیکھنے والوں کو اللہ کے طرف لے جاتا ہے۔ اور دنیا سے کنارہ کشی کرنا کہ یہ بندے کو اپنے رب سے قریب کر دیتی ہے اور ایمان کامل سے اللہ کی معرفت حاصل کرنا۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ کے اس پر کیا حقوق ہیں اور نہ ہی اس نے اوامر و نواہی کی پابندی کی ہو تو بلاشبہ ایسا شخص ادب سے خالی ہے۔

کلثوم غسانی کہتے ہیں: آداب دو طرح کے ہیں ایک قولی دوسرے فعلی، جس نے ادب کو صرف قول تک محدود رکھا وہ عملی ادب کے ثواب سے محروم رہا اور جس نے عملی، ادب کو ذریعۂ قربِ خدا بنایا اسے اللہ دلوں کی محبت عطا فرماتا ہے، اس کے عیوب دور فرما دیتا ہے اور اسے معلمین کے لیے مخصوص کئے گئے ثواب میں شامل کر دیتا ہے۔

ابن مبارک نے کہا: ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے سے بڑھ کر تھوڑے سے آداب سیکھنے کی بہت ضرورت ہے۔

آپ ہی کا ایک اور قول ہے: ادب سیکھنا ایک عارف کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو ایک مبتدی کے لیے توبہ کی ہے۔

---

[1] ترمذی اور حاکم حضرت عمرو بن سعید بن العاص سے روایت کیا اور بقول ترمذی یہ روایت حسن غریب اور مرسل ہے۔ جبکہ طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ [2] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

ادب فقراء کے لیے سند اور اغنیاء کے لیے زینت ہے۔ اور لوگ ادب رکھنے کے لحاظ سے مختلف ہیں اور انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اہلِ دنیا، اہلِ دین اور اہلِ دین میں سے بھی خصوصی لوگ۔ اہل دنیا کے آداب تو زیادہ تر فصاحت، بلاغت، علوم بادشاہوں کے قصوں۔ اشعارِ عرب اور مختلف صنعتوں سے باخبر ہونے پر مشتمل ہوتا ہے۔

اہل دین کے آداب، ریاضتِ نفس، تادیبِ اعضاء، صاف باطنی، پابندی حدود، ترکِ خواہشات، مشکوک چیزوں سے پرہیز، اور نیک کاموں کی طرف سبقت کرنے پر مشتمل ہوتے ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے اپنے نفس کو ادب کے ذریعے مغلوب کیا وہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرتا۔ اور آپ ہی کا قول ہے کہ یہ اہل دین اللہ کی طرف سے واقع ہر امر پر اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ کی طرف سے ان پر واقع ہو اسی پر صابر رہتے ہیں۔

آداب میں سے عمدہ ترین ادب تو یہ اور نفس کو خواہشات سے باز رکھنا ہے۔

ایک صوفی سے پوچھا گیا نفس کا ادب کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: نفس کا ادب یہ ہے کہ تو اسے بھلائی سے آگاہ کرے اور بھلائی کے کاموں پر ہی اسے ابھارتا رہے۔ اسی طرح اسے برائی سے بھی مطلع کرے اور اسے شر سے دور رکھے۔

ادب ہی سے اشیاء کا کمال ہے۔ اور انبیاء وصدیقین کی خصوصیات میں سے ہے۔

تیسرا طبقہ اہل ادب میں سے خواص اہل ادب ہیں۔ ان کے آداب میں خلوصِ قلب، حفاظت اسرار ایفائے عہد، حفظِ وقت، خیالات واسباب کی جانب بے توجہی، ظاہر و باطن میں ہم آہنگی اور اوقات و مقاماتِ قرب وحضور اور وصل میں حسنِ ادب کو پیش نظر رکھنا شامل ہے۔

میں نے احمد بن محمد بصری سے اور انہوں نے جلا جلی بصری کو یہ کہتے ہوئے سنا: توحید ایمان کا موجب ہے۔ لہٰذا جس کے پاس ایمان نہیں وہ توحید سے بھی محروم ہے۔ پھر ایمان موجب شریعت باعث ادب ہے۔ گویا جس کا دامن جوہر ادب سے خالی ہے اس کے پاس شریعت، ایمان اور توحید تینوں نہ رہے۔

ابد العباس ابن عطا سے پوچھا گیا کہ ادب کی ماہیت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: پسندیدہ امور پر قائم رہنا، پوچھا گیا پسندیدہ امور پر قائم رہنا کیا ہے؟ جواب دیا: تو ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے اسے ادب کے ساتھ انجام دے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ادیب کہلاؤ گے چاہے تم عجمی بھی کیوں نہ ہو۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

**ترجمہ شعر:** ''جب محبوبہ گویا ہو تو حسن بکھیرتی ہے اور خاموش ہو تو پیکر جمال بن جاتی ہے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیہ کے سفر، حضر، اور اوقات، عادات، اخلاق اور سکون وحرکت کے اپنے مخصوص آداب ہیں جن کی بنا پر وہ دیگر لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

# صوفیہ کے آدابِ طہارت و وضو

سب سے پہلا قرینہ جو وضو کے باب میں درکار ہے وہ علم کا حاصل کرنا یعنی وضوع کے فرائض سنن، مستحبات، مکروہات اور ان تمام باتوں کا جاننا نہایت ضروری ہے جن کا حکم دیا گیا ہو۔ اور جن میں فضیلت حاصل کرنے کی طرف رغبت دلائی گئی ہو۔ مذکورہ تمام امور کی تفصیل سے باخبر ہونے کے لیے انہیں سیکھنا، ان کے بارے میں سوال کرنا، ان پر بحث کرنا اور ان کے انجام دینے کے لیے اہتمام کرنا بے حد ضروری ہے۔ تا کہ اس طرح قرآن و سنت میں موافقت پیدا کی جا سکے، بہترین اتباع کا فریضہ انجام دیا جا سکے۔ اور ان لوگوں پر الزام رکھنے یا انہیں ملامت کرنے سے احتراز کیا جا سکے جو اس سلسلے میں انتہائی حزم و احتیاط اختیار نہ کر سکے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح یہ بات پسند ہے کہ اس کے لازم کردہ امور کو انجام دیا جائے اسی طرح وہ یہ بھی پسند فرماتا ہے کہ اس کی دی ہوئی آسانیوں سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔

عامۃ المسلمین کے لیے یوں تو ضروری ہے کہ وہ اللہ کے عائد کردہ اشغال و افعال پوری تندہی سے پوری کریں تاہم انہیں جہاں جہاں اللہ کی طرف سے سہولت و رخصت دی گئی ہو وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ اور اس میں ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

مگر صوفیہ کرام کہ جنہوں نے اسباب کو ترک کیا، دنیوی مصروفیات سے کنارہ کش ہوئے خود کو صرف عبادت کے لیے فارغ کیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ پرہیزگاری، پاکیزگی، وضو کے لیے اہتمام اور نظامت و طہارت کے معاملے میں احتیاط کو کسی طرح بھی ہاتھ سے جانے دیں۔ الغرض وہ لوگ جن کو مذکورہ اشغال کے سوا کوئی اور مصروفیت نہ ہو ان کو چاہیے کہ ان اشغال میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [التغابن:١٦]

ترجمہ: ''تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔''

میں نے ایک جماعت کو دیکھا جس کے افراد ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے اور نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے وضو کرنا شروع کر دیتے اور جوں ہی وضو سے فارغ ہوتے متصلاً نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور ہر وقت سفر ہو کہ حضر ہر جگہ باوضو ہی رہتے کیونکہ وہ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ نہ جانے کب موت آ جائے۔

جیسا کہ فرمان رب العزت ہے:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۞ [الاعراف:٣٣]

ترجمہ: ''کہ جب وقت اجل آئے گا نہ تو لمحہ بھر کی تاخیر ہوگی اور نہ ہی تعجیل۔''

اسی لیے وہ ہمہ وقت باوضو رہتے تا کہ اگر اچانک موت آ بھی جائے تو وہ اس دنیا سے پاکیزہ حالت میں رخصت ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حصری علیہ الرحمہ باوضو سوتے، اور وہ اسی وقت ہاتف نے ندا دی کہ اے فلاں! عفو علم میں پوشیدہ

ہے یعنی علم پر عمل کرنے میں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بزرگ ابورود باری تھے۔

شیطان انسان کے ہر عمل میں سے اپنا حصہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اللہ کی جانب سے دیئے گئے احکامات پر زیادہ عمل کرتے ہیں یا کم۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے استاد ابن الکرینی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شب وہ ایک موٹی بھاری بھرکم چادر اوڑھ کر سو رہے تھے کہ انہیں جنابت لاحق ہو گئی اٹھ کر دجلہ کے کنارے آئے۔ رات کا وقت تھا، سردی زوروں پر تھی، سردی کی وجہ سے ان کے نفس نے پانی میں بھیگنے سے انکار کر دیا۔ ایسے میں انہوں نے اس بھاری چادر سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی اور خوب غوطے کھائے۔ پھر پانی سے نکلے تو فرمایا: میں نے یہ عزم کیا ہے کہ اس وقت تک اس چادر کو نہیں اتاروں گا جب تک یہ میرے بدن پر ہی خشک نہ ہو جائے کہتے ہیں کہ اس کے سوکھنے میں پورا ایک ماہ گزرا انہوں نے سردی میں اپنے نفس کے ساتھ یہ عمل کرنے میں ہچکچاہٹ کی تھی۔

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو زیادہ پانی پینے پر ابھارتے رہتے تھے۔ اور زمین پر پانی کم پھینکنے کے لیے کہا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ پانی زندہ ہوتا ہے اور اس کی موت اس کو زمین پر گرا دینے میں ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ بکثرت پانی پینے سے نفس کمزور پڑ جاتا ہے اور شہوات مر جاتے ہیں۔

حضرت ابو عمر زجانی کئی برس تک مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے مجاور رہے آپ قضائے حاجت کے لے حرم سے ایک فرسنگ باہر نکل جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ پورے تیس برس میں ایک بار بھی آپ نے حدود حرم میں قضائے حاجت نہیں کی۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ جب بھی جنگل یا صحرا کی طرف جاتے تو اپنے ساتھ پانی کی ایک چھاگل ضرور رکھتے، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ پانی تھوڑا سا پی لیتے اور زیادہ پانی وضو کے لیے بچا رکھتے۔ اور اکثر و بیشتر انہوں نے شدید پیاس پر وضو کو ترجیح دی۔

میں نے ایک جماعت کو دیکھا جو ہمیشہ نہروں اور دریاؤں کے کنارے کنارے سفر کرتی رہتی۔ اور ان کے پاس ہر وقت ان کے کوزے یا چھاگل میں پانی موجود رہتا۔ وہ دریاؤں کے کنارے بھی ہر وقت کوزے میں پانی اسی لیے موجود رکھتے تھے کہ بعض اوقات رفع حاجت کی شدید ضرورت پڑتی تو وہ دریا کے کنارے لوگوں کے سامنے بے پردہ ہونے سے گھبراتے تھے۔ ایسے میں وہ اپنا کوزہ لے کر ایک طرف چلے جاتے اور استنجاء وغیرہ کر لیتے۔ اور وہ رفع حاجت کے بعد شرمگاہ کو دھوتے وقت زیادہ ملنے سے اجتناب کرتے اور اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ایسا کرنے سے رگیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور پیشاب کے قطرے کو نہیں روکا جا سکتا۔ اور پیشاب کو روکنے میں شدت کرنے سے صوفیہ اجتناب کرتے ہیں ہاں اس صورت میں اجازت ہے کہ حالتِ اضطراری ہو یا پانی کی تنگی ہو۔

میرے نزدیک چادر کے مقابلے میں طہارت کے بعد شلوار کا پہننا زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔ اور رفعِ حاجت کے وقت چادر اتارنے میں آسانی رہتی ہے۔

ہر اس چیز کے استعمال سے پرہیز کیا جائے جس میں خشک یا گیلے اور زیادہ یا کم، خنزیر کے بالوں کو استعمال کیا گیا ہو یہی وجہ ہے کہ صوفیہ چمڑے کے جوتے استعمال کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب تو کسی صوفی کو بغیر کوزے یا چھاگل کے دیکھے تو جان لے کہ اس صوفی نے بے پردگی شرمگاہ اور نماز نہ پڑھنے کا ارادہ کیا ہے۔

میں نے ایک مقام پر جمع زہاد کی جماعت میں ایک شخص کو دیکھا کہ جسے کسی نے بیت الخلاء کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور نہ وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کی وجہ تھی کہ اس نے کودکو ایک مقررہ وقت تک کے لیے اٹھار کھنے کی عادت ڈالی ہوئی تھی جب بیت الخلاء خالی ہوتا تو وہ دن میں ایک ہی بار اپنے مقررہ وقت پر جاتا اور رفع حاجت کے بعد وہاں سے نکلتا۔

میں نے ایک ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے کبھی ویرانے میں کسی تنہا جگہ کے علاوہ کہیں رفع حاجت کے بغیر ریح خارج نہیں کی۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم خواص علیہ الرحمہ مکہ سے تنہا کوفہ کی طرف نکلتے اور انہیں تمام راستے میں تیمم کی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ ان کے پاس وہ پانی وضو کے لیے محفوظ پڑا ہوتا تھا جسے وہ پینے کے لیے ساتھ لے کر چلتے تھے۔

کہتے ہیں کہ شیوخ کی ایک جماعت حماموں میں جانے سے نفرت کرتی تھی، صرف اس وقت حمام میں جاتے جب جانا ضروری ہوتا اور اضطراری کیفیت ہوتی تھی۔ وہ کبھی بھرے حمام میں داخل نہ ہوتے۔ اگر داخل ہوتے تو اس وقت تک کپڑے نہ اتارتے جب تک حمام کے تمام لوگ باہر نہ نکل جاتے۔ وہ ملازمین حمام کو کبھی اپنا جسم چھونے نہ دیتے تھے۔ اور قبل اس کے کہ وہ ان پر پانی ڈالنے کے لیے آگے بڑھتے وہ انہیں ان کے معاوضے ادا کر کے رخصت کر دیتے۔ اور اگر صوفیہ جماعت کی صورت میں ہوتے تو وہ خود ایک دوسرے کا جسم مل کر صاف کر دیتے۔ اور اگر حمام میں کبھی کوئی ان کے علاوہ بھی موجود ہوتا تو وہ دیوار کی طرف منہ کر کے غسل کرتے تا کہ مبادا ان کی نظریں لوگوں کے ننگے جسموں پر پڑ جائیں۔

اسی طرح صوفیہ کی ایک اور جماعت تھی جو حمام میں داخل ہوتے تو کسی کو بغیر چادر باندھے نہانے کی اجازت نہ دیتے۔

بغلیں صاف کرنا اور زیر ناف بالوں کا مونڈنا مستحب ہے۔ اور جو اچھی طرح نہ مونڈ سکے وہ خلوت میں بال صاف کرنے والا سفوف استعمال کر کے بالوں کو اچھی طرح صاف کرے۔

کہتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ کے ساتھی آپس میں ایک دوسرے کے سر کے بال مونڈ لیتے تھے۔ میں نے عیسیٰ قصار دینوری سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے جنہوں نے میری مونچھوں کے لٹکے ہوئے بالوں کو تراشا وہ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ تھے جب کہ ان دنوں میں ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔

سر میں مانگ نکالنے کے کو جماعتِ شیوخ نے سنت قرار دیا ہے۔ مگر اسے نوجوانوں کے لیے مکروہ اور بوڑھوں کے لیے مستحسن ٹھہرایا ہے۔ بشرطیکہ بوڑھے لوگ اسے سنت جان کر اختیار کریں۔

ایک شیخ کا قول ہے: مان لیا کہ فقر اللہ کی جانب سے ہے مگر اس میلے کچیلے رہنے کا کیا مطلب؟ صوفیہ کے ہاں عزیز ترین چیز، صفائی، پاکیزگی، کپڑوں کا دھونا، پابندیٔ مسواک، بہتے پانی کے کنارے فروکش ہونا۔ کھلی فضا، ایک طرف کی الگ تھلگ مساجد، اگرمیوں سردیوں ہر جمعہ کے روز غسل، اور خوشبو ہے بلا شبہ صاف ترین پانی، جاری پانی ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ غسل کرنے میں پابندی تجدید وضو اور وضو کرتے ہوئے پانی کا اعضاء کو پوری طرح دھوئے، ناک کی جڑ تک پانی پہنچائے اور تمام اعضاء پر سے پانی گزارے تو یہ کوئی وہم یا وسوسہ نہیں۔ بلا شبہ پرہیز گاری اور صفائی پسندی اس وسوسے میں شامل نہیں

جسے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [التغابن:١٦]

ترجمہ: ''تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔''

ممنوعہ وسوسہ وہ ہے جو علم شریعت کی حد سے باہر لے جائے یا فضائل کی تلاش میں تمہیں وہ فرائض کی انجام وہی سے غافل کردے یا تو ایسے لوگوں کی نماز باطل قرار دے دے جو ایک صاع یا ایک مد پانی سے وضو کر کے نماز ادا کریں۔ صحیح یہ ہے کہ بندہ وہ کچھ کرے جو موقع و وقت کے لحاظ سے اولیٰ ہو۔ اگر پانی دستیاب ہو تو احتیاط کے ساتھ وضو پر اس قدر پانی صرف کرے کہ دل مطمئن ہو جائے۔ اگر زیادہ پانی نہ مل سکے تو بہتر یہی ہے کہ جس قدر میسر ہو اسی سے وضو کو تازہ کر کے نماز ادا کر لی جائے جیسا کہ حدیث نبوی میں بیان کیا گیا کہ صحابہ رسول ﷺ جب وضو کرتے تو اس سے مٹی بھی اچھی طرح گیلی نہ ہو پاتی تھی۔ ۞

میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے چہرے پر زخم تھا جو عرصہ بارہ برس گزرنے کے بعد بھی ہرا تھا اس کی وجہ یہ تھی وہ شخص ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتا اور اپنی مسلسل زخم کو پہنچتا رہا۔

میں نے ابو عبداللہ رازی مقری کو دیکھا جن کی آنکھوں میں پانی اتر گیا تھا۔ لوگوں نے بہت سے دینار خرچ کر کے ان کے لیے ایک طبیب کا بندوبست کیا۔ طبیب آیا تو یہ ہدایات دیں کہ مریض کو کچھ دنوں تک پانی چھونے نہ دیا جائے اور وہ پیٹ کے بل اوندھا لیٹا رہے مگر انہوں نے ان ہدایات پر عمل نہ کیا اور ترکِ وضو پر بینائی کھو دینے کو ترجیح دی۔

ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک رات اس طرح حالتِ قیام میں گزار دی کہ ستر بار وضو تازہ کیا اور ہر بار دو رکعت نفل بھی ادا کرتے رہے۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ کا جامع مسجد ''رے'' میں پانی کے اندر غسل کرتے ہوئے انتقال ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ انہیں پیٹ کی بیماری لاحق تھی مگر وہ اس کے باوجود جب بھی موقع پاتے غسل کرنے کے لیے پانی میں داخل ہو جاتے ایک مرتبہ وہ حسبِ معمول پانی میں داخل ہوئے تو وہیں ان کی روح پرواز کر گئی۔

---

۞ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کو روایت کیا اور بقول حافظ ابن حجر یہ صحیح الاسناد ہے۔

# صوفیہ اور آداب نماز

صوفیہ کرام کے آداب نماز میں سے پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ نماز سے متعلق جملہ مسائل مثلاً فرائض سنن آداب، فضائل اور نوافل کا علم رکھتے ہوں۔ اس کے علاوہ انہیں علماء کے مابین اختلافی مباحث سے متعلق معلومات بھی ہونی چاہئیں۔ کیونکہ نماز دین کا ستون، عارفین کی آنکھوں کی ٹھنڈک، صدیقین کے لیے زینت، اور مقربین کے سر کا تاج ہے۔ وقتِ نماز ہی وہ مبارک گھڑی ہوتی ہے جب کہ قرب، وصل، ہیبت، خشوع، خشیت، تعظیم، وقار، مشاہدہ، مراقبہ قلوب کا اللہ سے سرگوشیاں کرنا، بارگاہ ایزدی میں حضوری اور ترکِ ماسوا اللہ جیسی اعلیٰ کیفیات طاری ہوتی ہیں۔

عامۃ الناس کو چاہیے کہ وہ اپنے علماء کی تقلید کریں، فقہاء سے مسائل پوچھیں اور اللہ کی جانب سے امورِ دین میں جس قدر رخصتیں عطا کی گئی ہوں ان کے بارے میں اپنے علماء وفقہاء کے اقوال پر اعتماد کریں۔

جہاں تک اہل تصوف کا تعلق ہے تو انہیں نماز کے آداب، تکلفات، اہتمام فرائض، سنن نوافل اور دیگر تمام قرینوں کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ انہیں ان آداب کی بجا آوری کے سوا اور کوئی مصروفیت نہیں ہوتی اور وہ باقی سب کچھ ترک کر چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں کسی اور کام کی اہمیت نماز کی اہمیت سے زیادہ معلوم ہونے لگے۔

صوفیہ کے لیے آداب نماز یہ ہیں کہ وہ سب سے پہلے نماز کا وقت شروع ہونے سے قبل اٹھ کھڑے ہوں اور تیاری میں مصروف ہو جائیں تاکہ نماز کا اولین وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ جو کہ پسندیدہ وقت نماز ہوتا ہے۔ مقررہ وقت کا تعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صوفی کو کسی قدر سائے کے گھٹنے بڑھنے کے علم سے واقفیت ہو تاکہ وہ ہر موسم کے لحاظ سے وقت کا تعین صحیح طور پر کر سکے اس کے ساتھ اسے علم فلکیات سے واقفیت رکھنے کی بھی ضرورت ہے تاکہ وہ جان سکے کہ نجوم منازل قمر اور طلوع و غروب کیا ہیں۔

اسی طرح اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ منازل قمر میں سے ہر ستارے کے طلوع کا کیا وقت ہوتا ہے؟ تاکہ وہ رات کو ستاروں کی جانب دیکھے تو اسے معلوم ہو سکے کہ کتنی رات گزر چکی اور کس قدر وقت صبح میں باقی ہے۔

اس کے علاوہ صوفی کو علم القطب والکواکب سے بھی واقفیت ہونی چاہیے۔ جس کے ذریعے قبلہ کا تعین کیا جا سکے اور اسے قبلہ کے صحیح رخ کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ کعبہ سے ہر شہر کی سمت و وقوع کو نہ جانتا ہو اور کعبہ سے کسی شہر کی سمت وقوع کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی تلاش کعبہ سے لے کر اس شہر تک کر لے اور پھر یہ بھی معلوم کرے کہ کعبہ سے اس شہر کے وقوع سمت کے ساتھ وہ ایک معینہ وقت میں قطب، جدی فرقدین کے مقابل ہوتا ہے۔

سیار ستاروں کے ذریعے بھی رات کے وقت رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور سمندر میں کشتیوں پر سواری کے دوران بھی ان سیار ستاروں کا علم ہونا چاہیے۔

سہل بن عبداللہ کاہ کرتے تھے کہ ایک سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ اس کے تابع ایک جن ہوتا ہے جو نماز کے وقت اسے بیدار کرتا ہے۔

صوفیہ میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رات دن اوراد، عبادت، ذکر اور تلاوت کرتے رہتے ہیں۔حتیٰ کہ عبادت کرنا ان کی عادت بن جاتی ہے۔اور ہر عبادت کو مقررہ وقت پر ادا کرنے میں بالکل غلطی نہیں کرتے۔

نماز شروع کرنے کے آداب میں سے ہے کہ تکبیر تحریمہ اور نیت دونوں کو اس طرح ایک ساتھ ادا کیا جائے کہ نیت تکبیر سے پہلے نہ ہو بلکہ بیک وقت نیت اور تکبیر واقع ہوں۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز میں ایک مستحب حصہ ہوتا ہے۔نماز میں سے جو چیز سرفہرست ہے وہ تکبیر اولیٰ ہے۔اس لیے کہ تکبیر اولیٰ نیت سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔اور نیت اس قدر اہم ہے جس کے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی۔نیت ایک طرح کا عہد ہوتا ہے کہ بندے کی نماز صرف اللہ کے لیے ہے۔جب یہ عہد صحیح ہو اور اس کے بعد نماز میں اگر آفات و وساوس داخل ہوں تو اگر چہ ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر فضائل میں کمی ہو جاتی ہے اور نمازی کے لیے صرف نیت اور عہد ہی باقی رہ جاتا ہے۔

میں نے ابن سالمؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ نیت اللہ کے لیے اسی کے ذریعے اور اسی سے ہوتی ہے اور آفات و وساوس جو نیت کے بعد بندے کی نماز میں دشمن کی جانب سے داخل ہوتے ہیں اس کا وبال دشمن ہی کے سر ہوتا ہے۔اور اگر دشمن کی جانب سے یہ وسوسے زیادہ بھی ہوں تو اس نیت کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ کے ساتھ کے لیے اور اللہ کی جانب سے ہو چاہے یہ نیت ان وساوس سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ابوسعید خرازؒ سے پوچھا گیا کہ نماز کو کس طرح ادا کیا جائے؟ انہوں نے فرمایا: نماز کو اس طرح شروع کرو گویا کہ تم اللہ کے سامنے روز قیامت کی حاضری کی طرح حاضر ہو۔اور تم اس طرح اللہ کی بارگاہ میں گھرے ہو کہ تمہارے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں وہ تمہاری بات کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔اور تمہیں یہ بھی علم ہو کہ کس عظیم حاکم کے حضور میں تم حاضر ہو۔

کسی عارف سے تکبیر اولیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جب تو اللہ اکبر کہے تو چاہیے کہ اللہ کے الف کے ساتھ تعظیم، لام کے ساتھ ہیبت اور ہا کے ساتھ مراقبہ و قرب کی کیفیات کا تعلق قائم ہو۔

ایک اور بزرگ نے فرمایا: جب تکبیر اولیٰ کہے تو یہ سمجھ کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے، تیرے ضمیر سے واقف ہے اور اپنے دائیں طرف یہ تصور کر کہ جنت ہے اور بائیں طرف یہ خیال کر کہ دوزخ ہے

آداب نماز میں سے ایک یہ ہے کہ نماز ادا کرتے وقت بندے کے دل میں ماسوا اللہ نہ ہو۔اور گویا وہ اس کے سامنے ہے اس کی جملہ گفتگو کو سن رہا ہے۔اور ہر آیت کے ہر ہر لفظ سے ذوق معنی و فہم پاتا ہے۔

ابوسعید خرازؒ نے اپنی کتاب ''ادب الصلوٰۃ'' میں لکھا ہے کہ جب تو تکبیر کے لیے اپنے ہاتھ بلند کرے تو اس وقت تیرے دل میں بجز اللہ کی کبریائی کے اور کچھ نہ ہو۔اور اس کی عظمت تیرے اوپر اس قدر چھائی ہو کہ تجھے دنیا و مافیہا بھول جائے۔

میرے نزدیک شیخ مذکور کے قول میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اگر بندے کے دل میں اس وقت جب کہ وہ اللہ کی عظمت بیان کر رہا ہو، کچھ موجود ہوگا تو وہ یہ کہنے میں سچا نہیں کہ اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔پھر اس کے بعد جب آیات الٰہی کو تلاوت کرے تو اس طرح کہ گویا اللہ کے سامنے تلاوت کر رہا ہے یا اللہ سے وہ خود سن رہا ہے۔

ابو سعید خرازؒ ہی کا قول ہے: کہ رکوع کے آداب میں سے ہے کہ بندہ اس طرح جھکا ہو کہ گویا وہ عرش کی جانب رکوع کی حالت میں اللہ کی عظمت بیان (سبحان ربی العظیم) کر رہا ہے۔ اور ایسے میں اس کے دل کی ہر چیز اللہ کی عظمت کے سامنے چھوٹی ہوتی جائے تا آنکہ اس کا اپنا نفس بھی محض ایک غبار یا اس سے بھی کمتر ہو جائے۔ پھر رکوع سے اٹھ کر اللہ کی تحمید (سمع اللہ لمن حمدہ) بیان کرے تو اس طرح کہ اللہ سن رہا ہے۔ اور سجدے میں اس کے دل میں سوائے اللہ کے کوئی شے اس سے قریب تر نہ ہو۔ کیونکہ بندہ اپنے رب سے انتہائی قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اسے اپنی زبان اور دل دونوں سے اضداد کو دور کر دینا چاہیے۔ پھر اپنی نماز کو اس طرح ختم کرے کہ اس پر خشیت اور اس قدر ہیبت طاری ہو کہ گویا اسے پگھلا دے گی۔ اور نماز کے دوران نماز سے بڑھ کر اس کی کوئی مصروفیت نہ ہو چاہے کوئی چیز اس کے سامنے ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح جب تشہد پڑھ لے، دعا سے فارغ ہو جائے اور سلام پھیرے تو اس طرح کہ یہ جانتا ہو کہ کس سے مخاطب ہے۔ حتیٰ کہ وہ نماز کو اسی نیت و دلجمعی کے ساتھ ختم کرے جس کے ساتھ شروع کی ہو۔

میں نے صوفیہ کی ایک جماعت دیکھی جو نماز میں جلدی کرتی تھی تاکہ وسوسوں سے ان کی نماز پاک رہے اور وہ جلدی سے اسی نیت دارادے کے ساتھ نماز ختم کر سکیں۔ جس کے ساتھ آغاز کیا تھا۔

## نماز کے کچھ اور آداب

جب کوئی بندہ نماز کے وقت سے پہلے جملہ آداب نماز کو اپنے اوپر طاری کیے ہوئے ہو تو اس کی کیفیت بھی نماز ہی شمار کی جائے گی گویا اس کے لیے قیام صلوٰۃ کی حالت نماز سے پہلے کی حالت سے مختلف نہیں۔

صوفیہ کو چاہیے کہ نماز سے پہلے مراقبہ، حضورِ قلب اور قلب کو عوارض و خواطر سے بچائے رکھنے کی کیفیت میں ہیں تاکہ نماز میں جب نیت کر کے داخل ہوں اور پھر خارج ہوں تو یوں معلوم ہو کہ ایک نماز سے دوسری نماز کی جانب لوٹے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ جتنی دیر نماز کے انتظار کرتا ہے وہ بھی نماز میں شامل ہے۔

میں نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز کے لیے کھڑا ہوتا اور تکبیر اولیٰ کہتا تو ہیبت الٰہی سے اس کا چہرہ کبھی سرخ اور کبھی زرد پڑ جاتا۔ ایک اور شخص کی یہ کیفیت دیکھی کہ نماز کے دوران نیت کو دِل سے خارج نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی حفاظت میں اس قدر محو ہو جاتا کہ رکعتوں کی گنتی بھول جاتا اس غرض کے لیے وہ ایک اور شخص کو اپنے پاس بٹھا لیتا جو اس کی رکعتوں کو گنتا رہتا۔

سہل بن عبداللہؒ کا واقعہ ہے کہ وہ اس قدر کمزور تھے کہ اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکتے تھے مگر جونہی نماز کا وقت ہو جاتا تو ان کی طاقت مجتمع ہو جاتی اور وہ میخ کی طرح محراب میں سیدھے کھڑے ہو کر نہایت چستی کے ساتھ نماز ادا کرتے اور فارغ ہو جاتے تو پھر وہی کمزوری عود کر آتی۔

میں ایک شخص ایسا دیکھا جو جنگل اور بیابانوں میں بھی اپنے جملہ اوراد و وظائف اور عبادات اسی طرح ادا کرتا رہتا تھا جیسے وہ اپنے گھر پر ادا کیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ صوفیہ کی جماعت کو چاہیے کہ سفر و حضر میں اپنے معمولات یکساں طور پر انجام دے۔

صوفیہ سے میرا ایک بھائی خلوت نشین تھا۔ اس کی عادت تھی کہ کوئی چیز کھانے پینے پہننے، مسجد میں داخل ہونے، مسجد سے باہر نکلنے، خوش ہونے، مغموم ہونے اور غصے ہونے کے بعد دو رکعت نفل ادا کرتا۔

ہمارے دوستوں کی ایک جماعت نے، جو ابوعبداللہ بن جابانؒ کے ہمراہ سفر کر رہی تھی، مجھے بتایا کہ ہر ایک میل کے فاصلے پر ابوعبداللہؒ پڑاؤ کرتے اور دو رکعت پڑھ کر پھر سے سفر شروع کر دیتے۔

صوفیہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ امامت کریں، مکہ مکرمہ میں اگلی صف میں کھڑے ہوں اور نماز کو طویل کریں۔

امامت سے ناگواری کا اظہار اس لیے کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امام (مقتدیوں) کا ضامن ہوتا ہے'' [1] اسی ذمہ داری کے خوف سے کہ امام مقتدیوں کی جملہ غلطیوں کی تصحیح کے لیے ذمہ دار ہوگا۔ لہٰذا ان میں سے وہ شخص بھی جو حافظِ قرآن ہوتا کسی ایسے کو امامت کے لیے کھڑا کر دیتا جو صرف سورۂ فاتحہ اور ایک اور سورت پڑھنا جانتا۔

اور صوفیہ اگلی صف میں نماز اس لیے ترک کرتے ہیں کہ لوگوں کے لیے رکاوٹ یا تنگی کا باعث نہ بن جائیں۔ چونکہ لوگ حدیث میں اگلی صف میں نماز پڑھنے کی فضیلت کے پیشِ نظر کوشش کرتے ہیں اور اگلی صف کی طرف بھیڑ کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ لہٰذا صوفیہ ان کے لیے قربانی دیتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ہاں اگر اگر لوگوں کے جگہ لے لینے کے بعد بھی اگلی صف میں کوئی جگہ خالی ہو تو وہ اس فضیلت کو حاصل کرنا غنیمت سمجھتے ہیں۔

صوفیہ نماز کو طویل نہیں کرتے کیونکہ جب نماز لمبی ہو تو شیطانی وسوسے اور بُرے خیالات انسانی ذہن میں در آتے ہیں۔ اسی لیے صوفیہ کا قول ہے: کہ صحتِ اعمال، طوالت و کثرتِ اعمال سے کہیں بہتر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کو جلد نماز مکمل کرنے والے تھے۔ [2]

میں نے ابن علوان کو یہ کہتے سنا کہ جنید علیہ الرحمہ باوجود ضعف اور کبر سنی کے اپنے اوراد و وظائف کو ترک نہیں کرتے تھے۔ ان سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: جس طرح میں نے آغاز عمر میں اللہ کی عبادت کی اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اواخر عمر میں وہی حالت قائم نہ رکھوں۔

صوفیہ کے ہاں نماز کی چار خصوصیات ہیں:

۱: حضورِ قلب محراب میں۔

۲: شہودِ عقل وہاب کے پاس۔

۳: خشوع قلبی جو شک و ریب سے مبرا ہو۔

۴: اور ارکان میں متواتر خشوع و خضوع۔

کیونکہ حضور قلب ہو تو حجابات اٹھ جاتے ہیں، شہودِ عقل میسر ہو تو عتاب سے نجات مل جاتی ہے۔ خشوع قلب حاصل ہو تو دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور ارکان نماز کی ادائیگی میں خضوع ہو تو تحفۂ اجر عطا ہوتا ہے۔ گویا جس نے حضورِ قلب کے بغیر نماز ادا کی اس کی نماز رائیگاں گئی، جس نے بلا شہودِ عقل نماز پڑھی اس نے نماز میں غلطی کی، جس نے خشوع کے بغیر فریضۂ صلوٰۃ کا ارادہ کیا وہ خطا کار تھا، جس نے دورانِ نماز ادائیگی ارکان میں خضوع نہ کیا اس کی نماز کھوکھلی رہی۔ اور جس نے ان چاروں کو نماز میں یکجا کر دیا وہ ایک مکمل ترین نمازی ہے۔

---

[1] صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ سے مروی ہے جبکہ سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔

[2] یہ روایت مؤطا امام مالک، صحیحین، سنن ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ہے۔

# صوفیہ اور آداب زکوٰۃ وصدقات

زکوٰۃ وصدقات کے سلسلے میں یہ بات آداب صوفیہ میں سے ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ لاگو نہیں کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت دنیوی مال ومتاع پر ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صوفیہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیوی اموال کو بالکل دور فرما دیا ہے۔ لہٰذا ان کے لیے زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی کا حکم نہیں۔

مطرف بن عبداللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میرے لیے دنیوی ساز وسامان سے محرومی ہی مجھے کچھ عطا کرنے سے بڑی نعمت ہے۔

وجوب زکوٰۃ سے متعلق کسی دنیادار کا شعر ہے ؂

**ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''مجھ پر مال کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔ اور کیا کسی سخی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟''

اور یہ دنیادار شخص اس بات پر فخر کرتا تھا کہ اس پر زکوٰۃ بالکل فرض نہیں۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس نے اپنے پاس اتنا مال کبھی جمع نہیں رکھا کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔

مجھے ابراہیم بن شیبانؒ نے بتایا کہ ابوبکر شبلیؒ سے حالانکہ وہ خود شبلیؒ سے لوگوں کو نہیں ملنے دیتے تھے اور نہ ہی ان کی بات کسی کو سننے دیتے۔ ایک روز ابراہیم بن شیبان نے بطور امتحان کے شبلیؒ سے سوال کیا کہ پانچ اونٹوں پر کس قدر زکوٰۃ دینی واجب ہے۔ شبلیؒ نے جواب دیا: ہمارے دین کے اصولوں کے مطابق تو پانچ اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ مگر ہمارے لیے پانچ کے پانچ اونٹ ہی ادا کرنا لازم ہے۔ اس پر ابراہیم بن شیبان نے کہا آپ کے سامنے اس کی کوئی مثال بھی ہے۔ شبلی نے کہا: ہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال میرے سامنے ہے جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اپنا سب کچھ پیش کر دیا تھا۔ اس کے بعد ابراہیم بن شیبانؒ نے کبھی ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ کے ہاں لوگوں کو جانے سے نہیں روکا۔

صوفیہ کا زکوٰۃ کے بارے میں ایک موقف یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سے طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زکوٰۃ میں سے کھانا حلال قرار دیا ہے۔ مگر وہ خود ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے زکوٰۃ وصول کرنے سے کہیں غریبوں اور مستحقوں کا حق نہ مارا جائے یا ضعیفوں کو کوئی تکلیف لاحق نہ ہو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ ایوبؒ کے ساتھی محمد بن منصورؒ کے پاس جب بھی مال زکوٰۃ یا صدقہ وخیرات لے جایا جاتا اور انہیں علم ہو جاتا تو اُسے قبول کرتے اور نہ ہی اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرتے۔ کہا کرتے کہ جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے اپنے ساتھیوں کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔ اس پر ان کے دیگر ساتھی بھی خاموش رہتے اور کبھی مالِ زکوٰۃ میں سے بغیر مانگے ملتا تو بھی قبول نہ کرتے۔

میں نے ایک صوفی کو بچشم خود دیکھا کہ وہ ہر سال ایک ہزار دینار اپنے باقی ساتھیوں پر خرچ کرتے تھے اور وہ خلیفہ کہتے تھے کہ کبھی انہوں نے اپنی زکوٰۃ میں سے اپنے ساتھیوں پر خرچ نہیں کیا۔

ابوعلی المشتولی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ صوفیہ پر اس قدر صرف کرتے تھے جس سے مصر کے تاجر بھی حیران تھے۔ اور کہا کرتے تھے جو کچھ وہ ایک بار خرچ کرتا ہے وہ ہمارے مال سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس صوفی پر زکوٰۃ واجب نہ تھی۔

ایک جلیل القدر صوفی کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: کہ میرے اور ایک امیر آدمی کے درمیان بڑی دوستی تھی، میرے دل میں بھی اس کے لیے محبت و عزت تھی۔ مگر جب وہ زکوٰۃ یا صدقہ تقسیم کرتے وقت مجھے یاد کرتا تو میرے دل میں اس کے لیے محبت اور احترام باقی نہ رہتا۔

میں نے ایک معروف امام کا خط پڑھا جو اس نے ایک مفلس صوفی کے نام لکھا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا: اے میرے بھائی! میں کچھ مال آپ کی نذر کر رہا ہوں جو زکوٰۃ ہے اور نہ صدقہ و خیرات۔ اور نہ ہی یہ اللہ کے سوا کسی اور کا مال ہے کہ آپ اس کے ممنونِ احساس رہیں گے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اسے قبول فرما کہ مجھے مسرور فرمائیں۔

اگر صوفیہ کو ایسے لوگوں کی طرف سے، جنہیں وہ نہ جانتے ہوں اور ان سے کوئی میل ملاقات بھی نہ ہو بغیر مانگے کچھ ملے تو قبول کر لینا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو کچھ اللہ تعالیٰ تجھے مال میں سے بغیر مانگے اور کسی کا حق تلف عطا کیے فرمائے اسے قبول کر لے۔ کیونکہ رد کرے گا تو یہ اللہ کی عطاء کو ٹھکرانے کے مترادف ہوگا۔ جب کوئی ایسی چیز قبول کرے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے سے زیادہ مستحق کے حوالے کر دے اور وہ خود کھا لے تو بھی اسے لیے حلال ہے۔

میں نے ابوبکر محمد بن داؤد دینوری دقیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوبکر فرغانیؒ کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہوتا تھا۔ جس میں رمضان المبارک کے دوران وظیفہ پانے والے مساکین کے نام درج ہوتے تھے۔ وہ ہر رات کو ماہِ رمضان میں اپنا روزینہ وصول کرتے اور سیدھے اپنے پڑوس میں ایک بڑھیا کو دے آتے جس کا نام اس فہرست میں شامل نہ تھا۔ جس میں وظیفہ پانے والوں کے نام لکھے جاتے تھے۔

صوفیہ کا خیال ہے کہ جس نے اللہ سے کچھ لیا، عزت کے ساتھ لیا اور جس نے لوگوں سے کچھ وصول کیا ذلت کے ساتھ وصول کیا۔ جس نے اللہ کے لیے چھوڑ دیا اس نے عزت سے چھوڑ دیا اور جس نے غیر اللہ کے لیے ترک کیا اس نے زلت کے ساتھ ترک کیا۔ جس نے اپنے لینے اور دینے کے معاملے کو للّٰہ فی اللہ قائم نہ رکھا اس نے غلطی کا ارتکاب کیا اور اللہ ہر خطا کار کو جاننے والا ہے۔ اور اس بات کی تصدیق کہ کوئی شخص اللہ کے لیے لے اسی کی خاطر دے اور اسی کے لیے چھوڑ دے، یہ ہے کہ اس کے نزدیک منع و عطاء اور تنگی و کشادگی یکساں ہوتی ہے۔

صوفیہ کا ایک اور طبقہ ہے جو زکوٰۃ، صدقات، تحائف، بخشیش، اور لوگوں کے ایثار و مواساۃ کو قبول کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اغنیاء کے اموال میں سے فقراء کے لیے حق مقرر کیا ہے۔ اگر ہم ان سے کچھ وصول کرتے ہیں تو اپنا حق ہی لیتے ہیں جسے ترک کر دینے کا کیا معنیٰ؟ اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے لیے منتخب کیا وہ ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید فرمایا: کہ صدقہ زکوٰۃ لینے سے انکار اپنے نفس کو زیادہ وقعت دینے اور افلاس و فقر سے نفرت کے مترادف ہے۔

## شوقِ فقیری

اس ضمن میں ابو محمد مرتعشؒ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ اپنے تاجر اور امیر ترین دوستوں کی ایک محفل میں تشریف فرما تھے کہ دفعتہً ان کی نظر محفل سے باہر ایک شخص پر پڑی جو روٹیوں کی خیرات تقسیم کر رہا تھا۔ اٹھے اور فوراً مانگنے والوں میں داخل ہو گئے پھر فرمایا: ''خیرات نہ حاصل کرتا تو مجھے خدشہ تھا کہ مبادا میرا نام فقراء کی فہرست سے خارج کر دیا جائے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امراء اور تندرست افراد پر صدقہ و خیرات نہیں ہوتا۔ [1]

جو لوگ صوفیہ کے لیے صدقہ وات کو ناجائز بتاتے ہیں۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امیری کثرتِ مال و متاع کا نام نہیں بلکہ دل کی امیری ہی اصل اَمارت ہے۔ [2]

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ اسی ضمن میں کہتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے ساتھیوں یعنی صوفیہ کو کچھ دیتے ہیں ان کے لیے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ صوفیہ تو اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر امیر ہیں۔

قول رسول اللہ ﷺ کہ امراء اور تندرست افراد کو صدقہ دینا جائز نہیں، کا مفہوم یہ ہے کہ بنیادی طور پر صدقہ، اپاہج، بیمار اور آفت رسیدہ لوگوں کے لیے۔ اور اس کی تائید اس قولِ خداوندی سے بھی ہوتی ہے جس میں فقیر ہونے کو صدقہ زکوٰۃ کے مستحق ہونے کی مشروط ٹھہرایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ [التوبہ: ٦٠]

ترجمہ: ''زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لیے، جو محتاج اور نرے نادار ہوں''

جہاں تک لفظ فقیر کی لغوی تحقیق کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم ہے ایسا شخص جو محروم اور حاجتمند ہو۔ اس کے علاوہ بھی اس لفظ کی تشریح کی گئی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ لفظ فقیر فقار الظہر (پیٹھ کی ہڈی) سے ہے۔ فقار ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں اس پر پیٹھ کی ساری قوت کا مدار مدار ہوتا ہے۔ اگر یہ ٹوٹ جائے تو ضعف و حاجت مندی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور سہارے کے لیے دوسروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقیر بھی اس شخص کو کہتے ہیں جس کی حالت پیچھے بیان کی گئی حالت سے مشابہ ہو۔

بعض لوگ صدقہ و خیرات سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ قول ہوتا ہے کہ صدقہ لوگوں کا میل ہے۔ حالانکہ اس کا معنی یہ ہے کہ صدقہ سے لوگوں کے گناہوں کے بوجھ کو ان مستحق لوگوں کی خاطر دور کر دیا جاتا ہے جنہیں وہ عطا کیا جائے۔ اگر صدقہ فقراء کے لیے نقصان کا باعث ہوتا یا لوگوں کا میل ہوتا یا بے عزتی کا باعث ہوتا تو یہ نیکو کاروں، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے بھی ہتک عزت کا موجب ہوتا۔

جس کے پاس دنیوی مال و متاع نہ ہو اور وہ صدقہ و زکوٰۃ کے اجر سے محروم رہ جائے تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے اقوال و افعال کا صدقہ برقرار رکھا ہے اور اس کا اجر کسی طرح بھی مال و متاع صدقہ کرنے کے اجر سے کم نہیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے لیے آپس میں حسن سلوک اور مدارات کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور اپنے

[1] ترمذی نے جبر بن جعارہ سے روایت کیا۔

[2] شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں اور امام احمد نے مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مسلمان بھائی کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ اسی طرح اگر تو اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے تو یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ اور اگر تو اپنے مسلمان بھائی کے برتن میں اپنے برتن سے کچھ ڈال دے تو یہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔ ❶

## احادیث کی زکوٰۃ

بشر بن حارث کہتے ہیں: ❶ اے احادیث رسول اللہ ﷺ جمع کرنے والو! تم بھی احادیث کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ کسی نے پوچھا کہ حدیثوں کی زکوٰۃ سے آپ کی مراد کیا ہے۔ آپ نے کہا: احادیث کی زکوٰۃ اس طرح ادا کی جاسکتی ہے کہ احادیث جمع کرنے والے ہر سو احادیث کے مجموعے میں سے پانچ احادیث نبوی پر عمل کرلیا کریں۔

جس پر زکوٰۃ واجب ہو اسے چار باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ تاکہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والا بن سکے۔

۱۔ مال زکوٰۃ حلال کی کمائی میں سے ادا کرے۔

۲۔ فخر غرور یا کسی کو نیچا دکھانے کے لیے مال جمع نہ کیا ہو۔

۳۔ اہل وعیال کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرے۔

۴۔ جسے زکوٰۃ دے اس پر احسان نہ جتلائے۔

## حقیقتِ غناء

الغرض زکوٰۃ، اللہ کی جانب سے امراء کے اموال میں غریبوں کا وہ مقررہ حق ہے جسے ادا کر کے گویا امراء غریبوں کو ان کی اپنی ہی دولت لوٹا رہے ہوتے ہیں۔ ادائیگی زکوٰۃ سے رضاء الٰہی عطا ہوتی اور حساب اعمال سے نجات مل جاتی ہے۔

---

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا۔

# آدابِ صوم اور صوفیہ کرام

سیدالرسل علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا: ارشادِ خداوندی ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ ❶
اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تمام اعمال نیک اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں پھر روزہ کو یہ خصوصیت کیوں دی کہ اس کے بارے میں فرمایا: ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ روزہ سے متعلق مذکورہ قول خداوندی کے دو معنی ہیں۔ایک یہ کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا تعلق ظاہری اعضاء کی حرکت سے نہیں جب کہ دیگر فرض عبادات کی ادائیگی کا تعلق اعضاء کی حرکت سے ہے اور اس کا لوگوں کو علم بھی ہو جاتا ہے۔جب کہ روزہ کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے بندوں کو نہیں ہوتا۔اسی لیے فرمایا کہ ''روزہ میرے لیے ہے۔'' دوسرا معنی اس قول کا یہ ہے کہ ''روزہ میرے لیے ہے۔'' سے مراد ہے صمدیت یعنی بے نیازی میرے لیے ہے۔(گویا صوم بمعنی صمدیت یعنی بے نیازی ہے) کیونکہ صمد اسے کہتے ہیں جو کھانے پینے سے بے نیاز ہو یعنی اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جو شخص میری صفات کو اپنا لے اسے میں خود ہی اجر عطا کروں گا۔

قول خداوندی کہ ''میں ہی اس کا اجر دوں گا'' کا ایک اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعمالِ حسنہ پر ثواب کی شرح کا ذکر فرمایا ہے مثلاً ایک کے بدلے دس اور دس کے بدلے سات سو نیکیوں کا اجر مگر روزہ داروں کے بارے میں کسی ایسی شرح کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ روزہ دار اصل صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور صبر کرنے والوں کے اجر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں کیا ہے۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ [الزمر:۱۰]

ترجمہ: ''صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا۔بے گنتی۔''

مذکورہ آیت مبارکہ کے مطابق روزہ ایسے اعمال سے آگے ہے جن کے عوض محدود گنے چنے ثواب ملتے ہیں۔روزہ، نفس کا اپنی تمام مرغوبات اور تمام اعضاء جوارح کا تمام شہوات ولذات سے رک جانے کا نام ہے۔یہی وجہ ہے کہ روزہ داروں کو صبر کرنے والوں کا نام دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تو روزہ رکھے تو چاہیے کہ تیری سماعت، تیری بصارت، تیری زبان اور تیرے ہاتھ بھی روزہ رکھیں۔ ❷

اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو نہ عورتوں سے رفث کرے اور نہ فسق اگر کوئی اسے گالی دے تو جواباً کہے کہ میں روزے سے ہوں۔ ❸

---

❶ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

❷ امام بخاری اور اصحاب سنن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

❸ شیخین اور اصحاب سنن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

روزہ کی صحت اور روزے دار کے حسنِ ادب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزہ دار کے مقاصد درست رہتے ہیں، شہوات سے جدا رہتا ہے، جوارح محفوظ رہتے ہیں، کھانا پینا صاف ستھرا رہتا ہے، اللہ کا ذکر ہر وقت زبان پر جاری رہتا ہے، رزق کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ اپنے روزہ پر اس کی نظر نہیں ہوتی، اپنی تقصیر پر شرمندگی محسوس کرتا ہے اور ادائیگی صوم میں اللہ سے اعانت طلب کرتا ہے۔

سہل بن عبداللہ تستریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہر پندرہ روز میں ایک بار کھانا تناول کرتے تھے۔ اور جب ماہ رمضان المبارک کا آغاز ہو جاتا تو صرف ایک لقمہ کھاتے، میں نے ان کے طعام کے بارے میں ایک شیخ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کہ سہل بن عبداللہؒ صرف پانی سے روزہ افطار کرتے تھے۔

ابوعبید بسری، ماہ رمضان کے شروع ہوتے ہی ایک کمرے میں خود کو بند کر دیتے اور اپنی بیوی سے کہہ دیتے کہ ہر رات روشندان سے ایک روٹی اندر ڈال دیا کرے۔ اور اس وقت تک کمرے سے باہر نہ نکلتے جب تک کہ رمضان نہ ختم ہو جاتا۔ ماہِ صیام کے ختم ہونے پر آپ کی بیوی اندر کمرے میں جاتی تو تیس کی تیس روٹیاں کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہوتیں۔

جہاں تک نفلی روزہ رکھنے کا تعلق ہے تو صوفیہ کرام کا معمول یہ ہے کہ سفر ہو یا گھر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ وہ روزے کے بارے میں اس حدیث کہ "روزہ ڈھال ہے" ① کی توضیح کرتے ہوئے روزہ سے متعلق بہت کچھ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ الصوم جنۃ میں نہیں کہا گیا کہ روزہ کس چیز سے بچنے کے لیے ڈھال ثابت ہوتا ہے، وہ اس چیز کا تعین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روزہ آخرت میں آتش دوزخ سے بچنے کے لیے ڈھال کا کام دے گا کیونکہ روزہ اس دنیا میں اس دشمن کے تیروں سے بچنے کے لیے ڈھال ہے جو لوگوں کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور انسان کے یہ دشمن اس کا نفس اس کی خواہشات، دنیا اور شہوات ولذات ہیں۔

جس نے روزہ رکھنے پر ہمیشگی اختیار کر لی اس نے گویا خود کو اپنے دشمنوں کے مکر وفریب سے روزے کی ڈھال کے ساتھ بچا لیا اور دوزخ میں پھینکے جانے سے محفوظ رہا۔

میں نے احمد بن محمد سنید قاضی دینور سے اور انہوں نے رویم علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک تپتی ہوئی دوپہر کو میں بغداد کی ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ مجھے سخت پیاس نے ستایا۔ ایک مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک لڑکی باہر نکلی میں نے پانی مانگا اور وہ آبِ سرد کا بھرا ہوا ایک نیا کوزہ اٹھا لائی جب میں نے کوزہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ لڑکی بولی: تجھ پر افسوس ہے کہ صوفی ہو کر دن کے وقت پانی پیتے ہو یہ کہہ کر اس نے کوزہ پھینک دیا اور اندر چلی گئی۔ رویم کہتے ہیں کہ اس لڑکی نے مجھے اس قدر شرمندہ کیا کہ اس روز سے میں نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی قسم کھالی۔

## صومِ داؤدی

صوفیہ کی ایک جماعت نے صومِ داؤدی اختیار کیا ہوا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والے روزے میرے بھائی داؤد علیہ السلام کے روزے تھے۔ وہ ایک روز چھوڑ کر دوسرے روز روزہ رکھتے تھے۔ ②

---

① سنن نسائی میں بطریق حضرت معاذ، سنن بیہقی میں بروایت حضرت جابر صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

② شیخین اور اصحاب سنن نے اس حدیث کو روایت کیا۔

شیوخ کہتے ہیں کہ قولِ رسول میں صومِ داؤد علیہ السلام کو اس لیے سب سے زیادہ فضیلت کا حامل بتایا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے شدید ترین روزے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا مسلسل روزہ سے کہیں مشکل ہے کیونکہ جب کوئی شخص مسلسل روزہ رکھنے سے مانوس ہو جائے تو اسے روزہ رکھنے کی بجائے روزہ نہ رکھنے میں زیادہ دشواری پیش آتی ہے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا اس کی عادت کے خلاف واقع ہوتا ہے اور جو شخص ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتا ہے اس کو روزہ رکھنے کی عادت نہیں ہو پاتی اس لحاظ سے اس پر ایک دن بغیر روزہ کے گزار کر دوسرے دن روزہ رکھنا سخت دشوار گزرتا ہے۔

سہل بن عبداللہ کہتے ہیں: جب تم سیر ہو جاؤ تو سیری بخشنے والے سے بھوک طلب کرو اور بھوک لگے تو اس کے حضور سیری کی درخواست کرو اگر ایسا نہ کیا تو اس قدر سستی چھا جائے گی کہ سرکش ہو جاؤ گے۔

ابوعبداللہ احمد بن جابان علیہ الرحمۃ نے پچاس برس تک روزے رکھے، سفر ہو کہ حضر وہ ہمیشہ روزے سے رہتے۔ ایک مرتبہ ان کے ساتھیوں نے انہیں روزہ نہ رکھنے پر مجبور کر لیا مگر اس کے نتیجے میں وہ کئی روز تک اس قدر بیمار رہے کہ فرائض کے چھوٹ جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔

## روحِ عبادت

جو صوفیہ مسلسل روزے رکھنے کو پسند نہیں کرتے اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب نفس ایک عمل کا عادی ہو جائے تو پھر وہ حصول ثواب کی خاطر نہیں بلکہ اپنی لذت کے حصول کے لیے وہ عمل انجام دیتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے عبادات و طاعات میں کبھی نفس اور اس کی مرغوب لذات کو یکجا نہ ہونے دیا جائے۔ کیونکہ نفس کی تو خصوصیت و جبلت ہی نیکی سے فرار اور برائی کی طرف میلان ہے۔ اور جب نفس کسی ایک عبادت سے مانوس ہو جائے تو اہلِ معرفت و بصیرت اس کو بھی فریب نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔

ابراہیم بن ادھمؒ کہتے ہیں کہ میرے ہاں ایک شخص رہتا تھا جو نماز روزہ کی بہت پابندی کیا کرتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ ایک ایسی جگہ سے کھانا کھاتا جہاں حلال کا کھانا ہوتا ہی نہیں تھا۔ ایک دفعہ میں اسے اپنے ساتھ سفر پر لے گیا اور اسے پاک صاف حلال غذا دینے لگا اس طرح وہ ایک ماہ تک میرے پاس رہا اور اس دوران مجھے ضرورت پڑتی تھی کہ اسے کوڑے مار کر ادائیگی فرض کے لیے اٹھاؤں۔

وہ صوفیہ اور درویش جو مجردانہ اور دنیا سے لاتعلقی اور تجرد کی زندگی گزارتے ہیں۔ جو کچھ اللہ کی جانب سے ملے اسی پر قانع رہتے ہیں۔ انہیں یہ تک خبر نہ ہوتی کہ کس وقت، کس کے ذریعے اور کس طرح رزق ان کو ملے گا۔ ایسے دریشوں کے احوال ان روزہ داروں سے کہیں بہتر ہیں جو افطار کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ تیار کھانا ملے گا۔ اسی طرح ایسے درویشوں کے روزے بھی ان روزے داروں سے افضل ہیں جو یہ جانتے ہوتے ہیں کہ افطار پر تیار کھانا ملے گا۔

درویش صوفیہ کے بھی اپنے آداب روزہ ہیں۔ جیسے یہ کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر روزہ نہیں رکھتا کیونکہ اگر اس نے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر روزہ رکھ لیا تو ان کے دلوں کو وہ اسی طرح مشغول کرے گا کہ گویا وہ روزہ سے نہیں اور اس طرح وہ اس کے روزہ سے بے خبر رہیں گے۔

اگر ان میں سے ایک اپنے ساتھیوں کی اجازت سے روزہ رکھ لے اور دوسروں کے سامنے کوئی کھانے کی چیز موجود ہو تو انہیں اس وقت افطار کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جماعت میں سے کوئی اس وقت کھانے کی ضرورت محسوس کرتا ہو یا ممکن ہے کہ افطار کے وقت تک انتظار کرنے سے اس کے ساتھیوں سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے کہ اس سے روزہ رکھنا چھوٹ جائے ہاں اس صورت میں اس کے ساتھیوں کو انتظار کرنا ہوگا کہ روزہ رکھنے والا ان کا شیخ ہو یا جسمانی طور پر ضعیف ہو۔ اس طرح اس کو چاہیے کہ روزے کی حالت میں اپنا حصہ لے کر افطار کے لیے جمع نہ رکھے کیونکہ ایسا کرنا اس کے حال کی کمزوری کی علامت ہوتی ہے اگر جسمانی ضعف ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔

اگر صوفیہ کی جماعت میں کچھ روزہ رکھنے کے عادی ہوں اور کچھ نہ رکھنے کے تو ایسی صورت میں روزہ رکھنے والوں کو اپنے دوسرے ساتھیوں کو اپنی سی حالت اپنانے کی دعوت نہیں دینی چاہیے الا یہ کہ وہ خود روزہ رکھنے پر آمادہ ہوں۔

روزہ دار کا غیر روزہ دار کا ساتھ دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ غیر روزہ دار، روزہ دار کا ساتھ دینے کے لیے روزہ رکھ لے۔ اگر دونوں روزہ رکھنے پر از خود مائل ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ دائم الصوم تھے، جب ان کے پاس ان کے ساتھی آئے تو وہ ان کے ہمراہ روزہ توڑ دیتے۔ اور یہ فرماتے کہ ساتھیوں کا ساتھ دینا ایک نفلی روزہ رکھنے سے کہیں افضل ہے کہتے ہیں کہ اگر کسی صوفی کو نفلی روزے سے پاؤ تو یہی سمجھو کہ ضرور کوئی دنیوی شے اس کی لاحق ہو گئی ہے۔

اگر صوفیہ کی کوئی صائم جماعت ایسی ہو جس کے جملہ افراد آپس میں ہم مزاج و ہم خیال ہوں اور ان میں ایک مبتدی بھی ہو تو وہ اسے روزہ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اگر وہ ترک صوم میں ان کا ساتھ نہ دے سکے تو پھر اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کے دوران کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں اور اس کی حالت کو اپنی حالت پر محمول نہیں کرتے۔ اور اگر صوفیہ کی جماعت میں ان کا شیخ بھی ہو تو وہ اس کے روزہ رکھنے کی پیروی میں روزہ رکھتے ہیں اور اگر وہ روزے سے نہ ہوں تو ان کی بھی وہی کیفیت ہوتی ہے جو ان کے شیخ کی ہوتی ہے۔ صرف ایسی صورت میں وہ موافقتِ شیخ کو ترک کرتے ہیں جب شیخ اس کے چھوڑنے کا حکم دے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ شیخ ان کی بہتری کو جانتا ہے۔

ایک جلیل القدر شیخ نے کہا میں نے فلاں فلاں برس غیر اللہ کے لیے روزے رکھے اور وہ اس طرح کہ ایک مرید ان کی صحبت میں تربیت حاصل کرتا تھا۔ اور شیخ نے صرف اس لیے روزے رکھے کہ مرید ان کو بھی صائم دیکھ کر روزے رکھتا رہے۔

میں نے ابوالحسن مکی کو بصرہ میں دیکھا کہ وہ ساری عمر روزے رکھتے تھے اور صرف جمعہ کی رات کو روٹی کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ایک ماہ کا خرچ صرف دانق تھا۔

وہ اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی رسیاں بنتے اور انہیں بیچتے۔ ابن سالم نے ان سے ترکِ ملاقات کر رکھی تھی اور کہتے تھے میں ان کو اس وقت سلام کرنے آؤں گا جب یہ روزہ سے نہیں ہوں گے اور روٹی کھا رہے ہوں گے۔ اسی زمانہ میں ابوالحسن مکی ترک طعام کے لیے مشہور تھے۔

واسط کے ایک صوفی کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ برس ہا برس تک روزے سے رہے کہتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک کے علاوہ ہر روز وقتِ مغرب سے پہلے افطار کر لیتے تھے۔ کچھ لوگ ان کے اس عمل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے

تھے۔ان کا اعتراض یہ تھا کہ ان کا عمل علم دین کی مخالفت پر مبنی تھا اگر وہ چاہتے تو مغرب کے وقت افطار کر کے نفلی روزے کا ثواب حاصل کر سکتے تھے اور ایک گروہ وہ تھا جو ان کے اس عمل کو پسند کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ وہ صوفی روزہ رکھ کر صرف نفس کو بھوک برداشت کرنے کی تربیت دے رہے تھے۔اور روزے کے ثواب و اجر میں مشغول ہونے سے بچنے کے لیے انہوں نے اسے بظاہر روزہ کی شکل نہ دی۔

میرا یہ خیال ہے کہ جنہوں نے اس کے اس عمل کو پسند نہیں کی وہ حق پر ہیں کیونکہ جب اس نے روزے کی نیت کی تو پھر لازم تھا کہ اسے مکمل کرتا اور اگر روزہ کی نیت نہ تھی تو پھر اس کا طریق فاقہ کرنے والوں کا ہے اسے روزدار نہیں کہا جا سکتا۔

## یک روزہ زندگی

ابوبکر شبلی نے ایک شخص سے کہا: اچھا کہ تو ہمیشہ روزہ سے رہے اس شخص نے پوچھا: ہمیشہ کے لیے کیسے؟ آپ نے کہا: جس قدر زندگی تیری باقی ہے اسے ایک دن سمجھ کر اس کا روزہ رکھ لے۔

# صوفیہ کے آدابِ حج

صوفیہ کے آداب حج کی پہلی کڑی یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے یہ کوشش کریں کہ حج کا فریضہ انجام دے سکیں اور اس سلسلے میں وہ کسی طرح گنجائش یا رخصت کے بارے میں نہ سوچیں اور نہ ہی زادِ راہ سواری کے عدمِ حصول کی صورت میں وہ حج کرنے سے رکے رہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی فرضِ لازم درمیان میں آن پڑے۔

حج کے بارے میں قولِ خداوندی ہے:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا [آل عمران:۹۷]

ترجمہ: ''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔''

اور فرمایا:

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ [الحج:۲۷]

ترجمہ: ''اور لوگوں میں حج کی یعام ندا کردے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔''

مذکورہ آیت کریمہ میں پیدل چلنے والے حجاج سے آغاز کلام کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو حج کے بغیر اس جہاں سے رخصت ہو گیا اس کی مرضی ہے کہ یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر۔'' [1]

مذکورہ حدیث کے مطابق، صوفیہ کا یہ شعار ہے کہ وہ زادِ راہ اور سواری کا بندوبست نہ ہوتے ہوئے بھی فریضہ حج کو ساقط نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کا طریق ہے کہ وہ احکام شریعت اور فرائض پر عمل کرنے کے سلسلے میں کسی انداز سے رخصت کے قائل نہیں ہوتے بلکہ وہ بتمامہ ہر حکم اور ہر فرض پر عمل کرتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ امورِ دین میں رخصت یا چھوٹ کو روا رکھنا عوام الناس کا وطیرہ ہے اور ان میں تاویلات اور گنجائش پیدا کرنے کی کوشش، کمزور لوگوں کا شعار ہے، جبکہ صوفیہ ہر حکم اور فرائض کی بجا آوری کو اپنے لیے رحمتِ خداوندی گردانتے ہیں، جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو وہ حج کا ارادہ کرتے ہیں ان معلومات کے مطابق جو فقہاء کے ہاں حج کی بابت موجود ہوتی ہیں، اور اس میں علماء عوام اور خواص سبھی برابر ہیں، کہ ان سب کو حج کے سلسلے میں مناسکِ حج، فرائض حج، سنن حج اور حکام و حدود حج کے جاننے کی ضرورت بہر حال پڑتی ہے، مگر یہاں آداب حج کے بیان سے ہماری مراد ان خواص صوفیہ کے آداب حج ہیں جن کے تین طبقے ہیں پہلا طبقہ ان صوفیاء پر مشتمل ہے جو ایک ہی حج کرتے ہیں اور اس کے بعد حفظِ اوقات و احوال میں ہمہ تن لگ جاتے ہیں۔ ادائیگی حج میں جس قسم کی مصیبتیں اور مشقتیں ان کے راستے میں پیش آئیں ہوں ان کی پرواہ نہیں کرتے اور مطمئن رہتے ہیں۔

[1] بیہقی نے ابن امامہ سے اور ترمذی نے حارث عن علی رضی اللہ عنہ کے طریق سے اس کو روایت کیا۔

میں نے ابن سالم سے سنا کہ سہل بن عبداللہ نے سولہ برس کی عمر میں پہلا حج کیا، ان کا زادِ راہ صرف بھنی ہوئی کلیجی تھی، بھوک لگتی تو اسے سونگھ لیتے۔

ابو یزید بسطامیؒ اور جنید بغدادیؒ نے ایک ایک حج کیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی حج کیا۔

دوسرا طبقہ مشائخ صوفیہ کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول کا ارادہ کیا تو پہلے جملہ دنیوی تعلقات، وطن اور بھائیوں عزیزوں کو خیر باد کہہ کر وادیوں، جنگلوں اور لق و دق صحراؤں میں زادِ راہ اٹھائے بغیر انجانے راستوں پر راستہ دکھانے والوں کی مدد لیے بغیر چل پڑے۔ انہوں نے میل گنے اور نہ راستے میں واقع خاک خانوں کو شمار کیا، انہوں نے منازل کی جستجو کی اور نہ پانی کے گھاٹ تلاش کیے، کسی سبب کا سہارا ڈھونڈا اور ہی راہ کی دشواریوں سے ان کے عزم میں کوئی کمی پیدا ہوئی اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ [البقرہ:۱۲۵]

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا۔''

## حج صوفیہ سے متعلق چند واقعات

صوفیہ کرام کے آداب حج اور احوال وصفات کی بلندی کا اندازہ ان واقعات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جن کا تعلق ان کی ادائیگی حج سے ہے۔

احمد بن علی وجیہیؒ نے مجھے بتایا کہ حسن القزاز دینوریؒ نے بارہ مرتبہ برہنہ پا و برہنہ سر فریضہ حج ادا کیا، اگر پاؤں میں کانٹا لگ جاتا تو پاؤں کو زمین پر رگڑ رگڑ کر آگے چل دیتے۔ توکل اس قدر پختہ تھا کہ راستے پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔

ابوتراب نخشبیؒ حج کو روانہ ہوتے تو ایک لقمہ بصرہ دوسرا بناج اور تیسرا لقمہ مدینہ منورہ میں تناول فرماتے۔ اور جب مکہ میں داخل ہوتے تو فربہی سے ان کے پیٹ پر بل پڑے ہوتے۔

ابراہیم بن شیبانؒ کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ المغربیؒ ویرانے میں داخل ہوتے تو ایک سفید چادر اور تہہ بند پہنتے اور پاؤں میں ایک جوتا ہوتا اور یوں لگتا جیسے بازار سے گزر رہے ہوں اور جب مکہ میں داخل ہو کر حج سے فارغ ہو جاتے تو میزاب رحمت کے نیچے پھر احرام باندھ لیتے اور اس وقت تک احرام باندھے رہتے جب تک پھر مکہ میں اگلے سال حج کے لیے داخل نہ ہو جاتے۔

جعفر خلدیؒ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ حج کو جاتے ہوئے ایک صحرا سے گزر رہا تھا میں نے سفید قمیص پہنی تھی اور میرے ہاتھ میں پانی کا کوزہ تھا کہ اس دوران میں نے ٹیلوں کے درمیان وہ کانیں اور تاجر دیکھے جن کے پاس بصرہ کے قافلے آکر پڑاؤ کرتے تھے۔

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ مجھے صحرا میں انیس راستوں کا علم ہے۔ اور یہ راستے ان راستوں کے علاوہ ہیں جن پر لوگوں کے قافلے چلتے ہیں۔ اور ان میں سے دو راستے ایسے ہیں جن میں سونا اور چاندی پایا جاتا ہے۔

جعفرؒ نے ابراہیم خواصؒ کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے کہا: میں صحرا میں ایک جگہ مغموم بیٹھا تھا، اور کئی وقتوں کا کھانا نہیں کھایا تھا، اس حالت میں مجھے فضا میں حضرت خضر علیہ السلام گزرتے دکھائی دیئے، میں نے فوراً سر جھکا لیا اور آنکھیں دوسری جانب کر لیں مگر وہ آئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے، تب میں نے ان کی طرف دیکھا تو فرمانے لگے: اے ابراہیم

اگر تو نے مجھے دیکھانہ ہوتا تو میں تیرے پاس نہ آتا۔

ابراہیم خواصؒ ہی کا ایک اور واقعہ ہے۔وہ بیان کرتے ہیں: میں ایک سال مکہ مکرمہ سے نکلا تو یہ عہد کرلیا کہ قادسیہ پہنچنے سے پہلے کوئی شے نہیں کھاؤں گا۔ جب میں نے صحرا عبور کرلیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اعرابی پیچھے سے مجھے پکار رہا ہے، میں نے اس کی طرف توجہ نہ دی حتیٰ کہ وہ مجھے آن ملا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں دودھ کا پیالہ تھا، اس نے کہا: یہ دودھ پی لے ورنہ تیری گردن اڑا دوں گا، میں ششدر رہ گیا اور اس کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ لے کر دودھ پی لیا۔وہ واپس چلا گیا اور اس کے بعد قادسیہ پہنچنے تک میرے ساتھ کوئی اور واقعہ پیش نہیں آیا۔

الغرض حج کی ادائیگی کے سلسلے میں صوفیہ کے دوسرے طبقے سے متعلق مختصراً ہم نے چند باتیں عرض کی ہیں جو ہر ذی عقل کے لیے کافی ہیں۔

تیسرا طبقہ ان مشائخ صوفیہ کا ہے جنہوں نے مکہ مکرمہ ہی کو اپنا مقام ٹھہرایا اور اس کی مجاورت اختیار کر لی۔ان کے اس خطۂ مقدس میں قیام کی وجہ اس جگہ کا تقدس، فضیلت اور شرف ہوتا ہے یا اس مقام کی بنجر زمین سے ان کا نفس چونکہ متنفر تھا لہٰذا انہوں نے تادیبِ نفس کی خاطر یہاں قیام کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وادیٔ حجاز ایک ایسی وادی ہے جو شہوات و لذات سے روکتی ہے۔اور خصوصاً ایسا شخص جسے رزق غیب سے ملتا ہو اس کی روزی مقرر کی جا چکی ہو۔اور وہ کسی مدد یا رفاقت سے محروم ہو، اس کے لیے وادیٔ حجاز میں قیام سودمند رہتا ہے۔اور جب نفس اپنی فطرت کے موجب اپنی خواہشات کی عدمِ تکمیل پر مضطرب ہو اور بندہ احکامِ الٰہی کی پابندی میں سکون تلاش کرنے کی آرزو کرتا ہو تو یہی وہ حالت ہے جس میں بندوں کے مقامات کا پتہ چلتا ہے۔

## وادیٔ حجاز میں رہنے کے آداب

وادیٔ حجاز کے جوار میں رہنے سے متعلق صوفیہ کے آداب پر مبنی چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

ابوبکر محمد بن داؤد دینوری دقیؒ نے کہا کہ ابوعبداللہ بن جلاء۔اٹھارہ برس تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے مگر اس تمام عرصے میں کبھی شہر سے مکہ لایا جانے والا طعام نہیں کھایا کیونکہ شہر حکومت وقت کی زمینوں میں سے ہوتا ہے۔اور متقدمین ایسی زمینوں کا طعام یا وہاں لائی جانے والی کسی بھی شے سے احتراز کرتے تھے۔وہ صرف آبِ زم زم پیتے اور چاہ زم زم سے اپنی رسی اور ڈول ڈال کر پانی نکالتے کیونکہ چاہِ زم زم پر موجود ڈول اور رسی مالِ سلاطین میں سے ہوتا ہے۔

ابوبکر کتانی علیہ الرحمہ نے طوافِ کعبہ کے دوران اپنی زندگی میں بارہ ہزار بار قرآن کریم ختم کیا۔

ابوعمرو زجاجیؒ نے مکہ میں تیس برس قیام کیا جب قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تو حدود حرم سے باہر چلے جاتے۔ ایک دن میں تین بار زیارتِ کعبہ کرتے اور تین روز میں ایک لقمہ طعام کا کھاتے۔ستر برس سے زائد عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

دقی علیہ الرحمہ نے کہا میں نو برس مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہا۔حالانکہ میں ایک جگہ پر دو نمازیں بھی ادا نہ کرتا تھا۔اور اس دوران میں مجھ پر فاقے سے یہ حالت بھی آ جاتی کہ جنازہ دیکھتا تو حسرت سے کہتا کہ کاش! مرنے والا میں ہی ہوتا مگر اس کے ساتھ ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ کیا ایسا نہیں کہ تیرے فاقے کو سوائے تیرے رب کے کوئی اور نہیں جانتا اور میں اسی خیال میں اس قدر محو ہو جاتا کہ فاقے کا احساس ہی مٹ جاتا۔

کہتے ہیں جو شخص مکہ مکرمہ میں رہ کر ایک دن اور رات بھوک برداشت کر کے وہ مکہ سے باہر تین روز کچھ کھائے بغیر گزار سکتا ہے۔

صوفیہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قیام سے اخلاق وعادات بدل جاتے ہیں اور وہاں پر تمام آداب کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ سکتے ہیں جو خاصانِ خدا کی صف میں سے ہوں۔

ابراہیم خواصؒ کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ میں فقراء کے طبقے میں سے ایک نوجوان کئی برس مقیم رہا جس کے حسن نشست، کثرتِ طواف اور حفاظت فقر کو دیکھ کر ہم حیران ہوتے تھے۔ ایک روز میں نے سوچا کہ کیوں نہ کچھ درہم اس کے پاس لے جا کر اسے آزمایا جائے۔ یہ سوچ کر میں اس کے پاس بہت سے درہم لے کر پہنچا اور وہ درہم اس کے خرقہ کے طور پر رکھ دیئے۔ اس نے میری طرف دیکھا، خرقہ کا پلو اٹھا کر درہم زمین پر پھینک دیئے اور مسجد سے باہر نکل گیا۔ اس وقت میں نے اس نوجوان سے بڑھ کر کوئی باعزت شخص نہیں دیکھا جب کہ اس نے درہم زمین پر پھینک دیئے تھے اور مجھ سے بڑھ کر ذلیل کوئی نہ تھا کہ زمین پر بیٹھ کر کنکریوں میں سے چن چن کر درہم اکٹھے کر رہا تھا۔

صوفیہ کرام مکہ مکرمہ کی جانب سفر کے دوران میں جو تکالیف اٹھاتے ہیں انہیں بخوشی برداشت کرنے کی ان کے ہاں دو وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صرف تین مساجد کی طرف سفر اختیار کیا جائے ایک مسجدِ حرام دوسری یہ میری مسجد (مسجد نبوی) اور تیسری مسجد اقصیٰ۔"[1]

دوسری وجہ یہ ہے کہ وطن میں نفس مختلف احوال کا دعویٰ کرتا ہے مگر وطن سے دور ہو تو احوال میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرح نفس کا وہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے جس پر اُسے فخر ہو۔

صوفیہ سفر کو سفر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سالکین و طالبین کے احوال ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف سفر کرتے ہیں۔

صوفیہ کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ جب انہیں یہ احساس ہونے لگے کہ ان کے نفسوں میں کجی، ضعف یا گمراہی کے پیدا ہونے کے آثار ہیں تو وہ بیت اللہ کی جانب سفر اختیار کرتے ہیں تاکہ نفس کے احوال میں تغیر پیدا ہو، نفس کے دَعاوِی کو جھٹلایا جائے اور اس کے کسی مکر یا فریب کا یقین نہ ہونے پائے۔

صوفیہ کی ایک جماعت مکہ مکرمہ میں مقیم تھی، جب ان میں کوئی ایک دن کے وقت طوائف کرنے کے لیے اٹھتا تو وہ سب اسے برا جانتے کیونکہ ان کا یہ خیال ہوتا تھا کہ ان کا ساتھی طواف کے دوران میں دن کے وقت خیرات بانٹنے والے سے خیرات وصول کرتا ہے۔ الغرض اسی طرح یہ سب ایک دوسرے کے احوال پر تنقید کیا کرتے تھے۔

صوفیہ کے آدابِ حج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جب وہ ایک بار حج کا ارادہ کر لیں تو وہ اُسے پورا کر کے دم لیتے ہیں چاہیں اس میں ان کی جان بھی کیوں نہ چلی جائے۔

وہ جب ایک بار کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہو پڑیں تو پھر کسی طرح بھی نہیں رکتے سردی ہو کہ گرمی اور زادِ راہ کم بھی ہو تو وہ اپنے ارادے سے نہیں پھرتے۔

[1] یہ روایت صحاح ستہ کی تمام کتب میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔

احمد بن دلویہؒ کہتے ہیں کہ میں نے شام سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا۔ ان دنوں شدید سردی تھی میرا ارادہ کچھ ڈانوا ڈول ہو گیا تو میں نے ابو عمران طبرستانیؒ سے اس معاملے میں کوئی علمی صورت یا گنجائش دریافت کی، انہوں نے کہا: جب تو اس پر اتنا ڈرتا ہے تو اسے دریا میں پھینک دے میں ان کے اشارے کو سمجھ گیا اور اسی وقت عازم مکہ مکرمہ ہوا۔ تمام رستے میں مجھے کسی طرح کی تکلیف پیش نہیں آئی اور اس طرح میں نے حج کا فریضہ ادا کر لیا۔

صوفیہ کرام کا شعار ہے کہ جب وہ صحراؤں اور ویرانوں میں سفر کرتے ہین تو فرائض کو پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ سفر کے لیے دی گئی رعایتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے نہ ہی وہ قصر کرتے ہیں اور نہ تیمم پر اکتفا کرتے ہیں چاہے ان کے لیے یہ روا بھی کیوں نہ ہو۔ وہ سفر میں بھی اپنے ان معمولات کو پوری طرح بجالاتے ہیں جن پر وہ گھر میں رہتے ہوئے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے لیے سفر ہو کہ حضر دونوں برابر ہیں۔ ان کے سفر کا کوئی معین وقت نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ نشاناتِ میل، چوکیوں اور منازل سے ہو کر جاتے ہیں۔ جب انہیں ان کا رب ٹھہرا دے تو ٹھہر جاتے ہیں، جب وہ چلانا چاہے تو چل پڑتے ہیں اور جب پڑاؤ کا حکم دیتا ہے تو فروکش ہو جاتے ہیں۔ میقات پر پہنچتے ہیں تو جسم پانی اور دل توبہ سے دھو لیتے ہیں۔ جونہی کپڑے اتار کر احرام باندھتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ان کے باطن سے حسد، دھوکہ، فریب، خواہشات اور حبِ دنیا بھی دور ہو جاتی ہے۔ جب وہ لبیك اللهم لبيك لا شريك لك پکارتے ہیں تو اس کے بعد کبھی شیطان، نفس امارہ اور خواہشات کی صدا پر کان نہیں دھرتے کیونکہ وہ تلبیہ میں اقرار کر چکے ہوتے ہیں کہ تیرے لیے کوئی شریک نہیں۔

ان کی ظاہری آنکھیں اللہ کے گھر پر جمی ہوتی ہیں اور دل کی آنکھوں سے گھر بلانے والے کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

طواف کرتے ہیں تو اس آیت کا ورد کرتے جاتے ہیں:

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ [الزمر:۷۵]

ترجمہ: ''اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کیے۔''

مذکورہ آیت مبارکہ کے ورد کرنے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے طواف میں مشغول فرشتوں کو بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اور جب وہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کیے نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں تو انہیں علم ہوتا ہے کہ یہ اس بندے کا مقام ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو اس کے نقشِ قدم پر چلنے اور اس کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے مقام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

صوفیہ جب حجر اسود کو ہاتھ سے چھوتے اور بوسہ دیتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ گویا اللہ تعالیٰ کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اب تقاضائے ادب یہی ہے کہ اس کے بعد خواہشات وشہواتِ دنیوی کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ صفا کی طرف جاتے ہیں تو یہ نیت ہوتی ہے کہ اب دل کو ہر طرح کی کدورتوں سے صاف رکھنا ہے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں اور تیز تیز دوڑتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ شیطان اور مکرِ نفس سے فرار ہو رہے ہیں۔ منیٰ پہنچتے ہیں تو ان کے آداب میں سے ہے کہ وصلِ محبوب کی تیاریاں شروع کر دی جائیں ممکن ہے کہ آرزو بر آئے۔

میدان عرفات میں پہنچتے ہیں تو اپنی نیکیوں کو جانچتے ہیں۔ حشر و نشر اور قبروں سے اٹھائے جانے کو یاد کرتے ہیں۔ جب وقوف کرتے ہیں تو یوں جانتے ہیں کہ اپنے مالک کے حضور میں کھڑے ہیں اور اب اس سے منہ نہ پھیریں گے۔

امام کے ساتھ مزدلفہ لوٹتے ہیں تو اللہ جل ذکرہ کی عظمت و کبریائی سے دلوں کو معمور رکھتے ہیں۔ اور دنیا و آخرت کو پیچھے چھوڑ آتے ہیں۔ رَمی کے لیے پتھر توڑتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی جملہ خواہشات شہوات اور نفس کے ارادوں کو بھی پارہ پارہ کر ڈالتے ہیں۔

مشعرِحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں تو ان کے پیشِ نظر تعظیم ہوتی ہے اور کنکریاں مارتے ہیں تو اپنے اعمال پر نظر رکھتے ہیں۔

سروں کو منڈواتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ان کے باطنوں سے خودستائی کی خواہش مٹ جاتی ہے۔ قربانی کے جانوروں کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی نفسِ امارہ کو بھی ذبح کر ڈالتے ہیں پھر طواف کی طرف لوٹتے ہیں تو کعبہ کے پردوں کو اس نیت کے ساتھ تھامتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور سہارا نہیں وہ اللہ کے بعد خلق کے دامن میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کرتے۔ منیٰ واپس آتے ہیں اور ایامِ تشریق کے دوران میں وہاں قیام کے وقت جب کہ ہر چیز ان پر حلال ہوتی ہے اس کے باوجود وہ یہ بات خلافِ ادب سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کو جنہیں وہ اپنے نفسوں پر حرام کر چکے ہیں انہیں وہ اپنی لذتوں کو پورا کرنے کی خاطر اور مالکِ حقیقی کے ایک بار حرام کئے ہوئے کو پھر سے حلال سمجھیں۔

مناسکِ حج مکمل کرنے کے بعد صوفیہ کرام اپنے احوال کو پاکیزہ کرنے کے بعد انہیں مکدر کرنے سے احتراز کرتے ہیں وہ فقط اللہ کی وسعتِ رحمت پر بھروسہ رکھتے ہیں کیونکہ انہیں قبولیتِ حج کے بارے میں خدشہ رہتا ہے۔ وہ ظاہراً باطناً اللہ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اپنی نجات کی دعائیں مانگتے ہیں۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں میں نے ایک ویرانے میں کسی شیخ کو دیکھا جو لوگوں کو توکل کا درس دے رہا تھا مگر اس کے سترہ دن بعد خود اسباب پر بھروسہ کرنے لگا۔ ایک اور شیخ نے اسے روکا مگر وہ نہ رکا۔ اس پر صوفیہ نے اسے اپنی صف سے خارج کر دیا۔

دقی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میں مصر میں داخل تو زقاق علیہ الرحمہ سے ملنے چلا گیا میں نے سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ حجاز سے۔ کہنے لگے: میں بنی اسرائیل کے ریگستان میں سترہ دن تک کچھ کھائے پیئے بغیر بھٹکتا رہا کہ اتنے میں دور سے کچھ دھندلی دھندلی انسانی شکلیں دکھائی دیں، میرے نفس نے لالچ کی کہ (اب کچھ مل جائے گا) جب میں ان کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک فوج ہے اور ساتھ میں اس کا امیر بھی۔ یہ فوج بحیرۂ قلزم کی طرف جا رہی تھی، جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ فوجی ہیں تو میرا نفس ان سے مایوس ہو گیا مگر انہوں نے مجھے کھانا پیش کیا جو میں نے نہیں کھایا پھر پانی دیا جو میں نے نہ پیا۔

امیر فوج نے کہا: جس حالت میں تم ہو اس میں تو مردار کا کھانا بھی جائز ہوتا ہے۔ پھر تم ہمارا کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے جواب دیا: جب ہم لوگوں میں رہتے ہوئے آپ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تو اس وقت آپ لوگوں کے سامنے کیونکر ہاتھ پھیلاؤں جبکہ سارا وقت کہتے ہیں کہ زقاق علیہ الرحمۃ کی ایک آنکھ بینائی سے محروم تھی۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں ایک روز صحرا میں بھٹک رہا تھا اور میں نے بالوں سے بنا ہوا کمبل اوڑھا ہوا تھا کہ اچانک میری آنکھ میں کھجلی ہونے لگی۔ میں نے اس کمبل سے آنکھ کو ملا تو وہ بہہ گئی اور بینائی ضائع ہو گئی۔

# سفر وحضر میں صوفیا کے آداب اور باہمی روابط

جنید علیہ الرحمہ کہتے ہیں: فقر آزمائشوں کا ایسا سمندر ہے جس کی ہر آزمائش کڑی ہے اور صاحب فقر کی علامت یہ ہے کہ جب وہ خود قوی ہوتا ہے اس کی محبت کمزور ہوتی ہے اور جب خود کمزور ہوتا ہے تو اس کی محبت قوی ہوتی ہے۔ فقیر کو چاہیے کہ اپنی محبت پر قائم رہے۔

میں نے دقیؒ سے مصر میں انہوں نے ابوبکر زقاقؒ کو مصر میں یہ کہتے سنا کہ چالیس برس سے فقراء کی صحبت میں رہ رہا ہوں مگر میں نے کبھی ان کو کسی سے کوئی مدد طلب کرتے ہوئے نہیں دیکھا اگر وہ ایسا کرتے بھی تھے تو صرف آپس میں ایک دوسرے سے یا پھر اس سے یا پھر اس سے جو اُن کا محب اور دوست ہوتا جس نے فقر میں تقویٰ و پرہیزگاری کو چھوڑا اس نے حرام محض کھایا۔

ابوعبداللہ ابن الجلاء کہتے ہیں کہ جس نے فقر کو پرہیزگاری کے ساتھ حاصل نہ کیا اس نے گویا انجانے میں حرام محض کھایا۔

## فقیرِ صادق

سہل بن عبداللہ کا قول ہے: فقیر صادق تین باتوں پر کاربند رہتا ہے ایک یہ کہ ضرورت مند ہو تو مانگتا نہیں دوسرے یہ کہ کچھ مل جائے تو رد نہیں کرتا اور تیسرے یہ کہ جب کوئی چیز مل جائے تو دوسرے وقت کے لیے بچا نہیں رکھتا۔

ایک صوفی نے کہا کہ فقیر صادق کی تین نشانیاں ہیں:

۱۔ کسی سے کچھ مانگتا نہیں ۲۔ کسی سے تعرض نہیں کرتا۔

۳۔ اگر کوئی اس سے الجھے تو خاموش رہتا ہے۔

سہل بن عبداللہ کہتے ہیں: تین خوبیاں فقیر کا لازمہ ہیں:

۱۔ اپنے راز کی حفاظت ۲۔ فرائض کی ادائیگی ۳۔ فقر کا تحفظ

## انتظارِ وصل

جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: صاحب فقر ہر معاملے میں صبر کر سکتا ہے مگر وصل کی منزل تک پہنچنے کے لیے جو عرصہ حائل ہوتا ہے اس کے ختم ہونے تک صبر نہیں کر سکتا۔

## مخصوص خصائل فقراء

ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ فقراء کی بارہ خوبیاں ہیں جو سفر و حضر میں ان میں موجود رہتی ہیں:

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر وعدے پر مطمئن رہتے ہیں۔

۲۔ خلق سے مایوس رہتے ہیں۔
۳۔ شیاطین سے دشمنی کو برقرار رکھتے ہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف کان لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔
۵۔ جملہ مخلوقات پر شفقت کرتے ہیں۔
۶۔ خلق کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کو برداشت کرتے ہیں۔
۷۔ جملہ مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں۔
۸۔ صرف اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتے ہیں۔
۹۔ معرفت خدا میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں۔
۱۰۔ ہمیشہ پاکیزہ رہتے ہیں۔
۱۱۔ ان کا سرمایہ فقر ہوتا ہے۔
۱۲۔ کمی بیشی، پسند ناپسند غرض اللہ کی جانب سے انہیں جو کچھ بھی پیش آئے اس پر شکر بجالاتے ہیں اور پسندیدگی مظاہرہ کرتے ہیں۔

کسی شیخ کا کہنا ہے جس نے ثواب فقر کے بدلے اللہ تعالیٰ سے فقر مانگا وہ فقیر ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا اور جس فقیر پر اس کی عقل چھا گئی اس کی خوشیاں لٹ گئیں۔

## صوفیا کا نظریہ ملکیت

فقراء کو اللہ کی جانب سے جو کچھ بغیر مانگے اور بلا طمع عطا ہو وہ اس کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہتے کہ یہ میرا یہ تیرا۔ اور نہ ہی کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ میں تو تیرا ہو گیا مگر تو میرا نہ ہوا یا میں اس طرح کرتا ہوں کہ کہیں اس طرح نہ ہو جائے یا میں یوں نہیں کرتا کہ کہیں یہ کام اس طرح نہ ہو جائے۔

ابراہیم بن شیبانؒ کہتے ہیں ہم ایسے شخص کی صحبت میں نہیں بیٹھتے تھے جو یہ کہتا کہ میرا جوتا اور میری چھاگل۔

جنیدؒ کے استاذ ابو عبداللہ احمد قلانسیؒ نے کہا: میں بصرہ میں فقراء کی ایک جماعت سے ملا، وہ میرے ساتھ بڑی اچھی طرح پیش آئے ان کے ساتھ رہتے ہوئے ایک بار میرے منہ سے اتنا نکلا کہ میرا تہبند کہاں ہے؟ اور میں ان کی نظروں سے گر گیا۔

ابراہیم بن ملاد الرقیؒ نے کہا میں طرطوس کے علاقہ میں داخل ہوا تو مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک مکان میں تمہارے بھائیوں کی ایک جماعت رہتی ہے۔ میں ان کے پاس گیا تو وہاں میں نے سترہ فقراء دیکھے اور میں نے انہیں اس حالت میں پایا کہ گویا ان کے سینوں میں بیک وقت ایک ہی دل دھڑک رہا تھا۔ ابو عبداللہ احمد قلانسیؒ سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے مسلک کی بنیاد کن چیزوں پر رکھی ہے؟ انہوں نے کہا: تین باتوں پر۔ ایک یہ کہ ہم کسی سے اپنا جائز حق بھی طلب نہیں کرتے، دوسری یہ کہ ہمیں زندگی بھر جو کچھ تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں، انہیں ہم اپنے اوپر ہی اٹھاتے ہیں۔

کسی صوفی نے کہا ہمارے مسلک کی بنیاد تین چیزوں پر ہے:

۱۔ متابعتِ امر و نہی ۲۔ فقر اختیار کرنا ۳۔ خلق کے ساتھ شفقت سے پیش آنا

کسی شیخ کا قول ہے جب تم یہ دیکھو کہ فقیر حقیقت سے محض علم کی جانب آ جائے تو سمجھ لو کہ اس نے اپنا عزم توڑ دیا اور اس کی نیت فاسد ہو گئی۔

ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں: صوفیہ کے آداب میں یہ بات شامل نہیں کہ ان کا کوئی وسیلہ یا سبب ہو جس کی طرف وہ بوقتِ حاجت مندی رجوع کرتے ہوں یا وہ اپنے ہاتھوں یا زبان کو لوگوں سے مدد مطلب کرنے کے لیے استعمال کریں۔

جنید علیہ الرحمہ نے کہا: فقراء سے ملتے وقت نرمی سے پیش آؤ نہ کہ علم کے ساتھ کیونکہ وہ نرمی سے مانوس اور علم سے نامانوس ہوتے ہیں (یعنی صوفیہ کے ساتھ بحث مباحثے سے احتراز کرنا چاہیے)۔

# صوفیہ کے آداب صحبت

ابراہیم بن شیبان علیہ الرحمہ کہا کرتے تھے: ہم اس شخص کی صحبت اختیار نہیں کرتے جو یہ کہتے کہ یہ میرا جوتا اور یہ میری چھاگل ہے۔

سہل بن عبداللہؒ سے کسی نے کہا میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں آپ نے کہا: جب ہم دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے گا تو دوسرا کس کی صحبت اختیار کرے گا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ابھی سے اللہ کی صحبت اختیار کرلیں۔

ذوالنون مصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ کس کی صحبت اختیار کروں۔ انہوں نے کہا: اس کی صحبت اختیار کرو جو بیماری میں تیری عیادت کرے اور اگر تجھ سے گناہ سرزد ہو تو وہ تجھے معاف کردے۔

## معیارِ دوستی

ایک صوفی کا قول ہے کہ وہ شخص ہرگز تیرا دوست نہیں جسے تو کہے کہ چل۔ اور وہ کہے: کہاں؟

ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی صحبت موافقت کے ساتھ، خلق کی صحبت باہمی خیرخواہی کے ساتھ، نفس کی صحبت مخالفت کے ساتھ اور شیطان کی صحبت عداوت ومحاربت کے ساتھ اختیار کرو۔

احمد بن یوسف زجاجیؒ کہتے ہیں کہ دو ساتھیوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے دو نور، جو یکجا ہوئے تو انہیں وہ کچھ نظر آنے لگا جو پہلے الگ الگ ہونے میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بلاشبہ مخالفت ہر بے اتفاقی کی جڑ ہے۔ شیطان کے پاس باہمی مخالفت پیدا کرنا ایک ایسا حربہ ہے جس کے ذریعے وہ اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت وانس رکھنے والوں میں پھوٹ ڈالتا ہے۔

ابوسعید خرازؒ نے کہا: میں پچاس برس صوفیہ کی صحبت میں رہا مگر ان کے اور میرے مابین کبھی مخالفت نہیں ہوئی۔ پوچھا گیا کہ وہ کس طرح؟ فرمایا: اس طرح کہ میں ہمیشہ اپنے نفس کی مخالفت کر کے ان کی حمایت کرتا رہا۔

جنید علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بداخلاق نیکوکار شخص کے مقابلہ میں مجھے ایک خوش خلق فاسق زیادہ عزیز ہے۔

اور آپ نے مزید کہا: میں نے ابوحفص نیشاپوریؒ کے ساتھ ایک شخص دیکھا جو اس قدر خاموش طبع تھا کہ بولتا نہ تھا۔ میں نے اس کے ساتھیوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا: یہ شخص ابوحفصؒ کی صحبت میں رہتا ہے اور ہماری خدمت کرتا ہے۔ اس نے ابوحفص پر ایک لاکھ درہم خرچ کئے ہیں اور ایک لاکھ درہم مزید قرض لے کر ان پر خرچ کر چکا ہے، صرف اس لیے کہ وہ اسے ایک لفظ بولنے کی اجازت دیں۔

ابویزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: میں ابوعلی سندھیؒ کی صحبت میں رہا۔ وہ مجھے توحید اور علم الحقائق سکھاتے تھے اور میں انہیں ان کے فرائض یاد دلاتا تھا۔

ابوعثمانؒ کہتے ہیں کہ میں نوعمر لڑکا تھا کہ میں نے ابوحفصؒ کی صحبت میں بیٹھنا چاہا مگر انہوں نے مجھے دھتکار کر کہا کہ میرے پاس مت بیٹھو۔ مجھے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور ان کی طرف منہ کر کے پشت کی جانب چل پڑا۔ حتیٰ کہ میں باہر آ گیا۔ اس روز کے بعد میں نے یہ ارادہ کرلیا کہ ان کے دروازے پر ایک کنواں کھود کر اس میں بیٹھ جاؤں اور ان کی اجازت کے بغیر اس سے نہ

نکلوں، جب انہیں اس کا علم ہوا تو قریب بیٹھا کر پیار کیا اور اس روز سے مجھے اپنا مرید خاص بنالیا۔ ان کی یہ شفقت مجھ پر ان کے انتقال تک برقرار رہی۔ میں نے ابن سالمؒ کو یہ کہتے سنا کہ میں ساٹھ برس تک سہل بن عبداللہؒ کی صحبت میں رہا۔ ایک روز میں نے عرض کیا: میں نے آپ کی خدمت میں ساٹھ برس گزار دیئے مگر آپ نے آج تک مجھے وہ اولیاء وابدال نہیں دکھائے جو آپ کے پاس آتے رہتے ہیں، انہوں نے فرمایا: تم ہی تو ہر روز انہیں میرے پاس اندر لاتے رہتے ہو۔ کیا تو نے وہ شخص میرے پاس نہیں دیکھا جس کی پیتی بندھی تھی اور مسواک بھی اس کے پاس تھی، اور وہ تم سے باتیں کررہا تھا، وہ انہیں ابدالوں میں سے تھا۔

ابراہیم بن شیبانؒ نے کہا کہ ہم ابوعبداللہ مغربیؒ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، اس وقت ہم جواں سال تھے، وہ ہمیں اپنے ساتھ دشوار گزار صحراؤں کے سفر پر لے جایا کرتے تھے، ان کے پاس ایک شیخ حسنؒ نامی بھی رہا کرتے تھے۔ اس شیخ نے ستر برس تک ان کی خدمت کی تھی ہم میں سے جس سے بھی کوئی غلطی سرزد ہوجاتی تو اسی حسنؒ نامی شیخ کی سفارش سے وہ ہمیں معاف کردیا کرتے تھے۔

سہل بن عبداللہؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے ایک بار اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے کہا: اگر تم درندوں سے ڈرنے والے ہوتو میری صحبت اختیار مت کرو۔

یوسف بن حسین رازیؒ کا کہنا ہے کہ میں نے ذوالنونؒ سے کہا: میں کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا: اس کی جس سے تم وہ تمام باتیں پوشیدہ نہ رکھو جنہیں اللہ جانتا ہے۔

کوئی شخص ابراہیم بن ادھمؒ کی صحبت اختیار کرتا تو وہ ان سے تین شرائط پوری کرنے کو کہتے۔ ایک یہ کہ خدمت وہ خود کریں گے، دوسری یہ کہ اذان بھی وہی دیں گے اور تیسری یہ کہ جو کچھ اللہ ان کو عطا کرے گا اس میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ ایک روز ان کے ایک ساتھی نے کہا: میں آپ کی ان شرائط کو مکمل نہیں کرسکتا۔ آپ نے کہا: مجھے تیرا سچ بولنا پسند آیا۔

ابراہیم بن ادھمؒ باغوں کی رکھوالی اور فصل کی کٹائی کرکے کماتے اور اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتے۔

ابوبکر کتانیؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص میری صحبت میں بیٹھا۔ مگر وہ مجھے ناگوار گزرا، میں نے اسے کپڑے وغیرہ تحفۃً دیئے تاکہ میرے دل میں جو کچھ ہے وہ زائل ہوجائے، مگر ایسا نہ ہوسکا پھر میں ایک روز اسے اپنے گھر لے گیا اور اس سے کہا: اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے، اس نے انکار کیا مگر میں نے کہا کہ ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ اس پر اس نے اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دیا۔ اس سے میرے دل میں اس لیے جو ناگواری تھی زائل ہوگئی۔

مذکورہ بالا حکایت مجھ سے دقیؒ نے بیان کی۔ اور انہوں نے کہا میں نے یہ حکایت جاننے کے لیے شام سے حجاز کا سفر کیا تاکہ وہاں ابوبکر کتانیؒ سے اسے سن لوں۔

ابوعلی رباطیؒ کہتے ہیں: میں نے عبداللہؒ مروزی کی صحبت اس وقت اختیار کی جب کہ وہ صحرا میں زادِراہ کے بغیر سفر کررہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: کیا تم امیر بننا پسند کروگے؟ یا میں امیر بنوں؟ میں نے کہا: آپ امیر ہوں گے۔ انہوں نے کہا: اگر ایسا ہے تو تمہیں میرا ہر حکم ماننا ہوگا۔ میں نے جواب دیا: مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تھیلا لیا اور اس میں زادِراہ بھر کر اسے اپنی پیٹھ پر اٹھالیا۔ میں نے کہا: مجھے دیجئے! میں اٹھالیتا ہوں۔ اس پر انہوں نے مجھے یاد دلایا کہ کیا میں

امیر نہیں اور تم پر میرا ہر حکم ماننا لازم نہیں؟ سفر کرتے کرتے رات پڑ گئی اور ہمیں بارش نے آ لیا تو وہ ساری رات میرے سر پر چادر تان کر بارش روکے کھڑے رہے اور میں بیٹھا رہا۔ اس وقت میری حالت یہ تھی کہ کاش! میں یہ کہتا ہی نہ کہ وہ میرے امیر بنیں۔ آپ نے مجھ سے اس سفر کے دوران یہ بھی کہا: جب کوئی تیری صحبت اختیار کرے تو اس سے ویسا ہی سلوک کرنا جو میں تمہارے ساتھ کیا۔

سہل بن عبداللہؒ کہا کرتے تھے: تین طرح کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔ ایک غافل ظالم دوسرے خوشامدی اور تیسرے جاہل صوفیہ۔

# علمی مذاکرات اور آداب صوفیہ

میں نے احمد بن علی وجیہیؒ سے اور انہوں نے اپنے والد ابو محمد جریریؒ سے سنا کہ صرف بحث برائے بحث سے استفادے کے دروازے بند اور باہمی خیر خواہی کی غرض سے بحث کرنے سے استفادے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

ابو یزیدؒ کا قول ہے: جس نے بولنے والے کی خاموشی سے فائدہ حاصل نہ کیا وہ اس کی گفتگو سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں کہ صوفیہ دل کی بات سے زبان کی تجاوز کو ناپسند کرتے ہیں۔

ابو محمد جریریؒ کہتے ہیں: ادب و انصاف کا تقاضا ہے کہ تصوف سے متعلق کوئی صوفی اس وقت تک کوئی گفتگو نہ کرے جب تک اس سے اس کے بارے میں پوچھا نہ جائے۔

ابو تراب نخشبیؒ کے مرید ابو جعفر بن مزاجیؒ نے کہا: میں نے بیس برس تک کبھی کوئی مسئلہ اس وقت تک نہیں پوچھا جب تک کہ پہلے میں عملاً اس کو پوچھنے کے قابل نہ ہوتا۔

ابو حفصؒ کا قول ہے: تصوف پر گفتگو اسی شخص کو کرنی چاہیے جو اپنی خاموشی پر عذاب سے ڈرتا ہو۔ (یعنی جب اس کے لیے گفتگو کرنی ضروری ہو جائے)۔

ایک شخص ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ الجلاؒ کے پاس آیا اور ان سے توکل کے بارے میں پوچھا۔ اس وقت ابن الجلاؒ کے ہاں اور صوفیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے سائل کو جواب نہ دیا اور گھر چلے گئے اور وہاں چار دانق (چھوٹے سکے) جو ان کے پاس تھے لا کر ان حاضرین میں تقسیم کر دیے، اس کے بعد انہوں نے سائل کو جواب دیا۔ ان سے جب ان کے اس عمل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ سے شرم آتی تھی کہ گھر میں چار دانق رکھ کر توکل پر گفتگو کروں۔

ابو عبداللہ مصریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن یزدانیارؒ سے مسائلِ تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے کہا: مجھے تمام لوگوں کے ہاں فقط غیب کے بارے میں کچھ باتیں ہی سننے کو ملیں ممکن ہے کہ وہ غیب آپ ہوں۔ انہوں نے مجھے کہا: جو کچھ تم نے کہا ایک بار پھر کہو، میں نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا۔

ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ علم تصوف کے مسائل پر بحث کرنے کا حق صرف اُسے حاصل ہے جو اس کی تعبیر پر قادر ہو اور تصوف سے متعلق نظریے کو بیان کرے پہلے وہ خود اس کے عملی پہلو سے گزر چکا ہو۔

ابو جعفر صیدلانیؒ کہتے ہیں: ایک شخص نے ابو سعید خرازؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا اور وہ گفتگو کے دوران میں اللہ کا حوالہ دیتا تو اشارے کرتا۔ اس پر ابو سعید نے اس سے کہا: ہم تمہاری بات کو بلا اشارہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اکثر لوگ اللہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور اور اللہ سے کتنے ہی دور ہوتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس آسمان کے نیچے کوئی علم، علم تصوف سے بڑھ کر ہوتا تو میں اس کی اور اس کے جاننے والوں کی طرف دوڑا ہوا جاتا اور سیکھ لیتا، اور اگر یہاں کوئی وقت صوفیہ کے اوقات سے بہتر ہوتا تو میں اس کو حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔

آپ نے مزید فرمایا: میں نے کوئی گروہ علماء کا ایسا نہیں دیکھا جو گروہِ صوفیہ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو میں ہرگز صوفی علماء کی صحبت اختیار نہ کرتا۔

ابوعلی رودباریؒ نے کہا: ہمارا یہ علم اشاراتی ہے جب بھی یہ عباراتی ہوا تو بے معنی ہو گیا۔

ابوسعید خرازؒ کہتے ہیں کہ ابوحاتم عطاؒ بصرہ میں تھے تو مجھ تک ان کی فضیلت کا چرچا پہنچا اور میں مصر سے انہیں ملنے کے لیے بصرہ روانہ ہوا۔

بصرہ پہنچ کر جامع مسجد میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ابوحاتم عطارؒ لوگوں کے درمیان بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں مجھے دیکھنے کے بعد پہلی بات جوان کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ میں ایک شخص کے لیے بیٹھا ہوں وہ کہاں ہے؟ اور میرا اس شخص سے کیا تعلق ہے؟ پھر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: کیا وہ شخص تم ہو؟ پھر فرمایا: اللہ نے صوفیہ کو جس (راز کے) قابل سمجھا تھا اس سے مطلع کر دیا، جو کچھ ان پر لازم کیا اس کی انجام دہی میں ان کی مدد فرمائی اور جو کچھ ان کے لیے پیش کیا انہیں اس سے بے خبر رکھا، الغرض وہ اسی کے ساتھ اور اسی کے لیے عبادت کرتے ہیں اور اس سے اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

جنیدؒ نے کہا: اگر ہمارا یہ علم (علم تصوف) گندگی کے ڈھیر پر پڑی ہوئی کوئی چیز ہوتی تو صوفیہ اپنی معینہ مقدار کے مطابق اس میں سے اپنا حصہ نہ لیتے (یعنی علم تصوف کوئی ایسی عام شے نہیں کہ ہر کوئی بے تحاشا اس سے جھولی بھرتا پھرے)۔

شبلیؒ نے ایک روز اہل مجلس سے کہا: تم منتخب لوگ ہو تمہارے لیے جنت میں نور کے منبر بنائے جائیں گے، حتیٰ کہ فرشتے بھی تم پر رشک کریں گے۔ کسی نے پوچھا: کس عمل کے بدلے یہ مقام ملے گا۔ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ یہ علم تصوف پر آپس میں تبادلہ خیالات کیا کرتے ہیں۔

میں نے جعفر خلدیؒ سے انہوں نے جنیدؒ سے سنا اور انہوں نے کہا کہ سری سقطیؒ نے مجھ سے کہا: مجھے معلوم ہوا کہ جامع مسجد میں تیرے پاس ایک جماعت بیٹھتی ہے۔ میں نے کہا: جی ہاں، وہ میرے بھائی ہیں، ہم سب مل کر تصوف سے متعلق باتیں کرتے ہیں اور اس طرح سے ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! افسوس ہے کہ تو بے کار لوگوں کا مرکز بن گیا ہے۔

جنیدؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا: جب کبھی سری سقطیؒ مجھے فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو وہ مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھتے ہیں۔ ایک روز انہوں نے مجھ سے پوچھا: اے لڑکے! شکر کسے کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: شکر یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے بدلے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ ان کو میری یہ بات بہت پسند آئی اور کہا: شکر کی تعریف کس طرح کی ذرا پھر سے کہو۔

مذکورہ بالا حکایت ہم نے ابوعلی رودباریؒ کے قلم سے جنیدؒ کے متعلق لکھی ہوئی پائی ہے۔

سہل بن عبداللہؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ ان سے مسائل تصوف پوچھے جاتے تو کچھ نہ بولتے، ایک عرصے کے بعد انہوں نے اس سلسلے میں گفتگو شروع کی تو پوچھا گیا کہ پہلی خاموشی کا کیا سبب تھا۔ فرمایا: اس وقت ذوالنونؒ زندہ تھے ان کے ہوتے ہوئے میں احتراماً اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابوسلیمان دارانیؒ نے کہا: اگر مجھے یہ علم ہو جاتا کہ مکہ میں کوئی شخص ایسا ہے جو مجھے علم تصوف میں ایک لفظ کا فائدہ پہنچائے

تو مجھ پر یہ لازم ہوتا کہ چاہے ہزار فرسنگ پیدل چل کر جانا ہوتا تب بھی میں جاتا اور اس سے وہ ایک لفظ بھی سن کر آتا۔

## کلمہ فناء کا خمار

ابوبکر زقاقؒ نے کہا کہ میں نے جنیدؒ سے فناء کے متعلق صرف ایک لفظ سنا جس کا خمار چالیس برس کے بعد بھی نہیں اترا۔
میں نے دقیؒ کو یہ کہتے سنا کہ مذکورہ بالا حکایت زقاقؒ بیان کیا کرتے تھے۔

میں نے دقیؒ سے سنا انہوں نے کہا: ابوعبداللہ ابن الجلاؒ سے کہا گیا کہ آپ کے والد کا نام "جلا" کیوں رکھا گیا؟ تو فرمایا: وہ لوہے کی صیقل کرنے والے جلاء (لوہے کو صیقل کرنے والا) نہیں تھے، بلکہ وہ ایسے جلاء تھے جو دلوں سے گناہوں کا زنگ اتار کر انہیں صیقل کر دیتے تھے۔ حارث محاسبیؒ کہا کرتے تھے کہ اس دنیا میں معزز ترین وہ عالم ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ اور وہ صوفی عارف باللہ ہے جو اپنی حقیقت بیان کرتا ہے۔

میں نے ابن علوانؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص جنیدؒ سے کوئی ایسا سوال کرتا جو پوچھنے والے کے فہم سے بالا ہوتا تو جواباً فرماتے: لا حول ولا قوة الا بالله۔ اور اگر وہ سائل پھر سوال کرتا تو فرماتے: حسبنا الله و نعم الوكيل۔

ابوعمرو زجاجیؒ بیان کرتے ہیں کہ جب تو کسی شیخ کی مجلس میں بیٹھے اور وہ مسائل تصوف پر گفتگو کر رہے ہوں اور اس دوران میں تجھے قضائے حاجت کی شدید ضرورت پڑے تو بہتر ہے کہ تو وہیں بیٹھے ہوئے ہی فارغ ہو لے کیونکہ گندگی کو تو پانی سے دھویا جا سکتا ہے مگر اٹھ کر جانے سے جو علمی منفعت کا نقصان ہوگا اس کی تلافی زندگی بھر نہیں ہو سکتی۔

جنید کہتے ہیں کہ میں نے ابن کریبیؒ سے کہا کہ ایک شخص جو علم تصوف سے متعلق ایک موضوع پر گفتگو کر رہا ہو مگر عملاً اس سے دور ہو تو کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ ایسا شخص خاموش رہے یا چاہیں گے کہ وہ گفتگو کرے؟ ابن الکریبیؒ نے کچھ دیر سوچا اور کہا اگر وہ شخص آپ ہیں تو آغازِ کلام کیجئے۔

## علمِ علماء

ابوبکر شبلی فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا اس علم کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے سامنے علماء کا علم فقط تہمت ہے۔
سری سقطی کہتے ہیں: جس شخص نے صرف علم سے اپنی شخصیت کو سجائے رکھا اس نے اپنی نیکیوں کو بدیوں سے بدل لیا۔

# صوفیہ کے معمولات مجالس ضیافت اور طعام کے بارے میں

ابو القاسم جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: صوفیہ پر اللہ کی جانب سے تین مواقع پر رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ایک کھانے کے وقت کیونکہ صوفیہ فاقے کے بعد کھاتے ہیں۔ دوسرے علمِ تصوف پر گفتگو کرتے وقت کیونکہ ان کی گفتگو کا موضوع اولیاء و صدیقین کے احوال ہوتے ہیں۔ اور تیسرے سماع کے دوران اس لیے کہ وہ جائز طریق سے سماع کرتے ہیں اور وجد ہو تو اٹھتے ہیں۔

محمد بن منصور طوسیؒ نے اپنے ایک مہمان سے کہا: آپ ہمارے ہاں تین دن تو قیام کریں اور اگر اس سے زیادہ قیام کریں تو یہ آپ کی طرف سے ہمارے لیے صدقہ ہوگا۔

سری سقطیؒ کہا کرتے تھے: افسوس! اس لقمۂ طعام پر جس کے کھانے میں مجھ سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہو اور جس میں مجھ پر مخلوق کا احسان نہ ہو۔

ابو علی نور باطیؒ نے کہا: جب تمہارے پاس کوئی مسکین آئے تو اسے کھانے کے لیے کچھ پیش کرو۔ جب فقہاء آئیں تو ان سے مسائل پوچھو اور جب تمہارے پاس عبادت گزار لوگ آئیں تو انہیں جائے نماز کی طرف لے جاؤ۔

ابو بکر کتانیؒ کہتے ہیں کہ ابو حمزہؒ نے کہا: میں سری سقطیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ میرے لیے ستو لے آئے اور آدھے ستو میرے لیے پیالے میں ڈالنے لگے میں نے پوچھا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں تو یہ سب کے سب ایک بار پی سکتا ہوں وہ کہنے لگے کہ اگر ایسا کرو تو یہ تیرے لیے حج سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ ابو علی رود باریؒ جب صوفیہ کو کسی ایک جگہ جمع دیکھتے تو اس آیت سے استشہاد کیا کرتے تھے:

هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿٢٩﴾ [الشوریٰ:۲۹]

ترجمہ: ''اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔''

ابو علی رود باریؒ کہا کرتے تھے کہ جب صوفیہ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر بڑا مہربان اور ان کے بارے میں سچا فیصلہ فرماتا ہے۔ پھر آپ یہ آیت اس کی دلیل میں پیش کرتے:

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ [السبا:۲۶]

ترجمہ: ''تم فرماؤ! ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہم میں سچا فیصلہ فرمائے گا۔''

جعفر خلدی کہتے ہیں یہ جو تم دیکھتے ہو کہ بعض لوگ کھانے کے بعد بھی کھاتے رہتے ہیں یہ عدم سیری کی کیفیت ہوتی ہے، آپ نے کہا کہ دیکھو! کوئی صوفی زیادہ مقدار میں کھانا کھاتا ہے تو یہی سمجھو کہ وہ گزرے ہوئے وقت کا کھانا بھی کھا رہا ہوگا یا آنے والے وقت کے لیے کھا رہا ہوگا اور یا موجودہ وقت کا کھانا کھا رہا ہوگا۔

ابو بکر شبلیؒ فرماتے ہیں: اگر دنیا کسی بچے کے منہ میں ایک لقمہ کی مانند ہوتی تو پھر بھی میں اس بچے پر رحم کھاتا۔ آپ نے مزید فرمایا: کہ اگر یہ دنیا ایک لقمہ ہوتی تو میں اسے نگل لیتا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان حائل اس بڑی رکاوٹ کو

ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا۔

کہتے ہیں کہ دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ کھانے بیٹھو تو اظہار مسرت کرو، دنیا پرستوں کے ساتھ شریک طعام ہو تو ادب سے کام لو اور فقراء کے ساتھ کھانا کھاؤ تو ایثار کا مظاہرہ کرو۔

مذکورہ آداب صوفیہ کے آداب میں سے نہیں بلکہ صوفیہ کے آداب یہ ہیں کہ وہ کھانے کے دوران مغموم نفرت کا اظہار کرنے والے اور تکلف سے کام لینے والے نہیں ہوتے، وہ زیادہ مقدار میں گھٹیا کھانے پر کم مقدار میں عمدہ کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے کھانے کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہوتا، کھانا کھانے کے دوران میں وہ ایک دوسرے کو لقمہ لقمہ کر کے نہیں کھلاتے اور اگر کوئی انہیں اس طرح سے کھلائے تو رد بھی نہیں کرتے، کثرت طعام کو پسند نہیں کرتے اور شدید بھوک ہو تو نہایت سلیقے کے ساتھ کھاتے ہیں۔

میں نے ایک جلیل القدر شیخ سے سنا وہ فرماتے تھے: میں دس روز فاقے سے رہا، اور دس روز کے بعد میرے سامنے کھانا لایا گیا تو میں دو انگلیوں سے کھانے لگا میزبان نے کہا: سنت پر عمل کیجیے اور تین انگلیوں سے کھایئے۔

ابراہیم بن شیبانؒ نے کہا: اسی برس سے میں نے کوئی چیز شوق و اشتہاء کے ساتھ نہیں کھائی۔

ابوبکر کتانی دینوریؒ بغداد میں رہتے تھے اور کبھی کوئی چیز ایسی نہ کھاتے جس کے حصول کے لیے انہیں مانگنے یا کسی سے بات کرنے کی نوبت آتی۔

جنید بغدادیؒ کا قول ہے: یہ بڑی خست و کمینگی ہے کہ کوئی شخص دین کو حصول طعام کا ذریعہ بنائے۔

ابوترابؒ کہتے ہیں: مجھے کھانا پیش کیا گیا مگر میں نے نہیں کھایا۔ نتیجتاً مجھے چودہ دن کچھ بھی کھانے کو نہ ملا، تو مجھ پر عیاں ہو گیا کہ اللہ نے مجھے اپنے کیے کی سزا دی ہے اور میں اسی وقت اپنے کیے پر تائب ہوا۔

جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے: لباس، طعام اور گھر صاف ستھرا ہو تو سب معاملات درست رہتے ہیں۔

سری سقطی کہا کرتے تھے: صوفیہ کا کھانا مریضوں کے کھانے کی طرح اور ان کی نیند اس شخص کی نیند کی مانند ہوتی ہے جسے ڈوبنے کا اندیشہ ہو۔

ابوعبداللہ حصریؒ کہتے ہیں: برس ہا برس گزر گئے مگر مجھے کبھی بھوک لگنے کی شکایت نہیں ہوئی مگر اس کے ساتھ کبھی یہ نوبت بھی نہیں آئی جو یہ کہوں کہ میں کھانا کھاؤں گا۔

فتح موصلیؒ موصل سے روانہ ہوئے کہ بشر حافیؒ سے ملاقات کریں جب ان کے ہاں پہنچے تو بشر حافیؒ نے ایک درہم نکال کر احمد جلا کو دیا اور کہا: جا کر بازار سے عمدہ قسم کا کھانا لے آؤ۔ احمد جلا کہتے ہیں کہ میں نکلا اور بازار سے صاف ستھری روٹیاں خریدیں۔ اسی وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آیا کہ انہوں نے فقط دودھ ہی کے بارے میں یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! ہمارے لیے دودھ میں برکت عطا کر اور اسے ہمارے لیے زیادہ فرما۔ اسی فرمانِ رسول کے پیش نظر میں نے دودھ خریدا اس کے ساتھ کچھ کھجوریں خریدیں اور یہ سب کچھ لے کر مہمان کو پیش کر دیا۔ انہوں نے کچھ کھا لیا اور باقی ساتھ لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد بشر حافی نے اہل مجلس سے کہا: یہ فتح الموصلیؒ تھے جو مجھے ملنے آئے تھے، کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے کھانا شروع کرتے وقت مجھے کھانے کو کیوں نہ کہا؟ اس لیے کہ آداب کے مطابق مہمان کھانے کو نہیں کہتا۔ اور کیا

آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کیوں کہا کہ صاف ستھرا طعام خرید لاؤ۔ اس لیے کہ پاکیزہ طعام کے کھانے سے خالص شکر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور جانتے ہو کہ انہوں نے جاتے ہوئے باقی طعام ساتھ کیوں لے لیا۔ اس لیے کہ جب توکل صحیح ہوتو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

معروف کرخیؒ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ ہر شخص کی دعوت قبول کر لیتے ہیں؟ آپ نے کہا: میں تو اس دنیا میں مہمان ہوں جہاں کوئی لے جائے مہمان بن کر چلا جاتا ہوں، اپنا کوئی گھر نہیں رکھتا۔

ابوبکر کتانیؒ نے کہا: ایک سال ایسا بھی آیا کہ یہاں مکہ مکرمہ میں تین سو فقراء و مشائخ ایک ہی جگہ پر جمع تھے، اور ان کے درمیان علمی مذاکرات کے بجائے ایک دوسرے سے مہربانی اخلاق اور ایثار کا سلوک جاری رہتا۔

ابوسلیمان دارانی فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہیں کوئی دینی یا دنیوی حاجت درپیش ہو تو کھانے سے پہلے اسے پورا کرو کیونکہ کھانا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔

رویمؒ نے کہا: میں نے بیس برس سے کھانے کے متعلق کبھی سوچا تک نہیں یہاں تک کہ یہ میرے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔

میں نے احمد بن عطاء ابوعبداللہ رودباریؒ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ ابوعلی رودباریؒ نے سفید شکر کے لدے ہوئے کچھ اونٹ خریدے، پھر حلوائیوں کی ایک جماعت کو بلا کر انہیں کہا: اس شکر سے دیواریں، ان میں کھڑکیاں، محرابیں اور منقش ستون بنائیں۔ جب یہ سب کچھ بن کر تیار ہوگیا تو انہوں نے صوفیہ کو دعوت دی کہ وہ سفید شکر سے بنی ہوئی اس عمارت کو منہدم کردیں اور لوٹ لیں۔

ابوعبداللہ رودباریؒ فرمایا کرتے تھے: ایک شخص نے ضیافت کا اہتمام کیا اور ایک ہزار قندیلیں روشن کیں، کسی نے اعتراض کیا کہ یہ فضول خرچی ہے۔ یہ سن کر صاحبِ ضیافت نے کہا: آپ گھر میں داخل ہوں اور جو قندیل بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے روشن دکھائی دے اسے بجھا دو۔ وہ شخص اندر گیا تا کہ قندیلوں کو بجھا دے مگر بعد بسیار کوشش کے وہ ایک قندیل بھی نہ بجھا سکا۔ اور بے نیل، مرام لوٹ گیا۔

ابوعبداللہ حصریؒ نے احمد بن محمد سلمی کو یہ کہتے سنا کہ میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا اور تین روز سے فاقے سے تھا میرے ذہن میں ایک تجویز آئی اور میں نے حرم کے علما، زہاد اور فقراء کو جمع کر کے ان کے لیے گیارہ خیمے کرایہ پر لیے اور انہیں ان میں ٹھہرا دیا۔ فوراً ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں اور تحائف آنے لگے الغرض گیارہ روز تک اشیاء و تحائف کی یہی ریل پیل رہی مگر اس تمام عرصہ کے دوران خود احمد بن محمد سلمیؒ نے کچھ بھی نہ کھایا۔

# صوفیہ اور آدابِ وجد و سماع

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: سماع کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ اخوان ۲۔ زمان ۳۔ مکان

حارث محاسبیؒ نے کہا: تین چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو کس قدر فائدہ حاصل ہو مگر افسوس! ہم نے انہیں کھو دیا ہے۔ ایک خوش آواز دی کہ جس میں دیانت ہو، دوسری خوبصورتی جو حسنِ کردار کی حامل ہو۔ اور تیسری دوستی کہ جس میں وفا ہو۔

احمد بن مقاتل مکیؒ کہتے ہیں کہ جب ذوالنون بغداد میں داخل ہوئے تو صوفیہ کی ایک جماعت ان سے ملنے آئی جن کے ہمراہ ایک قوال بھی تھا۔ انہوں نے ذوالنون سے درخواست کی کہ قوال کو کچھ کہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ انہوں نے اجازت دے دی اور قوال نے یہ اشعار گائے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) ابھی تو تیری محبت کا آغاز ہے اور میں عذاب میں ہوں جب یہ محبت عفوان شباب کو پہنچے گی تو میرا کیا عالم ہوگا۔

(۲) میرے محبوب تو نے میرے دل سے وہ ساری محبت جمع کر لی ہے، جو سب کے لیے مشترک تھی۔

(۳) کیا تجھے اس غم کے مارے پر ترس نہیں آئے گا کہ محبت سے خالی لوگ تو ہنسی کھیل رہے ہیں اور وہ رو رہا ہے۔

یہ اشعار سنتے ہی ذوالنونؒ اٹھے اور منہ کے بل گر گئے، پیشانی سے خون جاری ہو گیا مگر یہ خون زمین پر نہیں گرتا تھا۔ اسی دوران محفل میں سے ایک شخص بتکلف وجد طاری کر کے کھڑا ہو گیا۔ ذوالنون علیہ الرحمہ نے اس سے کہا:

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ [القرآن:۲۱۸]

ترجمہ: ''یاد رکھ اس رب کو کہ جب تو کھڑا ہوتا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔''

یہ سنتے ہی وہ شخص بیٹھ گیا۔

## چاک گریباں نہیں چاکِ دل چاہیے

ابراہیم بارستانیؒ سے کسی نے سماع کے دوران حرکت کرنے اور کپڑے پھاڑنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے نبی اسرائیل میں ایک قصہ بیان کیا۔ تو ایک شخص نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اسی وقت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اس شخص کو کہہ دیں کہ میرے لیے قمیص نہ پھاڑے اپنے دل کو چاک کرے۔

جنید علیہ الرحمہ کہا کرتے تھے: اگر علم دین سے کامل آگاہی ہو تو وجد کی کمی کوئی نقصان نہیں پہنچاتی مگر علم دین سے واقفیت میں کمی کی صورت میں وجد میں زیادتی موجب نقصان ہو سکتی ہے۔

مذکورہ قول میں نکتہ یہ ہے کہ علم کی زیادتی سماع کے دوران سننے والے کی طاقت کے مطابق جوارح کو قابو میں رکھتی ہے۔ اور آدابِ سماع میں سے یہ ہے کہ بناوٹی قیام اور مصنوعی حال نہیں طاری کرنا چاہیے۔

## وجدِ غیر ارادی

دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرنے والے درویشوں کے لیے وجد جائز ہے بشرطیکہ یہ غیر ارادی ہو۔ ویسے ان کے لیے اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ وجد کرنے والوں میں شامل ہونے کے لیے اپنے اوپر وجد طاری کرنے کی کوشش کرے بلکہ مصنوعی وجد سے بہتر یہ ہے کہ حضور قلب اور مکمل سکون کے ساتھ سنے اور اگر مصنوعی وجد طاری کرنا عادت بن جائے تو یہ روحانی مدارج کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔

جب تک دل جب دنیا میں ملوث ہے سماع و وجد بالکل فضول ہے چاہے اس میں جسم ختم ہو جائے اور روح بھی پرواز کر جائے۔

# صوفیہ کے آدابِ لباس

## لباسِ فقر

ایک مرتبہ ابو سلیمان دارانی نے سفید دُھلی ہوئی قمیص پہنی تو احمدؒ نے ان سے کہا: آپ نے کیا خوب اجلی قمیص پہنی ہوئی ہے۔ ابو سلیمان نے فرمایا: کاش! میرا دل بھی دوسرے دلوں میں اسی طرح اجلا ہوتا جیسے کپڑوں میں میری یہ قمیص۔ اور آپ نے ہی فرمایا: تم میں سے کچھ لوگ تین درہم کی قیمت کی عباء زیب تن کرتے ہیں مگر ان کی دلی خواہش پانچ درہم کی عباء پہننے کی ہوتی ہے۔ اور ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو شرم بھی نہیں آتی کہ ان کی خواہش لباس سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ اور مزید کہا کہ کپڑوں کا چھوٹا ہونا تین خوبیوں کا حامل ہے:

۱۔ سنت پر عمل ۲۔ نظافت ۳۔ کثرتِ استعمال

بشر بن حارثؒ کے پاس ایک جماعت آئی جس نے پیوند لگے جبے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے کہا: اے جماعت والو! اللہ سے ڈرو! اور یہ لباس مت ظاہر کرو کیونکہ اس کی وجہ سے تم پہچان لیے جاتے ہو اور معزز سمجھے جاتے ہو۔ یہ سن کر وہ تمام خاموش رہے مگر ان میں سے ایک نوجوان نے اٹھ کر کہا: خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اس طرح کا بنایا ہے کہ اسی کے لیے اور اسی کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم یہی لباس پہنتے رہیں گے تا آنکہ سارا دین ہی اللہ کے لیے ہو جائے۔ بشر بن حارث نے اس نوجوان کی اس بات کی تحسین کی اور کہا: بیٹے تو نے خوب بات کی مگر کون تیری طرح کے جذبے کے ساتھ یہ پیوند لگا جبہ پہنتا ہے۔

میں نے وجیہیؒ سے اور انہوں نے جریریؒ کو یہ کہتے سنا: جامع مسجد بغداد میں ایک فقیر رہتا تھا جو سردی گرمی میں ایک ہی کپڑا پہنے رکھتا، اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا: میں زیادہ کپڑے پہننے کا شوقین تھا مگر ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں اور وہاں ایک دسترخوان پر ہمارے ساتھی فقراء کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے بھی ان کے ساتھ بیٹھنا چاہا کہ فرشتوں نے یہ کہتے ہوئے مجھے وہاں سے اٹھا دیا کہ تو ان لوگوں میں نہیں بیٹھ سکتا، کیونکہ یہ لوگ دنیا میں صرف ایک کپڑا رکھتے تھے اور تیرے پاس دو قمیصیں ہیں۔ جب بیدار ہوا تو میں نے یہ قسم کھالی کہ اس وقت تک ایک کپڑے سے زائد نہیں پہنوں گا جب تک کہ میں اپنے رب سے نہ جاملوں۔

ابو حفص حدادؒ کا قول ہے: جب تو کسی فقیر کو زرق برق کپڑے پہنے دیکھے تو اس کی بھلائی نہ چاہ۔

یحییٰ بن معاذ رازیؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آغاز میں وہ بوسیدہ ادنیٰ کپڑے پہنا کرتے تھے مگر آخر عمر میں نرم ریشم زیب تن کرنے لگے۔ یہ بات ابو یزید سے کہی گئی تو کہا: بے چارہ یحییٰ گھٹیا چیز پر صبر نہ کر سکا تو بڑھیا چیز پر کیا صبر کرے گا۔

میں نے طیفورؒ سے سنا انہوں نے کہا: جب ابو یزید اس دنیا سے رخصت ہوئے تو انہوں نے ایک قمیص پہنی ہوئی تھی جو کسی سے عاریتاً لی تھی، جسے پسماندگان نے اس کے مالک کو لوٹا دیا۔

جنید بغدادی کے استاد ابن الکرینی کا انتقال ہوا تو انہوں نے پیوند لگا جبہ پہنا ہوا تھا اور ان کی ایک آستین اور کپڑے

کے چند ٹکڑے جو لباس کشادہ کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جعفر خلدی کے ہاں پڑے ہوئے تھے اور اس آستین میں تیرہ رطل بھی بندھے ہوئے تھے۔

ابو حفص نیشاپوری ریشمی قمیص اور دیگر فاخرہ لباس پہنتے تھے ان کے گھر میں ریت کے فرش بچھے ہوئے تھے۔

صوفیہ کے آداب لباس یہ ہیں کہ وہ وقت کے ساتھ چلتے ہیں اور انہیں ادنیٰ لذے کا لباس یا پیوند لگا کوئی جبہ وغیرہ جو بھی مل جائے پہن لیتے ہیں۔

فقیر صادق جو بھی پہن لے اسے سجتا ہے اور ہر طرح کے کپڑوں میں اس کی شخصیت سے رعب و دبدبہ ٹپکتا ہے۔ وہ لباس کے معاملے میں تکلف برتتا ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں اس کی اپنی کوئی پسند ہوتی ہے۔

جب اس کا ہاتھ کشادہ ہو تو وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرتا ہے اور اپنے اوپر دوسرے ساتھیوں کو ترجیح دیتا ہے اس جذبہ کے ساتھ کہ اظہار ایثار نہیں کرتا۔ نئے کپڑوں کے مقابلے میں بوسیدہ اور پرانی اشیاء کو عزیز سمجھتا ہے بہت سارے نئے کپڑوں سے تنگ ہوتا ہے جبکہ کم مگر بوسیدہ پھٹے پرانے کپڑوں کو ترک نہیں کرتا اور وہ صفائی و پاکیزگی کا باقاعدہ اہتمام کرتا ہے۔

صوفیہ کے آدابِ لباس تو خاصے طویل ہیں مگر یہاں اس کتاب میں گنجائش نہ ہونے کے سبب ہم نے اختصار برتا ہے اللہ تعالیٰ اسی اختصار کو لوگوں کے لیے کافی فرمائے۔

# صوفیہ کے آداب سفر

کہتے کہ ابو علیؒ روباری کے پاس ایک شخص جو کہ سفر کا ارادہ رکھتا تھا کچھ نصیحت کی باتیں سننے آیا اور عرض کیا: اے ابو علیؒ! کچھ فرمایئے! آپ نے اس سے کہا: اے نوجوان! صوفیہ وعدے سے پھرتے نہیں اور مشورہ کے وقت منتشر نہیں ہوتے۔

رویمؒ سے آدابِ مسافر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اس کے قدم اس کے ارادے سے آگے نہ بڑھیں اور جہاں اس کا دل ٹھہر جائے وہیں قیام کرے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں نے عیسیٰ القصارؒ سے سنا اور انہوں نے کہا کہ میں نے اسے رویمؒ سے پوچھا تھا۔

محمد بن اسماعیلؒ کہتے ہیں: میں ابوبکر زقاقؒ اور ابوبکر الکتانیؒ بیس برس سے محوِ سفر تھے۔ اس عرصے میں ہمارا معمول یہ تھا کہ کبھی لوگوں سے نہین ملے اور نہ ہی کسی کے ساتھ وقت گزارا۔ اگر کسی شہر میں کوئی شیخ ہوتا تو اس کی خدمت میں جاتے سلام عرض کرتے، سارا دن بیٹھے رہتے اور رات پڑتی تو جس مسجد میں ہمارا قیام ہوتا اس کی طرف لوٹ جاتے، پھر کتانیؒ ساری رات نوافل میں قرآن ختم کر لیتے۔ اسی طرح زقاق قبلہ رو ہو کر شب بھر بیٹھے رہتے اور میں غور و فکر میں ڈوبا رہتا حتیٰ کہ سپیدۂ سحر نمودار ہوتا اور ہم تینوں عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے۔ اور اگر کبھی وہاں ہمارے ساتھ کوئی اور شخص ہوتا اور رات کو سو رہا ہوتا تو ہم اسے اپنے سے افضل سمجھتے۔

ابوالحسن مزینؒ نے فرمایا: فقیر کا شعار یہ ہے کہ ہر روز ایک نئی جگہ پر ہوتا ہے۔ اور مرتا ہے تو دو منزلوں کے درمیان مرتا ہے۔

مزین کبیرؒ کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں ابراہیم خواصؒ کے ہمراہ تھا کہ ان کی ران پر ایک بچھو دوڑتا دکھائی دیا۔ میں اسے مارنے کے لیے اٹھا مگر انہوں نے مجھے یہ کہہ کر روکا کہ اسے چھوڑ دو ہر چیز ہماری محتاج ہے اور ہم کسی چیز کے محتاج نہیں۔

شبلی علیہ الرحمہ جب اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو سفر کا سلسلہ منقطع کرتے دیکھتے تو فرماتے: تم پر افسوس ہے! کیا اس سے چھٹکارا ہو سکتا ہے جس سے کوئی چھٹکارا نہیں۔ ابوعبداللہ نصیبی نے کہا: میں نے تیس برس کے سفر میں کبھی اپنی پیوند لگی گدڑی پر کوئی جبہ نہیں پہنا، نہ کسی ایسی جگہ کا رخ کیا جہاں سہولت ہوتی، اور نہ کوئی شخص سامان اٹھانے کے لیے ساتھ لیا۔

الغرض صوفیہ کرام کے سفر کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ محض گھومتے پھریں۔ شہر دیکھیں، رزقِ تلاش کرتے پھریں، بلکہ ان کا سفر تو صرف، حج، جہاد، ملاقات شیوخ، صلہ رحمی، مظالم کا خاتمہ کرنے، طلبِ علم، احوال و علوم کے بارے میں استفادہ کرنے اور کسی مبارک جگہ جانے کے لیے سفر اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ سفر کے دوران اپنے وہ اَورَاد و وظائف اور معمولات جو وہ گھر پر کرتے ہیں، انہیں ترک نہیں کرتے، وہ نماز قصر کو غنیمت نہیں سمجھتے اور نہ ہی رمضان المبارک کے دوران سفر کرتے ہوئے وہ روزے کی چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جماعت کی صورت میں سفر کرتے ہوں تو پیدل چلتے ہیں اور اگر ایک ضعیف ترین پیدل چل رہا ہو تو باقی اس کی بھرپور خدمت کرتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ایک قضائے حاجت کے لیے بیٹھتا ہے تو سب اس کے لیے ٹھہر جاتے ہیں اگر کوئی پیچھے رہ جائے تو اس کا انتظار کرتے ہیں اگر کوئی اُن میں سے بیمار پڑ جاتا ہے یا کمزوری کی

وجہ سے چل نہیں سکتا تو اس کے لیے ٹھہر جاتے ہیں اور اس کی ہر طرح سے اعانت کرتے ہیں۔ نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو جب تک نماز ادا نہ کر لیں اپنی جگہ سے نہیں ہلتے بشرطیکہ ان کے پاس یا کہیں قریب پانی موجود ہو۔ یہ تو تھا کمزور صوفیہ کا حال، اور جو کیفیت سفر میں قوی صوفیہ کی ہوتی ہے وہ یوں ہے۔

ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ (سفر کے دوران) مجھ پر جس طرح کی بپتا بھی پڑی میں نے اس پر غلبہ حاصل کیا۔

ابوعمران سے سفر میں پیش آنے والے عجز اور غم واندوہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جب بھی کوئی غم لاحق ہو تو اسے گرداب کی نذر کر دو۔ یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہو جانے کے بعد کسی غم کے لاحق ہونے کی پرواہ ہی نہ کرو۔

ابویعقوب سوسیؒ نے کہا: مسافر کو سفر میں چار چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو وہ سفر نہیں کر سکتا، علم جو اس کی رہنمائی کرتا ہے، پرہیز گاری جو اس کی حفاظت کرتی ہے، شوق جو اسے اٹھائے پھرتا ہے اور اخلاق جو اس کے کردار کو پاک رکھتا ہے۔

ابوبکر کتانیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی صوفی ایک بار یمن سے ہو آتا اور دوبارہ وہاں جاتا تو صوفیہ اس سے ترکِ تعلق کر لیتے۔

کہا جاتا ہے کہ سفر کو سفر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انسانوں کے اخلاق کو ظاہر کرتا ہے۔

# صوفیہ کا اپنے ساتھیوں کے لیے کامل ایثار

میں نے شیخ ابوعبداللہ صبیحیؒ کے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا: فقیر کا فقر اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ دنیوی ملکیتوں کو ترک نہ کر دے اور جب ایسا کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں اسے عزت و منزلت حاصل ہوتی ہے۔ پھر وہ منزلت کو چھوڑ دیتا ہے تو قوتِ نفس باقی رہ جاتی ہے، اسے بھی اس کو دوستوں کے کاموں میں لگ کر ختم کر دینا چاہیے۔ تب جا کر صحیح معنوں میں اسے دولتِ فقر حاصل ہوتی ہے۔

میں نے ابوعبداللہ رودباریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا: مظفر قرمیسینیؒ کو ایک ریتلے قطعۂ زمین پر قدم رکھتے دیکھا ان کے ساتھ ایک شیخ بھی تھے۔ ان دونوں کی امراء شہر کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی، یہ اپنے اثر و نفوذ کو بھرپور طور پر فقراء کے لیے استعمال کرتے تھے، حتیٰ کہ ان کی وہ قدر و منزلت بھی نہ رہی اور پورے شہر میں کوئی شخص ان کو بطور قرض یا خیرات یا رہن پر بھی کچھ دینے کو تیار نہ تھا، یہی وہ مطلوبہ حالت تھی جسے پا کر ان کو تسلی ہوئی اور وہ خوش ہوئے۔

ابراہیم شیبانؒ سے کہا گیا: مظفر قرمسینیؒ کے بارے میں بتایئے کہ وہ کس حالت پر تھے۔ کیا انہوں نے دو خرقے پہنے ہوئے تھے یا اپنے دوستوں کی خاطر لوگوں سے مانگتے تھے یا ساتھیوں کی خدمت کرتے تھے؟ ابراہیم نے جواب دیا: انہوں نے جب کوئی قدم مروت میں خالصتاً اللہ کے لے اٹھایا اس سے پیچھے نہیں ہٹے۔

ایک صوفی بغداد میں یہ وطیرہ اختیار کیے ہوئے تھے کہ ذلت کے ساتھ لوگوں سے مانگتے اور کھاتے، کسی نے اس کی وجہ دریافت کی فرمایا: میں نے یہ ذلیل کام اس لیے شروع کیا ہے کہ میرے نفس کو اس سے شدید نفرت تھی۔

ایک جلیل القدر شیخ کسی شہر میں وارد ہوئے، وہاں انہوں نے ایک سالک کو دیکھا، جو جملہ معمولات سلوک پر عمل پیرا تھا اور اس لحاظ سے شہر میں اس کے زہد و تقویٰ کی بڑی دھوم تھی اور ہر شخص اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا، شیخ نے اس سے فرمایا: یہ جو مقام زہد و ورع میں تجھے حاصل ہے تیرے لیے درست ثابت نہیں ہوگا، جب تک کہ تو ایک ایک دروازے پر جا کر ٹکڑے مانگ کر نہ کھائے، مرید کے لیے یہ کام وشوار ثابت ہوا اور وہ ایسا کرنے سے عاجز رہا۔ مگر جب وہ بڑھاپے کو پہنچا تو لوگوں سے مانگنے کے لیے مجبور ہو گیا، تب جا کر اسے معلوم ہوا کہ یہ سب اسی نافرمانی کی سزا تھی جو اس نے اپنے قیام ارادت میں اس شیخ کا کہنا نہ مان کر کی تھی۔

واقعۂ مذکورہ بالا میں شیخ ابوعبداللہ بن المقریؒ تھے اور سالک ابوعبداللہ سنجریؒ ائمہ تصوف میں سے ایک شیخ کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ روزہ رکھتے تھے اور افطاری کے لیے ٹکڑے مانگ کر لاتے اور کھاتے، ایک شخص ان کو جان گیا اور ان کے سامنے کھانا رکھ دیا مگر انہوں نے نہ کھایا اور وہ جگہ چھوڑ کر چلے گئے کیونکہ وہ پہچان لیے گئے تھے کہ وہ صوفی ہیں۔

ممشاد دنیوریؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ جب بھی ان کے ہاں صوفیہ کی کوئی جماعت آتی تو وہ بازار جا کر جھولی میں روٹی کے ٹکڑے مانگ لاتے اور ان کو صوفیہ کے پاس لے جاتے۔

بنان حمالؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے کبھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ میں طفیلی ہوں مگر ایک بار جب کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا

کہ دن کو روزہ رکھتا اور مغرب کے بعد بازار جا کر ہر دوکان سے ایک لقمہ مانگتا تا آنکہ اس کا گزارہ ہو جاتا تو واپس اپنی رہائش گاہ آجاتا۔ میں نے ایک رات اسے اپنے ساتھ لیا، اور دوکانوں سے اسے بہت سارا حلوہ، پھل اور دیگر کھانے پینے کی چیزیں لے دیں، یہاں تک کہ ان کے پاس بہت کچھ اکٹھا ہو گیا۔ جب وہ واپس اپنی جگہ کی طرف جانے لگا تو مجھ سے کہنے لگا: اے شیخ! آپ کہیں کوتوال کے آدمی تو نہیں؟ میں نے کہا: نہیں، میں تو بنان الحمالؒ ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے وہ سب طعام و فواکہ میرے منہ پر دے مارے اور کہا: اے طفیلی! یہ کام جو تو کرتا ہے ہمارے ہاں تو کوتوال کے آدمی کرتے ہیں نہ کہ صوفیہ کرام۔ تو لوگوں سے کہتا ہے کہ لے آؤ اور وہ سب کچھ لے آتے ہیں۔

ایک سالک نے اپنے دیگر ساتھیوں کے لیے روٹی کے ٹکڑے مانگے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگا، شیوخ کی ایک جماعت نے اس کے اس عمل کو ناپسند کیا اور کہا کہ تجھے نفس نے فریب دیا۔ اور یہ روٹی تو نے اپنے لیے مانگی اگر اپنے ساتھیوں کے لیے مانگی ہوتی تو خود ان کے ساتھ کھانے کو نہ بیٹھتا۔

صوفیہ کے لیے لوگوں سے اپنی ضرورت کے وقت مانگنے کے بھی کچھ اصول ہیں، جو صوفی بھی ایسا کرے اسے چاہیے کہ مانگنے کو اپنی عادت نہ بنائے بلکہ اس سے پہلے کہ مانگنا اس کی عادت بن جائے وہ اسے ترک کر دے، اور ایسا صوفی کہ جو صرف اپنی ضرورت کے مطابق کوئی چیز لیتا ہے اسے اگر زیادہ پیش کیا جائے تو چاہیے کہ وہ صرف اپنی ضرورت پوری کرے اور باقی کو مستحقین میں تقسیم کر دے۔

تقویٰ و پرہیزگاری کے ذریعے قبول عام حاصل کر کے لوگوں سے کچھ وصول کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ صوفی بھیک مانگ کر کھائے۔

اور صوفی جب مانگنے پر مجبور ہو جائے تو اس کا کفارہ اس کا صدق ہے۔

ایک شیخ پر پردیس میں کئی دن بغیر کھائے پیئے گزر گئے حتیٰ کہ جان نکلنے کی نوبت آ پہنچی مگر انہوں نے کسی سے کچھ مانگا ان سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی گئی، تو فرمایا: مجھے رسول اللہ ﷺ کے اس قول نے روک لیا: ''جس نے حقیقی سائل کو خالی لوٹا دیا اس نے بھلائی نہ پائی۔ [1] اس وجہ سے میں نہیں جانتا کہ میرا کوئی مسلمان بھائی مجھے خالی لوٹا دے اور قولِ نبوی کے مطابق وہ بھلائی پانے سے محروم ہو جائے۔

---

[1] امام طبرانی نے سندِ ضعیف کے ساتھ اسے روایت کیا۔

# دنیوی تحائف اور صوفیہ کرام

ابو یعقوب نہر جوریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یعقوبؒ سوسی کو یہ کہتے ہیں سنا کہ ہم ارجان میں تھے تو ہمارے پاس ایک فقیر آیا۔ سہل بن عبداللہؒ بھی وہیں موجود تھے، فقیر نے کہا: آپ لوگ اہل کرم ہیں اور میں مصیبت وآزمائش میں گرفتار ہوں، سہل بن عبداللہؒ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جس نے تمہیں اس طرح مصیبت میں گرفتار کر دیا ہے۔ فقیر نے کہا: مجھے دنیوی مال میں سے ایک تحفہ پیش کیا گیا اور میں نے اسے اپنے لیے پسند کر لیا۔ جس کے نتیجے میں مَیں اپنے ایمان اور حال سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ سن کر سہل بن عبداللہؒ نے ابو یعقوبؒ سے کہا اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ ابو یعقوبؒ نے کہا: حال کھو دینے کی مصیبت ایمان کھو دینے سے بڑی ہے۔ سہلؒ نے کہا: میری بھی یہی رائے ہے۔

خیر النساجؒ کہتے ہیں: میں ایک مسجد میں داخل ہوا وہاں ایک جاننے والے فقیر کو دیکھا وہ دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔ اور کہنے لگا، اے شیخ! مجھ پر کرم کیجئے کہ میری مصیبت بہت بڑی ہے۔ میں نے کہا: کیسی مصیبت؟ کہنے لگا: مجھے رنج والم کی زندگی سے نکال کر عافیت کی زندگی سے ہمکنار کر دیا گیا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ خیر النساج کہتے ہیں کہ اس کی مصیبت یہ تھی کہ اسے کوئی دنیوی تحفہ دیا گیا تھا۔

ابو تراب نخشبیؒ نے کہا: جب تم میں سے کسی پر نعمتیں زیادہ ہو جائیں تو اسے اپنے اوپر رونا چاہیے کیونکہ اس طرح وہ صالحین کے راستے سے بھٹک سکتا ہے۔

مجھے وجیہیؒ نے بتایا کہ بنان الحمال کی خدمت میں ایک ہزار دینار پیش کیے گئے اور انہیں ان کے سامنے ڈھیر کر دیا گیا تو انہوں نے لانے والے سے کہا: انہیں اٹھالو اور یہاں سے چلے جاؤ، خدا کی قسم! اگر ان سکوں پر خدا کا نام کندہ نہ ہوتا تو میں ان پر پیشاب کرتا۔

کہتے ہیں کہ بنان الحمالؒ کا بیٹا سویا ہوا تھا کہ اس کے سرہانے چار سو درہم رکھے گئے، اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے جس نے اپنی ضرورت سے زیادہ دولتِ دنیا لی، اس کا دل اندھا ہو گیا، جب وہ بیدار ہوا تو اس رقم میں سے دو دانگ (درہم کا ۴/۱ حصہ) لے لیے اور باقی لوٹا دیئے۔

ابن علوانؒ کو میں نے یہ کہتے سنا کہ ابو الحسن نوریؒ کی خدمت میں تین سو درہم پیش کیے گئے جو انہوں نے ایک جوہڑ کے پل پر بیٹھ کر ایک ایک کر کے پانی میں پھینک دیئے اور کہنے لگے: میرے مالک! کیا تو مجھ کو ان سکوں سے بہلانا چاہتا ہے۔

جعفر خلدیؒ نے فرمایا: ابن زیریؒ جنید علیہ الرحمہ کے مریدوں میں سے تھے انہیں ایک مرتبہ کوئی دنیوی چیز بطور تحفہ دی گئی تو وہ فقراء (صوفیہ) سے الگ ہو گئے، اس کے بعد وہ ایک روز ہمیں راستے میں آتے دکھائی دیئے، ان کی آستین میں ایک رومال تھا جس میں بہت سے درہم بندھے ہوئے تھے، جب انہوں نے ہمیں دور سے دیکھ لیا تو کہا: اے دوستو! جب تم دولتِ فقر سے مالا مال ہوا اور میں دولتِ دنیا سے تو پھر ملاقات کیسی اور سب درہم ہماری طرف پھینک دیئے۔

ابو سعید ابن الاعرابیؒ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان ابو احمد قلانسیؒ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ پھر وہ اچانک غائب ہو گیا، اور بعد

مدت کے لوٹا تو بے شمار تحائف اور مال لے کر آیا، ہم نے ابو احمدؒ سے کہا کہ ہمیں اس سے ملنے کی اجازت دیں تو انہوں نے فرمایا: نہیں، اس کی اور ہماری دوستی فقر کی وجہ سے تھی اگر وہ فقیری پر قائم رہتا تب تو ہم اس سے ملنے جاتے مگر اب جب کہ وہ اس حالت میں نہیں لوٹا تو اسے چاہیے کہ ہم سے ملنے آئے۔

ابو عبداللہ حصریؒ نے کہا: ابو حفص حدادؒ رملہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے پاس دو خرقے تھے اور ان کی کمر بند میں ایک ہزار درہم بندھے ہوئے تھے، وہ دو دن وہاں ٹھہرے، اور اپنی اس رقم میں سے کچھ بھی اپنے اوپر خرچ نہ کیا بلکہ ساری رقم فقراء پر صرف کر دی۔

حصریؒ کہتے ہیں کہ میں اور شبلیؒ قحط کے دنوں میں ان کے بچوں کے لیے کچھ حاصل کرنے کے لیے باہر نکلے، شبلیؒ ایک شخص کے پاس گئے جس نے انہیں بہت سے درہم دیئے ہم اس شخص کے گھر سے نکلے تو ہماری جیبیں بھری ہوئی تھیں، راستے میں جو کوئی بھی حاجت مند ملتا شبلی ان دراہم میں سے اسے دیتے، حتیٰ کہ ہمارے پاس بہت کم درہم رہ گئے، تو میں نے ان سے کہا: (میرے آقا! گھر میں بچے بھوکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تو میں کیا کروں؟ الغرض بڑی کوشش کے بعد میں نے بقیہ درہموں کی کچھ گاجریں وغیرہ لیں اور ان کے بچوں کے لیے لے گیا۔

## عجیب وغریب امانت

ابو جعفر درابج کہتے ہیں کہ میرے استاد ایک دن طہارت کے لیے باہر نکلے تو میں نے ان کے صندق میں چار درہم کی مالیت کی چاندی پائی، مجھے بڑی حیرانگی ہوئی کیونکہ اس وقت حالت یہ تھی کہ ہم دونوں کے پاس کچھ کھانے کو نہ تھا۔ جب وہ واپس آئے تو میں نے عرض کیا: آپ کے صندوق میں چاندی پڑی ہوئی ہے اور ہم بھوکے ہیں۔ انہوں نے کہا: چاندی لے لو اور اس کے بدلے کوئی چیز خرید لو۔ میں نے کہا: آپ کو اپنے معبود کی قسم! یہ چاندی کا کیا معاملہ تھا؟ کہا: مجھے اللہ نے دنیوی اشیاء میں سے کچھ نہیں عطا کیا، نہ چاندی نہ سونا، اس لیے میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ وصیت کر کے مروں کہ یہ چاندی میرے ساتھ دفن کر دی جائے تاکہ روز قیامت میں اللہ کے حضور عرض کروں کہ دنیا میں سے آپ نے مجھے یہ کچھ عطا فرمایا تھا۔

خلیفہ معتضد باللہ نے ابوالحسین نوریؒ کو کچھ مال دیا تاکہ وہ اسے صوفیہ میں تقسیم کر دیں، انہوں نے وہ سارا مال اپنے گھر میں ڈال دیا اور بغداد کے صوفیہ کو جمع کر کے ان سے کہا: آپ میں سے جسے بھی جس قدر ضرورت ہو وہ اندر جائے اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق مال لیتا جائے، اس طرح کوئی سو کوئی اس سے زیادہ کوئی کم اور کوئی کچھ نہ لیتا۔ جب سارے درہم ختم ہو گئے تو انہوں نے تمام صوفیاء کو مخاطب کر کے کہا: تم میں سے جس نے جس قدر درہم لیے اسی قدر وہ اللہ سے دور ہے جس نے درہم ترک کر دیئے وہ اتنا ہی اللہ سے قریب ہے۔

# صوفیہ کے آدابِ کسبِ معاش

سہل بن عبداللہؒ نے کہا: جس نے کسبِ رزق پر طعن کیا اس نے سنت پر طعن کیا اور جس نے توکل پر طعن کیا اس نے ایمان پر طعن کیا۔

جنیدؒ بغدادیؒ کسبِ معاش کے بارے میں کہتے ہیں: صوفی پانی ڈھوتا اور گٹھلیاں اٹھاتا ہے۔

## ایک مکتوب

شیخ اسحاق مغازلیؒ، بشر بن حارثؒ جو کھڈی پر کام کرتے تھے کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کھڈی پر کام شروع کر کے روزی کے معاملے میں بے فکر ہو گئے ہو لیکن یہ بتاؤ اگر اللہ تیری بینائی اور سماعت تجھ سے لے لے تو تُو کس کی پناہ ڈھونڈے گا۔

کہتے ہیں کہ اس مکتوب کو پڑھنے کے بعد بشر بن حارثؒ نے کھڈی پر کام کرنا چھوڑ دیا، اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔

میری موجودگی میں ابن سالمؒ سے اس وقت جب کہ وہ کسب معاش کے فضائل بیان کر رہے تھے کسی نے پوچھا:

ہم پر کسبِ معاش فرض ہے یا توکل؟ ابن سالمؒ نے فرمایا: توکل، حالِ رسول ﷺ ہے اور کسب، سنتِ رسول ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کے لیے کسب کو اس لیے سنت ٹھہرایا کہ وہ ان کی کمزوری کو جانتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اگر مسلمان درجۂ توکل (جو کہ حال رسول ہے) سے گر جائیں تو کسبِ معاش کے درجہ سے بھی گر جائیں جو کہ سنتِ رسول ہے۔ اور اگر وہ اس طرح کا طریق ان کے لیے وضع نہ فرماتے تو وہ ہلاک ہو گئے ہوتے۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے: جس نے طلب معاش کی ذلتیں نہیں اٹھائیں اس میں خیر نہیں، اور تیرا کسب تجھے تفویض و توکل سے نہیں روک سکتا بشرطیکہ تو ان دونوں کو کسب میں پیش نظر رکھے، اور ضائع نہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسعید خراز ایک سال کسی قافلے کے ساتھ شام سے مکہ مکرمہ جانب روانہ ہوئے، دوران سفر وہ ایک رات صبح تک اپنے درویش ساتھیوں کے جوتے گانٹھتے رہے۔

ابوحفص نے کہا: میں نے کسبِ معاش کو ایک بار چھوڑا اور پھر اسے اختیار کیا۔ اس کے بعد طلب معاش مجھ سے خود بخود چھوٹ گیا اور میں نے پھر اسے اختیار نہ کیا۔

ایک درویش کا بیان ہے کہ دمشق میں ایک سیاہ فام شخص تھا جو صوفیہ کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا، سارا دن تین درہم کے عوض چونا کوٹتا اور تین روز تک ان تین دراہم سے گزارہ کرتا۔ اُجرت ملتی تو کوئی طعام خرید کر اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا، ان کے ساتھ مل کر کھاتا اور اس کے بعد کام پر لوٹ جاتا۔

ابوالقاسم منادیؒ گھر سے کمانے نکلتے اور جہاں کہیں بھی دو دانق مزدوری مل جاتی وہیں سے گھر لوٹ آتے۔

ابراہیم خواصؒ فرمایا کرتے تھے: جب مرید تین دن کے بعد اسباب پر بھروسہ کرنا شروع کر دے تو اس کے لیے بازار میں جا کر روزی کمانا زیادہ بہتر ہے۔

ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں: تمہارا فرض ہے کہ بہادر و دلیر انسانوں کا طریق اپناؤ کسب حلال کرو اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو۔

صوفیہ کے آداب کسبِ معاش میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ کسب رزق میں مشغول ہوں تو یہ خیال رکھتے ہیں کہ مبادا اپنے فرائض کی بروقت ادائیگی سے غافل ہو جائیں، اور وہ اپنے کام سے حصول رزق ہی کی نیت نہیں رکھتے، بلکہ اپنے کسب سے مسلمانوں کی اعانت کا ارادہ بھی رکھتے ہیں ان کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، اور اگر ان کے رزق میں سے کوئی چیز بچ جائے تو وہ جمع نہیں کرتے بلکہ اپنے ان ساتھیوں پر خرچ کر ڈالتے ہیں جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے کچھ مانگتے ہیں، اور اگر اسے اس سلسلے میں اس کے ساتھی آزمائیں تو وہ پورے اترتے ہیں۔

اور اسی طرح وہ لوگ جن کے گزر بسر کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اگر انہیں کوئی چیز تحفۃً پیش کیا جائے تو اسے قبول کر لیتے ہیں اور وہ اس چیز کے اسباب پر اپنے نفسوں سے بڑھ کر توجہ دیتے ہیں۔

ابوحفص حدادؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ بیس برس روزانہ ایک دینار کے بدلے سارا دن مزدوری کرتے اور صوفیہ پر خرچ کرتے، کسی سے کبھی اپنی حاجت پوری کرنے کا سوال نہ کرتے، روزہ رکھتے اور مغرب و عشاء کے درمیان مختلف دروازوں سے خیرات کرتے تھے۔

شبلیؒ نے ایک شخص سے سوال کیا: تمہارا کیا پیشہ ہے؟ اس نے جواب دیا: جوتے مرمت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: تو نے اللہ کو جوتے مرمت کرنے کے شغل میں بھلا دیا۔

ذوالنونؒ کا قول ہے: عارف جب طلبِ معاش میں لگ گیا تو اسے نے کچھ نہ پایا۔

# حصول وعطا اور فقراء پر مہربانی کرنے سے متعلق صوفیہ کا طریق

سری سقطیؒ فرماتے ہیں مجھے جنت کی طرف جانے کا ایک مختصر ترین رستہ معلوم ہے اور وہ یہ ہے کہ نہ کسی سے کوئی چیز مانگو اور کسی سے کوئی چیز لو۔ اس طرح تمہارے پاس کچھ بھی نہ ہوگا کہ کسی کو دو۔

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں کہ کسی کو اس وقت تک کوئی شے لینا جائز نہیں جب تک اس شے کا خود سے جدا کرنا اس کے نزدیک عزیز تر نہ ہو۔

صبیحیؒ کے مرید ابوبکر احمد بن حمویہؒ نے کہا: جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز لی اس نے عزت کے ساتھ لی اور جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز ترک کی تو عزت کے ساتھ کی اسی طرح جس نے غیر اللہ کے لیے کوئی چیز لی تو ذلت سے لی اور جس نے غیر اللہ کے لیے کوئی چیز چھوڑی دی تو ذلت کے ساتھ چھوڑی۔

میں نے احمد الوجیہیؒ سے اور انہوں نے زقاقؒ کو یہ کہتے سنا کہ مصر میں میری ملاقات یوسف صائغ سے ہوئی، ان کے پاس کچھ درہم تھے، جو انہوں نے مجھے دینے چاہے مگر میں نے انکار دیا، انہوں نے کہا: لے لو رد نہ کرو، اگر مجھے یہ احساس ہوتا کہ میری ملکیت میں کچھ درہم ہیں میں آپ کو کچھ دوں گا، تو میں یہ درہم کبھی آپ کو پیش نہ کرتا۔

ابو علی رودباریؒ نے کہا: میں نے ابن رفیع دمشقی سے بڑھ کر فقراء کے ساتھ نرمی و اخلاق سے پیش آنے والا کوئی نہیں دیکھا، میں نے ایک رات ان کے پاس گزاری اور ان کو سہل بن عبداللہؒ کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے کہا: فقیر صادق کی یہ نشانی ہے کہ وہ نہ کوئی چیز مانگتا ہے نہ رد کرتا ہے اور نہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ میں (ابو علی رودباریؒ) نے جب ان سے رخصت چاہی تو وہ گئے اور کچھ درہم لے کر میری اس جانب کھڑے ہو گئے جس طرف میں نے لوٹا ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا، اور مجھے سے فرمایا: تو نے سہل بن عبداللہؒ کی کیا بات سنائی تھی پھر سے کہو میں نے انہیں پھر سے سناتے ہوئے جب یہ کہا کہ نہ تو کوئی چیز کسی سے مانگ اور نہ کوئی چیز رد کر یہ کہنا تھا کہ انہوں نے وہ درہم میرے لوٹے میں ڈال دیئے اور چلے گئے۔

ابوبکر زقاقؒ نے فرمایا: سخاوت یہ ہے کہ کھونے والا پانے والے کو عطا کرے نہ کہ عطا کرنے والا۔

ابو محمد مرتعشؒ نے کہا: میرے نزدیک کسی سے کچھ لینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک باقاعدہ ارادہ نہ ہو کہ فلاں آدمی سے کچھ لینا ہے۔ اس طرح اس سے کچھ لینا اس کے لیے ہوگا نہ کہ خود اپنے لیے۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں کہ جنیدؒ نے کہا: ایک روز میں نے کچھ درہم لیے اور ابن الکرینی کے پاس چلا گیا کہ ان کو دوں گا، اور وہ مجھے جانتے بھی نہ تھے، میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ درہم قبول کر لیں، تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار دیا: میں تو ان سے مستغنی ہوں، جواباً میں نے عرض کیا: اگر آپ ان سے مستغنی ہیں تو پھر میں ایک مسلمان ہوں میری خوشی اسی میں ہے کہ آپ انہیں قبول فرمالیں لہٰذا میری خوشی کی خاطر ہی آپ لے لیں۔ یہ سن کر انہوں نے مجھ سے وہ درہم لے لیے۔

کہتے ہیں کہ ابوالقاسم مناویؒ جب اپنے پڑوس میں کسی گھر سے دھواں اٹھتا دیکھتے تو اپنے پاس موجود کسی شخص سے کہتے: ان کے گھر جاؤ اور کہو آپ نے جو کچھ پکایا ہے ہمیں بھی اس میں سے دیں۔ کسی نے ان سے کہا: ممکن ہے کہ وہ پانی ہی گرم کر

رہے ہوں اور انہوں نے پھر سے کہا: جاؤ، ان کے پاس آخر یہ امیر لوگ کس لیے کوئی چیز تیار کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ ہمیں دیں اور وہ قیامت کے روز ہماری سفارش کریں۔

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: میں حسین بن حصریؒ کے پاس کچھ درہم لے کر گیا کیونکہ ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا اور وہ ایک صحراء میں مقیم تھے جہاں کوئی ان کے اردگرد نہ تھا مگر انہوں نے درہم لینے سے انکار کر دیا میں نے درہم لے جا کر ان کے حجرے میں پھینک دیئے، جہاں ان کی اہلیہ موجود تھیں۔ اور یہ کہا کہ اے خاتون! یہ درہم آپ کے لیے ہیں۔ اس کے بعد حسین بن حصریؒ کے پاس درہم رد کرنے کا کوئی حیلہ نہ تھا۔

یوسف بن الحسینؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ اگر میں فقط اللہ کے لیے کسی شخص کو اپنا سارا مال دے دوں تو کیا اس طرح میری ملکیت میں سے اس کا حق پورا ہو جائے گا یوسف بن الحسینؒ نے جواب دیا: تیرے نزدیک یہ کیسا ہے کہ تو کسی شخص کو لینے کی ذلت سے دوچار کر دے اور خود عطا کرنے کی عزت پا لے جب کہ تمہیں تو یہ معلوم ہے کہ دینا عزت اور لینا ذلت ہے۔

# تربیتِ اولاد اور تزویج کے آداب

ابوسعید اعرابیؒ کہتے ہیں کہ ابواحمد مصعب بن احمد قلانسیؒ کی شادی کا سبب یہ تھا کہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک نوجوان نے ابواحمد قلانسیؒ کے دوست کی لڑکی سے شادی کے کے لیے پیغام نکاح بھیجا۔ جب نکاح کا وقت آیا تو اس نوجوان نے نکاح سے انکار کر دیا؛ اس پر لڑکی کا والد بہت شرمندہ ہوا۔ یہ صورت حال ابواحمد قلانسیؒ نے دیکھی تو کہنے لگے: سبحان اللہ! ایک شخص اپنی نیک خصال بیٹی کی شادی تجھ سے کر رہا ہے اور تو انکار کر رہا ہے۔ الغرض یہ نکاح ابواحمد قلانسیؒ سے طے پایا۔ لڑکی کے والد نے ابواحمد کا سر چوم کر کہا: میں نہیں جانتا تھا کہ اللہ کے ہاں میری اتنی وقعت ہے کہ مجھے آپ سا داماد عطا کیا اور میری لڑکی کے یہ نصیب کہ اسے آپ سا شوہر نصیب ہوا۔ ابوسعید اعرابیؒ کہتے ہیں کہ وہ لڑکی تیس برس تک ان کے ہاں رہی مگر اس تمام عرصہ میں وہ کنواری ہی رہی۔

کہتے ہیں کہ محمد بن علی قصارؒ صاحب اہل وعیال بزرگ تھے ایک روز وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی چھوٹی بیٹی آئی اور چیخ کر کہا، اے ربِ آسمان! ہمیں انگور چاہئیں۔ محمد بن علی مسکرائے اور کہنے لگے کہ میں نے اپنے بچوں کو یہ تربیت دی ہے کہ جب بھی انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ مجھ سے طلب نہ کریں بلکہ اپنے رب سے مانگیں اب وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

وجیہیؒ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ بنان حمالؒ کے پاس ان کا بیٹا آتا اور کہتا، ابا جان! مجھے روٹی چاہیے تو وہ انہیں تھپڑ مار کر کہتے جاؤ اپنے باپ کی طرح محنت کر کے حاصل کرو۔ وجیہیؒ کہتے ہیں کہ ایک روز ان کا بیٹا آ کر کہنے لگا: ابا جان! مجھے کشمش لے دیں۔

بنانؒ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کشمش بیچنے والے کی دوکان پر لے جا کر اس سے کہا: تم میرے بچے کو ایک قیراط کی کشمش دے دو اور تیرے لیے آواز لگاتا ہوں تاکہ تیرا مال بک جائے، دوکاندار نے ان کے بچے کو کشمش دے دی اور بنان الحمالؒ لوگوں کو پکارنے لگے: اے لوگو! اس بے چارے سے وہ غذا خرید جو ختم ہو جائے گی باقی نہیں رہے گی: اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دوکاندار کی ساری کشمش بک گئی۔

ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا: جب کوئی فقیر (صوفی) شادی کر لے تو گویا وہ کشتی میں سوار ہو گیا، اور جب اس کے اولاد ہوئی تو جان لو کہ غرق ہو گیا۔

مذکورہ حکایات سفیان ثوریؒ کے بارے میں بھی مشہور ہے۔

بشر بن حارثؒ نے کہا: اگر میں دنیوی ضروریات وحاجات کی جانب بہت زیادہ توجہ دوں تو مجھ میں اور ایک کوتوال میں کیا فرق رہ جائے گا۔

## عبادت گزار میاں بیوی

ابوشعیب براثیؒ کی ایک جھونپڑی تھی۔ اس میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی دنیادار خاتون وہاں سے گزری تو اس نے

آپ سے شادی کی خواہش ظاہر کی، اور کہا میں آپ کی خدمت کروں گی، اس خاتون نے اپنا تمام دنیوی مال و متاع ترک کر دیا، شادی ہوگئی اور جب خاتون جھونپڑی میں داخل ہونے لگی تو اس کی نظر ایک چٹائی پر پڑی فوراً کہہ اٹھی کہ اس چٹائی کو یہاں سے نکال دیں کیونکہ میں نے آپ ہی سے سنا ہے کہ زمین انسان سے یہ کہتی ہے کہ آج تو میرے اور اپنے درمیان چیزیں حائل کرتا ہے جب کل تو نے میرے پیٹ میں داخل ہونا ہے اور میں نے درمیان میں کچھ حائل نہیں کرنا۔ ابوشعیب نے چٹائی باہر نکال پھینکی اور کہا: اب اندر آیئے اور وہ داخل ہوئی۔ کہتے ہیں کہ وہ دونوں اسی حالت میں برسوں اس جھونپڑی میں مشغولِ عبادت رہے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔

صاحبِ اولاد صوفیہ کے آداب یہ نہیں کہ اہل وعیال کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں بلکہ انہیں فرائض کی تکمیل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں ایسی صورت میں وہ اپنے توکل کو یہاں بھی بروئے کار لانے کے مجاز ہوں گے اگر ان کے اہل وعیال بھی اسی حال کے حامل ہوں جو وہ رکھتے ہیں۔

صوفیہ کا یہ طریق بھی نہیں کہ وہ امیر خواتین سے بیاہ رچا کر ان سے فائدہ حاصل کریں بلکہ صوفیہ کا طریق یہ ہے کہ وہ غریب خواتین سے نکاح کریں اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آئیں۔ اگر کوئی امیر خاتون ان سے نکاح کی خواہش مند ہو تو اس سے حصول منفعت نہ کریں۔

فتح موصلیؒ نے ایک بار اپنے بچے کو اٹھا کر چوم لیا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ اسی وقت میں نے غیب سے یہ آواز سنی کہ اے فتح موصلیؒ! تجھے شرم نہیں آتی کہ ہمارے ہوتے ہوئے دوسروں سے بھی محبت کرتے ہو۔

فتح موصلیؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی اپنے بچے کو نہیں چوما۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا واقعہ کے ضمن میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کی اولاد تھی وہ انہیں چومتے اور گلے لگاتے تھے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے دس بچے ہیں جنہیں میں نے کبھی نہیں چوما۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: جس نے رحم نہ کیا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ [1]

ابوسعید خرازؒ کہتے ہیں: رملہ میں وارد ہوا تو سیدھا جعفر قصابؒ کے گھر گیا۔ ان کے ہاں رات بسر کی اور صبح رملہ سے بیت المقدس کی راہ لی بیت المقدس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر قصابؒ بھی میرے پیچھے سر پر روٹی کے ٹکڑے اٹھائے پہنچ گئے اور کہا: مجھے معاف کر دیجئے، مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ روٹی کے ٹکڑے میرے گھر میں موجود تھے۔

---

[1] صحیحین، مسند احمد، سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بقول امام سیوطی یہ حدیث متواتر ہے۔

# صوفیہ خلوت اور جلوت میں

سری سقطیؒ فرمایا کرتے تھے: مسجد میں محفلیں لگانا ایسا ہے کہ جیسے مساجد نہ ہوں بلکہ مئے خانے ہوں جن کے دروازے بھی نہ ہوں۔

سری سقطیؒ ہی کا ایک اور قول ہے: نفس کو آلودگیوں سے پاک رکھنا، لوگوں کا مجالس اور محافل میں آداب کو ملحوظ رکھنا مروت کہلاتا ہے۔ اور اگر کوئی اس سے بھی آگے بڑھ جائے تو یہ اور بہتر ہے۔

کسی شیخ نے کہا: درویش کو اپنا وقت خلوت نشینی میں گزارنا چاہیے۔

ابو یزیدؒ کہتے ہیں: میں ایک رات نماز ادا کر رہا تھا کہ تھک گیا اور بیٹھ کر ٹانگیں پھیلا دیں کہ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ شاہوں کی مجلس میں بیٹھنے والے کو اپنی عادات بھی سنوارنی چاہئیں۔

ابراہیم بن ادھمؒ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں چارزانو ہو کر بیٹھا تو آواز آئی: کیا شاہوں کی محفل میں بیٹھنے کا یہ طریق ہے؟ اور اس کے بعد میں زندگی بھر چارزانوں ہو کر نہیں بیٹھا۔

ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں: میں نے ایک درویش کو نہایت خوب صورت انداز میں بیٹھے ہوئے دیکھا، میں نے بڑھ کر اس کی جھولی میں کچھ درہم ڈال دیئے۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا: میں نے بیٹھنے کا یہ طریق ایک لاکھ درہم میں خریدا ہے کیا اسے تیرے ہاتھ اتنی حقیر سی رقم کے عوض بیچ ڈالوں۔

یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا کہ جو تصوف کے مخالف ہوں، روح کو اندھا بنا دیتا ہے۔ اور ذوق کو نقصان پہنچاتا ہے۔

وجیہی کہتے ہیں: ابن مملولہ العطارؒ اپنے ایک جلیس سے نہایت تنگ تھے میں نے کہا کہ ایسے شخص کو پاس کیوں بٹھاتے ہیں کہ جس سے آپ تنگ ہیں، انہوں نے کہا: مجھ سے اس کی جدائی بھی تو برداشت نہیں ہوتی۔

صوفیہ کا قول ہے کہ کسی کے کردار کو معلوم کرنا ہو تو اس کے دوست کا کردار دیکھ لو۔

حضرت قزازؒ رات بھر بیٹھے جاگتے رہتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے: تصوف کی بنیاد تین چیزوں پر ہے:

۱۔ ہمیشہ فاقے کے بعد کھانا۔ ۲۔ ضرورت کے مطابق گفتگو کرنا۔

۳۔ نیند کا غلبہ ہو تو سونا۔

جعفرؒ کہتے ہیں کہ جنیدؒ مجھ سے کہا کرتے تھے: اگر میں جانتا کہ دو رکعت نفل ادا کرنا تمہارے ساتھ بیٹھنے سے افضل ہے تو میں کبھی تمہاری صحبت اختیار نہ کرتا۔

# صوفیہ کی فاقہ کشی کے آداب

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: اگر فاقہ کشی بازار میں بکنے والی کوئی جنس ہوتی تو طالبین آخرت کے لیے بازار سے کوئی اور چیز خریدنا بہتر نہ ہوتا۔

فاقہ کشی مریدین کے لیے ریاضت تائبین کے لیے تجربہ زہاد کے لیے رہنمائی اور عارفین کے لیے مجد وشرافت کا باعث ہے۔

سہل بن عبداللہ کی حالت یہ تھی کہ جب فاقے سے ہوتے تو اور قوی ہو جاتے ہیں اور کچھ کھا لیتے تو کمزور پڑ جاتے۔ آپ کا کہنا ہے کہ جب تم سیر ہو جاؤ تو سیری عطا کرنے والے سے فاقے کی دعا کرو۔ اور فاقہ ہو تو اللہ سے سیری عطا کرنے کی استدعا کرو ورنہ تم سرکش ہو جاؤ گے۔

ابوسلیمان دارانی کہا کرتے تھے: اللہ کے ہاں فاقے کے خزانے بھرے پڑے ہیں جو طلب کرے اسے عطا فرماتا ہے۔

مین نے ابن سالم کو یہ کہتے ہوئے سنا: فاقے میں بلی کے کان کے برابر کمی کرو۔ اس سے زیادہ نہیں۔

سہل بن عبداللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بیس یا اس سے زیادہ دنوں تک کھانا نہیں کھاتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ جیسے سہل بن عبداللہ نے کھانا ترک نہیں کیا بلکہ کھانے نے ان کو ترک کر دیا ہے۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے قلب پر ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں جو ان کو کھانے پینے سے یکسر لا پرواہ بنا دیتی تھیں۔

عیسیٰ قصارؒ کہتے ہیں: درویش کو سیری کے بعد بھوکے رہنے کے لیے بے قرار ہونا چاہیے تاکہ بھوکا ہو تو بھوک ہی اس کا ساتھی بنے۔

کسی شیخ سے ایک صوفی نے کہا: میں بھوکا ہوں۔ شیخ نے کہا: جھوٹ بولتے ہو۔ صوفی نے پوچھا، وہ کیسے؟ شیخ نے کہا: بھوکا رہنا تو اللہ کے سربستہ رازوں کے خزانے میں سے ایک راز ہے۔ جو اس شخص کو نہیں عطا کیا جاتا جو اسے افشا کرتا پھرے۔

ایک شیخ کے ہاں کوئی درویش مہمان ٹھہرا۔ شیخ نے کھانا پیش کیا، مہمان نے تناول کیا۔ شیخ نے پوچھا، کتنے دن سے بھوکے تھے، مہمان نے کہا: پانچ دن سے۔ شیخ نے کہا: تیرا بھوکا رہنا فقر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کا باعث بخیلی تھا کیونکہ تیرے پاس کپڑے تو موجود تھے اور اس کے باوجود تو نے فاقہ اختیار کی۔

# بیماری میں صوفیہ کے آداب

ممشاد دنیوریؒ کے ایک مرید کا بیان ہے کہ آپ ایک مرتبہ شدید بیمار پڑے تو ان کے دوست عیادت کو آئے اور ان سے دریافت کیا: اب آپ خود کو کس طرح محسوس کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: یہ سوال تو تم میری بیماری سے پوچھو کہ اس نے مجھے کس طرح محسوس کیا۔ دوستوں نے پوچھا: آپ کا دل کیسا ہے؟ جواب دیا: وہ تو میں نے تیس برس ہوئے کھو دیا ہے۔

میں نے محمد ابن معبد البانیاسیؒ کو یہ کہتے سنا کہ کُردی الصوفیؒ چھ ماہ مسلسل بیمار رہے جس کے نتیجے میں ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ جب کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ اسے اٹھا کر اپنے جسم کے اسی حصے پر رکھ دیتے جہاں سے وہ گرا ہوتا۔

ذوالنون مصریؒ اپنے ایک دوست کی بیمار پرسی کو گئے تو اس سے کہا: جو اس کی لگائی ہوئی چوٹ پر صبر نہیں کرتا وہ اس کی محبت میں سچا نہیں۔ اس پر ذوالنونؒ کے صاحبِ فراش دوست نے جواب دیا: اس کی محبت میں سچا تو وہ نہیں جس نے اس کی لگائی ہوئی چوٹ سے لذت حاصل نہ کی۔

سہل بن عبداللہؒ کے مریدین میں سے کوئی بیمار پڑ جاتا تو وہ اس سے کہا کرتے تھے: جب تجھے شدتِ تکلیف سے کراہنا ہو تو اُوہ، کہو کیونکہ یہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور ''اوخ'' نہ کہو کیونکہ یہ شیطان کا نام ہے۔

ابو بکر احمد بن جعفر طوسیؒ کہتے ہیں: ابو یعقوب نہر جوریؒ کئی برس سے پیٹ کی تکلیف میں مبتلا تھے اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس تکلیف کی ایک دوا ہے جو ایک قیراط چاندی کے عوض خریدی جا سکتی ہے اور اس سے تکلیف دور ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے ساری زندگی وہ دوا نہ خریدی حتیٰ کہ انتقال فرما گئے۔ ان کے علاج نہ کرانے کے بارے میں کسی شیخ سے استفسار کیا گیا تو کہا: ابو یعقوبؒ نے جس دوا کا ذکر کیا تھا وہ دراصل گرم لوہے سے داغنے کا طریق علاج تھا۔ اور انہوں نے محض اس طریقہ علاج کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اپنے مرض کا علاج نہ کرایا۔

سفیان ثوریؒ بیمار پڑے تو ان کے ایک مرید کو عیادت کرنے میں کچھ دیر ہو گئی جس کے لیے انہوں نے اپنے شیخ سے معذرت کرنا چاہی مگر شیخ نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا کہ معذرت نہ کرو کہ جس نے معذرت کی اس نے جھوٹ بولا۔

سہل بن عبداللہؒ کو بواسیر کا مرض لاحق ہوا جس کی وجہ سے انہیں ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا پڑتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس مرض کی دوا جو ایک قیراط میں آتی ہے مجھے اس مرض سے نجات دلا سکتی ہے۔ مگر انہوں نے زندگی بھر وہ دوا نہیں خریدی تا آنکہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

میں نے ان کے علاج نہ کرنے کے بارے میں ایک شیخ سے پوچھا تو فرمایا: علاج نہ کرانے کا سبب یہ تھا کہ وہ کسی کے سامنے برہنہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔

کہتے ہیں کہ بشر حافیؒ بیمار پڑے تو ایک طبیب انہیں دیکھنے آیا تو انہوں نے اس سے اپنی حالت بیان کی اس پر کسی نے بشر حافیؒ سے پوچھا: اے ابو نصر! کیا آپ کو یہ خوف نہ ہوا کہ طبیب سے اپنی بیماری کا حال بیان کرنا اظہار شکایت کے مترادف ہوگا۔ بشر حافی کہنے لگے: نہیں۔ میں نے تو طبیب کو اسی قدر آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ پر قدرت حاصل ہے۔

میں نے ایک مکتوب میں جعفر خلدیؒ کے قلم سے لکھا ہوا پایا کہ جنیدؒ شدید بیمار پڑے تو وہ ذوالنون کا یہ قول دہرایا کرتے تھے ''جسے کچھ عطا کیا جاتا ہے وہ شکر بجالاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی کچھ عطا کر کہ ہم شکر ادا کریں۔'' اور بعض اوقات وہ یوں بھی کہا کرتے تھے کہ یہ (بیماری) صوفیہ کی غذا ہے۔

# مشائخ کا اپنے مریدین سے حسن سلوک

## مقامِ صحبت

جنیدؒ اپنے مریدین سے فرمایا کرتے تھے: اگر میں جانتا کہ دو رکعت نفل کی ادائیگی میرے لیے تمہارے ساتھ بیٹھنے سے افضل ہے تو میں تمہارے پاس نہ بیٹھتا۔

بشر حافیؒ شدید سردی میں برہنہ جسم کھڑے کانپ رہے تھے، ہم نے ان سے کہا: اے ابونصر! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ فرمایا: میں نے ان فقراء کو یاد کیا جن کے جسموں پر کپڑا نہ تھا، تو ان سے ہمدردی کا اظہار کرنے کے لیے میرے پاس اور تو کچھ تھا نہیں، لہٰذا یہی مناسب سمجھا کہ اپنی جان پر تکلیف سہہ کر ان کے لیے ہمدری ظاہر کروں۔

دقی کہتے ہیں: مصر کی ایک مسجد میں ہم (درویشوں کی جماعت) بیٹھے تھے کہ زقاق داخل ہوئے اور مسجد کے ستون کے پاس نماز ادا کرنے لگے۔ ہم نے یہ سوچا کہ شیخ نماز سے فراغت پالیں تو کھڑے ہو کر سلام عرض کریں۔ اسی دوران وہ نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف آئے اور سلام کیا۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ تو ہمارا فرض تھا کہ آپ کو سلام کرتے، انہوں نے فرمایا: میرے رب نے کبھی میرے دل کو اس طرح کے عذاب میں مبتلا نہیں کیا۔

## احترامِ مشائخ

جریریؒ کہتے ہیں: میں حج کر کے لوٹا تو میں نے ابتداء جنیدؒ سے کی اور انہیں سلام کیا تاکہ انہیں ملنے کے لیے آنے کی تکلیف نہ ہو۔ پھر میں گھر آیا۔ اور جب میں نے صبح کی نماز پڑھ کر پیچھے دیکھا تو جنیدؒ کھڑے تھے۔ میں نے کہا: حضور! میں سب سے پہلے آپ کے پاس سلام کرنے اسی لیے حاضر ہوا تھا کہ آپ کو یہاں آنے کی زحمت نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا: اے ابومحمد! وہ تیری فضیلت تھی اور یہ تیرا حق۔

ابوسعید ابن اعرابیؒ کا بیان ہے کہ ایک نوجوان ابراہیم صائغؒ نامی تھا اس کے والد مالدار آدمی تھے۔ مگر وہ خود ابواحمد القلانسیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، اور صوفیہ کی صحبت اختیار کر لی۔ ابواحمدؒ کے پاس جب بھی درہم ہوتے تو وہ ان کے بدلے ابراہیم صائغ کو حلوہ، بھنا ہوا گوشت اور آٹا خرید دیتے، اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص جنید علیہ الرحمہ کے پاس آیا اور کہا: میں اپنی تمام ملکیت کو چھوڑ کر فقر اختیار کر کے فقراء کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ خلدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے جواب میں جنیدؒ کو یہ کہتے سنا: نہیں، تمام ملکیت مت چھوڑو بلکہ اس قدر باقی رکھو کہ جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے۔ اور طلبِ حلال کے لیے جدوجہد کرتے رہو اس طرح مجھے یہ خدشہ نہیں رہے گا کہ تیرا نفس تجھ سے اپنا حق مانگے گا، رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتے تو اس پر ثابت قدم رہتے۔

میں نے وجیہیؒ سے اور انہوں نے ابوعلی رودباریؒ کو یہ فرماتے سنا: ہم جنگ میں تھے اور ہمارے ہمراہ ابوالحسن عطوفی

بھی تھے، جب بھی راستہ گم کر بیٹھتے اور بھوک ستاتی تو عطوفی ٹیلے پر چڑھ کر بھیڑیے کی طرح آواز نکالنے لگتے، جونہی قریب کسی قبیلہ کے کتے سنتے تو جواباً بھونکنا شروع کر دیتے اور اس طرح وہ ان کی آواز کی سمت پر چل پڑتے اور قبیلے سے کچھ کھانے پینے کو لے آتے۔

ابوسعید خرازؒ کہتے ہیں: رملہ میں وارد ہوا تو سیدھا جعفر قصابؒ کے گھر گیا۔ ان کے ہاں رات بسر کی اور صبح رملہ سے بیت المقدس کی راہ لی بیت المقدس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر قصابؒ بھی میرے پیچھے سر پر روٹی کے ٹکڑے اٹھائے پہنچ گئے اور کہا: مجھے معاف کر دیجئے، مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ روٹی کے ٹکڑے میرے گھر میں موجود تھے۔

# آدابِ مریدین اور سالکین

میں نے ابوتراب نخشبیؒ کی کتاب میں لکھا ہوا پایا کہ حکمت اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس کے ذریعے مریدین کے آداب اور طور طریقے تقویت پاتے ہیں۔

جنیدؒ سے سوال کیا گیا کہ حکایات بیان کرنے میں مریدین کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ آپ نے کہا: حکایات اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جو دلوں کے لیے باعثِ تقویت ہے۔ سوال کرنے والے نے مزید پوچھا کہ کیا اس ضمن میں کوئی قرآنی دلیل بھی ہے؟ ہاں، جیسے اللہ کا یہ قول:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ [ھود:۱۲۰]

ترجمہ: ''اور سب کچھ ہم تمہیں رسول کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔

یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے: دانشمندی مریدین کے قلوب کے لیے ایسے پنکھے کی حیثیت رکھتی ہے جو ان سے دنیا کی گرمی کو دور کردے۔

ممشاد دنیوریؒ کہا کرتے تھے: میری آنکھیں درویش صادق کو دیکھ کر ٹھنڈک پاتی ہیں۔ اور میرا دل حقیقت کے جویاں مرید کو دیکھ کر فرحت محسوس کرتا ہے۔

ابوترابؒ کا قول ہے: عارفین کی ریاء مریدین کا اخلاص ہے۔

ابوعلی ابن الکاتبؒ کہتے ہیں: جب مرید پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو پہلا فائدہ جو اسے اللہ کی جانب سے پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنے ماسوا سے بے نیاز کردیتا ہے۔

شبلیؒ مرید کے حیرت میں واقع ہونے سے متعلق کہتے ہیں۔ حیرت دو وجوہات سے مرید کو لاحق ہوتی ہے۔ ایک ارتکاب گناہ کے شدید خوف سے اور دوسرے تعظیم قلب کا انکشاف ہونے پر۔ شبلیؒ کہتے ہیں کہ جب میں مبتدی تھا اس زمانے میں رات کو نیند غلبہ کرتی تو آنکھوں میں نمک ڈال لیتا، اور اگر پھر بھی نیند غائب نہ ہوتی سلائی کو گرم کر کے آنکھوں میں پھیر لیتا تھا۔

ابوسعید خرازؒ نے فرمایا: ایک مخلص مؤدب مرید کی یہ علامت ہے کہ وقت، شفقت مہربانی اور سخاوت اس پر غالب ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے بندوں اور جملہ مخلوق کے مصائب کو ان سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خلق خدا کے لیے زمین کی مانند ہوتا ہے جس پر لوگ دوڑتے پھرتے ہیں، اپنے شیخ کے لیے ایک صالح ترین فرزند کی طرح ہوتا ہے بچوں کے لیے شفیق باپ ہوتا ہے۔ الغرض ساری مخلوق کے ساتھ اس کا رویہ اس قدر نرم اور محبت میں رچا ہوا ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ ان کے غم میں شریک، ان کی فریاد میں شامل اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ہر تکلیف کو برداشت کرتا ہے۔

مرید صادق کی یہ صفت ہے کہ اگر اللہ اس سے چاہے کہ وہ خلق پر مہربان، انبیاء و صدیقین اور اولیاء و اصفیاء کے آداب واخلاق پر عمل پیرا ہوتا کہ وہ اس کے اور اپنے مابین حائل حجابات کو اٹھادے، تو بلاشبہ وہ ایسے اخلاق و آداب کو اپنا لیتا ہے اور

اللہ سے ان پر عمل کرنے کے سلسلے میں مدد چاہتا ہے، اسی پر بھروسہ رکھتا ہے اور ہر حال میں اس سے راضی رہتا ہے۔

سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ مرید کا ضابطۂ اعمال یہ ہے کہ اس کے قلب میں فرض کی ادائیگی، گناہوں کی معافی مانگنا اور خلق سے سلامتی چاہنا گھر کر گیا ہو۔

یوسف بن حسینؒ نے مرید کی یہ علامت بیان کی ہیں: اس کا کسی کو نہ چاہنا بھی چاہنے کی طرح ہوتا ہے، اس کے دشمن بھی اسی طرح اس سے محفوظ ہوتے ہیں جس طرح اس کے دوست، ہر شے کو قرآن ہی میں پاتا ہے جو جانتا ہے اس پر عمل کرتا ہے اور جو نہیں جانتا اس کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ لایعنی سوچ سے پرہیز کرتا ہے، عذاب سے نجات پانے کے لیے نہایت حریص اور نعمتِ خداوندی کے وعدوں سے رغبت رکھتا ہے اور غیروں کے اندر جھانکنے کے بجائے اپنے ہی قلب پر نظر رکھتا ہے۔

ابوبکر بارزیؒ مرید کو یہ نوید سناتے ہیں کہ راہ سلوک کے پہلے مقام میں نازل ہونے والی آزمائشوں سے گزر جانے کے بعد اس کے لیے آگے کا رستہ صاف ہے اور اس کے بعد وہ سوائے راحت و سہولت کے کسی اور چیز سے دوچار نہیں ہوتا۔

# آدابِ خلوتیاں

بشر حافیؒ فرمایا کرتے تھے: سالک کو خلوت میں اللہ جل مجدہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، اپنے گھر پر ہی رہے، اور اللہ اور اس کے کلام کو ہی اپنا ہمدم بنالے۔

میں نے دُقیؒ سے سنا: وہ دراجؒ کے حوالے سے فرماتے تھے کہ ابوالمسیبؒ ایک جلیل القدر صوفی تھے، اکثر ویران مساجد میں عزلت نشین رہتے۔ ایک رات مسجد میں ملاقات کے دوران میں نے ان سے پوچھا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ فرمایا: ہر جگہ کا۔ میں نے کہا: جو ہر جگہ کا رہنے والا ہوتا ہے اس کی کیا علامات ہوتی ہیں؟ فرمایا: وہ کسی چیز سے نفرت نہیں کرتا مگر ہر چیز اس سے نفرت کرتی ہے۔

ایک مرتبہ میں شبلیؒ کو ان کے پاس لے گیا انہوں نے دیکھتے ہی کہا: یہ اصطبل کے جانوروں میں سے نہیں، اگر ہے تو اس کے نشان کہاں ہیں؟ یہ سنتے ہی شبلی نے ایک چیخ ماری اور منہ لپیٹ کر کہا: خدا کی قسم! اس نے سچ کہا کہ اگر میں اصطبل کا چوپایہ ہوں تو میرے نشان کہاں ہیں۔

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں کہ سلامتی، اسی کی مصاحبت میں ہوتی ہے جو اس کا طلب گار ہو۔ صوفی مخالفت کو ترک کر دیتا ہے اور جس چیز کے بارے میں علم رکھنے سے علم شریعت روکے اس کے متعلق جاننے کی کوشش نہیں کرتا۔

ابو یعقوبؒ سوسی کہتے ہیں: تنہائی اختیار کرنے پر صرف کامل صوفیہ ہی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ ہم جیسے لوگوں کے لیے مل جل کر رہنا ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ اسی طرح ایک دوسرے کو دیکھ کر اعمال صالح کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

مجھ سے ابوحفص عمر خیاطؒ نے یہ کہا کہ انہوں نے ابوبکر بن معلمؒ کو انطاکیہ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ساٹھ برس کے بعد میں اس امر پر مجبور ہو گیا کہ ایک بار پھر کلمہ شہادت تجدید ایمان کے لیے پڑھوں۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو کہنے لگے کہ میں ساٹھ برس تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا رہا مگر جب تنہا ہو کر لکام نامی پہاڑ پر گیا اور حسب معمول عبادت کا ارادہ کیا تو مجھ سے اس انداز سے عبادت نہ ہو سکی جس بہتر انداز سے میں لوگوں کی موجودگی میں کیا کرتا تھا، اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جیسے مجھے اللہ پر ایمان ہی نہ رہا۔ اس کے بعد میں نے تجدید ایمان کے لیے کلمہ پڑھا اور دس سال اسی پہاڑ پر تنہائی میں ان تمام اوراد و وظائف اور دیگر عبادات میں خلوص و صفا پیدا کی جو میں لوگوں کے درمیان پیدا کیا کرتا تھا۔

ابراہیم خواصؒ نے ایک ویران جنگل میں ایک شخص کو دیکھا تو اس سے خلوت گزینی کا سبب پوچھا، اس شخص نے کہا: لوگوں اور دیگر ساتھیوں کو چھوڑ کر اس ویرانے کا رخ کیا تو یہاں مذکورہ تمام صفات سے میرا دامن خالی ہو گیا۔ اب میں یہاں مقیم ہوں تا کہ خلوت میں بھی خود کو انہی معمولات کا عادی کر لوں جن کا عادی جلوت میں تھا۔

# آداب محبت ورفاقت

ذوالنونؒ فرماتے ہیں: جوسفر دوست سے ملنے کی خاطر اختیار کیا جائے وہ طویل محسوس نہیں ہوتا اور محبوب کی موجودگی سے گھر تنگ نہیں کرتا۔

میں نے ابوعمرا اسماعیل ابن نجیدؒ سے اورانہوں نے ابوعثمانؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا: اس شخص کی محبت پر کبھی یقین نہ کرو جو خود کو بچا بچا کر تم سے محبت کرتا ہو۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں: ابن سماکؒ سے ان کے ایک دوست نے کہا کہ تمہارے اور میرے درمیان یہ قرار پایا کہ کل ہم ایک دوسرے کو عتاب کریں گے۔ ابن سماکؒ نے کہا: نہیں، بلکہ یہ قرار پایا کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کردیں گے۔ کہتے ہیں کہ جو محبت ملنے سے بڑھے وہی محبت ہے۔

یحییٰ بن معاذ رازیؒ کا قول ہے: محبت وفا سے بڑھتی ہے اور جفا گھٹتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دوست سے منہ پھرنا محبت پر رحم کرنا ہے۔

ابوالعباس ابن مسروق کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ایک دن چھوڑ کر ملو کہ اس طرح محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارے لیے ایک سنت موجود ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ نے کسی شخص کے حال پوچھنے پر اسے جواب دیا کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کا دشمن اس کی بیماری اور دوست اس کی مصیبت ہو۔

جنید بغدادریؒ فرماتے ہیں: صوفیہ کو ایک نظر دیکھ لینا میرے لیے ہفتہ بھر کا زادِراہ ہے

ایک شیخ کا قول ہے: جب مجھے (کسی مسلمان) بھائی کے خلوص محبت کا یقین ہو جائے تو میں اس بات کی پراہ نہیں کرتا کہ میں اس سے کب ملا۔

ابوالحسینؒ نوری کہتے ہیں: دوست کے لیے ہر چیز بے حساب ہوتی ہے جب کہ دشمن کو ہر چیز حساب سے دی جاتی ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: جب تو کسی کو دوست بنالے تو پھر اس کی نکتہ چینی کا برا نہ مان۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں: میں نے ابومحمد معازلیؒ کو یہ کہتے سنا کہ جو یہ چاہے کہ اس کی محبت لازوال ہو تو اسے اپنے قدیمی دوستوں کی محبت کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

# صوفیہ کے دنیا سے کوچ کرنے کے آداب

ابو محمد ہرویؒ کہتے ہیں: میں نے وہ رات شبلیؒ کے پاس بسر کی تھی جس کی صبح کو وہ مالک حقیقی سے جا ملے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ساری رات یہ دو اشعار ان کی زبان پر جاری رہے۔

**ترجمہ شعر:**

(۱) ہر وہ گھر جس میں تو رہتا ہوا سے چراغوں کی کیا ضرورت ہے۔

(۲) جس روز سب لوگ اپنی اپنی دلیلیں لے کر آئیں گے ہم بھی تیرے چہرے کو جو کہ ہماری امیدوں کا مرکز ہے، بطور دلیل پیش کریں گے۔

ابن الفرجیؒ کہتے ہیں: میں نے ابو تراب نخشبیؒ کے گرد ان کے ایک سو بیس مریدوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اور جن میں سے فقط دو مرید ایک ابن الجلاءؒ اور دوسرے ابو عبید بسریؒ کی موت حالتِ فقر میں ہوئی۔

## شاد باش اے دل

ابن بنان مصریؒ کے دل پر اچانک ایسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ اٹھ کر گھومنا شروع کر دیتے ایک مرتبہ ساتھیوں نے انہیں بنی اسرائیل کے میدان میں دیکھا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اپنے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی اور کہا خوش ہو جاؤ کہ یہ جگہ احباب کی خوشیوں کی جگہ ہے اور یہ کہتے ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔

ابو علی رودباریؒ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ مصر میں وارد ہوا تو لوگوں کے اک ہجوم کو یہ کہتے سنا کہ ہم ایک ایسے نوجوان کے جنازے میں شامل ہوئے جس نے کسی شخص کو یہ شعر کہتے ہوئے سنا تو چیخ مار کر جان دے دی ۔

**ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''وہ شخص کتنی بڑی جرأت کا مالک ہے جس کی جرأت کو تیرے وصال کا شوق ہوا ہے۔''

میرے کچھ دوستوں نے مجھ سے کہا کہ ابو یزید بسطامیؒ نے آخری لمحات میں یہ الفاظ کہے تھے: میں نے تجھے اس لیے یاد کیا کہ کہیں تجھ سے غافل نہ ہو جاؤں اور تو نے ہمیشہ مجھے سستی و تساہل پر ہی جھنجھوڑا۔

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: میں اپنے استاد ابن الکرینیؒ کے آخری وقت میں ان کے پاس ہی موجود تھا۔ جب میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ سے کہا: دور ہے پھر میں نے سر زمین کی طرف جھکا لیا تو کہنے لگے: دور ہے۔ الغرض ان کا اس سے مطلب یہ تھا کہ اوپر نیچے دیکھنے یا اشارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ تمہارے بہت قریب ہے تم خود ہی دور نکل جاتے ہو۔

جریریؒ نے کہا: میں ابوالقاسم جنیدؒ کی وفات کے وقت ان کے پاس بیٹھ ہوا تھا۔ اور وہ مسلسل سجدے میں گرے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: ابوالقاسم! آپ اس وقت بھی سجدے میں ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا: ابو محمد! اس وقت جو کیفیت ہے اس میں مجھے سجدے کی شدید ضرورت ہے۔ الغرض میں ان کے پاس موجود تھا کہ ان کی روح سجدے ہی کی حالت میں پرواز کر گئی۔

ابو بکر دینوری کہتے ہیں: شبلی کی وفات کے وقت میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ اس وقت انہوں نے مجھ سے فرمایا: میرے

دل پر ایک ناجائز درہم کا بوجھ ہے جو میں نے پایا مگر اس کا مالک نہیں ملا۔ اگرچہ میں نے وہیں بازار میں اس کے نامعلوم مالک کی جانب سے کئی درہم خیرات بھی کر دیئے تھے تاہم اس وقت میرے لیے اس ایک درہم سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: نماز کے لیے مجھے وضوع کرا دو میں نے انہیں وضو کرا دیا مگر ڈاڑھی کا خلال بھول گیا۔ زبان تو ان کی بند ہو چکی تھی اس لیے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی ڈاڑھی کے قریب لے گئے تو میں نے خلال کر دیا۔ اس کے بعد وہ دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔

## شہادت گہ الفت

ابوالحسین نوریؒ کے انتقال کا سبب یہ شعر تھا:

**ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''میں تیری محبت میں مسلسل ایک ایسے مقام پر اتر تا رہا ہوں کہ جس تک رسائی پانے پر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔''

مذکورہ بالا شعر سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہو گیا اور اسی عالم میں صحرا کی طرف نکل گئے وہاں سرکنڈوں کا ایک سلسلہ تھا جو تازہ کاٹا گیا تھا اور ان کی جڑوں سے اوپر کے باقی ماندہ حصے تلواروں کی طرح کھڑے تھے آپ ان پر یہی شعر پڑھتے ہوئے مسلسل چلتے رہے پاؤں سے خون بہتا رہا مگر آپ رکے نہیں تا آنکہ اسی حالت میں آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

ابن عطاءؒ کی شہادت اس طرح ہوئی کہ وہ زیر کے پاس گئے ہوئے تھے وزیر آپ سے درشت کلامی سے پیش آیا۔ اس پر آپ نے اس سے کہا: اے شخص اپنے رویے میں کچھ نرمی پیدا کرو مگر وزیر نے ان کے سر پر جوتے مارنے کا حکم دیا جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔

ابراہیم خواصؒ رَی کی جامع مسجد میں اس وقت مالک حقیقی سے جا ملے تھے جب کہ ان کو عارضۂ اسہال لاحق تھا اور وہ ہر بار رفع حاجت کے بعد وضو کرتے یہاں تک بالآخر آپ پانی میں کھڑے کھڑے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

ابوعمران اصطخریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوتراب نخشبیؒ کو ایک ویرانے میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ بغیر سہارے کے سیدھے کھڑے تھے اور روح نکل چکی تھی۔

میں نے ابوعبداللہ احمد بن عطاؒ سے اورانہوں نے کسی صوفی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب یحییٰ اصطخریؒ کے انتقال کے وقت ہم ان کے گرد بیٹھے تھے تو کسی نے ان سے کہا کہ کہو اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ یہ سنتے ہی وہ اٹھ بیٹھے اور ہم میں سے باری باری ہر ایک کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے رہے کہ کہو اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اس کے بعد پیٹ کے بل لیٹ کر جان دے دی۔

جنید بغدادی سے کہا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ ابوسعید خراز مرتے وقت بہت زیادہ وجد میں تھے۔ جنیدؒ نے جواب دیا: عجب نہیں کہ موت کے وقت ان کی روح محبوب حقیقی کی جانب شوق سے محو پرواز ہو گئی ہو۔

موت کے بارے میں صوفیا کے آداب کے سلسلے میں میں نے انتہائی اختصار سے کام لیا ہے۔

# مسائل تصوف سے متعلق صوفیہ کے مختلف نظریات

اس باب میں، میں نے صوفیہ کے ان انوکھے اور مختلف مسائل کا ذکر کیا ہے جو علماء فقہاء اور اہل ظاہر پر مشکل اور ان کے بس سے باہر ہیں۔

## جمع وفرق

جمع وفرق دو اسماء ہیں۔ جمع سے مراد جمع متفرقات اور فرق سے مراد تفرقۂ مجموعات ہے جب یہ کہا جائے کہ صرف اللہ موجود ہے اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں تو یہ جمع ہے اور جب یہ کہا جائے کہ دنیا، آخرت اور کائنات تو یہ فرق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جمع کر دیا:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ [آل عمران:۱۸]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اور آیت کے اس ٹکڑے میں فرق کیا ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ [آل عمران:۱۸]

ترجمہ: ''اور (گواہی دی) فرشتوں نے اور عالموں انصاف سے قائم ہو کر۔''

ایک اور مقام پر جمع کرتے ہوئے فرمایا:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ [البقرہ:۲]

ترجمہ: ''یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر۔''

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ [البقرہ:۱۳۶]

ترجمہ: ''اور (ایمان لائے) اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم پر۔''

گویا جمع اصل ہے تو فرق فرع۔ اور اصول کی پہچان فروع سے ہوتی ہے جب کہ فروع کا ثابت ہونا اصول کا محتاج ہے۔ اور ہر جمع جو فرق سے خالی ہو زندقہ ہے اور ہر فرق جمع کے بغیر بے کار۔

جمع وفرق کا مفہوم بیان کرتے ہوئے متقدمین میں سے ابوبکر طاہر الابہری کہتے ہیں: صوفیہ کے نزدیک جمع سے مراد جمع آدم علیہ السلام ہے اور فرق سے مراد فرق اولادِ آدم ہے۔ اور مزید یہ کہ ان کے نزدیک جمع سے مراد معرفت ہے اور فرق سے مراد احوال۔

جمع وفرق کے بارے میں جنید کے یہ اشعار ملاحظہ کریں ۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) اے میرے رب! میں نے تجھے اپنے باطن میں پالیا اور میری زبان نے تجھ سے سرگوشی کی بعض اوصاف میں تو ہم یکجا ہیں اور بعض میں جدا۔

(۲) اگر تیری تعظیم نے بظاہر تجھے میری آنکھوں سے غائب کر رکھا ہے مگر تیرے وجد نے تجھے میری آنتوں سے قریب کر دیا ہے۔

نوریؒ کا قول ہے: حق تعالیٰ کے ساتھ جمع ہونا غیر سے علیحدہ ہونا ہے۔ اور اس کے غیر سے جدا ہونا اس کے ساتھ جمع ہونا ہے۔

ایک قول ہے کہ ''جمع'' اتصال کو کہتے ہیں جس میں علیحدگی نہیں واقع ہو سکتی اور اگر علیحدگی واقع ہو تو وصل نہیں۔ اور تفرقہ، شہود ہے اس لیے جو علیحدگی کا مشاہدہ کر لے۔

صوفیہ کا قول ہے کہ جو اللہ کے ساتھ مجموعہ ہو وہ صفات سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اور جو صفات کے ساتھ مجموعہ ہو وہ حق سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں کیفیات ایک دوسرے کی ضد ہیں، کیونکہ حق کے ساتھ قائم ہونا اپنی جہت سے خروج ہے اور حق کے ساتھ قائم ہونا حق سے محجوب رہنا ہے۔

اسی ضمن میں ایک اور قول یہ ہے کہ جمع بشریت کا شہود بشریت کے ساتھ جمع ہونا ہے اور فرق تقسیم رسوم سے علیحدہ ہونے کو کہتے ہیں۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: بندے کا وجد سے قریب ہونا جمع اور اس کا بشریت میں کھو جانا فرق ہے۔

ابوبکر واسطیؒ نے فرمایا: جب تو نے اپنی جانب نگاہ کی تو یہ فرق ہے اور جب اپنے رب کی طرف نظر کی یہی جمع ہے۔ جب تو اپنے سے علاوہ کے ساتھ قائم ہے تو یہی تیری موت ہے۔

## فناء بقاء

ابو یعقوب نہر جوریؒ سے فنا و بقا کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمانے لگے: فنا بندے کو اللہ کے ساتھ قائم ہونا ہے اور بندے کے افعال کی جگہ اللہ کا قائم ہو جانا یعنی اس کی صفات اور افعال کا قائم ہو جانا، بقا ہے۔

ابو یعقوبؒ علم فنا و بقا کے بارے میں فرماتے ہیں: بندے کو فناء و بقا دونوں کیفیتوں میں عبودیت کا ساتھ حاصل رہنا چاہیے اور اسے علم رضا پر عمل پیرا ہونا چاہیے جس کو فناء و بقاء کے راستے پر عبودیت کی رفاقت حاصل نہ ہو وہ صرف مدعی ہے اور عمل سے خالی۔

میرے نزدیک فنا و بقاء دو اسم ہیں جو مؤحد بندے کے لیے دو اوصاف ہیں جو اسے مقامِ عمومی سے مقامِ خصوصی تک پہنچنے کے لیے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

## فناء و بقاء کے چار مدارج

۱۔ فنا جہل اور بقاء علم۔ ۲۔ فناء معصیت اور بقاء طاعت۔
۳۔ فناء افعالِ بندہ اور بقاء عنایت خداوندی۔ ۴۔ فناء غفلت، بقاء ذکر۔

سمنون نے فرمایا: بندہ حالِ فناء میں محمول اور حالِ حمل میں موردو ہوتا ہے۔ یہ اوصاف ہیں جو اوصاف ہی کی طرف لے جاتی ہیں اور فنا کا پہلا مقام وجود اور بقا کے لیے مشاہدات کا قیام ہے۔

قولِ خداوندی ہے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ [النحل: ٥٣]

ترجمہ: ''اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

مذکورہ آیت کی تشریح میں ابو سعید خرازؒ کہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اُن کو ان کے افعال میں ان کے افعال سے الگ کر دیا اور یہی فناء کی پہلی کیفیت ہے۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں: میں نے جنیدؒ کو فناء کی تعریف سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب بندے کو اپنے اوصاف سے الگ ہونے کا احساس بھی نہ رہے تو سمجھ لو کہ اس نے کلی بقاء کو پالیا۔ آپ نے مزید کہا کہ میں نے جنیدؒ سے یہ بھی سنا کہ فنا یہ ہے کہ تو اپنے اوصاف سے پوری طرح خود کو فنا کر دے۔

ابن عطاؒ کہتے ہیں: جو اپنی ذات سے ذاتِ حق کے ساتھ فنا نہ ہوا پھر حق سے حق کے ساتھ فنا نہ ہوا اور حضورِ حق میں اپنی موجودگی کے احساس سے بے خبر نہ رہا وہ کبھی مشاہدۂ حق تک نہیں پہنچ سکتا۔

ابو بکر شبلیؒ نے کہا: جو حق سے حق کے ساتھ فقط حق کے حق کے ساتھ قائم ہونے کے لیے فنا ہوا وہ ربوبیت وعبودیت دونوں کے احساس سے فنا ہوا۔

رویمؒ نے کہا: علمِ فناء کی پہلی سیڑھی، حقائق بقاء کی طرف نزول ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علاوہ ہر شے پر قدرت وفوقیت حاصل ہے۔ اور ہر حال میں اسی کی ذات میں جا کر گم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بندے کی خواہش صرف اسی کی ذاتِ اقدس ہی رہ جاتی ہے اور اللہ کے سوا ہر چیز ساقط ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بندوں کو عبادت ان کے فناء نفس کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے اور ان کی عبادت صرف اللہ کے لیے اور اسی کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس کے بعد کی کیفیت کیا ہوتی ہے اس کا احاطہ عقل نہیں کرسکتی اور زبانیں اس کے بارے میں گنگ ہو جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ [الرحمن: ٢٦]

ترجمہ: ''زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے۔''

فانی کی پہلی علامت اس سے دنیا و آخرت کی خواہش کا مٹ جانا اور اس کی جگہ ذکر اللہ کا وارد ہونا ہے۔ اس کے بعد اللہ کے ذکر کے وارد ہونے کی خواہش بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ صرف ذکر اللہ کی خواہش لے لیتی ہے پھر یہ خواہش بھی باقی نہیں رہتی اور اس کی جگہ صرف اللہ کی خواہش باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد خواہش کا احساس بھی نہیں رہتا۔ اور اس کی جگہ فناء الفناء اور بقاء البقاء کی خواہش لے لیتی ہے۔

## مسئلہ حقائق

سری سقطیؒ فرماتے ہیں: اہل حقائق کا کھانا بیماروں کے کھانے کی مانند پرہیزی ہوتا ہے اور ان کی نیند ڈوبنے والے شخص کی نیند جیسے ہوتی ہے۔

جنیدؒ سے ماہیتِ حقیقت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے: جب میں اللہ کی یاد میں محو ہوتا ہوں تو اور چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

ابوتراب نخشبیؒ کہتے ہیں: حقیقت کی علامت آزمائش ہے۔

بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ حقیقت کی علامت آزمائش کا دور ہو جانا ہے۔

رویمؒ نے کہا: حقیقتِ کاملہ کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔

ابوجعفر صیدلانیؒ کہتے ہیں: حقائق کی تین اقسام ہیں۔ پہلی قسم کی حقیقت علم کے تابع ہوتی ہے، دوسری قسم کی حقیقت وہ ہے کہ علم اس کے تابع ہوتا ہے اور تیسری قسم کی حقیقت علم سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

ابوبکر زقاقؒ فرماتے ہیں میں صحرائے بنی اسرائیل میں تھا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ علم حقیقت علم شریعت کا مخالف ہے۔ اس لمحے میں نے دیکھا کہ ایک شخص کیکر کے درخت کے نیچے کھڑا پکار رہا ہے۔ اے ابوبکر زقاقؒ! ہر وہ حقیقت جو شریعت کی مخالف ہو کفر ہے۔

غالباً رویمؒ سے کسی نے پوچھا کہ مقامِ عبودیت کب حاصل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس وقت جب بندہ اپنی باگ ڈور اپنے رب کے حوالے کر دے اپنی قوت و طاقت سے بری ہو جائے اور یہ جان لے کہ جملہ مخلوقات حق تعالیٰ سے قائم اور اسی کے لیے ہے۔

صحیح ترین حقیقت وہ ہے جو علمِ شریعت سے مربوط ہو۔

جنیدؒ کا قول ہے: حقائق نے بندوں کے قلوب میں صرف تلاویلات بیان کرنے کے لیے جاگزین ہونے سے انکار کیا۔

# خدا تعالیٰ کی تعریف

مزین کبیرؒ کہتے ہیں: صوفیہ کرام نے وجودِ باری تعالیٰ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اللہ گم نہیں کہ اسے ڈھونڈا جائے اس کی کوئی حد نہیں کہ اس کا ادراک کیا جائے۔ پس جس نے موجود کو پایا اسے دھوکہ ہوا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک موجود سے مراد معرفتِ حال اور ایک ایسے علم کا شف ہے جو حال سے خالی ہو۔

عبداللہ بن طاہرالابہریؒ کہتے ہیں: حقیقت علم شریعت ہے اور علم شریعت حقیقت۔

## علم، حقیقت اور حق

شبلیؒ فرماتے ہیں: علم، حقیقت اور حق تینوں میں فرق ہے۔ علم ہمیں مختلف اسباب اور واسطوں کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔

حقیقت، اللہ تعالیٰ براہِ راست بندوں کے دلوں میں اتارتا ہے۔ اور حق کا کوئی راستہ متعین نہیں۔

## حقیقتِ انسانیت

جعفر قرویؒ نے کہا: حقیقتِ انسانیت یہ ہے کہ کوئی انسان تجھ سے اذیت نہ پائے۔ کیونکہ خود لفظِ انسانیت کا معنی بھی یہی ہے کہ ہر چیز تجھ سے مانوس ہو۔

## وصل و عقل

کسی شیخ کا قول ہے: وصلِ حق کی حقیقت، عقل کا رخصت ہونا ہے۔

جنید بغدادی کہتے ہیں: بلاشبہ حقائق لازمہ اور پختہ ارادے طالبین کے راستے سے ہر اس سبب، رکاوٹ، تاویل اور وسوسے کو دور کر دیتے ہیں جو حصول مراد کو متاثر کر لے۔

الغرض صوفیہ کے نزدیک حق بات یہی ہے کہ حال کی درستگی اور دوامِ سیر الی اللہ کا وارد مدار واضح علمی براہین و دلائل حقہ پر ہے۔

واسطیؒ فرماتے ہیں: جب حقائق کے خزانے ظاہر ہوتے ہیں تو پوشیدہ حقائق محجوب ہو جاتے ہیں۔

## مسئلہِ صدق

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: جس نے صدق اور کوشش کے ساتھ کوئی چیز طلب کی اسے اگر تمام نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور ملا ہے۔

ابوسعید خرازؒ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ صدق کیا ہے؟ میں نے کہا: ایفاء عہد انہوں نے کہا: تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ غائب ہو گئے۔

یوسف بن حسینؒ صدیق کی جامع تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تنہائی سے محبت، مناجاتِ الٰہی، حق گوئی میں ظاہر و باطن کو یکساں رکھنا، خلق کی طرف توجہ کئے بغیر اپنی ذات پر نظر رکھنا، علم شریعت سیکھنا اور اس پر عمل کرنا با ایں طور کہ کھانا،

لباس اور کسب معاش حلال ہو، صدق کہلاتا ہے۔

کسی دانا کا قول ہے: صدق کی علامت طاعت کو چھپانا ہے، اور اہلِ صدق کے دلوں کے لیے خوشگوار ترین چیز اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کا مشتاق ہونا اور اس سے حسن ظن رکھنا ہے۔

ذوالنونؒ کہتے ہیں: صدق اس دھرتی پر اللہ کی تلوار ہے جو ہر شے کو کاٹ ڈالتی ہے۔ حارث محاسبیؒ نے کہا: صدق کو جملہ احوال کی رفاقت حاصل ہے۔

جنیدؒ کا قول ہے: صدق کی حقیقت ہر حال میں اللہ کی مرضی سے موافق رہتی ہے۔

ابو یعقوبؒ کہتے ہیں: ظاہراً اور باطناً موافقتِ حق کرنا اور ہلاکت کے موقع پر بھی سچ کہنا صدق ہے۔

کسی شیخ کا قول ہے کہ ارادے میں کامل توجہ کا نام صدق ہے۔

سہل بن عبداللہؒ کے مطابق تصوف کے سات اصول ہیں:

| | |
|---|---|
| ۱۔ کتاب اللہ سے تمسک | ۲۔ اتباع رسول اللہ ﷺ |
| ۳۔ رزق حلال | ۴۔ اذیت رسانی سے پرہیز |
| ۵۔ گناہوں سے اجتناب | ۶۔ توبہ کرنا |
| ۷۔ ادائیگی حقوق۔ | |

حصری کہتے ہیں صوفیہ کے چھ اصول ہیں:

| | |
|---|---|
| ۱۔ پاکیزہ رہنا | ۲۔ فقط اللہ کو قدیم جاننا |
| ۳۔ لوگوں سے دوری | ۴۔ ترک وطن |
| ۵۔ اپنی علمیت کو فراموش کر دینا | ۶۔ اپنی جہالت کو بھلا دینا |

ایک صوفی کے نزدیک تصوف کے سات اصول ہیں:

| | |
|---|---|
| ۱۔ ادائیگی فرائض | ۲۔ حرام چیزوں سے اجتناب |
| ۳۔ تعلقات دنیوی کو ترک کر دینا | ۳۔ فقر اختیار کرنا |
| ۵۔ ترکِ طلب | ۶۔ کوئی چیز ایک وقت سے دوسرے وقت کے لیے ذخیرہ نہ کرنا |
| ۷۔ ہر حال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا۔ | |

## اخلاص

جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: اپنے عمل کو اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھنا اخلاص ہے۔ ابن عطا کہتے ہیں: اخلاص آفات سے بچاتا ہے۔

حارث محاسبیؒ کہتے ہیں: اخلاص اللہ کے ساتھ ان معاملات میں سے ہے جس میں خلق کو کوئی دخل نہ ہونا چاہیے اور بندے کو اپنے نفس کو تو پہلے ہی خارج کر دینا چاہیے۔

ذ والنونؒ نے کہا: اخلاص شیطان جیسے ضرر رساں دشمن کے ضرر سے محفوظ رکھتا ہے۔

ابو یعقوب سوسیؒ فرماتے ہیں: اخلاص وہ پوشیدہ ترین عمل ہے جس کا فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ اس کو لکھ سکیں اور بندے کے دشمن شیطان کو بھی اس کی خبر نہیں ہو پاتی کہ وہ کوئی نقصان پہنچا سکے یہاں تک کہ خود بندے کے لیے نفس کو بھی اس سے آگاہی نہیں ہوتی کہ وہ اس پر فخر کر سکے۔

سہل بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ یہ ایک المیہ ہے کہ آپ کو لا الہ کہنے والے تو بہتیرے مل جائیں گے مگر عبادت میں مخلص بندے کم ہی ملیں گے۔ آپ نے مزید کہا کہ ریا کاری سے مخلص بندے ہی بخوبی واقف ہوتے ہیں۔

جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: بندے کا اپنے رب کے ساتھ معاملہ اس قدر اخلاص پر مبنی ہونا چاہیے کہ اس میں خلق اور یہاں تک کہ خود اس کے اپنے نفس کا بھی کوئی دخل نہ ہو۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی سوال کرے کہ اخلاص کیا ہے؟ تو اسے یہی جواب دو کہ اللہ کے لیے اپنے ارادے کو ہر آلائش سے مکمل طور پر پاک کرنا اور اللہ کے سوا جملہ مخلوقات کو اپنے دل و دماغ سے اس طرح نکال دینا کہ دل میں کسی اور کا خوف و خطر باقی نہ رہے، اخلاص کہلاتا ہے۔

## مخلص کی علامت

مخلص بندے کی یہ علامت ہے کہ وہ مناجاتِ الٰہی کے لیے ہر وقت خلوت کا مشتاق رہتا ہے۔ اللہ کی عبادت کے ذریعے خلق سے واقفیت کی کمی اور اپنے معاملہ خداوندی میں خلق کے دخل کو ناپسند کرتا ہے۔

ابوالحسین نوریؒ نے کہا: خلق سے میل جول ترک کر دینا اخلاص ہے۔

## ذکر الٰہی

ابن سالمؒ فرماتے ہیں: ذکر الٰہی تین طرح کا ہے:

۱۔ زبانی ذکر، جس میں ایک نیکی کے عوض دس نیکیاں ملتی ہیں۔

۲۔ قلبی ذکر، جس میں ایک نیکی کے بدلے سات سو نیکیاں ملتی ہیں۔

۳۔ وہ ذکر کہ جس کے بدلے ملنے والے ثواب کا کوئی حد و حساب نہیں اس طرح کے ذکر میں دل محبت و حیاء سے معمور ہو جاتا ہے۔

ابن عطاءؒ سے کسی نے پوچھا کہ ذکرِ الٰہی کا بندے کے باطن پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب ذکر الٰہی اپنی تمام تر تابناکیوں کے ساتھ باطن پر وارد ہوتا ہے تو بشریت کی تمام آلودگیوں کو زائل کر دیتا ہے۔

سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: ذکرِ الٰہی کا ہر مدعی ذاکر نہیں ہوتا۔ آپ نے مزید کہا:

ذکر ہی ہے جس کے دوران بدلے کو یہ معلوم ہو کہ اللہ عز و جل اسے دیکھ رہا ہے اور وہ خود اسے اپنے قلب کے ذریعے دیکھتا ہوا اور اس قدر قرب ہو کہ بندہ اس سے حیا کرے اور وہ اللہ کو اپنی ذات اور اس کے احوال پر غالب سمجھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا [البقرہ:۲۰۰]

ترجمہ: ''تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ۔''

ایک اور مقام پر زیادہ اختصار کے ساتھ فرمایا:

اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ [الاحزاب:۴۱]

ترجمہ: ''اللہ کو بہت یاد کرو۔''

اور فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ [البقرہ:۱۵۲]

ترجمہ: ''تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔''

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ذاکرین کے باعتبارِ ذکرِ الٰہی مختلف مراتب ہیں۔

کسی شیخ نے کہا: جس کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ایک ہے مگر اس کے ذاکرین مختلف اور ان کے مراتب بھی جدا جدا ہیں۔ ذکر کی اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اس کی جملہ صفات کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ پھر ذکر کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ زبانی ذکر تہلیل، تسبیح اور تلاوت قرآن کی صورت میں۔

۲۔ قلبی و روحانی ذکر ایسا ذکر کہ جس میں دل اللہ کی توحید، اس کے اسماء و صفات، قدرت اور احسانات پر متوجہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے امید وارانِ رحمت کو اپنا وعدہ، خوف رکھنے والے کو وعید۔ متوکلین کو اپنی کفالت، مراقبہ کرنے والوں کو غیب کی اطاعت اور محبین کو اپنا وصل یاد دلایا۔

ابو بکر شبلیؒ فرماتے ہیں: ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس طرح سے ذکرِ الٰہی کرے کہ خود اپنے ذکر کو بھی بھول جائے یعنی ماسوا اللہ فراموش کر دے۔

## حقیقت غناء

جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا کہ استغناء باللہ اور افتقار الی اللہ میں سے کون سی کیفیت مکمل ترین ہے؟ آپ نے جواباً کہا: افتقار الی اللہ ہی کے ذریعے استغناء باللہ حاصل ہوتی ہے اور جب افتقار الی اللہ درست ہو تو استغناء اللہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اور استغناء باللہ درست ہو تو افتقار الی اللہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں میں سے مکمل ترین کیفیت کون سی ہے؟ کیونکہ دونوں کیفیتیں اپنی تکمیل میں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔

یوسف بن حسینؒ کہتے ہیں: غناء کی علامت یہ ہے کہ غنا دین کے لیے ہو نہ کہ دنیا کی خاطر۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ غنی کب قابل ستائش ہوتا ہے؟ آپ نے کہا: جب وہ کسی چیز کو سیدھے اور صحیح راستے سے کمائے۔ اور اکتساب میں ہمیشہ نیکی و تقویٰ کو پیش نظر رکھتا ہو۔ کسب معاش میں کسی طرح کی زیادتی یا گناہ کو راہ نہ دے۔ اللہ سے تعلق جوڑ لینے کے بعد مال کی جانب میلان نہ رکھتا ہو، اسے حصول مال پر خوشی نہ ہو اور اس کے کھو دینے پر غم نہ ہو۔ امیری میں بھی اللہ کا محتاج رہے۔ اور فقیری میں بھی اللہ ہی کو اپنے لیے کافی جانتا ہو اور وہ اس کے خزانہ برداروں میں سے ایک خزانہ بردار ہو کہ جس کی امیری اپنے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہو۔ جب کوئی بندہ مذکورہ صفات سے متصف ہو تو وہ اہل نجات اور کامیابی پانے والوں میں سے ہے۔ اور یہی ہے وہ بندہ کہ جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جنت میں پانسو برس قبل داخل ہوگا جیسا کہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں: ''میری امت

کہ فقراء میری امت کے امراء سے پانسو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔''

عمرو بن عثمان مکیؒ سے غنا کی جامع تعریف بیان کرنے کو کہا گیا تو فرمایا: غنا کی تعریف یہ ہے کہ تو خود غنا سے مستغنی ہو جائے کیونکہ غنا کو اپنے لیے کافی سمجھنا غناء کے محتاج ہونے کے مترادف ہے۔ اور جب تو اللہ ہی کو اپنے لیے کافی جانے اور اسی سے خود کو غنی سمجھے تو جان لے کہ تو خود غنا اور اس کے علاوہ سے مستغنی ہو گیا۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: فقر مصائب کا وہ سمندر ہے جس کی ہر مصیبت بڑی ہے۔ آپ ہی سے کسی نے سوال کیا کہ کب فقیر صادق اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اغنیا سے پانسو برس پہلے جنت میں داخل ہو؟ آپ نے فرمایا: اس وقت جب کہ فقیر ہر عمل فقط اللہ کے لیے دل سے کرے۔ اور جو کچھ اللہ نے منع فرمایا اس میں فرمانِ خداوندی کے تابع رہے، حتیٰ کہ وہ فقر کو اپنے لیے اللہ کی وہ عظیم نعمت سمجھنے لگے کہ جس کے کھو جانے کا اسے خوف دامنگیر رہے جیسا کہ غنی کو اپنی امیری کے کھو جانے کا فکر لگا رہتا ہے۔ اور وہ اللہ کی جانب سے فقر کے عطا ہونے پر صابر و شاکر اور راضی ہو، اپنے دین کی حفاظت کرے، اپنے فقر کو پوشیدہ رکھے، لوگوں سے لاتعلقی کا مظاہرہ کرے اور اپنے رب کو اپنے لیے کافی سمجھے جیسا کہ ارشادِ رب العزت ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ [البقرہ:۲۷۳]

ترجمہ: ''ان فقیروں کے لیے جو راہ خدا میں روکے گئے۔''

بلاشبہ جو شخص یہ اوصاف رکھتا ہوگا اسے قیامت میں نجات ملے گی اور اغنیاء سے پانسو برس قبل جنت میں داخل کیا جائے گا۔

ابن الجلاءؒ نے کہا: جس نے فقر میں پرہیزگاری کو اختیار نہ کیا بے شک اس نے حرام محض کھایا، اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔

جنیدؒ کہتے ہیں: لوگوں میں سے معزز ترین شخص، وہ فقیر ہے جو ہر حال میں خوش رہے۔

مزینؒ کا قول ہے: فقیر وہ ہے جو ہمہ وقت محتاج ہو (یعنی محتاج الی اللہ)۔ اور آپ ہی نے مزید کہا کہ جب فقیر اللہ کی جانب لوٹ کر جائے گا تو وہ خود کو مختلف علوم سے متصف پائے گا، اور وہ خود اپنے وجود پر حیران ہوگا۔

جنیدؒ کا قول ہے: انسان کا فقر اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ یہ یقین نہ کرے کہ روز قیامت اس سے بڑھ کر کوئی فقیر عرصۂ حساب میں نہیں اترے گا۔

## مسئلۂ روح

شبلیؒ فرماتے ہیں: ارواح، اجساد اور خواطر، اللہ کے ساتھ قائم ہیں نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ۔ (یعنی اللہ کے بغیر ان کا کوئی وجود نہیں)

اور آپ ہی نے کہا کہ ارواح لطیف ہو کر اوپر کو اٹھیں اور مشاہداتِ حقائق کی سرحد پر جا کر ٹھہر گئیں۔ وہاں انہوں نے کسی ایسے معبود کو نہیں پایا کہ جسے وہ خود دیکھ سکیں جب کہ ان کا اپنا وجود بھی قائم ہو۔ اور اس مقام پر ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ حادث کبھی قدیم کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔

ابو بکر واسطیؒ کہتے ہیں: روح دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ روح جس پر مخلوقات کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ اور دوسری روح وہ ہوتی ہے جس سے قلب منور ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ روح ہے جس کے بارے میں قول باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا [الشوری:۵۲]

ترجمہ: ''اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز اپنے حکم سے۔''

روح کو اس کے لطیف ہونے کے سبب روح کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

جب جوارح اپنے اوقات میں برائی سے روکنے کے ملکہ کو بگاڑ دیتا ہے تو اس وقت روح، مشاہداتِ سبب سے محجوب ہوتی ہے۔

اور جب بھی روح کو ایام و اوقات سے دوچار ہونے کے نتیجے میں کسی گناہ سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ خطاب کو جان لیتی ہے اور معاملات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

روح کے بارے میں واسطیؒ کا ایک اور قول ہے کہ وہ چیزیں ہیں، روح اور عقل، پس روح کبھی روح کو بھلائی سے نہیں نواز سکتی اور نہ ہی عقل کبھی عقل سے کسی برائی کو دور کر سکتی ہے۔

ابو عبداللہ نیاجیؒ کہتے ہیں: جس عارف کو وصل کی دولت حاصل ہو اس میں دو روحیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا اور دوسری وہ روح کہ جس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

کسی شیخ کا قول ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں۔ روح قدیمی اور روح بشری۔ اور انہوں نے دلیل نبی ﷺ کے اس قول سے پکڑی کہ ''میری آنکھیں تو سو رہی ہوتی ہیں مگر دل جاگتا رہتا ہے۔'' [1] گویا ان کا ظاہر روح بشری کے ساتھ سو رہا ہوتا ہے جب کہ باطن بیدار ہوتا ہے اور اس میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ایک قول ہے: ''مجھ سے کوئی چیز بھلا دی جاتی ہے تاکہ میں اس طرح کی سنت قائم کر دوں۔'' اور ایک دوسرا قول ہے: ''وہ کوئی شے بھولتے ہی نہیں۔'' تو یہ جو دوسرا قول ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ ان کی روح قدیمہ تھی جو نہیں بھولتی تھی۔

اس ضمن میں ایک اور قول نبوی ﷺ ہے:

ترجمہ: ''میں تم میں سے کسی ایک کی مانند نہیں۔ میں تو اپنے رب کے ہاں رہتا ہوں۔''

مذکورہ حدیث کا مضمون دراصل صفت ہے روح قدیمی کی۔ کیونکہ انہوں نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ روح بشری کا وصف نہیں۔

میرے نزدیک روح کے بارے میں شیخ موصوف نے جو کچھ کہا صحیح نہیں کیونکہ قدیم کبھی قدیم سے جدا نہیں ہو سکتا جب کہ مخلوق، قدیم سے متصل ہی نہیں ہوتی۔

میں نے ابنؒ سالم کو سنا جب کہ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا ثواب و عذاب، روح و جسم دونوں کو ملے گا یا فقط جسم کو؟ تو آپ نے فرمایا: اطاعت و نافرمانیٔ خدا فقط جسم سے روح کے بغیر سرزد نہیں ہوتی اور نہ ہی اکیلے روح سے جسم کے بغیر واقع ہوتی ہے بلکہ روح و جسم دونوں کی باہمی موجودگی سے اس کا ظہور ہوتا ہے لہٰذا ثواب یا عذاب بیک وقت دونوں کو پہنچے گا۔

جس نے ارواح کے تناسخ، ایک جسم سے دوسرے میں منتقلی اور اس کے قدیم ہونے کے بارے میں کچھ کہا تو بے شک وہ بڑی گمراہی اور نقصان سے دوچار ہوا۔

---

[1] شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

## اشارہ

اگر کوئی یہ پوچھے کہ اشارہ کا کیا مطلب ہے تو اس کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح اللہ نے فرمایا: تبارك الذی۔ تو اس میں الذی کنایہ کی طرح ہے اور کنایہ لطافت کے اعتبار سے اشارے کی مانند ہے۔ اور اشارہ کو فقط اکابر صوفیہ ہی جان سکتے ہیں۔

## اللہ کی جانب اشارہ کرنے سے متعلق اقوالِ صوفیہ

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے کہا: ہر وہ اشارہ جو لوگ اللہ کی جانب کرتے ہیں انہی کی طرف پلٹ آتا ہے تا آنکہ وہ حق تعالیٰ کی طرف حق تعالیٰ ہی کے ذریعے اشارہ کریں جو کہ ان کی دسترس سے باہر ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے پاس ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے آیا آپ نے آنکھ سے آسمان کی جانب اشارہ کیا (یعنی اللہ کو معلوم ہے) اس پر اس شخص۔ نے کہا: اے اباالقاسم! اللہ کی جانب اشارہ مت کرو کیونکہ وہ اس آسمان سے زیادہ تمہارے قریب ہے۔ حضرت جنیدؒ۔ نے فرمایا: بے شک تو نے سچ کہا۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ نے فرمایا: صوفیہ کا حقائق کو جان لینا تو توحید ہے مگر اللہ کی جانب کسی طرح کا اشارہ کرنا شرک۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ ہر ایک نے اس کی جانب اشارہ کرنا چاہا مگر کوئی بھی ایسا نہ کر سکا۔

جنید بغدادیؒ نے ایک شخص سے جو اللہ کی جانب اشارہ کرتا تھا کہا کہ اے فلاں! تو کب تک اس کی طرف اشارے کرتا رہے گا۔ چھوڑ کر وہ تیری جانب خود اشارہ کرے۔

ابویزید علیہ الرحمہ کا کہنا ہے: جس نے اس کی طرف علمی طور پر اشارہ کیا تو کفر کا ارتکاب کیا کیونکہ علمی اشارہ صرف معلوم شے (یعنی جو انسانی علم میں آ سکے) پر واقع ہو سکتا ہے اور جس نے معرفت کے ذریعے اس کی جانب اشارہ کیا تو الحاد کیا کیونکہ معرفت کی بنیاد پر کیا جانے والا اشارہ فقط محدود شے کی طرف ہو سکتا ہے۔

میں نے دُقیؒ سے سنا کہ مرید کی حقیقت کے بارے میں زقاق علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: مرید کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اسے اپنے اشارے کے قریب خیال کرتا ہے جب کہ کامل کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ترکِ اشارہ پر ہی اللہ کو پاتا ہے۔ یہی بات جنید علیہ الرحمہ کے بارے میں بھی بیان کی جاتی ہے۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ کا قول ہے: ہم اس کی جانب جس قدر قریب ترین اشارہ کریں وہ بعید ترین ہے۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے: جب تو دیکھے کہ کوئی شخص عمل کی جانب اشارہ کرے تو جان لے کہ اس کا طریق اتقاء کا ہے کوئی علم کی جانب اشارہ کرے تو وہ راہِ عبادت پر گامزن ہے۔ اور کوئی رزق کے معاملہ میں اس کی جانب اشارہ کرے تو وہ زہد اختیار کرتا ہے اور کوئی آیات کی جانب اشارہ کرے تو وہ ابدال کے راستے پر ہے اور کوئی نعمتوں اور اللہ کی مہربانیوں کی جانب اشارہ کرے تو وہ عارفین کے طرز کو اپنائے ہوئے ہے۔

ابوعلی رودباری علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہمارا یہ علم تصوف ایک اشارہ ہے جب عبادت کی صورت اختیار کرے تو وہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

ابو یعقوب سوسی علیہ الرحمہ سے کوئی شخص مسئلہ دریافت کرنے لگا تو اشارے بھی ساتھ کرتا جاتا تھا۔ اس پر ابو یعقوب نے اس سے کہا: مجھے تمہارے اعمال کی سمجھ اشارے کرنے کے بغیر بھی آ جائے گی۔ گویا انہوں نے ایسا کرنے کو ناپسند کیا۔

## ظرف

جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ظرف سے مراد اخلاق فاضلہ کو اپنانا، عاداتِ رذیلہ سے اجتناب اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کے بعد ان پر نظر نہ کرنا ہے۔

## مروت

احمد بن عطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مروت یہ ہے کہ تو جو عمل کرے اسے اللہ کے لیے زیادہ نہ سمجھے اور جب بھی تو اللہ کے لیے کوئی عمل کرے تو یہ سمجھے کہ جیسے تو نے کچھ کیا ہی نہیں اور مزید کرنے کی چاہت رکھتا ہے۔

## لفظ صوفی کی تحقیق

احمد بن عطاء علیہ الرحمہ نے کہا صوفی کو اس نام سے غیر اللہ کی کدورتوں سے پاک ہونے اور برے لوگوں کے مراتب سے دور ہونے کے باعث پکارا جاتا ہے۔

ابو الحسین نوری علیہ الرحمہ نے کہا: خلق سے الگ ہو کر عبادت گزاروں کی صف میں شامل ہونے اور مرتبہ واجدین پر پہنچ کر حق تعالیٰ کی قربت میں رہنے کی وجہ سے نیکوکاروں کا یہ طائفہ صوفیہ اور صوفی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا: انہیں اس نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے کہ فناء ذات کے بعد ان کی اپنی ذات کا صرف اس قدر حصہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس پر نام کا اطلاق ہو سکے۔

کسی صوفی کا قول ہے: صوفی کے نام سے اس طائفہ کو اس لیے پکارا جاتا ہے کہ یہ لوگ روح قناعت کے ساتھ زندہ اور رجوع الی اللہ کے وصف سے آراستہ ہوتے ہیں۔

## سبب رزق

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ نے فرمایا: بندے کا مطلب کئے بغیر رزق پانا اس بات کی دلیل ہے کہ رزق صاحب ضرورت کی حاجت کے مطابق معین ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ اگر میں نے قبل از وقت رزق طلب کیا تو نہیں پایا اور اگر بعد از وقت طلب کیا تو بھی نہیں پایا لیکن بوقت ضرورت طلب کیا تو مجھے میری ضرورت کے مطابق عطا کیا گیا۔

ابو یعقوب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس بات میں کہ رزق کا سبب کیا ہے لوگوں نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ رزق اپنی توجہ اور اہتمام کرنے سے حاصل ہوتا ہے ان کا تعلق قدر یہ سے ہے۔

کچھ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ سبب رزق تقویٰ ہے۔ انہوں نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ [الطلاق:۲،۳]

ترجمہ: ''اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی

دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔''

جنہوں نے تقویٰ کو سببِ رزق ٹھہرایا بلاشبہ انہوں نے غلطی کی کیونکہ سببِ رزق تو تخلیق ہے جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ [الروم:۴۰]

ترجمہ: ''اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی۔''

## رزق کی بلاامتیاز تقسیم

قرآن مجید کے الفاظ سے یہ ظاہر ہے کہ رزق عطا کرنے میں اللہ نے کفر وایمان کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ مومن ہو کہ کافر اسے رزق عطا کرتا ہے۔

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے کسی عالم کے ہاں ایک سالک کی تعریف کی تو انہوں نے پوچھا: اس سالک کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اس میں نے کہا: چونکہ مجھے اس کے خالق کے بارے میں کوئی شک نہیں اس لیے میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اس سے اس کے رازق کے بارے میں پوچھوں۔ یہ سن کر وہ عالم شرمندہ ہو کر چل دیا۔

## مقام فنا اور عبدیت

جنید علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ بندے کا اپنا نام جاتا رہے اور اس کی جگہ اللہ کا حکم لے لے اس کی وضاحت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جب معرفت خداوندی بڑھتی ہے تو بندے کے اپنے آثار مٹتے چلے جاتے ہیں اور اس سے اس کی خصوصیات رخصت ہو جاتی ہیں۔ پھر اک مقام آتا ہے کہ علم حق تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے اور حکم اللہ ثابت ہو جاتا ہے۔

## یکسانیتِ مدح وذم

جنید علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ بندے کے لیے کب اس کی برائی کرنے والا اور اچھائی بیان کرنے والا یکساں ہو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب بندہ یہ جان لے کہ اس کی تعریف یا عیب جوئی کرنے والا خود مخلوق ہے اور مخلوق ہوتے ہوئے کسی مخلوق کی برائی یا بھلائی بیان کرنا، غلط بیانی اور چغل خوری ہے۔

## سکونِ قلب

ابن عطاءؒ سے پوچھا گیا کہ سکون کب عطا ہوتا ہے؟ فرمایا: حق الیقین کو جان لینے سے جو کہ قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد بندہ علم الیقین سے نوازا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ عین الیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تو اسے سکونِ قلب کی دولت حاصل ہوتی ہے جب بندہ سکونِ قلب سے مالا مال ہو تو اس کی علامات یہ ہوتی ہیں کہ وہ محبت وخوف رکھتے ہوئے اللہ کی قضا اور اس کے فیصلوں پر راضی رہتا ہے، اور بغیر کسی وسوسے کے وہ اسی کی ذاتِ برحق کو اپنا محافظ ومددگار سمجھتا ہے۔

## ایک انجانا غم

ابو عثمان حیری علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ اس انجانے غم کی وضاحت کیجئے جو انسان کو پہنچتا ہے مگر اسے اس کا سبب

معلوم نہیں ہوتا؟ آپ نے جواباً فرمایا: روح تمام گناہ اور جرائم نفس کو یاد کراتی ہے مگر جب نفس اسے بھلا دیتا ہے اور روح نفس کو گناہوں سے خالی پاتی ہے تو گناہوں کے وہ بادل روح کو ڈھانپ لیتے ہیں اور نتیجتاً روح ایک ضعف و کمزوری کا شکار ہو جاتی ہے اور یہی وہ غم ہے جسے بندہ محسوس تو کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ اسے کہاں سے لاحق ہوا۔

## فراستِ مؤمن

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ''مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

حدیث مذکور کے بارے میں یوسف بن الحسین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان برحق ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے ایک امتیاز ہے۔ نورِ الٰہی سے منور قلوب رکھنے والوں اور ان کے لیے جن کی شرح صدر کی گئی شرف و بزرگی ہے مگر یہ حدیث ان لوگوں کے لیے نہیں جو کثرتِ نیکی اور قلتِ گناہ کی بنیاد پر خود کو اس کے مضمون کا مصداق سمجھتے ہیں۔ اور نہ ان کے لیے جو حقیقتِ ایمان و سعادت سے خود کو بہرہ ور نہیں کرتے۔ بلکہ یہ تو کسی خاص شخص یا طبقے کی طرف اشارہ کئے بغیر تمام اہلِ ایمان کے لیے باعثِ فضیلت ہے۔

## وہم، عقل اور فہم

ابراہیم خواص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہم عقل و فہم کے مابین ٹھہر جانے کو کہتے ہیں اسے نہ تو عقل سے کوئی واسطہ ہے کہ اس کی صفات سے منسوب ہو سکے اور نہ ہی فہم سے کوئی تعلق کہ اس کی صفات میں سے شمار ہو سکے۔ اس کی مثال اس روشنی کی سی ہے جو پانی اور سورج کے درمیان ہوتی ہے کہ سورج سے منسوب ہوتی ہے اور نہ پانی سے اور اس کی ایک مثال اس اونگھ کی سی ہے جو بیداری اور نیند کے درمیان ہوتی ہے کہ نہ تو انسان جگ رہا ہوتا ہے اور نہ سویا ہوا۔ اور بیداری یہ ہے کہ اس میں عقل کا فہم میں باقاعدہ نفوذ اور رسائی ہوتی ہے یا فہم کا نفوذ عقل میں ہو رہا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ عقل و فہم کے مابین کوئی درمیانی چیز نہیں ہوتی اور فہم عقل کا خلاصہ ہے جیسا کہ کسی چیز کا خالص حصہ اس کا مغز یا نچوڑ کہلاتا ہے۔

## ظلم، مقصد اور سابق بالخیرات کی تشریحات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ [فاطر:۳۲]

ترجمہ: ''پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔''

ابو یزید بسطامی مذکورہ آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

سابق اسے کہتے ہیں جو محبت کے کوڑوں سے فگار، کشتۂ تیغِ شوق اور درِ ہیبت پر فروکش ہو۔

مقتصد وہ ہے جو حسرت کے چابک سے زخمی، مقتل تیغِ ندامت اور بابِ کرم پر مقیم ہو۔

ظلم اسے کہتے ہیں جو آرزو کے دروں سے چھلنی، خنجر حرص کا مارا ہوا اور عقوبت کے دروازے پر پڑا ہوا ہو۔

کسی اور شیخ نے فرمایا کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا سزائے حجاب سے دوچار ہوتا ہے مقتصد (میانہ رو) حزم و احتیاط کا دامن تھامے رہتا ہے اور سابقؔ (نیکی کی طرف سبقت کرنے والا ہے) دل و جان سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سر بسجدہ ہوتا ہے، گویا ظالم اللہ کی جانب دور سے اشارہ کرنے کے حجاب کا شکار ہوتا ہے۔ مقتصد کے سامنے ایک واضح پردہ حائل ہوتا ہے اور سابق قرب کی دولت سے مالا مال ہو کر اللہ کی بارگاہ میں محبوب ہوتا ہے۔

اسی ضمن میں کسی اور نے کہا کہ ظالم حرف ''ذ'' ہے مقتصد حرفِ ''ب'' اور سابق حرفِ ''م'' ہے۔

## امید اور تمنا

رویم بن احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ کیا مرید کو تمنا کرنی چاہیے؟

آپ نے یوں وضاحت فرمائی کہ وہ تمنا نہیں کر سکتا مگر امید رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ امید رکھنے میں آگے بڑھنے کی لگن موجود ہوتی ہے جب کہ تمنا کرنے میں نفس شامل ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ تمنا صفات نفس میں سے ہے اور امید صفاتِ قلب سے تعلق رکھتی ہے۔

## فرعون اور سر نفس

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں: نفس کا سر ہوتا ہے جو خلق خدا میں سے صرف فرعون پر غالب آ گیا تھا اور اس نے دعویٰ کر دیا تھا کہ انا ربکم الاعلی (میں ہی تمہارا خدائے بزرگ و برتر ہوں۔)

نفس کے سات حجابات آسمانی اور سات حجابات ارضی ہیں۔ جب بندہ اپنے نفس کو زمین میں دفن کرتا چلا جاتا ہے تو اس کا قلب آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچتا چلا جاتا ہے۔ اور جب بندہ نفس کو پاتال میں دفن کر دیتا ہے تو اس کا قلب عرش تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

## غیرت بشریہ اور غیرت الٰہیہ

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: غیرت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) غیرت بشریہ اور (۲) غیرت الٰہیہ۔

غیرت بشریہ وہ غیرت ہے جو اشخاص پر کی جاتی ہے۔ اور غیرت الٰہیہ یہ ہے کہ بندہ دل کو ماسوا اللہ سے بالکل خالی کر دے۔

## گناہ تصورِ گناہ اور نیتِ گناہ

فتح بن شخرف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے ذوالنون مصریؒ کے استاذ اسرافیل سے پوچھا کہ کیا واقعتاً گناہ کرنے سے پہلے پوشیدہ خیالات پر بھی عذاب ہو گا؟ چند دن تک تو انہوں نے اس سوال کا جواب نہ دیا مگر ایک دن فرمانے لگے: اے فتح! (فتح بن شخرف) اگر تو نے عمل سے پہلے اس کی نیت بھی کر لی تو پھر ہر گناہ کے ساتھ ساتھ اس کے تصور کرنے پر بھی عذاب ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک چیخ ماری اور تین روز اس دنیا میں رہنے کے بعد رحلت فرما گئے۔

## احوالِ قلوب

ابو بکر محمد بن موسیٰ الفرغانی الواسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: قلوب تین حالتوں پر ہوتے ہیں:

(۱) وہ دل جن کا امتحان لیا گیا ہو۔

(۲) وہ دل جو جڑے اکھیڑ دیئے گئے ہوں۔

(۳) وجد میں لائے گئے دل۔

ان تینوں حالتوں میں سے پہلی حالت پر جو دل فائز ہوتے ہیں وہ وجد میں لائے گئے دل ہیں کیونکہ یہ کیفیت اسی وجہ سے پہلی ہے کہ اس سے قبل اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جب وجد کی کیفیت سے قلوب نکل آتے ہیں تو حالتِ اصطلام یعنی جڑے اکھڑنے کی کیفیت سے دوچار ہوجاتے ہیں۔ یہی موت ہے اور اس کے بعد نشان مٹ جانے کی حالت ہوتی ہے جو کیفیت فنا ہے۔ اور یہی فناء کی کیفیت ہی بندے کا اول وآخر ہے۔ تاکہ وہ یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میں نے پہل کی یا میں بعد میں آیا۔ اور یہ تیسری حالت ہی وہ حالت ہے کہ جس نے زبانوں کو گنگ کر دیا کہ وہ اس کے متعلق کچھ کہہ سکیں۔

## آزمائش کی تین صورتیں

ابومحمد جریری علیہ الرحمہ بندگانِ خاص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان پر تین طرح کی آزمائشیں ڈالی جاتی ہیں ایک وہ جو مخلصین پر سزا کے طور پر نازل کی جاتی ہے، دوسری سابقین پر اور کفارے کی جگہ ڈالی جاتی ہے اور تیسری انبیاء وصدیقین پر صدقِ اختیارات کی صورت ہیں۔

## حب اور ود میں فرق

حب میں قربت اور دوری دونوں کیفیتیں ہوتی ہیں جبکہ ود میں ہجرت بعد اور قرب تینوں کیفیات نہیں ہوتیں۔ حب پر فائز بندہ مقام حق الیقین ود پر فائز مقام عین الیقین اور اپنے باطن کی غیر سے حفاظت کرنے والا بندہ علم الیقین پر فائز ہوتا ہے۔

الغرض ود ایک ایسا وصل ہے کہ اس میں مواصلت نہیں کیونکہ وصل ثابت ہے جبکہ مواصلت دراصل تصرفِ اوقات کا نام ہے۔

## گریہ وزاری

ابوسعید خراز علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ گریہ وزاری کرنے کی اٹھارہ وجوہات ہیں:

۱۔ گریہ وزاری فقط اللہ کے لیے اللہ کے ذریعے اور اسی کے ساتھ

۲۔ گریہ وزاری اللہ سے اس وقت کرنی چاہیے جب بندے کے سامنے وصلِ محبوب کے حصول کے لیے طوالتِ انتظار کا ذکر ہو۔

۳۔ خوفِ ہجر کے وقت۔

۴۔ احکامِ الٰہیہ میں تساہل پر خوف سزا کے وقت۔

۵۔ اللہ کا وصال حاصل کرنے سے مانع حادثات پر۔

۶۔ جب قلب اللہ کے لیے مضطرب ہو۔

۷۔ روحوں کا اللہ کی محبت میں سرشار ہوجانے پر۔

۸۔ جب عقل اللہ کی محبت میں شدت غم سے زائل ہوجائے۔

۹۔ محبتِ الٰہی میں آہیں بھرنے کی کثرت ہو جانے پر۔

۱۰۔ رقتِ فریاد سے۔

۱۱۔ اللہ کے حضور حاضر ہونے پر۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی قربت پانے کی خاطر بساطِ ذلت پر لوٹنے کی وجہ سے۔

۱۳۔ فخر میں مبتلا ہونے پر یہ اندیشہ کہ اللہ اُسے خود سے دور نہ کر دے۔

۱۴۔ اس بات پر گریہ کرنا کہ مبادا وہ راستے سے ہٹ کر عدمِ وصال سے دوچار نہ ہو جائے۔

۱۵۔ خود کو لقاءِ الٰہی کے قابل نہ سمجھنے پر۔

۱۶۔ اللہ سے اس بات پر شرما جانے کے وقت کہ وہ اسے کس آنکھ سے دیکھے گا۔

۱۷۔ بعض ایسے اوقات سے محروم ہو جانے پر جن کا وہ عادی رہا ہو۔

۱۸۔ اس وقت جب کہ وہ وصل کی کیفیت سے سرشار ہو اور اللہ اسے اپنی شفقت میں لپیٹ لے جیسے دودھ پیتا بچہ ماں کا دودھ پیتا جاتا ہے اور روتا جاتا ہے۔

## شاہد

جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: شاہد سے مراد حق تعالیٰ ہے۔ جو انسان کے ضمیر میں موجود ہے اس کے تمام اسرار سے واقف ہے۔ وہ ان کے دلوں میں اپنے جمال کا نظارہ کرتا ہے اور دیکھنے والا ایسی صورت میں جب بھی اسے دیکھتا ہے تو وہ دراصل اپنے علم ہی کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔

صوفیہ کے شاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صوفی مقام مریدین سے گزر کر عارفین کے عمومی مقام کا مشاہدہ کرے۔ اور وہ اس شاہد کے آثار و آیات کو دیکھ لے جو غیب میں حاضر ہے اور اسی صورت میں نہ وہ تنگ ہوتا ہے نہ کوتاہی کرتا ہے اور نہ ہی غفلت اختیار کرتا ہے اگر اس سے مرید کی سی غفلت سرزد ہو جائے تو وہ شاہد نہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی اس میں بظاہر دکھائی دیتا ہے وہ باطل اور طریقِ صوفیہ کے خلاف ہے۔

## خلوصِ معاملات وعبادات

کچھ مشائخ کرام نے ابوالحسین علی بن ہند قرشی فارسیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ معاملات وعبادات میں خلوص سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: عقل راستہ دکھاتی ہے، چیزوں کو جان لینے سے حاصل ہوتی ہے:

۱۔ معرفتِ خدا

۲۔ معرفت نفس

۳۔ معرفت موت

۴۔ بعد از موت اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کی معرفت

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ اپنی حقیقت کو جان گیا، جس نے نفس کو جان لیا اس نے خود کو نفس کی مخالفت اور مجاہدے پر آمادہ کر لیا جس نے موت کو سمجھا لیا اس نے خود کو اس کی آمد کے لیے تیار کر لیا اور جس نے بعد از موت اللہ کے

وعدوں اور وعیدوں سے آ گاہی حاصل کر لی اس نے ممنوعات سے کنارہ کشی اور ماموارت کی تعمیل اختیار کر لی۔

اللہ تعالٰی کے حق کی حفاظت کی تین اقسام ہیں:

۱۔ وفا

۲۔ ادب

۳۔ مروت۔

وفا سے مراد قلب کا صرف اللہ کی یگانگی کی طرف متوجہ ہونا، اس کے نور ازلی کے ذریعے مشاہدۂ وحدانیت پر ثابت قدم رہنا اور زندگی کو فقط محبوبِ الٰہی کے ذکر سے عبارت سمجھنا ہے۔

ادب یہ ہے کہ باطن کو غیر کے خیالات و خطرات سے محفوظ کیا جائے، احوال کی حفاظت کی جائے اور حسد و عداوت سے اجتناب کیا جائے۔

مروت یہ ہے کہ ذکرِ محبوب پر زبانی اور عملی دونوں لحاظ سے پابندی ہو، زبان اور نظر کی حفاظت کی جائے، حرام کھانے اور ناجائز لباس سے احتراز کیا جائے۔

اور یہ تمام خوبیاں ادب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں کیونکہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کی بنیاد ادب ہی ہے۔

## فیاضی

حارث محاسبی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: کریم وہ ہے جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس نے کس کو نوازا۔

ابوالقاسم جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کریم وہ ہے جو تجھے کسی وسیلے کا محتاج نہ ہونے دے۔

صوفیہ کے ایک گروہ کا قول ہے: فیاضی یہ ہے کہ اظہار ارادہ سے پہلے ہی مراد پوری کر دی جائے۔

ایک اور طائفہ صوفیہ کا کہنا ہے: عطا وہ ہے کہ جو توقع سے بڑھ کر ہو۔

## فکر

حارث محاسبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اشیاء اللہ کے ساتھ قائم ہیں فکر کہلاتا ہے۔

صوفیہ کا قول ہے: تفکر، صحتِ غور و خوض کو کہتے ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ فکر قلوب کو تعظیم الٰہی سے معمور کر دیتا ہے۔

## تفکر و فکر میں فرق

فکر و تفکر میں فرق ہے کہ تفکر قلب کو گردش میں رکھتا ہے جب کہ فکر قلب نے جو کچھ جان لیا اسی پر رک جانے سے عبارت ہے۔

## اعتبار

حارث محاسبی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اعتبار سے مراد کسی شے کو کسی دوسری شے پر دلیل بنا کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہے۔

کچھ صوفیہ کا قول ہے: اعتبار یہ ہے کہ جس سے ایمان واضح ہو جائے اور عقل اس سے اپنا پورا حق وصول کر لے۔

بعض صوفیہ کہتے ہیں: اعتبار غیب میں نافذ ہوتا ہے کوئی چیز اس کو مانع نہیں ہوتی۔

## نیت

صوفیہ کا قول ہے: عمل کے لیے عزم مصمم ہی کو نیت کہتے ہیں
بعض کا کہنا ہے کہ نیت عمل کی پہچان ہے۔
جنید شیخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نیت، افعال کی تصویر ہے۔
کسی کا قول ہے: مومن کی نیت اللہ تعالیٰ ہے۔

## درست کیا ہے؟

صوفیہ کا قول ہے: فقط توحید ہی درست ہے۔
جنید بن محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر وہ گفتگو جو اذن خداوندی سے ہو درست ہے۔

## خلق خدا پر شفقت

جنید بن محمد علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ خلق خدا پر شفقت سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خلق خدا پر شفقت یہ ہے کہ وہ جو کچھ تجھ سے طلب کرے تو اپنی جانب سے اسے دے اور تو اسے کسی ایسی ذمہ داری کا پابند نہ کرے کہ جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے یا جو اس کی بساط سے باہر ہو۔ اور نہ ہی تو اس سے ہو کچھ کہے جو اس کے علم میں نہ ہو۔

## پرہیزگاری

صوفیہ کہتے ہیں: جن امور کا حکم دیا گیا ہے ان کا بجالانا اور جن سے روکا گیا ہے ان سے پرہیز کرنا ہی پرہیزگاری ہے۔
بعض کا کہنا ہے: پرہیزگاری، مومن کا حرم ہے جیسا کہ کعبہ حرم مکہ ہے۔
کچھ کا قول ہے: پرہیزگاری نورِ قلب ہے جس کی مدد سے مومن حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔ سہل بن عبداللہ، جنید بن محمد، حارث محاسبی اور ابوسعید خراز علیہم الرحمۃ نے فرمایا: پرہیزگاری کا مطلب ظاہر و باطن کی یکسانیت ہے۔

## سر

بعض صوفیہ نے کہا: سر وہ ہے جس کو دل میں آنے والے کسی خیال کے ذریعے نہیں جا سکتا بلکہ اسے اللہ غائب رکھتا ہے اور صرف اسی کے ذریعے اس کا احساس کیا جا سکتا ہے۔
ایک طائفہ صوفیہ کا کہنا ہے کہ سر دو طرح کے ہوتے ہیں:
ایک وہ جو فقط اللہ کے لیے ہے اور اس کا علم اس کو بلا واسطہ ہوتا ہے (یعنی صرف وہی اس سے باخبر ہوتا ہے خلق کو اس کا علم نہیں ہوتا)۔
دوسری قسم کا سر، وہ جو خلق کے لیے ہے اور اس کو اللہ تو بہر حال جانتا ہے مگر اس کے ساتھ خلق کو بھی اس کا علم عطا فرماتا ہے۔
ایک طائفہ صوفیہ کا کہنا ہے کہ سر کی یہ دو قسمیں ہیں: ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس سے صرف وہی باخبر ہوتا ہے خلق کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ دوسری قسم کا سر خلق سے متعلق ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسی کی وساطت سے بندہ بھی باخبر ہوتا ہے۔

حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہمارے اسرار (راز) اس قدر انوکھے ہیں کہ کسی کے وہم وگمان میں بھی ان کا گزر نہیں ہوسکتا۔

یوسف بن حسین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مردانِ خدا کے دل بھیدوں کی قبریں ہیں۔ آپ ہی کا ایک اور قول ہے: اگر (میری قمیص کے) بٹن کو بھی میرے بھید کا علم ہوجائے تو اسے توڑ پھینکوں۔

اسی ضمن میں کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

ترجمہ: وہ ایک ایسے بھید کو محسوس کرنے والا ہے کہ جس نے اسے پوری طرح خوش کر دیا ہے گویا وہ اور اس کا بھید محبوب کے بھید میں مسرور ہیں۔

اور وہ صاحبِ راز جو اپنے بھید کی جانب اشارہ کرتا ہے وہ سراسر دھوکے میں ہے۔

**ترجمہ اشعار:**

ترجمہ: اے رازوں کے راز کو بھی تو اس قدر دشوار فہم ہے کہ ہر ذی روح پر مخفی ہوجاتا ہے۔

اور اے رازوں کے راز کہ تو ظاہر بھی ہے اور باطن تو ہر شے سے اور ہر شے کے لیے ظاہر ہوتا ہے۔

ابوالحسین نوری کے چند اشعار۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں نے اپنے اور محبوب کے سر کا سوائے اس کے اور اپنے کسی کو امین نہیں بنایا کہ مبادا بھید کھل جائیں اور پھیل جائیں۔

(۲) اس راز کو تو میری آنکھوں نے بھی نہیں دیکھا چہ جائے کہ دیکھنے والی آنکھیں اس کا مشاہدہ کرسکیں۔

(۳) مگر میں نے اس کے اور اپنے درمیان وہم وتخیل ہی کو ایک پیغام رساں بنایا ہوا ہے اور وہی مجھ پر وہ کچھ ظاہر کرتا ہے جو لوگوں کے باطن پوشیدہ رکھتے ہیں۔

مختلف مسائل کے بارے میں صوفیہ کے اقوال سے متعلق جو کچھ مستحضر تھا بیان کر دیا تمام تر تفصیلات کا احاطہ تو مشکل ہے۔ بہرصورت یہ مختصر ذکر بھی کافی ہے۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ کا قول ہے: سارے علم کے دو حصے ہیں یعنی نصف سوال ہے اور نصف جواب۔

# صوفیہ کے مکتوبات

احمد بن علی کرخی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے ممشاد دنیوری علیہ الرحمہ کو ایک مکتوب ارسال کیا جس کے جواب میں انہوں نے خط کی پشت پر تحریر فرمایا کہ ایک صحیح (صوفی) نے اپنی طرح کے دوسرے (صوفی) کو کیا لکھنا ہے کیونکہ حقیقت کی پہچان میں وہ دونوں کبھی مختلف ہی نہیں ہوتے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمہ نے ابوالعباس احمد بن عطاء علیہ الرحمہ کو لکھا: اے ابا العباس! مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ بتاؤ جس کی پاکیزگی کامل، جملہ آثارِ نفس سے بری اور اس طرح وہ حق کے ساتھ، حق کے لیے اور حق کے ذریعے قائم ہو کہ نہ اس کے لیے اور نہ ہی اس سے متعلق کوئی شے باقی رہے۔ اور حق اسے بیمار کرے یا کسی مصیبت سے دوچار کرے تو یہ اس کے لیے بھی ایک آزمائش ہو اور اس کے بارے لوگوں کے لیے بھی امتحان ثابت ہو۔ اگر میرے لیے اس طرح کے کسی شخص کا پتہ آپ کو ہے تو اس کی طرف میری رہنمائی کریں اور اگر وہ مجھے قبول کرلے تو اس کا خادم بن کر رہوں۔

## مکتوب عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمہ بنام طائفۂ بغداد

آپ اس وقت تک حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ مٹے ہوئے راستوں سے آگے نہ بڑھ جائیں اور ہلاکت خیز صحراؤں کو طے نہ کرلیں۔

اس مکتوب کے پڑھے جانے کے وقت جنید، شبلی اور ابومحمد جریری علیہم الرحمہ بھی موجود تھے اور اس موقع پر جنیدؒ نے فرمایا: کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ان راستوں میں کون داخل ہے۔ جریری نے کہا: اسے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ ان میں کون شامل نہیں ہے۔ اور شبلی نے کہا تھا: کاش کہ مجھے ان کی جانب سے ہوا کی بو تک بھی نہ پہنچتی۔

## مکتوب ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ بنامِ ابوالقاسم جنید علیہ الرحمہ

اے ابوالقاسم! آپ کا اس حال کے بارے میں کیا خیال ہے جو بلند ہوا اور ظاہر ہوگیا، ظاہر ہوا تو غالب آگیا اور غالب ہوتو فوقیت لے گیا۔ پھر وہ مقیم ہوگیا اور جگہ لے لی! الغرض شواہد مٹنے والے ہیں، اوہام وتخیلات غائب ہونے والے ہیں، زبانیں گنگ ہیں، اور علوم فانی ہیں۔ اگر کسی کو مذکورہ حالت لاحق ہو اور اس کی طبیعت بوجھل ہوجائے تو اسے سوائے وحشت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور اگر کسی کی طبیعت اس طرح کی حالت کے نتیجے میں خوش وخرم ہوتو سوائے دوری پانے کے کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ اور نتیجتاً وہ اس حال کو پہنچ جائے گا کہ گویا زنجیروں اور ہتھکڑیوں میں کڑا ہوا ہے اور اس کی عقل بھی مغلوب ہوگی اور اس طرح وہ حق سے حق کے ذریعے متصل ہوگا اور خلق اس کے لیے بمنزلہ ایک بندھن کے ہوگی۔

**ترجمہ اشعار:**

۱۔ اے آسمان کے ہلال! تو آنکھ کے لیے رات کی مانند ہے کہ جب رات ظاہر ہوتی ہے تو ہلال کے کنارے روشن ہوجاتے ہیں۔

۲۔ میں اپنے آپ اس وجہ سے روتا تھا مگر جب اس نے پیٹھ پھیری تو میں اس پر اسی کی وجہ سے رویا۔

## جواب جنیدؒ بنامِ شبلیؒ

ابوبکر شبلیؒ کا خط ایک بدھ سے دوسرے بدھ تک جنید کے پاس پڑا رہا اور پھر جنید نے اسی کاغذ کے ٹکڑے پر اس کا جواب تحریر کیا:

''اے ابوبکر! اللہ اللہ! ہم تو لوگوں میں رہتے ہوئے جب ایک لفظ کو سامنے رکھتے تو اسے سونگھتے اور مختلف پہلوؤں سے اس کے بارے میں تہہ خانوں میں بیٹھ کر گفتگو کرتے تھے مگر تم ہو کہ اس پابندی کو بھی ترک کر دیا۔

تمہارے اور اکابر صوفیہ کے درمیان ہزار طبقے ہیں جن میں سے پہلے طبقے کے خیالات وہی تھے جو تمہارے ہیں۔''

## ابوعلی رود باریؒ کا ایک مکتوب

جب ہم رملہ میں تھے تو ان دنوں وہیں ایک شخص ہاشمی نسل کا تھا۔ اس کے پاس ایک کنیز نہایت خوش آواز صاحب فراست تھی۔ ہم نے ابوعلی رود باریؒ سے جا کر کہا کہ وہ اس ہاشمی کو لکھیں کہ ہمیں اس کنیز کے پاس جا کر اس سے کچھ سننے کی اجازت دے۔ اس پر ابوعلی رود باری نے میری موجودگی میں اس شخص کو یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ تمہاری حاجت کو پورا کرے اور تیری آرزو کو برلائے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس ایک چشمۂ رواں ہے جس سے اہلِ دل آ آ کر پیمان وفا کے جام پیتے اور حقائق صفا سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اگر ہمیں اجازت دے دی گئی تو ہم چاہیں گے کہ اس چشمۂ اہل دل کا مالک مجلس کو غیروں کی موجودگی سے خالی کرے اور کنیز کو ظاہر بینوں کی آنکھ سے پوشیدہ رکھے۔ ہمارا آنا آپ کی اجازت پر منحصر ہے۔ والسلام

## ابورود باریؒ کے نام ابوعلی بن ابی خالد صوریؒ کے ایک مکتوب سے اقتباس

میں نے ابوعلی بن ابی خالد صوریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوعلی رود باریؒ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں یہ دو شعر لکھ بھیجے تھے۔ ترجمہ اشعار:

(۱) اے ابوعلی! تجھ سے اپنی محبت کو میرا پوشیدہ رکھنا اسے شرکت سے پاک رکھنے کی جانب فرار ہے۔

(۲) کیا خوب ہے تو اے خطۂ روز بار! تیرا ہم پر کیا حق ہو سکتا ہے جب کہ وہ (ابوعلی) تجھ سے باہر چٹیل میدان میں ہے۔

ابوعلی صورؒ کہتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد ابوعلیؒ سے ملاقات ہوئی تو میرے ہاتھ میں کاغذ کا جو ٹکڑا تھا اس پر یہ اشعار لکھے۔

ترجمہ اشعار:

(۱) تجھے محبت پر محبت نے اکسایا، محبت میں ناامیدی لطف بہشت ہے اور اس میں ملامت، مہربانی و کرم ہے۔

(۲) اے محبت کرنے والے تو نے گھاٹ پر آنے اور واپس نہ ہونے کے سبب محبت کی پاکیزگی و خلوص میں عدمِ مقصدیت کو ملا دیا۔

(۳) اس کے چبوترے کے نیچے اس کے لیے اپنی محبت لے کر آلام ومصائب کو سوزشوں کے ساتھ اس کا فریفتہ ہو کر کھڑا ہو۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کے ایک مرید بیمار پڑ گئے تو انہوں نے شیخ کو دعا کے لیے لکھا جس کے جواب میں ذوالنون نے یہ تحریر بھیجی۔

اے میرے بھائی! آپ نے مجھے یہ لکھا کہ دعا کروں کہ اللہ آپ سے اپنی نعمتوں کو واپس لے لے۔ میرے بھائی! جان لو کہ اہل صفاء، صاحبانِ عزم وہمت اور مصائب وابتلاء سے گزرنے والے بیماری ومصیبت سے انس رکھتے ہیں کیونکہ امراض ومصائب اُن کی زندگی میں شفا کے مترادف ہیں۔ جس نے مصیبت وآزمائش کو نعمت نہ جانا وہ دانش مند نہیں اور جس نے اپنے مہربان کو اپنے اوپر امین نہیں بنایا اس نے گویا اپنا معاملہ اہل تہمت کے حوالہ کر دیا۔

میرے بھائی! تجھے اپنے رب سے حیا کرنا چاہیے کیونکہ حیا انسان کو شکوہ وشکایت سے باز رکھتا ہے۔ والسلام

ایک شخص نے ذوالنون علیہ الرحمہ کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب سے مانوس فرمائے اس پر ذوالنون نے اسے جواباً لکھا:

''اللہ تجھے اپنے قرب سے متنفر فرمائے کیونکہ جب اللہ نے تجھے اپنے قرب سے مانوس کر دیا تو یہ تیرا اپنا اندازہ وتدبیر ہے۔ اور جب اس نے تجھے اپنے قرب سے متنفر کیا تو یہ اللہ کا اندازہ اور اس کی تدبیر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں یہاں تک وہ تجھے اپنا بے قرار بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔''

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے جنیدؒ کو یہ کہتے سنا کہ ایک دفعہ سری سقطیؒ نے ایک رُقعہ مجھے دیا اور کہا کہ یہ تیرے لیے میری حاجت پوری کرنے کے عوض میں ہے۔ میں نے رقعہ کھول کر پڑھا تو لکھا تھا کہ میں نے ایک ویرانے میں حدی خوان کو یہ اشعار گاتے ہوئے سنا۔ **ترجمہ اشعار:**

میں روتا ہوں اور کیا تو جانتی ہے کہ مجھے کیا چیز رلا رہی ہے۔ میں تو اس ڈر سے روتا ہوں کہ کہیں تو مجھ سے بچھڑ نہ جائے اور کہیں تو مجھ سے تعلق توڑ کر جدا نہ ہو جائے۔

ابوعبداللہ رودباریؒ کہتے ہیں کہ مجھے میری ایک دوست نے لکھا:

''یہ خط جو میری محبت کا آئینہ دار ہے ایک ایسا نور ہے جس نے میری آنکھ کو فقط تجھ پر مرتکز کر دیا ہے۔

والسلام

ابوعبداللہ رودباریؒ نے کسی دوست کو ایک مکتوب میں لکھا:

''آپ کو مرتبہ ونصیب مل جانے کے بعد شوق ومحبت اختیار کرنے کی طرف کس چیز نے مائل کیا۔ اور کس چیز نے آپ کو اتصال پر مداومت اختیار کرنے کے بعد وصل کے رشتے کو قطع کرنے پر آمادہ کیا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ خط کا آنا ایک ایسی خوشی دیتا ہے جو مسرتِ قرب کے برابر ہے۔''

## ایک شیخ کا مکتوب

تمہارے ساتھ شدید محبت نے مجھے تیری طرف اشارہ کرنے سے بچائے رکھا تیرے قرب نے مجھ سے تیرے ذکر کا سامان غائب کر دیا۔ لہٰذا تیری حقیقت ظاہر، تیری نشانیاں تابناک اور تیری

سطوت غالب ہے۔ تیری سطوت ظاہر ہوئی تو میری معرفت گونگی ہوگئی۔ میری عقل اس کے آتے ہی جاتی رہی۔ میرا علم اس کے ظہور کو بیان کرنے سے قاصر ہوگیا اور تیری حقیقت کے غلطے کے نتیجے میں میری عبادت اس کے بیان سے عاجز رہی۔ والسلام

ابوطیب احمد بن مقاتل مکیؒ کہتے ہیں کہ ابوالخیر التیناتیؒ نے جعفر خلدیؒ کو ایک خط میں لکھا: نقراء کی جہالت کا بوجھ آپ پر ہے کیونکہ آپ دنیا والوں کی طرف مائل ہوگئے اور اپنے امور میں مشغول ہوگئے جس کے نتیجے میں فقراء جاہل رہ گئے۔

## ایک دانا کے نام یوسف بن حسینؒ کا مکتوب

یوسف بن حسینؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دانا کو دنیا کی طرف مائل ہونے اور اپنی طبیعت میں ایسی خصلتوں کے پانے کی شکایت کی جنہیں میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔ اس پر انہوں نے مجھے لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہارا خط موصول ہوا۔ تم نے جو کچھ لکھا اسے میں سمجھ گیا۔ تمہیں اللہ تعالیٰ شرافت و بزرگی عطا فرمائے۔ بلاشبہ میں تمہاری شکایت میں تمہارے ساتھ شریک ہوں اور تمہاری مصیبت میں تمہارا مددگار رہوں۔ اگر تو مسلسل خدا کو پکارتا رہے اور اس کے در پر دستک دیتا رہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے۔ اگر تجھے صفاء وطہارت اپنی مرضی کے مطابق حاصل ہو جائے تو گناہوں کے ارتکاب کرنے کی مصیبت کو چھوڑ دے جس سے تجھے دین و دنیا کسی میں بھی منفعت حاصل نہ ہوگی۔ اور اس شخص کا قرب ترک کر دے جس سے مل کر تو خود کو غفلت و برائی سے مامون نہ رکھ سکے اور ایسے حالات میں قناعت و اطمینان پر اکتفا کرو والسلام

یوسف بن حسینؒ کہتے ہیں کہ ایک حکیم نے دوسرے حکیم کو لکھا کہ وہ اسے اصلاح نفس کے بارے میں کوئی طریق بتائے اس پر اس حکیم نے جواباً لکھا:

مجھے اپنے نفس کے بگاڑ سے ہی فرصت نہیں کہ تیرے نفس کی اصلاح کرو، مجھے اپنے اندر کوئی چیز ایسی نہیں دکھائی دیتی جو دوسروں کے لیے اچھی ہو۔ والسلام

## ابوالعباس احمد بن عطاؒ اور ابوسعید خرازؒ کی خط و کتابت

ابوالعباس احمد بن عطاءؒ نے ابوسعید خرازؒ کو ایک خط میں لکھا:

''میں آپ کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ آپ کے جانے کے بعد فقراء اور ہمارے ساتھی ایک دوسرے کے مخالف ہوگئے ہیں۔''

ابوسعید خراز نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

آپ نے لکھا ہے کہ میرے جانے کے بعد ہمارے مریدین ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا اللہ پر غیرت کرنا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کاملاً اتفاق کر کے ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کرلیں۔ اور اس طرح اللہ سے دور نہ ہو جائیں۔

## نامہ بنامِ حبیب

رودباریؒ کہتے ہیں کہ ایک محب نے اپنے حبیب کو جو کہ اس کو جھڑکتا رہتا ہے یہ لکھا:

محبت کبھی زائل نہیں ہوتی آپ میرے شہر میں آئیں تا کہ میری محبت میں اضافہ ہو مگر قبیلہ کے دشمنوں سے ملنا کہ کہیں وہ یہ گمان نہ کرلیں کہ آپ خشک مزاج ہیں۔

## ایک شیخ کے مکتوب سے اقتباس

جدائی کی تلخی پر غور کرو جو مجھے وصل کی شیرینی سے محروم رکھتی ہے اور میری آنکھیں نہیں چاہتیں کہ تیری دید کی ٹھنڈک سے آسودہ ہوں کیونکہ اس طرح انہیں خدشہ ہے کہ کہیں تجھ سے دوری کے باعث وہ جلنے نہ لگیں، میرا جگرہ ملاقات کے وقت کانپ اٹھتا ہے اور فراق کی گھڑیوں میں میری آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں۔

میں بزبانِ شاعر اپنا حال سناتا ہوں۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) اگر محبت شیرنی محبت کا ذائقہ پالے تو پھر اس سے بڑھ کر کوئی بدبخت نہیں۔

(۲) اگر وہ اس سے دور ہو جائے تو شوق محبت میں روتا رہتا ہے اور اگر محبوب قریب ہو جائے تو وہ خوفِ جدائی سے روتا رہتا ہے۔

(۳) محبوب سے دوری کے باعث اس کی آنکھیں جلتی ہیں اور وصال پانے کے وقت بھی اس کی آنکھیں جلتی ہیں۔

## ہرن کی رفاقت

حسین بن جبریل المرندی علیہ الرحمہ جو اجل مشائخ میں سے تھے انہیں مکہ مکرمہ میں اپنے ایک شاگرد کا یہ خط موصول ہوا:

میرے شیخ! آپ کے مریدین میں سے تمام باہم رفیق بن گئے جب کہ میرا کوئی رفیق نہ تھا اسی حال میں ایک روز میں نے طواف کے دوران ایک ہرن کو بھی طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ مجھے وہ بہت اچھا لگا اور اسی کو اپنا رفیق بنالیا میرے پاس ہر روز رات کو جَو کی دو روٹیاں ہوتی تھیں جن میں سے ایک اس کے لیے اور دوسری میرے لیے ہوتی، وہ ہرن کئی ماہ تک دن رات میرے پاس رہا۔ ایک روز مجھ سے افطار کرنے میں کچھ تاخیر ہوگئی اور جب افطار کرنے لگا تو دیکھا کہ ہرن دونوں روٹیاں کھا چکا ہے۔ اس پر میں نے اس سے کہا: تجھ پر افسوس ہے! تو نے خیانت کی۔ یہ سنتے ہی اس کے آنسو بہنے لگے اور حیاء کے مارے مجھ سے جدا ہو کر چلا گیا۔ میں آپ سے اور آپ کے احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ اس ہرن کو میری طرف لوٹا دے۔

## مصائب سے پیار

شاہ کرمانیؒ نے ابوحفصؒ کو لکھا:

جب میں خود کو ہر طرف سے مصائب میں گھرا ہوا پاؤں تو کیا کروں؟

اس پر ابوحفصؒ نے انہیں لکھا:

اپنے مصائب سے پیار کرو مگر اس طرح کہ تجھے ان سے پیار کا احساس تک نہ ہو۔

ابن مسروق کہتے ہیں کہ سری سقطیؒ نے کہا میرے کسی دوست نے مجھے خط لکھا جس کے جواب میں مَیں نے اسے لکھا:

اے بھائی! میں آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں، جو اطاعت گزار بندے کی اطاعت میں مدد فرماتا ہے اور جو نافرمان بندے سے اس کی نافرمانی کا انتقام لیتا ہے لہٰذا آپ کو کہیں اس کی اطاعت اس کے عذاب سے مامور ہونے کی طرف مائل نہ کرے۔ اور کہیں اس کی معصیت آپ کو اس کی رحمت سے مایوسی کی طرف نہ لے جائے! اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں ڈرنے والا اور مایوسی سے دور ہرنے والا بنائے اور اسی طرح وہ ہمیں اور آپ کو امیدوار رحمت بنائے مگر اس طرح کہ ہم میں غرور نہ آ جائے۔ والسلام

جنید بغدادیؒ نے علی بن سہل اصبہانیؒ کے نام ایک خط میں لکھا:

اے بھائی! حقائق لازمہ، مضبوط ارادے اور صحیح و اہم عزائم جس کو حاصل ہوں انہیں وہ ہر سبب سے دور، ہر خلل سے محفوظ، باطن کی گہرائیوں پر پڑنے والے ہر اثر کو زائل، اور ہر اس تاویل کو جو مقصد و مراد کو موہوم کرنے والی ہو، کو واضح کر دیتے ہیں۔ الغرض اہل عرفان کے ہاں حق فقط صحتِ احوال کے ساتھ لازم ہے۔ اور ان کے ہاں طریقِ سلوک کو پیہم طے کرنے کے بارے میں علمی دلائل اور براہین حق موجود ہیں۔

صوفیہ کرام کے مراسلات و مکتوبات اس قدر زیادہ ہیں کہ تمام کا ذکر ممکن نہیں خاص کر وہ طویل مکتوبات شامل نہیں کیے جا سکے جیسے ابوالحسین نوری کا مکتوب بنامِ جنید بغدادیؒ آزمائش و مصیبت کے موضوع پر، ابوسعید خرازؒ کا مکتوب بنامِ ابوالحسین نوریؒ اور جنید بغدادیؒ کا مکتوب بنام یحییٰ بن معاذ اور یوسف بن حسینؒ اور ان دونوں کے جوابی خطوط، تاہم یہاں ہم ان طویل مکتوبات میں سے جنید کا مکتوب بنامِ ابوبکر الکسائی الدنیوریؒ پیش کرتے ہیں جو کہ قدرے مختصر ہے۔

## مکتوبِ جنیدؒ

اے میرے بھائی!

اس وقت تمہارا ٹھکانہ کیا ہوگا جب دودھ والی اونٹنیاں چھوٹی پھریں گی (یعنی قیامت کے روز) اور تیرا گھر کہاں ہوگا جب کے سب گھر تباہ ہو چکے ہوں گے، اور تیری منزل کہاں ہوگی جب کہ سب منزلیں چٹیل میدان اور بے آب و گیاہ صحرا بن چکی ہوں گی اور تیرا مکان کہاں ہوگا جب کہ ہر مکان کے نشان تک مٹ چکے ہوں گے، اور تیری کیا خبر پڑے گی جب کہ سب خبروں کو جمع کرنے والے بھی چلے گئے ہوں گے، اور کس چیز کا نظارہ کرو گے جب کہ دیکھنے کی جگہیں برباد ہو چکی ہوں گی اور کس طرح شب و روز کی گزرگاہ پر پڑاؤ ڈالو گے اور کس طرح تقدیر کے مصائب سے خود کو بچاؤ گے اور کس طرح صبر کرو گے جب کہ صبر کرنے یا تسلی پانے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ اب اگر روؤ سکو تو روؤ ایک ایسی عورت کی مانند جو اپنا بچہ گم کر چکی ہو اور سخت

مغموم ودکھی ہو۔ اور روؤ ہزاروں عزیزوں کے کھو جانے پر۔ جلیل القدر جانشینوں کے فنا ہو جانے پر جو کچھ پوشیدہ گزر چکا اس کے ظاہر کرنے پر، مہربان وشفیق بزرگان کرام کے رخصت ہو جانے پر، اور اچانک اچک لیے جانے پر، زلزلہ خیز تند ہواؤں کے بعد کے حالات پر، زوردار مسلسل گرج کی اس آواز پر جو چیزوں کو اکھاڑ کر رکھ دے، شدتِ انتظار کے غلبے پر، اعتراف گناہ کرنے والی نگاہوں پر، اور تیرے لیے کہاں جائے پناہ ہوگی اور جائے صدور جب کہ خواب پریشان ہو جائیں گے، دل پارہ پارہ ہو جائیں گے، عقلیں زائل ہو جائیں گی، خبریں اٹھالی جائیں گی اور تمہارا حال پوشیدہ مصائب ڈوبتے ستاروں اور ان مشتبہ راستوں میں ہوگا جن کی تاریکیوں نے تمہیں ادھر اُدھر کے راستوں میں بھٹکا دیا اور تم پر آسمان وزمین ایک ہو گئے، اور یہی گمراہیاں پھر تمہیں پانی کی گہرائیوں میں لے گئیں اور ایک ٹھاٹیں مارتے ہوئے بحرِ ذخائر میں داخل کر دیا جس کے سامنے ہر دریا ماش کے دانے کے برابر ہے اور اس دریا نے تمہیں اپنی بھاری موجوں کے حوالے کر کے تمہیں اپنے خوفناک تھپیڑوں کی زد میں رکھ دیا۔ تو اب کون تمہیں ہلاکت کی ان جگہوں اور مصیبتوں سے نجات دلائے گا، یا تمہیں یہاں سے نکالے گا۔

اے ابوبکر! میرا یہ خط آپ کے نام ہے میں اللہ کی بے حد حمد بیان کرتا ہوں اور دنیا وآخرت میں اس سے عافیت کا طلب گار ہوں۔ مجھے آپ کے جملہ خطوط موصول ہو چکے ہیں اور ان میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے میں نے سمجھا، آپ کے ذہن میں جو کچھ موجود ہے اسی نے مجھے جواب دینے پر راغب کیا۔ آپ نے اپنے دکھ کا جو اظہار کیا ہے تو اس سے مجھے بھی رنج پہنچا ہے۔ آپ کی حالت میرے نزدیک معتوب نہیں بلکہ قابلِ رحم ہے، بجائے اس کے کہ میں آپ کی آزمائش میں اضافہ کا سبب بنوں بلکہ آپ کے لیے یہی کافی ہوگا کہ میں آپ کے ساتھ نرمی ومہربانی کروں مجھے آپ سے خط وکتابت کرنے میں یہ خیال حائل رہا کہ مبادا کوئی اور آپ کے علم کے بغیر میرے خط کو پڑھ لے کیونکہ آج سے کچھ عرصہ پہلے میں نے اصفہان کے کچھ اصحاب کو ایک خط لکھا تھا جسے بعض اور لوگوں نے کھول کر پڑھ لیا تو اس میں سے انہیں کچھ باتیں سمجھ نہ آسکیں۔ مجھے ان کی دوری اور جدائی نے تھکا دیا، اور مجھے ان کی طرف سے ایک بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ لوگوں کے ساتھ نرمی برتنا چاہیے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس چیز کو دیکھنے کی کوشش کریں جسے وہ سرے سے سمجھتے ہی نہ ہوں اور نہ ہی ان سے کوئی ایسی بات کہنی چاہیے جو وہ سمجھ نہ سکیں۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادے کے کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ آپ کو اور ہمیں بچائے اور سلامت رکھے۔

آپ پر لازم ہے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے ہم عصر اہلِ معرفت سے شناسائی پیدا کرو لوگوں سے ان کے علم کے مطابق گفتگو کرو اور انہیں اس چیز سے دور رکھو جو وہ نہ جانتے ہوں کیونکہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی کسی چیز کو نہ جانتے ہوئے اس کا دشمن نہ ہو جائے۔

بلاشبہ لوگوں کی مثال سواونٹنیوں کے اس گلے کی سی ہے جن میں سے ایک بھی سواری کے قابل نہ ہو اور اللہ نے علماء وحکماء کو اپنی رحمت بنا کر بھیجا ہے، اور اس رحمت کو اپنے بندوں کے لیے وسیع فرما دیا، اپنے حال سے بے نیاز ہو کر لوگوں کے احوال کی جانب توجہ کرو اور اپنے دل سے ان کے ساتھ ان کے مقام کے مطابق مخاطب ہو کیونکہ یہ تیرے اور ان کے لیے بہت زیادہ سودمند ہوگا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہم نے اس کتاب میں یہ خط اور حکایت اس لیے شامل کی کہ جو اسے پڑھے اسے اس میں موجود صحیح اشارات اور فصیح عبارات سے فائدہ حاصل ہو اور اسے صوفیہ کے باہمی خط و کتابت کے مقاصد سے آگاہی حاصل ہو کیونکہ ہر طرح کے لوگ آپ میں اپنے اپنے معیار کے مطابق خط و کتابت کرتے ہیں۔

# صوفیہ کی کتابوں سے چند تعارفی اقتباسات

## جنید بغدادیؒ کی ایک کتاب کا پیشِ لفظ

اے میرے بھائی! تجھے اللہ تعالیٰ برگزیدہ ہونے کی فضیلت سے نوازے، تجھے اشیاء کا احاطہ کرنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔ اہل دانش کے علم سے مالا مال کرے، اور علم معرفت سے اسی قدر نوازے جو تیرے لے بہت مناسب ہو پھر وہ تجھے اپنے لیے ماسوا اللہ سے خالی کردے کہ تو اس کا ہو جانے سے بھی بے نیاز ہو کر اس کا ہو جائے تاکہ وہ تجھے تیرے متوجہ ہونے سے اسی طرح جدا کردے کہ جو مشاہدہ وہ تجھے کرائے اس میں کسی اور شے کا مشاہدہ داخل ہو کر تجھے اصل مشاہدہ سے خارج نہ کردے۔

اسی کی ذات اول الاول ہے جس کے ذریعے وہ رسوم وآ ثار مٹ گئے جو اس چیز سے مشابہ ہیں جو اس نے اپنی بلندی و عظمت کو اپنے لیے مخصوص فرماتے ہوئے اپنے ہی پاس رکھی اور تجھ کو اس سے بے خبر رہنے دیا پھر اس نے تمہیں تمہارے لیے تجرید کی اوّلین تفرید اور وجود تفرید کی حقیقت میں جدا کر دیا۔ اس طرح جب وہ منفرد ٹھہرا تو وہی ظاہر ہوا اور خلق کے مشاہدہ کے فنا ہونے کے بعد مشاہدۂ حق کو بھی فنا کر دیا یہاں پر حق تعالیٰ سے اس کے لیے حقیقت الحقیقت کا ظہور ہوا اور حقیقتِ علم کی انتہا سے علمِ توحید تک جو کچھ علم تجرید کی تفرید پر گزرا وہ اسی کے ذریعے جاری ہوا اور اس (حقیقت الحقیقت) کو اللہ تعالیٰ نے اکثر ان لوگوں سے مجوب رکھا جو خود کو اس سے منسوب کرتے، اس کا دعویٰ کرتے اور اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

## ایک اور اقتباس

تجھے حقیقتِ اختصاص نے لوائح انتقاص سے فنا کر دیا اور حق تعالیٰ نے تجھے مشاہدہ و ملاحظہ سے پوشیدگی میں پناہ دی تاکہ تو اس کا ذکر کرتے وقت خود اپنے ذکر اور حال سے بے خبر ہو جائے، پھر یاد دلایا کہ اس نے تجھے ازل میں اس وقت یاد کیا جب کہ آزمائش کی کیفیت اور اس کا زمانہ بھی ابھی وجود میں نہیں آیا تھا بے شک وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

## اقتباس

اللہ جل مجدہٗ نے تمہیں اپنی طاعت سے نوازا، اپنی دوستی سے مختص کیا، اپنے پردۂ رحمت سے ڈھانپا اپنے محبوب سید الرسل ﷺ کی سنتِ مطہرہ پر چلنے کی توفیق دی۔ اپنی کتاب مطہر و مقدس کا فہم عطا فرمایا، حکمت و دانائی کی زبان سے بہرہ ور کیا، قرب سے مانوس فرمایا، فوائد سے دامن بھر دیا، ترقیوں اور اضافوں سے مالا مال کیا، اپنے در پر بٹھا لیا اور اپنی بارگاہ میں تجھے خادم رکھا تاکہ تو اس کی موافقت کرنے والا اور اس کی محبت کا جام نوش کرنے والا ہو جائے پھر یہ ہو کہ زندگی، زندگی پالے روح، روح سے مل جائے، نعمتوں کی تکمیل ہو جائے، تو عتاب سے محفوظ ہو جائے اور اس طرح عافیت و سلامتی مکمل ہو۔

## اقتباس

تیرے لیے وہ عجائب ظاہر ہوئے جن کی خبریں پردۂ غیب میں پنہاں تھیں وہ حقائق آشکارا ہوئے جو پوشیدہ تھے، مخفی

غرائب کے راز واضح ہوئے، پوشیدہ خزانوں کے سربستہ بھید تجھ سے اس کی زبان کے ذریعے مخاطب ہوئے وہی زبان جس کے ذریعے وہ اپنے مقام خفی کی خبر دیتا ہے پس واضح ترین گفتگو جو اس کے مقصدِ بیان کو واضح کرتی ہے وہ فصاحتِ لسانی بلکہ وہ طرز اظہار ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے موضوع بیان کو ظاہر فرماتا ہے۔ اور یہ اپنے وقت پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔

## اقتباس

اللہ تعالیٰ تجھے اپنی مخصوص حفاظت میں لے جس کے ذریعے وہ اپنے مخلص دوستوں کو محفوظ فرماتا ہے، اور وہ آپ کو اور ہمیں اس کی مرضی کے راستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے وہ تجھے اپنے انس کے گنبد میں پناہ عطا فرمائے، وہ تجھے اپنی بزرگی وکرامت کے نوع بنوع باغات کی طرف لے جائے، اللہ تیری اس طرح حفاظت فرمائے جیسے وہ ماں کے پیٹ میں بچے کی کرتا ہے وہ تیرے لیے ایسی زندگی کو دوام بخشے جو زندگی کے قائم رہنے سے مبرا اور اللہ کی ابدیت کے ہمیشہ جاری رہنے پر منحصر ہو، اَور تجھے ہر اس شے سے جدا فرمائے جو تو اس کے ساتھ لاحق کرتا ہو اور جو وہ تجھ سے متعلق رکھتا ہو حتیٰ کہ تو اس طرح اس کے دوام میں تنہا ہو جائے نہ تو رہے نہ تیرے متعلقات اور نہ تیرا یہ احساس کہ تو اسے جانتا ہے الغرض صرف تیرا رب ہی باقی رہے۔

جنید علیہ الرحمہ کی تحریروں سے چند تعارفی اقتباسات ہم نے پیش کئے جن میں لطیف اشارات اور ایسے پوشیدہ رموز ہیں جو مشکل حقائق کی وضاحت کرتے ہیں اور رازہائے سربستہ کا پتہ دیتے ہیں۔

ان تحریروں میں آپ کو تجرید توحید اور حقیقتِ تفرید سے متعلق ایسی خاص باتیں ملیں گی جو فقط انہی اہل معرفت کا حصہ ہیں، لہٰذا جو بھی ان عبارات کو پڑھے اسے پر ہے کہ ان پر غور کرے کیونکہ ان میں اہلِ فہم کے لیے فوائد اور اہل عنایت کے لیے مزید اضافے اور قلوب کے لیے بہترین فائدے موجود ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہی اچھائی کی توفیق دینے والا ہے۔ جنید کے علاوہ اور بھی کئی بزرگانِ کرام کی اس طرح کی عبارات بکثرت ہیں جن میں سے کچھ اقتباسات ہم یہاں ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

## ابوعلی رودباریؒ کی ایک تحریر

اللہ تعالیٰ تجھے کمالِ احوال کے مقاصد تک رسائی عطا فرمائے اور تجھ سے خالص محبت رکھنے والوں اور دوستی کرنے والوں کے دل تیرے لیے دائمی فضل اور بھلائی کے ساتھ مانوس کرے، جو کچھ تیرے اوپر واضح ہو وہ زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی تجھے عطا فرمائے وہ ہمیں وہ کچھ بخش دے جن تک آرزوؤں اور تکمیل احوال کی رسائی نہ ہوسکتی ہو اور تیرے لیے اپنے فضل وکرم میں مزید اضافہ فرمائے جس کا اس نے تجھے عادی کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے لطف وکرم میں سے وہ کچھ عطا فرمائے جس کی ہم تمنا کریں۔

## ابوسعید ابن الاعرابیؒ کی ایک تحریر

اللہ آپ کی حفاظت فرمائے جس طرح بچے کی حفاظت کی جاتی ہے۔ وہ آپ کو اور ہمیں نیکوکاروں سے ملائے جن کے قلوب کو کھول دیا گیا اور انہوں نے وعدہ اور وعید کا مشاہدہ کرلیا جوان سے خوف رکھتا ہو اس سے رجاء بعید نہیں اور جو ان میں سے صاحب رجاء ہو تو خوف بھی اس کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی محبت کے ساتھ غالب اور اس کی ہیبت سے

سر جھکائے ہوئے ہوتے ہیں۔

محبت ورجاء کی کیفیت نے انہیں مسرور کر رکھا ہوتا ہے تا کہ وہ مایوس ہو جائیں اور انہیں خوف دامن گیر ہوتا ہے تا کہ وہ فریب زدہ رہیں یا مامون رہیں گویا وہ خوف ورجاء کے درمیان کھڑے ہوتے ہیں۔

شوق نے انہیں قلق میں مبتلا رکھا تو ذوق نے انہیں بے قرار کیا، حسن ظن ان کا قائد بنا ہے توفیق الٰہی کے طالب تو محبت ان کی سواری وہ طالب بھی ہیں اور مطلوب بھی۔ راستے کے نشان ان پر واضح ہوتے ہیں اور گھاٹ آباد جو انہیں بھلائیوں کا پتہ دیتے ہیں اور وہ عمدہ نئی نعمتیں اور فوائد لے کر پلٹتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے فنا کر کے اپنے ساتھ زندہ فرمائے اور فہم سے تمہاری تائید فرمائے تیرے قلب کو ہر وہم سے خالی کر دے، مسافت سے فنا کر کے قرب سے نوازے اور وحشت سے فنا کر کے انس عطا فرمائے۔

## ایک اور اقتباس

اللہ نومولود بچے کی مانند تیری حفاظت فرمائے، اور معصوم دوست کی طرح تجھے رکھے، تجھے ان نعمتوں کی معرفت عطا کرے جو وہ تجھ پر انعام کرے، اور تجھ سے وہ کچھ سرزد کرائے جو اس نے تیری فطرت میں ودیعت کیا ہو، تجھے تیرے نفس قاطعہ سے محجوب رکھے، نفس کی رکاوٹوں، مصائب، اعمال پر نظر رکھنے، سعی وکوشش اور تزکیۂ نفس میں تیری کفایت فرمائے، تجھے تیرے نفس کی قید سے نجات عطا کرے اور اس کے تحیر سے متعلق عوارض میں تیری حفاظت فرمائے، تجھے تیرے نفس سے دور کر کے اپنے ساتھ مختص فرمائے تا کہ تیرے اندر عبودیت راسخ ہو جائے اور اس طرح تیرے عمل کو پاکیزہ کرے چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہو، تیری سعیٔ قلیل کو بڑھائے، تیری زندگی کو پاکیزہ فرمائے چاہے تو موت سے ہمکنار ہو جائے یہاں تک کہ تجھے اس زندگی سے نواز دے جس میں موت نہیں اور ایسی بقاء عطاء کر دے جس کو فناء نہیں، وہ تیرے معاملہ کی اس خوبی سے نگہبانی فرمائے جیسا کہ اس نے اوائلِ معاملہ میں تیری حیرانگی کے وقت تیری کفایت کی بے شک وہی ہر معاملے کی ابتدا کرنے والا اور اس کو انجام تک پہنچانے والا ہے۔

## ابوخراز کی تحریروں سے چند اقتباسات

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر میں تجھے تیرے نفس سے محفوظ فرمائے، تجھے شکر بجالانے سے مطلع فرمائے، تجھے تیرے اعمال کے نتیجے میں اپنی معرفت سے حصہ عطا فرمائے تا کہ تو ان میں سے ہو جائے جنہوں نے اس کے لیے ہدایت کی رسی کو بٹا۔ وہ اس ہدایت میں تیرے مقام کو بلند فرمائے اور اس کے بیان کو تجھ پر منکشف کرے، میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تیرے منتشر نفس کو مجتمع کر کے تجھ پر اس کی ساری باتوں کو ظاہر فرما دے بے شک وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کے طفیل تیرے نفس سے تیری حفاظت فرمائے، پھر شکر ادا کرنے کی توفیق عطا کرے اور ادائیگی شکر کو قبولیت سے نوازے۔ اپنی بے پناہ نعمتوں سے حصہ عطا فرمائے اور اپنے عذابِ شدید سے پناہ میں رکھے۔ لاریب وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

ایک اور اقتباس پیش ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ ابوسعید خراز علیہ الرحمہ کی عبارت سے ہے وہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ تمہیں اعلیٰ علم سے مالا مال فرمائے بلند رتبہ ذکر سے مختص کرے، اپنی حفاظت میں رکھے، اپنی دوستی کی دولت

سے مخصوص کرے، جس چیز کو تیری نگرانی میں دے اس میں تیری حفاظت فرمائے، وہی تیرا مددگار اور تجھے کافی ہو، وہی تجھے شفا بخشے، اپنی یاد سے بہرہ ور کرے، تجھ سے دوستی رکھے، اپنی اطاعت سے مانوس کرے، بلندی عطا فرمائے اور تجھے خواہشاتِ نفس کے حوالے نہ کرے۔

## کردی الصوفی الارموی کی ایک تحریر

اللہ تعالیٰ تمہیں وہ کچھ عطا فرمائے جس کی وجہ سے اس نے تم پر بخشش کی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں امور میں غور وفکر کرنے والا بنا کر تمہیں صفات کی خواہش سے بچائے۔ وہ تجھے، تجھ سے محفوظ کرے اس حالت کے ذریعے جس میں اس نے تیری ابتداء کی اور اسی طرح تیرے آغاز کی عظمت سے بھی تجھے محفوظ رکھے، وہ تجھے تجلی کے اس مقام میں فروکش فرمائے جس کا اس نے ارادہ کیا اور جس کی خواہش کی گئی۔

ان کو مصیبت نے گھیر لیا تو سرِ تسلیم خم کیا، جو مدارات کرتا ہے اس کے لیے اسرار جمع ہوتے ہیں اور جو غموں کو برداشت کرتے ہیں ان کے غم جاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے اس سے جو کچھ اپنے ذمہ لیا بخوشی لیا اور اس کی محبت کی وادیوں میں بکھر گئے، انوارِ توحید کی روشنیوں اور تجرید کی چمک نے انہیں پوشیدہ طور پر اچک لیا۔ الغرض وہ اس کے لیے اس سے ہر چیز سے جدا ہو گئے اور اسی کے ذریعے جدا ہوئے گویا وہ اسی طرح ہیں جیسے تھے۔

## دقی علیہ الرحمہ کی چند تحریریں

اللہ تعالیٰ تیرے لیے اپنی بزرگی مبارک فرمائے، تو اس کے محبین کے لیے بارانِ رحمت کی موافقت کرنے والوں کے لیے جائے پناہ، اس کی معرفت کا راستہ دکھانے والا، اس کی وحدانیت سے نسبت رکھنے والا، اور اس کے ذریعے اس کی خبر دینے والا ہے، تجھے اللہ نے ازل سے اپنے لیے تخلیق فرمایا، اپنے سربستہ راز سے مطلع کیا، اپنی قدرت کے معمولات دکھائے تیری زبان کو اپنی حکمت و دانائی کے اظہار کا ذریعہ بنایا، تجھے اپنی طرف راہ دکھانے کے لیے قائم فرمایا اور تجھے اپنے حسن اظہار کے ذریعے مریدین اور بالغ نظر مستعد محققین کے لیے معیار قرار دیا۔

بلاشبہ وہی ان تمام مذکورہ باتوں کا متصرف ہے اور اس جانب سوائے اس کی ذات کے کوئی دوسرا راستہ نہیں۔
والسلام

اللہ تعالیٰ تمہیں صاحب عز و شرف بنائے اور بلندی عطا فرمائے، اپنی عطاء و بخشش سے قریب تر کرے، اپنی نعمتوں سے مالا مال کر کے تجھے راضی فرمائے آزمائش و مصیبت سے تجھے اپنی پناہ میں رکھتے ہوئے تجھے سکون و شفاء عطا فرمائے اور تجھ پر عائد ذمہ داریوں میں تیری حفاظت و کفایت فرمائے، بلاشبہ وہ ولی وقدیر ہے اور مہربان ہے ان کے لیے جو اس کے در پر ملتجی ہوئے، جو اس پر بھروسہ رکھے اسے خوف سے امن دیتا ہے، ہم اپنے اور تمہارے لیے ہر مصیبت و آزمائش سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اپنے ہر گناہ کے لیے اسی سے بخشش و پناہ مانگتے ہیں۔

## ایک اقتباس

اللہ تجھے اپنی محبت عطا کرے۔ تجھے اپنی مہربانی اور عطا کردہ نعمت سے محروم نہ فرمائے اپنے غضب و سختی اور آزمائش

سے تجھے پناہ دے، تجھے اپنے افعال میں مشغول کر کے ذکر وشکر سے غافل نہ فرمائے، وہی مالک اور صاحب قدرت ہے۔
اللہ تجھے متقین کی طرح گناہ سے محفوظ فرمائے، عشق سلیم سے نوازے، اپنے ذکرِ بلند سے آگاہ فرمائے، اور اپنے دائمی دیدار سے بہرہ ور فرمائے۔

بلاشبہ وہی قدرت والا اور مالک ومولیٰ ہے۔

ہم نے اس کتاب میں صوفیہ کرام کے خطوط اور ان کی تحریروں کے اقتباسات اس لیے شامل کیے ہیں کہ قارئین ان میں موجود بلند معانی اور لطیف اشارات پر غور کریں تا کہ وہ ان کے ذریعے صوفیہ کے مراتب، لطیف نکات، پاکیزہ قلوب اور ان کے علم، عقل اور ادب پر استدلال کر سکیں۔

ایک وجہ ان تحریروں کے شامل کرنے کی یہ بھی ہے کہ اہلِ معرفت کا یہ طریق رہا ہے کہ اگر وہ مجلس میں نہ بیٹھیں یا ملاقات نہ کریں تو مشکل مسائل کو اپنے خطوط اور اشعار کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔

# احوال واشارات پر مبنی صوفیہ کے اشعار

## ذوالنونؒ کے اشعار

یوسف بن الحسینؒ کہتے ہیں کہ میں نے بعض ثقہ اشخاص سے سنا کہ ذوالنون المصری رحمہ اللہ علیہ نے یہ شعر کہے۔ترجمہ

**اشعار:**

(۱) جب کریم لوگ تیری طرف کسی روز رحلت کریں گے تاکہ وہ تجھ سے ایک کے بعد دوسرے حال کو طلب کریں۔

(۲) تو بلا شبہ ہم نے سفر کرنے اور پڑاؤ کرنے سے خود کو پیچھے رکھا اور فقط تیرے حکم پر راضی رہتے ہوئے ہی ایسا کیا۔

(۳) یاالٰہی! ہم نے تیری بارگاہ میں بغیر کسی حیل وحجت کے خود کو تیرے سپرد کرتے ہوئے اقامت اختیار کر لی۔

(۴) ہماری رہنمائی فرما جیسا کہ تو چاہے اور ہمیں اے بلندوں کے مالک! ہماری تدبیر کے حوالے نہ کر۔

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں ۔**ترجمہ اشعار:**

(۱) جس نے اللہ کی پناہ لی وہ اللہ کے ذریعے نجات پا گیا۔ اللہ کے فیصلے کے طے ہونے اسے مسرور کر دیا۔

(۲) اگر میری جان قبضۂ قدرت میں نہ ہوتی تو کیسے خدا کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم ختم کرتا۔

(۳) جاری سانسیں اللہ کے لیے ہیں مجھے کسی سانس میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔

## ابوالقاسم جنید علیہ الرحمہ کے اشعار

ابوعمرو بن علوان نے مجھے جنید علیہ الرحمہ کے یہ شعر سنائے ۔**ترجمہ اشعار:**

(۱) ہر نامانوس واجنبی کے نزدیک میرا معاملہ نامانوس واجنبی ہو گیا۔ اور میں ہر عجیب کے نزدیک عجیب ہو گیا۔

(۲) اور یہ اس لیے کہ تم عارفین کو درجہ بدرجہ ہوا میں قائم دیکھو گے۔

(۳) تو میرا معاملہ ایسا ہو گیا کہ اس کی گہرائی کو پایا نہیں جا سکتا سوائے اس کے کہ میں عارفین کے لیے خطیب ہوں۔

درد والم سے متعلق جنید علیہ الرحمہ کے یہ اشعار پیش ہیں۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) اے میرے دل میں اپنی قدرت سے آگ جلانے والے اگر تو چاہے تو میرے دل کی آگ کو بجھا ڈالے۔

(۲) اس میں مجھے کوئی عار نہیں اگر میں خوف وحذر سے مر بھی جاؤں مجھے تیرے کاموں پر کوئی عار نہیں کوئی عار نہیں۔

جنید علیہ الرحمہ کے کچھ اور اشعار۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) اے مجھے تاسف کی آگ میں جلانے والے اور اے مجھے شوق محبت میں ہلاک کرنے والے! اگر تو چاہتا تو مجھ پر عذاب کو کسی مقدار میں نازل کرتا۔

(۲) تجھے کس طرح کوئی چیز میری فریادوں سے خارج کرسکتی ہے جب کہ تو نے مجھ پر ایسی نعمتوں کے احسان کئے ہیں کہ جو ذکر کرنے سے تلف ہو جاتی ہیں۔

## ابوالحسین نوریؒ کے ابیات

میں نے رملہ میں علی الوجیہی کو یہ کہتے سنا کہ ابوالحسین نوریؒ نے ابوسعید خراز کو ایک خط میں یہ اشعار لکھے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں نے اپنے اور اس کے راز کو اس لیے امانت کے طور پر مخفی رکھا کہ مبادا ہمارے بھید عام ہو جائیں۔

(۲) اس راز کو تیری آنکھوں نے بھی ایک جھلک نہیں دیکھا چہ جائیکہ دوسرے لوگوں کی آنکھیں اسے دیکھ سکیں۔

(۳) بلکہ ہم نے وہم کو ہی اپنے اور اس کے درمیان پیامبر بنا رکھا ہے کہ اس کے ذریعے وہ راز بیان کیے جاسکتے ہیں جو باطن کی گہرائیوں میں موجود ہوتے ہیں۔

## قنادؒ کے چند اشعار

قنادؒ نے ابوالحسین نوریؒ کو اس کے حال کو کھو دینے پر افسوس کرتے ہوئے لکھا:

**ترجمہ اشعار:**

(۱) میں تمہیں قلوب کے اشارات کے بارے میں خبر دیتا ہوں کہ ان میں سے صرف مٹے ہوئے نشان باقی ہیں۔

(۲) میں تمہیں ایسے قلوب کی خبر دیتا ہوں کہ اکثر ان میں سے جود و کرم کے بادل حکمتوں کے دریا برساتے ہیں۔

(۳) میں تمہیں ایسے نفوس کی خبر دیتا ہوں کہ جن کا شاہد مکانیت سے آگے گم ہو گیا بلکہ قدیم ہونے میں گم ہو گیا۔

(۴) میں تمہیں ایک لسان الحق یعنی مردِ کامل کی خبر ایک زمانے سے دیتا رہا تا آنکہ وہ نہ رہا اور اس کی یادیں خیالات میں کالعدم ہو گئیں۔

(۵) میں تمہیں ایک ایسے بیان کی خبر دیتا ہوں جو ہر فصیح الکلام، اور سمجھدار کے کانوں کو سکون بخشتا ہے۔

(۶) تمہیں اپنی جان کی قسم! میں تمہیں ایک ایسے طائفہ کے خصائل بتاتا ہوں جن کی سواریاں غصہ پی جانے کی کمین گاہ میں ہوتی تھیں۔

## جنید بغدادیؒ کے دو اشعار

حضرت جعفر خلدیؒ نے مجھے جنید علیہ الرحمہ کے یہ دو شعر سنائے۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) مجھ پر کیوں سختی کی گئی جب کہ مجھ پر سختی نہیں کی جاتی تھی۔اور ہجر کی نشانیاں چھپی نہیں رہتیں۔

(۲) میں یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہی مجھے پلائے گا اور مجھ سے ملے گا اور میں نے صرف تجھے ہی اپنا ندیم ٹھہرایا ہے۔

عبداللہ بن الحسینؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے احمد بن الحسین بصریؒ کو یہ کہتے سنا کہ میں جنیدؒ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ کسی نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے یہ اشعار کہے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) اس کے وجد کے راز کی نفس نے غمازی کی اور آنسو اس کی آنکھوں سے پھوٹ نکلے۔

(۲) وہ مدہوش و سرگردان ہے اور اسے جلن لاحق ہے اس کی سانسیں شوق عشق کے مارے اکھڑ رہی ہیں۔

(۳) وہ مہذب اور عارف ہے اس کو انس حبیب کے نور سے زیرکی حاصل ہے۔

(۴) میرا باپ قربان ہو اس پراگندہ و غبار آلود بالوں والے مسافر نوجوان پر جس کو اپنی التجاء کے بغیر کسی چیز سے انس نہیں۔

(۵) میرا باپ قربان ہو اس پر جس نے اگرچہ میلے بوسیدہ کپڑے پہن رکھے ہیں۔ مگر اس کا جسم پاکیزہ ہے۔

## ابوعلی رودباریؒ کے اشعار

مجھے ابو دقی علیہ الرحمہ نے دمشق میں ابوعلی احمد بن محمد رودباریؒ کے یہ اشعار سنائے۔

**اشعار کا ترجمہ:**

(۱) حد قناعت یہ ہے کہ جب مزید کی ضرورت غالب حد تک ظاہر ہو تو تجھ سے سب کچھ محو ہو جائے۔

(۲) اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ وجد کی کیفیت اشارات پر مشتمل ہے تو پھر (سالک) طمع کی طرف نہیں جھکتا۔

مجھے وجیہیؒ اور ان کو ابوعلی رودباریؒ نے اپنے یہ اشعار سنائے ۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) میں نے تمہیں پہلوں سے گزرتے آنسوؤں کے ساتھ لکھا جب کہ میرا دل شراب الفت سے سیراب تھا۔

(۲) میری ہتھیلی لکھتی ہے اور دل لکھواتا ہے اور آنکھیں جو کچھ لکھا ہو مٹا دیتی ہے۔

مجھے ابوعبداللہ احمد بن عطاء رودباری نے اپنے خالو ابوعلی رودباری کے یہ اشعار سنائے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) اس نے غور و خوض کے بعد تیرے صحن میں فروکش ہونے کو ہی وصال خالص قرار دیا ہے۔

(۲) تیرا وصال پانے میں ہر حالت میں رکاوٹیں حائل ہیں۔

(۳) تاکہ وہ کمال پر متمکن ہونے کی حالت میں تیری صفات کو تجھ پر لوٹائے۔

(۴) پس اس کے ٹیلے کی طرف آ تاکہ تو اسے دیکھے اور اس کے دیکھنے کی مدت انتظار بخشش پا کر ختم ہو جائے۔

ابوعلی رودباری کے چند اور اشعار۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) میں تجھ کو اپنی روح پر ترجیح دیتا ہوں اور اسے تجھ پر قربان کرتا ہوں حالانکہ تیرے بندے کی قربانی وہی روح ہے جس کا عطا کرنے والا بھی تو ہی ہے۔

(۲) ایک روح! تیرے حضور خود کو بطور فدیہ کیسے پیش کر سکتی ہے مگر تو نے اس شخص پر احسان کیا ہے جس نے اسے تیرے حضور فدیہ کے طور پر پیش کیا۔

## ابراہیم الخواصؒ کے اشعار

مجھے ابوبکر احمد بن ابراہیم المؤدب البیروتیؒ نے مصر میں ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کے یہ اشعار سنائے ۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) تمام کے خوف سے میں کچھ اذیت پر صابر ہو گیا اور میں نے اپنے نفس سے نفس کے لیے دفاع کیا تو وہ معزز ہو گیا۔

(۲) اور میں نے نفس کو ناپسندیدہ چیز گھونٹ گھونٹ کر کے پلا دی حتیٰ کہ وہ اس کا عادی ہو گیا۔ اگر میں اسے ساری مکروہ چیز ایک دم ہی پلا دیتا تو وہ خوفزدہ ہو جاتا۔

(۳) کتنی ہی ایسی ذلتیں ہیں جو نفس کے لیے باعث عزت ہوتی ہیں اور کتنے ہی ایسے نفس ہیں جو عزت حاصل کرنے میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔

(۴) جب میں نے غیر سے غناء طلب کرنے کے لیے ہاتھ پھیلایا اور اس سے نہ مانگا جس نے کہا کہ مجھ سے مانگو تو میرا ہاتھ وہیں پر شل ہو گیا۔

(۵) میں اپنے نفس کو صبر ہی کراؤں گا کیونکہ صبر میں عزت ہے۔ اور میں اپنی دنیا پر راضی ہوں چاہے وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔

مجھے ابو حفص عمر الشمشاطیؒ نے رملہ میں خواصؒ کے یہ شعر سنائے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) تیری طرف کا راستہ صاف اور واضح ہے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے تیری جانب ارادہ کیا ہو اور اس نے تیرے راستے کا پتہ دریافت کیا ہو۔

(۲) اگر موسم سرما وارد ہو تو تیرے اندر ہی موسم گرما ہے۔ اور اگر گرمیاں آئیں تو تُو سایہ ہے۔

عمر شمشاطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ان اشعار میں بیان کردہ مضمون اس آیت کریمہ سے لیا گیا ہے:

قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾ [الشعرا:٦٢]

ترجمہ: ''موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یوں نہیں بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے۔''

## سمنون علیہ الرحمہ کے اشعار

سمنون جنہیں سمنون المحب بھی کہا جاتا ہے، نے وجد کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ اشعار کہے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) فرض کرو میں نے تجھے علوم اور ان کے وجد سے پایا مگر کون ہے جو تجھے ویسے ہی پائے گا جب کہ تیرا کوئی وجود نہیں مگر ظاہر ہے۔

(۲) تو نے مجھے علم کے ذریعے بیدار کر دیا اور پھر اپنے بارے میں اس طرح حیران و بدنام چھوڑ دیا کہ مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

(۳) اے غائب! کہ جس کی عزت کو پوری کائنات ظاہر کرتی ہے تجھ سے متعلق کائنات کی ادنیٰ نشانی بھی بہت بڑھ کر تیرے ہونے کی وضاحت کرتی ہے۔

(۴) میں تجھے پانے کے لیے حیران و پریشان جھومتا رہتا تھا۔ اور یہ شوق کبھی مجھے غائب کر دیتا تو کبھی حاضر کر دیتا۔

(۵) مشہود نے شاہد کے لیے وجود کو فنا کر دیا۔ وہ وجود کو فنا کر دیتا ہے مگر ہر معنی میں حاضر بھی رہتا ہے۔
(٦) تو نے مجھے اپنے بحر قدس میں تیرتا ہوا پھینک دیا۔ اور میں تجھے تلاش کرتا پھرتا ہوں کہ تو بلا وجود کے ظاہر ہے۔

سمنون کے کچھ اور اشعار۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) میں نے دل کو دنیا اور اس کی لذتوں سے موڑ لیا۔ اب تک تو ہی میرے دِل میں ایسی چیز ہے جو اس سے جدا ہونے والی نہیں۔
(۲) جب بھی میری آنکھیں اونگھ سے بند ہونے لگی ہیں تو میں نے ان میں تجھے ہی پایا۔

## ابوالحسن سری سقطیؒ کے پسندیدہ اشعار

مجھے جعفر خلدیؒ نے ایک گفتگو کی مناسبت سے سری سقطیؒ کے وہ اشعار سنائے جو وہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) جب میں نے دعویٰ محبت کیا تو محبوبہ نے کہا کہ تو نے جھوٹ بولا کیا وجہ ہے کہ تیرے اعضاء پر لباس پہنا ہوا دیکھ رہی ہوں۔
(۲) محبت یہ ہے کہ تیری جلد انتڑیوں سے لگ جائے اور تو اس قدر مرجھا جائے کہ پکارنے والے کو جواب نہ دے سکے۔
(۳) اور تو اس قدر کمزور ہو جائے کہ محبت تیرے لیے سوائے آنکھ کے اور کچھ باقی نہ چھوڑے کہ تو اس کے ذریعے روئے اور باتیں کرے۔

جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں جب سری سقطیؒ کی کوٹھڑی میں داخل ہوا تو وہ جھاڑو دے رہے تھے اور ساتھ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) میں نے اس وقت تک محبوب کے پاس جانے کا ارادہ نہیں کیا جب تک میں ایک ذلیل بندے کے مقام پر نہ پہنچا۔
(۲) میں نے ظلم کو سہہ لیا مگر شکوہ نہ کیا اور میں نے اپنے نفس کو قیل وقال سے محفوظ رکھا۔

سری سقطیؒ کے چند اور پسندیدہ شعر۔ **ترجمہ شعر:**

مجھے دن کو خوشحالی حاصل ہے اور نہ رات کو چین، پھر مجھے کیا پرواہ کہ رات طویل ہو جائے یا مختصر۔

## بستر مرگ پر شبلیؒ کا پسندیدہ شعر

ابوعمرو زنجانیؒ نے مجھے تبریز میں یہ شعر سنایا اور کہا کہ شبلیؒ نے بستر مرگ پر یہی شعر پڑھا۔

**ترجمہ شعر:**

(۱) محبوب کی محبت کے غلبہ نے کہا کہ میں رشوت قبول نہیں کرتا۔
(۲) اس سے پوچھو کہ میرے قتل کے پیچھے کیوں پڑا ہے میں نے تو خود کو اس پر قربان کر دیا۔

شبلی کے چند اور اشعار۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) تیری جانب سے ایک روز ہم پر گھٹا بھی چھائی اور بجلی بھی چمکی مگر برسی نہیں۔
(۲) نہ اس گھٹا کے بادل چھٹتے ہیں کہ بارش کی آس لگانے والا مایوس ہو جائے، اور نہ اس میں سے بارش برستی ہے کہ پیاسوں کی پیاس بجھے۔

پھر شبلیؒ نے نساجؒ سے کہا: اس میں تمہارا کیا مقام ہے؟ نساجؒ نے کہا: مقام ذلت۔شبلیؒ نے کہا: آہ! تو ذلت کا ذکر میری موجودگی میں بجائے اس کے مکان پر غیرت کرتے ہوئے کرتا ہے۔پھر شبلی یہ شعر پڑھنے لگے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) لیلیٰ کو تمام لوگوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح لیلۃ القدر کو ہزار راتوں پر فضیلت دی گئی۔

(۲) اے محبوبہ کی محبت! ہر رات میرے درد والم اور سوزِ عشق کو اور بڑھا اور اے زندگی کی آسودہ حالی! اب تم سے حشر کا وعدہ ہے۔ابوبکر شبلی نے ایک روز اپنی مجلس میں یہ شعر سنائے۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: قسم ایسی دو آنکھوں کی! کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے کہا ہو جاؤ تو ہو گئیں وہی کام کرنے والیاں جو شراب عقلوں کے ساتھ کرتی ہے۔

شبلی نے پھر اس شعر کی تشریح میں کہا کہ آنکھوں سے میری مراد بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں نہیں بلکہ دل کی آنکھیں ہیں جو اسرار سے معمور ہوتی ہیں لہٰذا وہ شخص قابلِ رشک ہے جو دل کی آنکھیں سننے والے کان اور خوش کن گفتار رکھتا ہو۔

ابوالفرج عکبریؒ کہتے ہیں کہ میں نے شبلیؒ سے غیرت کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا: بشری غیرت اشخاص کے لیے ہوتی ہے اور غیرتِ الٰہیہ وقت پر ہوتی ہے تاکہ اس میں سے ماسوا اللہ کو ضائع کردے۔اس کے بعد آپ نے یہ شعر کہے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) میرے دل میں جو کچھ ہے اس سے میرا بدن پگھل گیا۔اور جو کچھ بدن میں ہے اس سے میرا دل گھل گیا۔

(۲) مجھ سے چاہے تعلق جوڑ دیا چاہے توڑ دو۔میرے نزدیک تو تمہاری ہر چیز خوبصورت ہے۔

(۳) لوگ بجا کہتے ہیں کہ میں عاشق ہوں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ میرا عشق کس سے ہے۔

ایک علمی مذاکرہ کے دوران آپ نے یہ شعر کہے۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) میں صرف وہی بات سمجھتا ہوں جو تیری جانب سے ہو اور تمہاری محبت ہی میرا شغل ہے۔

(۲) اور میں مسلسل اپنی نظر اپنے مخاطب پر جمائے رکھتا ہوں یعنی میں نے تمہاری بات سمجھ لی ہے حالانکہ میری عقل تمہارے پاس ہے۔

شبلی اپنی مجلس میں یہ دو شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے۔**ترجمہ اشعار:**

(۱) اس نے مجھے دیکھا پھر اپنے لطف کے عجائب دکھائے اور میں اس کے عشق میں دیوانہ ہو گیا اور اب میرا دل فراق سے پگھل رہا ہے۔

(۲) وہ مجھ سے غائب بھی نہیں کہ میں اس کی یاد سے تسلی حاصل کرلوں۔اور نہ مجھ سے منہ موڑتا ہے کہ میں اس سے دور ہو جاؤں۔

چند مزید اشعار۔**ترجمہ اشعار:**

(۱) سیلاب آیا تو اس نے مجھے رلا دیا اور اس کے ساتھ میری آنکھوں کی آنسو بہانے والی رگوں نے بھی اس کے لیے سیلابِ اشک بہا دیا۔

(۲) سیلاب کا پانی تمہارے لیے کڑوا ہوگا مگر جب وہ تم تک پہنچ جائے اور تمہارے شیریں پانی سے مل جائے تو وہ بھی میٹھا ہو جاتا ہے۔

## سہل بن عبداللہؒ کے اشعار

سہل بن عبداللہؒ نے مصائب پر صبر کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) کیا تجھے وہ گھڑی یاد ہے جب نومولود بچہ تھا اور تجھے شہد اور ایلوا (کڑوا گوند) چٹایا گیا۔

(۲) اس لیے تیرے ساتھ ایسا کیا گیا تا کہ تجھے معلوم ہو کہ یہ زمانہ ہے جس کا ذائقہ صبح کو میٹھا ہوتا ہے تو شام کو کڑوا۔

(۳) تجھے چاہیے کہ تیری دل پسند چیز تجھے خوشی و سرور سے بھر نہ دے یعنی تو غرور میں نہ آ جائے اور اگر تجھے ناپسندیدہ چیز ملے تو اس پر صبر کرنا چاہیے۔

(۴) اگر تو دنیا میں گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کے بعد اپنے رب سے استغفار کر۔

## یحییٰ بن معاذ رازیؒ کے اشعار

**ترجمہ اشعار:**

(۱) میں ایک ایسی بیماری سے مر رہا ہوں کہ جس کو کوئی دوا درست نہیں کر سکتی اور نہ ہی مجھے اپنی تکلیف سے کسی طرح کی آسودگی ہے۔

(۲) کہتے ہیں کہ یحییٰ صحت یاب ہونے کے بعد دیوانہ ہو گیا مگر مجھے ملامت کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ میری انتڑیوں یعنی میرے باطن میں کیا ہے۔

(۳) جب انسان کا مرض اس کے مالک کی محبت ہو تو وہ کیونکر کسی اور کو اپنا طبیب مان کر علاج کرائے گا۔

(۴) ایسا شخص اپنے اللہ ہی کے ساتھ زندگی کو مزے سے گزارتا ہے چاہے تجھے وہ مطیع نظر آئے یا عاصی۔

(۵) مجھے میرے حال پر چھوڑ دو تم میری سختی کو بڑھاؤ نہیں مجھے آقاؤں کے آقا کے پاس جانے دو۔

(۶) مجھے چھوڑ دو اور مجھ سے تعلق توڑنے میں رغبت دکھاؤ اور میرے دل کو جس چیز نے ڈھانپ رکھا ہے تم اسے ہٹاؤ نہیں۔

(۷) مجھے اپنے آقا کے سپرد کر دو اور میری ملامت سے احتراز کرو تا کہ میں اپنے مولا کے ساتھ اپنے سارے دکھ درد لیے ہوئے مانوس ہو جاؤں۔

## ابوالعباس کے شکر سے متعلق اشعار

**ترجمہ اشعار:**

(۱) تیرے مجھ پر کتنے ہی ایسے احسانات ہیں جن کا میں نے شکر ادا نہیں کیا۔ اور تو نے مجھ سے اپنی وادیوں سمیت ان کا بوجھ اٹھالیا۔

(۲) میں کمزور تھا ان کے اٹھانے سے عاجز تھا لیکن تو خود ہی اپنے احسانات کے بوجھ کو مجھ سے اٹھالے گا۔

ابوالعباس ابن عطاء کے دو اور شعر۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) میں محبت میں اس کا شکر اس کے لیے کیسے ادا کر سکتا ہوں جس سے خود شکر آراستگی پاتا ہے۔

(۲) بے شک انفراد سے متعلق خاص طبقے کے محب ہی وجد وصفا کی حالت میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ابوالعباس ابن عطاء کے کچھ اور اشعار۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) میں سچ کہتا ہوں کہ تو نے مجھے بڑی سختی میں ڈال دیا ہے یہ کہ میں تیری محبت کو برداشت کروں اور صبر بھی کروں یہ بڑی عجیب سی بات ہے۔

(۲) تو نے میرے دل میں وہ کیفیتوں یعنی ٹھنڈا کرنے اور شعلہ بھڑکانے کو اکٹھا کر دیا ہے جب کہ یہ دونوں مختلف اور ایک دوسرے کی ضد ہیں ایسے میں میرے دل کو خطرہ لاحق ہے۔

(۳) ایک آگ ہے جو مجھے اذیت پہنچاتی ہے اور ایک شوق ہے جو اس آگ کو اور بھڑکاتا ہے تو کس طرح آرام اور عذاب اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

(۴) اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ کس طرح میرا صبر مجھے تیرے حوالے کر دے گا تو میں کچھ نہ کہتا اور میرا صبر صبر ایوب کی طرح ہوتا۔

(۵) جب اس نے مصیبت و ابتلا کی تحقیق کر لی تو وہ لرز گیا اور اس کے بوجھ سے اپنے بھید کو چھپا نہ سکا اور کرب میں مبتلا ہو گیا۔

(۶) مجھے مصیبت نے آ لیا ہے اور شیطان مجھ سے عداوت کر رہا ہے اور تو صاحبِ قوت اور بندہ مصیبت کا شکار ہے۔

(۷) مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر ورنہ وہ مجھ پر غالب آنے میں کامیاب ہو جائے گا جو (شیطان) میرے محجوب ہوتے ہوئے میرے قریب آتا تھا۔

## درندہ موت سے بچانے کا باعث بنا

کہتے ہیں کہ ابو حمزہ صوفیؒ کنویں میں گر گئے لوگوں نے کنویں کے دھانے کو اوپر سے بند کر دیا۔ ایک درندہ آیا، کنویں کا دھانہ کھولا اور نیچے اتر کر ابو حمزہؒ کو اپنے پاؤں سے لٹکا کر کنویں سے باہر نکالا۔ ایسے میں ابو حمزہؒ نے ہاتف کی آواز سنی کہ اے ابو حمزہ! یہ خوب ہے کہ ہم نے تمہیں موت سے، موت کے ذریعے بچا لیا۔ اسی موقع پر ابو حمزہؒ نے یہ اشعار کہے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) میری حیا نے مجھے روکے رکھا کہ میں تجھ سے اپنی محبت کا اظہار کروں تو نے خود ہی سمجھ کر مجھے راز عشق عیاں کرنے سے بے نیاز کر دیا۔

(۲) تو نے میرے معاملے میں مجھ پر لطف و کرم کیا اور میری موجودہ کیفیت کو غائبانہ کیفیت پر عیاں کر دیا۔ اور لطف و کرم کو لطیف انداز سے ہی سمجھا جا سکتا ہے

(۳) تو غیب میں بھی مجھے اس طرح دکھائی دیا کہ گویا غائب ہوتے ہوئے مجھے یہ بشارت دے رہے ہو کہ میری ہتھیلی میں ہے۔

(۴) اگرچہ تیری ہیبت سے مجھ پر وحشت طاری ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تو اپنی نرمی و مہربانی سے مجھے مانوس کر دیتا ہے۔

(۵) وہ محب جس کے لیے محبت میں تم موت ہوا سے تم زندہ کر دیتے ہو اور یہ عجیب بات ہے کہ موت کے ساتھ زندگی ہے۔

## ابونصر بشر بن الحارثؒ کے چند اشعار

**ترجمہ اشعار:**

(۱) میری تنہائی اور خلوت گزینی سے ہرگز حیران نہ ہو تم بھی اپنے زمانے میں تنہائی اختیار کرنے کی طرف بڑھو۔

(۲) بھائی چارہ دنیا سے رخصت ہو گیا اب اس کی جگہ بھائی یا دوست باقی نہ رہے بلکہ زبان اور ہاتھ کے ذریعے چاپلوسی باقی رہ گئی ہے۔

(۳) جب کسی کے دل کو اپنے سامنے عیاں دیکھتا ہوں تو وہاں مارِ سیاہ کے زہر کا کنواں پاتا ہوں۔

## یوسف بن حسین رازی کے اشعار

**ترجمہ اشعار:**

(۱) ساتھیوں میں سے اس ساتھی سے محبت رکھتا ہوں جو میری لغزشوں سے اندھا اور لاعلم ہو کر میرا ساتھ دیتا ہو۔

(۲) ایسا ساتھی جو ہر معاملے میں میری موافقت کرتا ہو اور میری حفاظت کرے زندگی میں اور موت کے بعد۔

(۳) ایسا ساتھی کون ہے کاش! میں اسے پالیتا تو اپنا مال اور نیکیاں اس کے ساتھ تقسیم کر لیتا۔

## ابوعبداللہ القرشیؒ کے اشعار

**ترجمہ اشعار:**

(۱) اور تو نفس کا ساتھی ہے ہر حالت میں لیکن نفس ذات تجھ سے جدا ہے۔

(۲) تو اس کے (نفس کے) ساتھ اس طرح مل گیا ہے کہ گویا تو سراپا نفس ہے۔ اور اس کے قویٰ معدوم ہو گئے یعنی اس کے قویٰ تیرے ساتھ فنا ہو گئے۔

(۳) تیرے بارے میں چغلخور اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور اسے پوشیدہ وظاہر طور پر تکلیف پہنچاتے ہیں۔

(۴) اور جو کچھ تو اس (نفس) کے لیے رکھتا تھا اسے پہنچا دیا لہٰذا وہ ان (چغل خوروں) کو معذور سمجھتی ہے ہر اس چیز میں جو واقع ہوئی۔

(۵) اس کی آنکھوں کے گوشے تیرے محبت میں جب پہلی بار زخمی ہوئے تو دوسری بار اس گوشۂ چشم کے زخم سے دل میں پیدا ہونے والا سیاہ نقطہ زخمی ہو گیا۔

## ابوعبداللہ ہیکلیؒ کے اشعار، ابوعبداللہ قرشیؒ کے نام

**ترجمہ اشعار:**

(۱) وہ ذات جس کی حقیقت معروف ومذکور ہے مگر نفس کے مطابق اس کی حقیقت غیر معروف واجنبی ہے۔

(۲) چشمِ عقل اس کے نظارے سے عاجز ہے کیونکہ عقل کی راہ میں ظاہری آنکھیں نگہبان بن کر راستے کو روک لیتی ہیں۔

(۳) اور اس کو پانے میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کے لیے ہے جو اسے خبردار کرنے والی نہ سمجھے۔

(۴) معارف کے سارے راستے صرف اسی سے ہیں اور باقی سارے راستے بے آب وگیاہ ویران اور اس کی طرف سے بند ہیں۔

(۵) جب تو اس حقیقتِ ذات سے متعلق ہو گیا اور اس کی آنکھ سے اس کے ذریعے غائب ہوا تو وہ عقل، معرفت وآگاہی دینے

کے لیے ظاہر ہوئی۔

ابوسعید خراز کے چند شعر ملاحظہ کیجئے

**ترجمہ اشعار:**

(۱) وہ قلب جو تجھ سے محبت کرتا ہے کسی کی جانب اشارہ نہیں کرے گا۔قریب ہے کہ اس کا پختہ ارادہ تجھ سے کوئی خبر لے کر ملے۔

(۲) اس کا دل تجھ پر فریفتہ ہے اور اس کی روح قرب و مشاہدے کے قلق سے پگھلی جاتی ہے۔

(۳) اے میرے عز و افتخار! وہ دل جو تجھ سے بلندی پالے اس سے لوگ ذہانت حاصل کرتے ہیں۔

(۴) کتنی ایسی کمزوریاں ہیں جو پوشیدہ غم واندوہ سے ہوتی ہیں اور ان کے کئی راز ہیں جو کہ سمع بصر میں جمع کیے گئے۔

(۵) پاک ہے وہ ذات اگر چاہے تو اپنے عجائبات کو ظاہر فرما دے یہاں تک کہ تو چہرے میں اس کے سر کو اس طرح دیکھے جیسے چاند۔

ابوعبداللہ قرشیؒ نے ہیکلیؒ کے اشعار کے جواب میں ذیل کے شعر لکھے۔بعض کا خیال ہے کہ یہ اشعار ابوسعید خرازؒ کے ہیں۔ **ترجمہ اشعار:**

(۱) جب حق تعالیٰ طالب حق کو وجد کی کیفیت میں حقیقت سے ہمکنار کر دے تو وہ حقیقت بھیدوں کی صفات سے جدا ہو جاتی ہے۔

(۲) اور یہ نہیں کہ سر کو اس چیز سے موسوم کر دیا گیا جو اس پر غالب آ گئی بلکہ یہ تو اوصاف قادر میں سے ہے۔

(۳) **اور تو اس حقیقت کے پوشیدہ** راز کی بنا پر لفظ عارف سے نفرت نہ کر بلکہ لطیف و شریفانہ تمثیل سے کام لے۔

(۴) جب اس حقیقت پر آفتاب اپنی روشنی کے ساتھ طلوع ہو جائے تو تم امنڈ کر آنے والی شعاعوں کے ساتھی بن جاؤ گے۔

(۵) اس حقیقت کا مقام ذاتِ غالب سے دور ہے اور صفت بیان کرنے سے اپنی غالب آنے والی صفت سے دور نہیں ہوا۔

ابوالحدیدؒ نے ابوعبداللہ القرشیؒ کو یہ شعر لکھے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) میں تجھ سے یہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ تیرے عشق نے مجھے ہلاک کیا حالانکہ میں تیری محبت ہی میں ہلاک ہوا ہوں۔

(۲) اگر نیند میری آنکھوں کے قریب بھٹکی تو میں اپنی پلکوں کو آنسوؤں کے کوڑوں سے ماروں گا۔

ابوعبداللہؒ نے جواباً یہ شعر لکھ بھیجے۔

**ترجمہ اشعار:**

(۱) لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تیرا تکلیف دہ شدید عشق مجھے آرام پہنچائے تو میں حقیقت سے شرمندہ ہوں گا۔

(۲) اور اگر نیند میری پلکوں پر ڈیرے بسائے تو میں تمہیں جواب دینے کی خاطر سو لیتا ہوں نہ کہ آرام کی خاطر۔

## اشعارِ صوفیہ سے متعلق ایک احتیاط

مذکورہ تمام اشعار میں بعض مشکل اور کچھ واضح ہیں۔ان میں صوفیہ کے لطیف اشارات اور دقیق مضامین بیان کیے گئے

ہیں لہٰذا جو بھی ان کو پڑھے تو پوری طرح غور سے پڑھے تا کہ وہ اصل معرفت کے رموز و نکات کو پا سکے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان اشعار کے کہنے والوں کو کوئی ایسی بات منسوب کر دے جو ان کے شایانِ شان نہ ہو۔ اگر قاری کو کسی شعر میں اشکال لاحق ہو اور اسے سمجھ نہ سکے تو چاہیے کہ کسی ایسے شخص سے اس کے بارے میں تبادلہ خیال کرے جو ان کے مفاہیم سے واقف ہو۔ کیونکہ ہر مقام کے لیے ایک مخصوص گفتگو اور ہر علم کے لیے اس کے ماہرین ہوتے ہیں۔ اگر ہم خود ہی یہاں ان اشعار کی تشریحات بیان کرنے لگیں تو اندیشہ ہے کہ کتاب طویل ہو جائے۔

# متقدمین مشائخ کی دعائیں

## ذوالنونؒ کی دعائیں

اے خدا! قدرت وقوت ہے تو تیرے لیے ہے اور بخشش وفضل ہے تو تیرا اور تو ہی تمام مخلوفات کو اپنی قوت وقدرت کی اعانت پہنچاتا ہے۔ تو جو چاہتا ہے اسے پوری طرح سرانجام دیتا ہے۔ عجز وجہل تیرے کام میں حائل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کمی و بیشی تیرا راستہ روک سکتی ہے اور کیسے وہ تجھ سے تعرض کریں یا تیری تدبیر کے رستے میں آئیں، جب کہ انہیں تو نے ہی تخلیق کیا اور نئے سرے سے پیدا کیا۔ اور جس طرح تو نے انہیں پیدا کیا وہ کیوں نہ پیدا ہوتے۔

تو دلائل کے ساتھ موجود ہے تیری خلق کو تیرے سوا کوئی اور ہرگز پیدا نہیں کرسکتا۔ برکت والی ہے تیری ذات کہ ہر معلوم چیز تیری ہی مخلوق ہے اور ہر نا معلوم مخلوق بھی تیری ہی صنعت کا نمونہ۔ کوئی شخص اس دنیا میں تیرا ادراک نہیں کرسکتا۔ کوئی مکان تجھ سے مستغنی نہیں، تیرے سوا کوئی تجھے صرف اس طور پر جان سکتا ہے کہ تیری وحدانیت کا اقرار کرے۔ تیری مخلوق میں سے فقط ناقص معلومات رکھنے والا ہی تیری معرفت سے محروم رہتا ہے۔ کوئی شے تجھے کسی دوسری شے سے غافل نہیں کرسکتی۔ اور نہ ہی کوئی تیری قدرت کی انتہا کو معلوم کرسکتا ہے۔ کوئی جگہ تجھ سے خالی نہیں اور کوئی حالت، کسی اور حالت سے تیری توجہ کو ہٹا نہیں سکتی۔

**ذوالنونؒ کی ایک اور دعا:**

''اے اللہ! ہماری آنکھوں کو آنسوؤں کے فوارے بنادے، ہمارے سینوں کو سوز وعبرت سے معمور کردے، ہمارے قلوب کو ابواب السمٰوات کی کھڑکھڑاہٹ کی موت کا غواص بنادے اس طرح کہ وہ تیرے خوف سے ویرانوں اور بیابانوں میں تھکے ہارے سرگرداں پھرتے رہیں۔

اے قلوبِ فریفتگان کے حبیب اور راغبین کی رغبتوں کے مقصود! ہماری آنکھوں پر اپنی معرفت کے دروازے کھول دے اور ہماری معرفت کے لیے اپنے نور حکمت کے مفہوم عیاں فرمادے۔''

**ذوالنونؒ کی ایک اور دعا:**

''اے میرے رب! تو سب انس کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے اولیاء سے انس کرنے والا۔ اور اپنے مشاہدات میں تجھ پر بھروسہ کرنے والوں کے لیے قریب ترین کفایت کرنے والا حتیٰ کہ ان کے باطن اپنے اسرار کو پا لیتے ہیں۔

الٰہی! میرا راز تجھ پر عیاں ہے۔ اور میں تیرا شیدا ہوں۔ جب بھی مجھے گناہ وحشت زدہ کردیں تو یہ جان کر کہ تیرا ذکر میرے دل کو سکون پہنچاتا ہے کہ امور ومعاملات کی زمام تیرے ہاتھ میں ہے اور ان کا وقوع تیرے قضا سے ہے۔

اے میرے رب! مجھ سے بڑھ کر ذلت وتقصیر کا مستحق کون ہوسکتا ہے۔ بے شک تو نے مجھے ضعیف وعاجز پیدا کیا۔ تجھ سے زیادہ عفوودرگزر کرنے والا کون ہے۔ تو مجھے ازل سے جانتا ہے اور تیرا حکم میرا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ میں نے تیرے اذن سے ہی تیری اطاعت کی تیرا مجھ پر احسان ہے۔ تیرے جانتے ہوئے میں نے نافرمانی کی لہٰذا تجھے مجھ پر حجت حاصل ہے۔

میں تیرے حضور تیری رحمت کے وجود کے باعث اپنی حجت کے منقطع ہونے کے باوجود، تیرے در کا محتاج ہونے کے سبب، اور مجھ سے تیرے درگزر کرنے کی بنا پر یہ درخواست گزارتا ہوں کہ تو میرے ظاہری و باطنی گناہوں کو معاف فرما دے۔

## دعائے یوسف بن الحسینؒ

اے میرے رب! میں تیری نعمتوں کا پودا ہوں، تو مجھے اپنے عذاب سے کٹی ہوئی فصل کا باقی ماندہ حصہ نہ بنا۔ اے اللہ!

اے اللہ! ہمیں وہ کچھ عطا کر جو تو ہم سے چاہتا ہے۔

اے رب! تو نے ہمیں مانگے بغیر دولتِ ایمان سے نوازا ہمیں اپنی عفو طلب کرنے سے محروم نہ فرما کیونکہ ہم تیری طرف ہی رجوع کرنے والے اور تیری نافرمانی پر اصرار کرنے سے تائب ہیں۔ ہم تجھ سے ڈرنے والے اور تیرے حضور توبہ کرنے والے ہیں۔

اے اللہ! جو کچھ تو نے از قسم ایمان و اسلام ہمیں عطا کیا اور جس کے ذریعے تو نے ہماری ہدایت کی اسے ہماری جانب سے قبول فرما اور ہمیں معاف کر دے۔

''الٰہی! تیری نعمتوں نے ہمارا احاطہ کیا ہوا ہے اور ان کا شکر ادا نہیں کیا مگر تیرے ہی ذریعے۔''

یوسف بن الحسینؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دانا کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا:

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے جو انعامات عطا کیے ان پر شکر ادا کیا اور مذمت کی اس عمل کی کہ اگر وہ چاہتا تو اس سے بچا لیتا۔

اس نے شکر ادا کیا خود خلق کی جانب سے کیونکہ وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

یوسف بن حسینؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ کو مناجات میں یہ شعر کہتے سنا۔

**ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''اے میرے رب کے جود و کرم میرے رب سے میری حاجت کے بارے میں سرگوشی کر کیونکہ میرا اپنے رب کے حضور تیرے سوا کوئی سفارشی نہیں۔''

## دعائے جنید بغدادیؒ

جنید بغدادیؒ کی کتاب ''کتاب المناجات'' سے ایک دعا:

اے میرے اللہ! اے سب سے بہتر سننے والے میں تیرے حضور دستِ سوال دراز کرتا ہوں۔ اے سب سے بڑھ کر شرافت و کرم والے میں سوال کرتا ہوں تیری فیاضی و بزرگی کے ساتھ، اے سب سخیوں سے بڑھ کر سخاوت کرنے والے سوال کرتا ہوں تیرے فضل و کرم کے ساتھ، اے بہترین عطا کرنے والے سوال کرتا ہوں تیرے لطف و احسان کے ساتھ۔ میں تیرے حضور ایک عاجز، کمزور اور گریہ و زاری کرنے والے کی حیثیت سے درخواست پیش کرتا ہوں جس کا شوق تیرے لیے شدت اختیار کر چکا ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق اس نے تیری بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کی ہے اور

تیرے خزانوں میں جو کچھ ہے اس کے لیے اس کی رغبت بڑھ چکی ہے اور اس نے یہ جان لیا ہے کہ کوئی چیز تیری مشیت کے بغیر نہیں ہوتی۔ اور ہر شافع تیری اجازت کے بعد ہی شفاعت کر سکتا ہے۔ کتنے ہی ایسے قبیح امور ہیں جنہیں تو نے ڈھانپ لیا کتنے ہی ایسے مصائب ہیں جنہیں تو نے پھیر دیا اور کتنی ہی ایسی لغزشیں ہیں کہ جن سے تو نے گرنے کے بعد اٹھا دیا، اور کتنی ایسی لغزشیں ہیں جن میں تو نے درگزر سے کام لیا۔ کتنی ہی ایسی مکروہ چیزیں ہیں جنہیں تو نے رفع کر دیا۔ اور کتنی تعریفیں ہیں جنہیں تو نے پھیلا دیا۔

اے فریادیوں کے فریادرس، اے خاموش رہنے والوں کے دلوں کے بھید جاننے والے، اے خلوتوں میں حرکات کرنے والوں کی خبر رکھنے والے اور اے کوشش و محنت کرنے والوں کی ہر چھوٹی بڑی بات کے جاننے والے! میں تیرے حضور یہ سوال کرتا ہوں کہ میرے برے اعمال کی وجہ سے میری آواز کو اپنی بارگاہ میں شنوائی سے محروم نہ کرنا۔ میرے باطن کی وہ پوشیدہ باتیں جنہیں تو جانتا ہے ان پر مجھے رسوا نہ کرنا، میری خلوتوں کی برائیوں پر مجھے سزا دینے میں جلدی نہ فرما، جملہ احوال میں مجھ پر نرمی فرما اور ہر حال میں مجھ پر مہربان رہ۔

اے میرے رب، میرے سردار، میرے سہارے! میں باطنی بیماریوں کے پرخطر راستوں کی کثرت سے تیرے حضور پناہ کا طالب اور فریادرس ہوں اور ضمیر و قلب کے ایسی علتوں میں گرفتار ہونے سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کیونکہ قریب ہے کہ یہ علتیں میرے سینے میں بھر جائیں اور میری زبان و عقل تیرے ذکر کے بارے میں تفریح و انبساط کا شکار ہو جائے، اور میرا جسم میری غلامی کرنے سے رک جائے۔ میں ایک ایسے حبس میں ہوں جو مجھے مذکورہ خامیوں کی وجہ سے لاحق ہے اور کمی کا باعث بن رہا ہے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ان تمام خامیوں کو میرے ذکر و قلب سے دور فرما دے اور میرے شب و روز کو اپنے ذکر غلامی اور عبادت سے معمور کر دے تاکہ وارداتِ قلب اور احوال میں یکسانیت رہے۔ ان میں فتور، اکتاہٹ و بے قراری، کمی اور کوئی برائی نہ ہو تاکہ قرب کی گھڑیوں میں اس کے ذریعے میں تیزی سے تیری قربت پا سکوں اور سبقت کے میدانوں میں تیری جانب جا سکوں، اے اکرم الاکرمین! اپنے قرب کی خوش مزہ لذتیں مجھے عطا فرما۔

### ابوسعید دنیوریؒ کی دعا

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے وسیلے ہی کے ذریعے سوال کرتا ہوں کیونکہ کوئی وسیلہ تیرے وسیلے سے بہتر نہیں، اور میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے اس وسیلے کے ذریعے جو اہل حق کو حاصل ہے اور اس وسیلے کے ذریعے جو اہل حق کا ہے۔ اور اہل حق کے وسیلے سے کیونکہ قدیم سے تجھے ہر شے کا علم ہے اور تیری سلطنت و قدرت ہر شے پر حاوی ہے۔

اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج اور ان کی آل پر اور تو مجھ سے فلاں فلاں معاملہ فرما۔''

## ابوبکر شبلیؒ کی دعا

اے میرے رب! آسمانوں اور زمینوں کی ضیاء، اے آسمانوں اور زمین کے جوہر، اے آسمانوں اور زمین کے قائم رکھنے والے، اور اے آسمانوں اور زمین کے نور! تیرے اسماء کے وسیلے سے اور تیرے اپنے وسیلے سے میں سوال کرتا ہوں کیونکہ کوئی وسیلہ تیرے وسیلے سے بڑھ کر نہیں اور تیرے نازل کردہ کلام مجید کے وسیلے سے اور اس کے وسیلے سے جسے تو نے اس کلام کا فہم عطا فرمایا۔

اے اللہ! اے وہ معبود کہ تیرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، اور اے اللہ حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج اور ان کی ساری آل پر درود بھیج۔ تو ان کو منتشر ہونے سے بچا، ان کے ظاہر پر رحم فرما، ان کے باطنوں کو آباد کر، ان کی کفایت و حفاظت فرما، ان کے لیے ہر عوض کا عوض بن جا، ان پر رحم فرما، ان کو آنکھ کے جھپکنے کی دیر تک بھی اپنے سے غافل نہ ہونے دے اور نہ ہی اس سے کم مدت کے لیے، اور ہر وسیلے کے وسیلے کے ذریعے تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ ایسا وسیلہ تیری ہی ذات ہے۔ اور تو ان کو اسی وسیلے کے ذریعے متقی بنا دے انہیں اپنے لدنی معانی کے سمجھنے میں مقام بلند فرما اور ان کو توفیق دے کہ جب کہیں تحقیق سے کہیں اور خاموش رہیں تو ان کے پیش نظر تیرے سوا اور کوئی نہ ہو۔

## یحییٰ بن معاذ رازیؒ کی دعائیں

الٰہی! میرے سہارے! میری آرزو! اور میرے اعمال کی تکمیل کرنے والے۔ آپ یہ دعا بھی کیا کرتے تھے:

''الٰہی! جب میرے عمل کی زبان گونگی ہو جاتی ہے تو میں تیرے حضور اپنی آرزو کی زبان سے دعا مانگتا ہوں۔''

الٰہی! کتنے خوشگوار ہیں الہام کے واقع ہونے کے وہ مواقع جو تیری جانب سے واردات قلب پر نازل ہوتے ہیں اور کتنی لذیذ ہیں وہ سرگوشیاں جو باطن، مقامات غیب میں تجھ سے کرتا ہے۔ الٰہی جب تو قیامت کو مجھ سے فرمائے گا کہ میرے بندے! تو نے میرے خلاف کیسے جرات کی تو میں جواب دوں گا کہ میرے مالک! مجھ پر تیرے احسان نے، اگر تو نے مجھے اپنے دشمنوں کے درمیان جہنم میں داخل کر دیا تو میں انہیں بتا دوں گا کہ میں تجھ سے دنیا میں محبت کرتا تھا اور تو ہی میرا آقا و مولا ہر شے سے مجھے بے نیاز کر دینے والا ہے۔''

آپ یہ دعا بھی کیا کرتے تھے:

یا اللہ! اگر تو نے مجھے نجات دی تو اپنی عفو کے ذریعے سے اور اگر عذاب دیا تو اپنے عدل کے مطابق، میں ہر اس چیز پر راضی ہوں جو مجھ پر واقع ہو کیونکہ تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں، الٰہی! تو جانتا ہے کہ نہ میں آگ کی تاب رکھتا ہوں اور نہ جنت کا سزاوار ایسے میں سوائے تیرے عفو کے اور کوئی چارہ نہیں۔

الٰہی! سیدی! سروری! تیرے کرم کی صفت نے مجھے اپنے برے عمل سے روک لیا اگرچہ اس عمل میں میرے لیے سرور و حظ تھا اور تیری نعمتوں نے مجھے اپنے اچھے اعمال سے بھی بے نیاز کر دیا حالانکہ ان میں میری نجات تھی۔ اور تجھ سے مجھے جو سرور و لطف حاصل ہوتا ہے اس نے مجھے اپنے نفس کا سرور لطف بھلا دیا۔''

اے میرے رب! میں تجھ سے تیرے ہی ذریعے قرب حاصل کرتا ہوں، میں تجھ پر دلائل پیش کرتا ہوں تو میری حجت

تیرے انعامات ہوتے ہیں نہ کہ میرے عمل۔

میں یہ نہیں سمجھتا کہ آج جس کو تو نے اپنی فضل کی چادر سے ڈھانپ لیا کل تو اس کا محاسبہ فرمائے گا، تیرا عفو، گناہوں کو ڈبو دیتا ہے اور تیری رضاء آرزوؤں کو نیست کر دیتا ہے۔

میرے رب! میرے سردار! میرے مولا! اور مجھے ہر شے سے بے نیاز کرنے والے میں نے اپنے آپ کو گناہ کر کے ضائع کر دیا میرے نفس کو توبہ کی توفیق عطا فرما، تو جانتا ہے کہ تیرے بندوں میں سے کریم الاخلاق ہر اس شخص کو معاف کر دیتا ہے جس نے اس سے زیادتی کی ہو۔ اور میں نے اپنے نفس پر زیادتی کی تو ذاتِ اکرم الاکرمین ہے لہٰذا مجھ سے درگزر فرما۔

الٰہی! تو جانتا ہے کہ ابلیس تیرا اور میرا دشمن ہے اور کوئی شے میری بخشش سے بڑھ کر اس کے مکر و فریب پر غالب آنے والی نہیں۔ پس اے ارحم الرحمین میرے لیے بخشش فرما۔

عمر الملطی کو میں نے انطاکیہ میں یہ کہتے سنا کہ میں نے ایک شیخ کو دعا کے لیے کہا، تو فرمایا: اے نوجوان میں تیرے لیے دعا کرتا ہوں مگر دعا کے دوران تیرا موجود رہنا ضروری ہے اگر میں دعا کروں اور تو موجود نہ ہو تو میری دعا تجھے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

## ابراہیم بن ادھمؒ اور ڈوبتا سفینہ

کہتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھمؒ ایک سفینے میں سوار تھے کہ دریا میں طغیانی آ گئی لوگوں کو کہا گیا کہ وہ اپنے سامان دریا میں پھینک دیں۔ کسی نے ان سے کہا کہ اے ابواسحاق! ہمارے لیے اللہ سے دعا کرو۔ انہوں نے کہا: یہ وقت دعا نہیں وقتِ تسلیم ہے۔''

کسی صاحبِ معرفت کا قول ہے: اللہ کے حضور میں تیری دعا کی یقینی قبولیت کا دارومدار دعا میں تیری صدق دلی پر ہے۔

## سری سقطی کی دعا

مجھ سے جعفرؒ نے بحوالہ جنید بغدادیؒ بیان کیا کہ سری سقطی علیہ الرحمۃ یوں دعا فرماتے تھے:

''اے اللہ! جب کبھی تو مجھے عذاب دے تو مجھے ذلت حجاب کی سزا سے محفوظ رکھنا۔''

ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میں نے سری سقطیؒ سے کہا: میرے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے یہ دعا کیا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے شجر طوبیٰ کے سایہ تلے اکٹھا فرمائے، کیونکہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب اولیاء اللہ جنت میں داخل ہوں گے تو پہلے درخت طوبیٰ کے نیچے استراحت کریں گے۔''

## دعائے خضر علیہ السلام

ابومحمد جریریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: ابراہیمؒ مارستانی کو یہ کہتے سنا کہ مجھے خواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ کی انگلیوں پر گن کر دس کلمات سکھائے جو یہ ہیں:

''اے میرے اللہ! میں تیرے حضور بہتر حاضری، تیری جانب کامل توجہ، تیرے کلام کو سمجھنے، تیرے معاملات میں

بصیرت، تیری طاعت پر قائم رہنے، تیرے ارادے پر مداومت کرنے، تیرے حضور میں حاضر ہونے کے لیے عجلت، تیرے تعلق میں حسنِ ادب، سلامتی کو تیری ہی جانب پھیرنے اور تیری جانب دیکھنے کی توفیق کا سوال کرتا ہوں۔''

ابوعبید بسری کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا: یا امی! مجھے کوئی دعا سکھائیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابوعبید! کہو: ''اے اللہ! میرے زادِ راہ کو کم کر اور میری اعانت کو بہتر فرما۔ اور دنیا و آخرت کے معاملات میں میری مدد فرما۔'' میں نے عرض کیا: یا امی! اس دعا کو کچھ اور بڑھا دیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابو عبید! تیرے لیے اتنی ہی کافی ہے۔

ایک عارف یہ دعا کیا کرتے تھے:

میں ہجوم میں تجھے اس طرح پکارتا ہوں جس طرح ارباب کو پکارا جاتا ہے اور خلوت میں اس طرح جیسے احباب کو پکارا جاتا ہے۔

## وجوہات دعا

میں نے کسی عارف سے پوچھا کہ اہل تفویض وتسلیم کے ہاں دعا کرنے کی وجوہات کیا ہیں، تو انہوں نے فرمایا: اہل تفویض وتسلیم دو وجوہ کی بناء پر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے ظاہری جوارح کی تزئین ہوتی ہے کیونکہ وہ دعا ایک طرح کی خدمت ونوکری ہے کہ جس سے اعضاء سنورتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے وہ حکم خداوندی کی بجاآوری کرتا ہے۔ جنید کی ایک دعا یہ ہے:

''الٰہی میرے سردار، میرے مولا! جو تجھ پر ایمان لایا اس کے لیے تیری ذات سے بڑھ کر بہتر حکم دینے والا کون ہے، جس نے تیرا ارادہ کیا اور تجھ سے ڈرتا رہا اس کے لیے تجھ سے بڑھ کر وسیع رحمت والا کون ہے، اور جس نے تیری جانب ارادہ کیا اور تیری اطاعت اختیار کی اس کے لیے تجھ سے بڑھ کر جلد لطف وکرم کرنے والا کون ہے۔ الغرض یہ تمام بندے تیری نعمتوں سے بہرور ہوئے اور تیرے فضل کے سبب تیری عبادت کرتے ہیں۔ ان کے غم تیرے ذریعے تیرے لیے جاتے رہتے ہیں۔ ان کا مقصود فقط تیری ذات ہے ان کے قلب تیرے ساتھ تیری جانب آتے ہیں۔ تیرے لیے ان کے نصیب فنا ہوتے ہیں اور صرف تیرے لیے ہی ان کے نصیب ہوتے ہیں شب وروز وہ تیری طرف ہی متوجہ رہتے ہیں ہر حال میں تیرا ارُخ کرتے ہیں اور احوال پر تجھے ہی ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا میں سوال کرتا ہوں: اے میرے رب! اے میرے مولا! کہ تو اپنے فضل سے میرے لیے محافظ، کافی، بچانے والا اور رحم فرمانے والا ہو جائے کیونکہ میرا ٹھکانہ تو ہے میں تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں، تیری طرف راغب، تیری جانب آنے والا، اور امورِ دنیا وآخرت میں تجھ پر ہی توکل کرنے والا ہوں۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

یہ تھیں وہ دعائیں جو صوفیہ کرام کے اپنے مخصوص احوال ومعانی سے متعلق ہیں۔ اور جو چاہے ان پر غور کر کے ان سے برکت حاصل کر لے۔ اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

# صوفیہ کی باہمی وصیتیں

حضرت رویم علیہ الرحمۃ نے ایک صوفی کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی: اے بیٹے! اگر کر سکو تو اللہ کے لیے اپنی روح قربان کر دینا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو مہملات وخرافات میں نہ پڑنا۔

یوسف بن الحسینؒ کے مریدین ان کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہمیں وصیت فرمائیں تو آپ نے کہا: میری ہر بات کی پیروی کرنا مگر دو چیزوں پر عمل نہ کرنا ایک یہ کہ اللہ کے نام پر قرض نہ لینا اور دوسرے یہ کہ بے ریش لڑکوں کی صحبت اختیار نہ کرنا۔

سری سقطیؒ سے کہا گیا کہ ہمیں وصیت کیجئے تو فرمایا: اللہ کے نام پر قرض نہ لینا اور امرد کے چہرے پر نظر نہ ڈالنا۔

کسی شخص نے ابوبکر البازریؒ سے کہا کہ مجھے وصیت کیجئے، تو فرمانے لگے: خود پرستی، کسی چیز کی عادت ڈالنے اور اپنی آسائش کی طرف متوجہ رہنے سے بچو۔

ابوالعباس بن عطاءؒ نے اپنے دوستوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا: جو کچھ تم پر واقع ہو اس پر غم کرنے سے احتراز کرو اور تم پر یہ واجب ہے کہ وہی کرو جو اللہ تم سے چاہتا ہے نہ کہ وہ کچھ جو تم چاہتے ہو۔

جعفر خلدیؒ کہتے ہیں کہ جنیدؒ ایک شخص کو یہ وصیت کر رہے تھے: اپنے نفس کو پہلے پیش کرو اور اپنے عزم کو مؤخر کرو۔ اپنے نفس کو مؤخر اور عزم کو مقدم نہ کرنا کیونکہ اس طرح بہت سستی واقع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

میں نے ابوسعید خراز کے ایک خط میں ان کے مرید کے نام یہ وصیت پڑھی: اے میرے بھائی! اپنے ساتھیوں سے خلوص برتو، اور اہلِ دنیا سے اس طرح مل جل کر رہو کہ انہیں اپنے ظاہر پر گواہ بناؤ، اپنے عمل اور دین کے ذریعے ان کی مخالفت کرو، مگر انہیں ملامت نہ کرو۔ اگر وہ ہنسیں تو تم رو۔ اگر وہ خوش ہوں تو تم مغموم رہو اگر وہ آرام کریں تو تم محنت کرو، اگر وہ سیر ہوں تو تم فاقہ کرو، اگر وہ دنیا کا ذکر کریں تو تم آخرت کو یاد کرو، گفتگو، نظر، حرکت، کھانے، پینے اور لباس کے کم ہونے پر صبر کرو حتیٰ کہ جب اللہ چاہے تو وہ اپنی رحمت سے تمہیں فردوس میں سکون وآرام عطا فرمائے۔

ابوسعید خرازؒ نے اپنے کسی مرید کو یہ وصیت فرمائی: اے مرید! میری وصیت کو یاد کر لو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کی رغبت رکھو اور اپنے نفس امارہ کی طرف متوجہ ہو کر اسے اطاعت سے پگھلا دو، اس کی مخالفت کر کے تم اسے تنہا چھوڑ کر مار ڈالو، اُسے تم اللہ کے سوا ہر شے سے مایوسی کے ساتھ ذبح کر ڈالو، اسے تم اللہ سے حیاء کرنے کے ذریعے قتل کر دو۔ صرف اللہ ہی تجھے کافی ہے، تو ہر نیکی میں سبقت کرے، ہر مقام پر عمل نیک کرے۔ اور تیرا دل اللہ سے اس قدر ڈرنے والا ہو کہ تیری طرف سے کوئی بات قبول ہی نہ کرے۔ یہ ہیں قبولیت واخلاص اور صدق کے وہ حقائق جن کے ذریعے تو بالآخر نجات پا کر اپنے رب کے حضور میں رسائی حاصل کر لے۔ واللہ یفعل مایشاء ویحکم ما یرید۔

ذوالنون نے اپنے ایک مرید کو یہ وصیت کی: اے میرے بھائی! اسلام سے بڑھ کر کوئی شرفت نہیں، تقویٰ سے بڑھ کر کوئی بزرگی نہیں، کوئی عقل وورع سے زیادہ پرہیزگار نہیں، توبہ سے بڑھ کر کوئی کامیاب سفارش کرنے والا نہیں، عافیت سے

بڑھ کر کوئی باعزت لباس نہیں، سلامتی سے بڑھ کر کوئی حفاظت کرنے والا نہیں، قناعت سے بڑھ کر کوئی غنی کردینے والا خزانہ نہیں اور رضا سے بڑھ کر کوئی دولت ضرورت کو پورا کرنے والی نہیں۔ جس نے گزارے کی مقدار پر گزارہ کرلیا اس نے اپنے لیے آرام کو استوار کرلیا، رغبت کوشش کی کنجی اور تھکاوٹ کی سواری ہے، حرص گناہوں کی طرف لے جانے والی ہے اور حرص جملہ برائیوں کی جڑ ہے۔ اکثر چھوٹی طمع، بری آرزو اور امید، محرومی اور خسارے کا باعث ہوتی ہے۔

جنیدؒ نے اپنے کسی مرید کو وصیت کرتے ہوئے کہا: میں تمہیں ماضی پر کم اور حال پر زیادہ متوجہ ہونے کے وصیت کرتا ہوں۔

میں نے ابوعبداللہ الخیاط دینوریؒ سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے تو فرمایا: میں تمہیں ایک ایسی خصلت کے اپنانے کو کہتا ہوں کہ جس کے علاوہ میں کوئی ایسی خصلت نہیں جانتا جس کے ساتھ کوئی آفت لگی ہوئی نہ ہو۔ میں نے کہا: وہ خصلت کون سی ہے؟ کہا کہ وہ خصلت یہ ہے: تو پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کا ذکر اچھے انداز سے کرے اور اس طرح اس کے لیے دعا بھی کرے۔

کہتے ہیں کہ ابوبکر الوراقؒ نے کہا: ''میں نے عزت کی خواہش کی وجہ سے عزت اور ذلت کے ڈر سے ذلت خرید لی۔ اور یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے وصیت الٰہی کی مخالفت کی۔

ایک شخص ذوالنون مصری کے پاس آیا اور کہا، مجھے کوئی وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم علم غیب میں صدقِ توحید کے ساتھ مضبوط ہے تو تیرے لیے تیری پیدائش سے بھی قبل یعنی آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی دعوت گزر چکی۔ تیرے لیے ان کی طرح دعوت ہی بہتر تھی اور اگر تو ایسا نہیں تو پھر ڈوبتے کو آواز کیسے بچا سکتی ہے!

میں نے ابومحمد المہلب بن احمد بن مرزوق مصریؒ سے سنا انہوں نے کہا ابومحمد المرتعشؒ نے اپنی وفات کے وقت مجھے یہ وصیت کی کہ میں ان کا قرضہ جو اٹھارہ درہم تھا، چکا دوں، جب ہم ان کی تدفین سے فارغ ہوئے تو ان کے جسم کے کپڑوں کی قیمت اٹھارہ درہم مقرر کی گئی جنہیں میں نے اٹھارہ درہم میں خرید لیا۔ اس طرح حساب پورا پورا نکلا۔ اور ہم نے ان کا قرضہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد مشائخ جمع ہوئے اور انہوں نے ان چیزیں کو رکھنے کا تھیلا اٹھایا اس میں کچھ معمولی سی چیزیں تھیں، جن میں سے ہر ایک نے کچھ لیا اور چلے گئے۔

ایک شخص ابراہیم بن شیبانؒ کے پاس حاضر ہوا اور وصیت کے لیے کہا: آپ نے فرمایا: اللہ کو یاد کرو اور اسے بھلاؤ نہیں۔ اگر ایسا نہ کرسکو تو موت کو مت بھولنا۔

کسی عارف نے یہ وصیت کی: اپنا نام عابدوں کی فہرست سے مٹا دو۔

ابوبکر الواسطیؒ سے وصیت کے لیے کہا گیا، تو فرمایا: اپنی سانسوں اور اوقات کا شمار رکھو۔ والسلام۔

کسی شیخ سے وصیت کرنے کو کہا گیا تو فرمانے لگے: قلت و ذلت کو اللہ کے لیے برداشت کرتے ہوئے اسی کے ہو جاؤ۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ میں جبل المقطم پر پھر رہا تھا کہ میں نے ایک غار میں کسی شخص کو یہ کہتے سنا: پاک ہے وہ ذات جس نے میرے قلب کو یاس سے محروم کر کے اسے آرزوؤں سے آباد کر دیا کیونکہ یاس نے مجھے اس سے جدا کیا اور اس کی آرزو نے مجھے اس سے ملا دیا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ ایک ایسا شخص تھا کہ عبادت نے اس کا رنگ بدل دیا تھا اور

زہد نے اسے زخمی کر دیا تھا میں اس کے قریب گیا تو اس نے مجھے چھوڑ کر پیٹھ پھیر لی۔ میں نے کہا: مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ تو اس نے کہا: دیکھو! کہیں تمہاری آرزو اللہ تعالیٰ سے پلک جھپکنے کی دیر تک بھی منقطع نہ ہو۔ غم اور خوشی کو اکٹھا کرو، اللہ اور اپنے درمیان تعلق قائم کرو، تو اس روز خوشی پائے گا جب باطل کام کرنے والے خسارے میں ہوں گے۔ میں نے کہا: کچھ اور تو کہا: اتنا ہی کافی ہے۔

ایک شخص نے ذوالنون سے کہا کہ مجھے اپنا کوئی قول عطا کیجئے، انہوں نے کہا: شک کو یقین پر ہرگز ترجیح نہ دینا، تسکین کے بغیر اپنے نفس سے خوش نہ ہونا، اگر تجھ پر زمانے کی کوئی مصیبت آن پڑے تو اسے حسن صبر کے ساتھ برداشت کر لینا، اپنی آرزوؤں کا مرکز ہمیشہ قائم رہنے والی ذاتِ خبیر کو ہی سمجھنا تو اسے اپنی آرزوؤں کے ساتھ قائم پائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو غنیمت سمجھنا کیونکہ اللہ کے بندے اسی سے پیار کرتے اور اسی سے سکون و انس پاتے ہیں۔ انہوں نے اس کی معرفت حاصل کی اور اس کی معرفت ہی کے ذریعے اس کی آرزو کی اور عین الیقین کی حالت میں اس کے ساتھ تعلق قائم کیا، پھر ان کی نظریں عظیم و جلیل قدرت والے کی طرف اٹھیں تو اس نے انہیں اپنے تعلق کا جام شیریں نوش کرایا۔ اور اپنے خلوص کی لذتوں سے انہیں شاد کام کیا۔ ان کے آہ و بکا کی گونج عرش کے گرد سنائی دیتی ہے اور ان کے پکارنے کی آواز آسمانوں کے دروازوں کو کھٹکھٹاتی ہے تاکہ جلدی سے کھلیں اور دعا قبول ہو۔

جنیدؒ ایک وصیت میں کہتے ہیں: اے برادر! عمل کو پھر جلدی کر اس سے قبل کہ تیری موت تیری طرف جلدی کرے، آگے بڑھو اور آگے بڑھو اس سے پہلے کہ تیری طرف بڑھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے تیرے گزرے ہوئے بھائیوں اور دوستوں کے بارے میں تجھے وصیت کی ہے لہٰذا ان کے حقوق تجھ پر باقی ہیں اور تیرے لیے نافع ہیں اور اس کے سوا سب کچھ ہمارے لیے نہیں بلکہ تم پر ان کے حقوق ہیں۔ ہماری وصیت و نصیحت ہے تیرے لیے۔ اسے قبول کر کہ اس طرح تو معاملے کو بہتر بنائے گا اور اس پر عمل کرنے سے کامیابی حاصل کرے گا۔ والسلام۔

یہ تھیں صوفیہ کی چند وصیتیں اور ان کے مخصوص مقاصد جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔

# سماع

## حسن آواز، سماع اور مستمعین کے مختلف درجات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ [فاطر:۱]

ترجمہ: ''(اللہ تعالیٰ) بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے۔''

مفسرین کے مطابق اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اخلاقِ حسنہ سے سنوارتا اور حسن آواز کی نعمت سے آراستہ فرماتا ہے۔

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی خوش آوازی کے سوا کسی آواز کو زیادہ توجہ سے نہیں سنتا۔'' (۱)

اور آپ نے فرمایا: ''کوئی شخص اپنی خوش گلو کنیز کو اس قدر توجہ سے نہیں سنتا جس قدر اللہ جل جلالہ ایک خوش الحان قاریٔ قرآن کی قرأت کو سماعت فرماتا ہے۔'' (۲)

اور آپ نے فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام کو اتنی شیریں آواز عطا کی گئی تھی کہ زبور پڑھتے وقت ان کے گرد، ان کی امت بنی اسرائیل، جنات، جنگ کے درندے اور پرندے اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔ اور ان کی مجلس سے چار چار سو جنازے اٹھتے تھے۔'' (۳)

ایک روایت ہے: ''حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لحن داؤدی سے نوازا گیا۔'' (۴)

حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے تلاوت فرمائی اور مد کو لمبا کھینچ کر آواز کو ترجیح دی۔ (۵)

ایک موقعہ پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ آپ میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اچھی طرح بنا سنوار کر قرأت کرتا۔

ارشادِ نبوی ہے: ''قرآن کو اپنی آوازوں سے آراستہ کرو۔''

میرے نزدیک اس قول نبوی کے دو مفہوم ہیں:

پہلا یہ کہ قرآن غیر مخلوق ہے لہٰذا یہ تو ممکن نہیں کہ قرآن کو آراستہ کیا جائے لہٰذا اس سے شارع علیہ السلام کی مراد یہ ہے

---

(۱) شیخین، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

(۲) حضرت فضالہ بن عبید اس کے راوی ہیں اور مسند احمد، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان وغیرہ میں ہے۔

(۳) بقول حافظ عراقی لم اجد له اصلا۔

(۴) متفق علیہ حدیث بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

(۵) صحیحین اور سنن ابوداؤد میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

کہ اپنی آوازوں کو قرآن کی قرأت سے آراستہ کرو گویا ان میں سوز، نغمگی اور ترنم پیدا کرو تاکہ جب تلاوت کرنے قرآن کے قریب جاؤ تو اچھی آواز لے کر جاؤ۔ یہ مفہوم رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں قاعدہ تقدیم وتأخیر کو پیش نظر رکھ کر اخذ کیا گیا یعنی قولِ رسول ﷺ کو یوں پڑھا جائے گا: ''اپنی آوازوں کو قرآن سے آراستہ کرو۔'' اور اس طرح کی مثالیں قرآن میں جابجا ملتی ہیں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞ قَیِّمًا [الکہف:۲۱]

ترجمہ: ''سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کجی نہ رکھی۔''

اس آیت میں قیماً کا معنیٰ عوجاً سے پہلے کیا گیا ہے یعنی تقدیم وتاخیر ہے۔

ایک مقام پر قرآن کریم میں خدائے بزرگ وبرتر نے بھدی آوازوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۞ [لقمٰن:۱۹]

ترجمہ: ''بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔''

اللہ کا بھدی آوازوں کو برا قرار دینا اس حکمت کا حامل ہے کہ اس کی جانب سے بھدی آوازوں کی مذمت دراصل اچھی آوازوں کی تعریف ہے۔

اہل دانش وبینش نے کائنات میں موجود خوبصورت آوازوں اور دلکش نغموں کے کیا کیا مفہومات بیان کیے ہیں۔ چند ایک یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

ذوالنون مصریؒ کا قول ہے: وہ تمام اشارات وخطابات جو اللہ نے ہر پاکیزہ سیرت مرد وعورت کو عطا فرمائے ہیں، حسنِ آواز کے دائرے سے میں آتے ہیں۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: اچھی آواز، عشق الٰہی سے معمور دلوں کے لیے سرمایۂ راحت ہے۔

کسی اہلِ دل کا قول ہے: خوش نغمگی اللہ کی جانب سے ملنے والی وہ نعمت ہے جس کے ذریعے عشق حقیقی کے شعلوں میں جلنے والے قلوب ٹھنڈک اور سکون پاتے ہیں۔

مین نے احمد بن علی الوجیہیؒ سے اور انہوں نے ابوعلی رودباریؒ کو یہ کہتے سنا کہ ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبیؒ فرمایا کرتے تھے: تین چیزیں ہیں جو باعثِ منفعت ہیں:

۱۔ خوش آوازی مگر دیانت کے ساتھ ۲۔ حسن صورت مگر کردار کے ساتھ

۳۔ حسن اخوت مگر وفا کے ساتھ۔

بندار بن حسینؒ فرمایا کرتے تھے: خوب صورت آواز گداز لہجے اور لطیف زبان کی صورت میں ایک حاضر جواب دانائی اور کارآمد اوزار کی جیسی ہے۔ اور یہ وہ خوبی ہے جو اللہ ہی کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے۔ حسن صورت کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ گہوارے میں پڑا بے چین روتا ہوا بچہ جب نرم وگداز آواز سنتا ہے تو خاموشی سے سو جاتا ہے۔

قدیم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ سودا کے مریضوں کا علاج خوبصورت آوازوں کے ذریعے کرتے اور مریض شفایاب ہو جاتے تھے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ خوبصورت اور دلکش آوازوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک خوبی یہ بھی رکھی ہے کہ جب وادیوں میں چلنے والے اونٹ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں تو حدی خوان کی ایک سریلی تان پر وہ کس تیزی سے متوجہ ہو کر مستی کے عالم میں چل پڑتے ہیں اور اس قدر تیز چلتے ہیں کہ محملیں گرنے لگتی ہیں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ جب حدی خواں کی آواز رک جاتی ہے تو بوجھ، تھکاوٹ اور نغمہ بارصدا کی مستی میں حد سے زیادہ تیز رفتاری ان کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہوتی ہے۔

## خوش گلو حبشی اور مست اونٹ

دمشق میں دقیؒ نے مجھے خوش آوازی کی حکمت سمجھاتے ہوئے یہ حکایت سنائی کہ ایک دیہات میں قبائل عرب سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے میری ضیافت کی اور مجھے اپنے خیمے میں لے گیا۔ خیمے کے اندر اس نے ایک حبشی غلام کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا پایا اور خیمے کے باہر مردہ اونٹ دیکھے۔ ایک اونٹ پر جو بچ رہا تھا وہ بھی یوں لگتا تھا جیسے عالم نزع میں ہو۔ اسی دوران موقع پا کر اس حبشی غلام نے مجھ سے کہا کہ آپ آج میرے مالک کے مہمان ہیں اور اس کے نزدیک آپ ایک شریف النسب شخص ہیں لہٰذا آپ میری سفارش کریں کہ وہ مجھے اس قید سے آزاد کر دے کیونکہ وہ آپ کا کہنا رد نہیں کرے گا۔

اتنے میں میرے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ جسے میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ بات میرے میزبان کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ اس لیے اس نے سوال کیا: آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے کہا: جب تک آپ اس غلام کی خطا معاف کر کے اس کی بیڑیاں کھول نہیں دیتے میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس نے کہا: اے شخص! اس غلام نے تو مجھے مفلس و کنگال کر دیا ہے۔ مجھے اور خاندان کو نقصان پہنچایا ہے۔

میں نے پوچھا: اس نے کیا خطا کی؟

میزبان نے جواب دیا: اس غلام کی آواز بہت اچھی ہے۔ میرا گذارہ انہی اونٹوں پر تھا کہ اس نے ان پر بہت زیادہ بوجھ لاد کر ہانکا اور حدی گاتا ہوا ساتھ چلا یہاں تک کہ یہ اونٹ اس کی دلکش آواز پر مست ہو کر تین دن کا سفر ایک رات میں طے کر کے جب منزل پر پہنچے اور بوجھ اتارا گیا تو ایک کے سوا سب کے سب اونٹ وہیں پر ڈھیر ہو گئے۔ چونکہ آپ میرے مہمان ہیں اس لیے میں اسے معاف کر کے رہا کر دیتا ہوں غلام کی رہائی کے بعد ہم نے کھانا کھایا۔

صبح ہوئی تو میں نے چاہا کہ اس غلام کی خوش آوازی کا لطف اٹھایا جائے میں نے اس کے مالک سے غلام کو گانے کا حکم دینے کے لیے کہا مالک نے غلام کو حکم دیا کہ جس اونٹ پر وہ پاس کے کنویں سے پانی ڈھویا کرتا ہے اس کے پاس حدی گائے۔

جوں ہی اس غلام کی حدی کی لَے فضا میں بلند ہوئی۔ اونٹ اپنی جگہ سے مست ہو کر اٹھا اور فرطِ سرور میں رسی تڑا لی۔ میں اپنی جگہ پر منہ کے بل گر گیا۔ مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ میں نے کبھی اس غلام کی آواز سے بڑھ کر کوئی خوبصورت آواز سنی ہو۔ غلام حدی کی تانیں اڑا رہا تھا اور اس کا مالک چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: اے شخص تو اب مجھ سے اور کیا چاہتا ہے تو نے تو میرے اونٹ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ مجھ سے دور ہو جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ۔

میں نے انطاکیہ میں احمد بن محمد الطلیؒ اور انہوں نے بشرؒ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے اسحاق بن ابراہیم موصلیؒ سے ماہر گانے والے کی تعریف پوچھی تو فرمانے لگے: جس کو اپنی سانسوں پر قدرت، اختلاس میں لطافت اور ریاضت تام حاصل ہو وہی ایک ماہر گانے والا ہے۔

# سماع اور اس کے مفہوم سے متعلق صوفیہ کے مختلف اقوال

ذوالنون مصری علیہ الرحمہ نے سماع کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: سماع، اللہ کی جانب سے قلب پر وارد ہونے والے معانی ہیں جو حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر کوئی حق کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے قلب پر وارد ہونے والے معانی کو پالیا اور جس نے نفسانی خواہشات کے زیر اثر اس کی طرف توجہ کی وہ زندقہ میں مبتلا ہو گیا۔

احمد بن ابی الحواری علیہ الرحمہ نے ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ سے سماع اور خوش الحانی سے گائے جانے والے اشعار سننے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات یہی ہے کہ گانے والے دو ہوں۔

ابو یعقوب نہر جوری علیہ الرحمہ کہتے ہیں: سماع ایک ایسی حالت کو کہتے ہیں جس کے دوران دل میں سوز و گداز کی آگ بھڑکتی ہے اور اس کے نتیجے میں راز کھلتے ہیں۔

بعض صوفیہ کا قول ہے کہ سماع اہلِ معرفت کی غذا روحانی کے لطف سے شادکام کرتا ہے کیونکہ سماع کا یہ وصف ہے کہ وہ حد درجہ لطیف ہوتا ہے۔ اس سے فقط لطافت ورقتِ طبع کے سات ہی استفاضہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ خود لطیف ہے۔ اور اس سے فقط لطافتِ طبع اور صفائے قلب کے ساتھ ہی اس کے اہل لوگ استفاضہ کر سکتے ہیں کیونکہ سماع خود لطیف اور پاک وشفاف ہے۔

ابوالحسینؒ دراج فرماتے ہیں: سماع مجھے روشنی ونور کے میدانوں میں سے ایک میدان میں لے آیا ہے اور اس نے عطا وبخشش کی چوکھٹ پر مجھے وجودِ حق سے ہمکنار کر دیا اور اس نے مجھے مے صفاء کے جام پلائے جس کی سرمدی مستیوں سے سرشار ہو کر میں رضا کی منزلوں کا ادراک پا گیا۔ اور اسی کے ذریعے میں حقیقت کی پاکیزہ فضاؤں اور گلستان کی طرف آ نکلا۔

ایک مرتبہ ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: سماع بظاہر فتنہ اور بباطن عبرت ہے۔ جس نے باطنی اشارے کو پالیا اس کے لیے عبرت کو سننا جائز ٹھہرا اور ظاہری استماع کرنے والے نے فتنے کو دعوت دی اور مصیبت سے دو چار ہوا۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا کہنا ہے کہ سماع کے لیے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو سماع اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ پوچھا گیا کہ وہ تین شرائط کیا ہیں، تو فرمایا:

زماں، مکان اور ہم مشرب ساتھی۔

کہتے ہیں کہ جس نے پاکیزہ رنگ کے سماع کو پسند نہیں کیا۔ اس کی وجہ اس کے قلب میں پیدا ہو جانے والا وہ نقص اور دنیوی مشغولیت ہے جس نے اسے اس جانب سے دور رکھا۔

جعفر بن محمد الخلدی کا بیان ہے کہ جنید بن محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: فقراء پر تین مواقع پر رحمتِ خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ ایک بوقتِ سماع کیونکہ وہ راست اور جائز انداز سے سماع کرتے ہیں اور وجد ہی کی حالت میں قیام کرتے ہیں۔ دوسرے اس وقت جب وہ علمی گفتگو کرتے ہیں کیونکہ ان کا موضوع اولیاء وصدیقین کے احوال وآثار ہی ہوتے ہیں۔ تیسرے

اس وقت جب وہ کھانا تناول کرتے ہیں کیونکہ وہ فاقے ہی کی صورت میں کھاتے ہیں۔

ابوعلی رود باری علیہ الرحمہ نے سماع سے متعلق کہا تھا: کاش! ہم اس سے کلیتاً چھٹکارا پالیتے۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے جو سماع سنے اس کے اسباب کو پسند کرے۔

میں نے ابوطیب احمد بن مقاتل عکیؒ کو یہ کہتے سنا کہ ابوالقاسم جنیدؒ کے مریدین میں سے ابوالحسین بن زیدیؒ ایک فاضل شیخ تھے ان کا دستور تھا کہ اکثر و بیشتر سماع کو محفلوں میں حاضر ہوتے اور سماع اچھا لگتا تو چادر بچھا کر بیٹھ رہتے اور کہتے کہ صوفی اپنے دل کے ساتھ رہتا ہے جہاں دل آ گیا بیٹھ گیا اور دل نے حامی نہ بھری تو وہاں سے یہ کہتے ہوئے کہ سماع اہلِ قلوب کے لیے ہے، چل دیتے۔

میں نے ابوالحسن حصریؒ کو ایک بار کہتے سنا کہ میں ایسے سماع کا ذکر کیا کروں کہ جو سماع برپا کرنے والے کے سماع کو منقطع کرنے پر ختم ہو جائے۔ چاہیے تو یہ کہ سماع مسلسل جاری رہے۔ اور انہیں سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: چاہیے کہ پیاس بھی دائمی ہو اور پینا بھی دائمی، کیونکہ جس قدر زیادہ پیا جائے گا پیاس بھی اسی قدر بڑھے گی۔

# عوام الناس کے لیے جوازِ سماع کی شرائط

**بندار بن حسینؒ کا قول ہے:** جو بھی سماع طیب کو نہیں سنتا اس کی قوتِ ادراک میں نقص ہے کیونکہ ہر طرح کی منفعت حاصل کرنے میں تکلیف برتنا پڑتی ہے۔ چاہے اس منفعت کا تعلق جائز اشیاء سے کیوں نہ ہو جب کہ سماع اگر برے مقاصد سے پاک ہو تو ایسا مباح فعل ہے جس میں کسی طرح کا کوئی تکلف نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص سماع کو پاکیزہ طریقے اور حسن آواز سے جائز طور پر لذت یاب ہونے کی خاطر اس طرح سنے کہ اسے اس کا مقصد کوئی برائی، اختلاف لہو ولعب اور ترک حدود نہ ہو تو سماع کسی طرح بھی ناجائز نہیں۔

## جوازِ سماع

جوازِ سماع پر مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا جاتا ہے:

ارشادِ ربِ عزوجل ہے:

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ [الذّٰریٰت:۲۱]

ترجمہ: ''اور خود تم میں (نشانیاں ہیں) تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔''

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ [حم السجدہ:۵۳]

''ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں۔''

جو کچھ اللہ جل ذکرہ نے ہمیں اپنے نفسوں میں دکھایا اسے ہم نے اپنے حواس خمسہ میں دیکھا بایں طور کہ انہیں حواس کے ذریعے ہی ہم اشیاء اور ان کے اضداد میں فرق کر سکتے ہیں جیسے آنکھ اچھے اور برے میں تمیز کرتی ہے، ناک خوشبو اور بدبو میں فرق بتاتی ہے۔ منہ کے ذریعے ہم تلخی وشیرینی میں تمیز کرتے ہیں، ہاتھ نرم اور سخت کا احساس کرتا ہے۔ اور اس طرح کان اچھی اور بری آوازوں میں تمیز کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ [لقمٰن:۱۹]

ترجمہ: ''بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔''

مذکورہ آیت مبارکہ میں جہاں بری آوازوں کی مذمت کی گئی ہے در اصل اس مذمت میں اچھی آوازوں کی تعریف پنہاں ہے اور بری واچھی آوازوں میں تمیز فقط سماع کے ذریعے ہی کی جاسکتی ہے۔ سماع سے مراد حضور قلب، ادراک اور جملہ اوہام سے خالی الذہن ہو کر نہایت غور سے مائل بہ سماعت ہونا ہے۔

اللہ جل ذکرہ نے اپنی کتاب میں اہل جنت کے لیے جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ان کی خوب صورت الفاظ میں توصیف فرمائی مثلاً:

سدر مخضود (بے کانٹوں کے بریاں)طلح منضود (کیلے کے گچھے)، فاکھہ کثیرہ (بے شمار میوے)

لحم الطیر (پرندوں کا گوشت) حور عین (بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں) السندس (کریب کا کپڑا) استبرق (قنادیز) رحیق مختوم (سربمہر شراب) ارائك (آراستہ تخت) قصور (محلات) غرف (بالا خانے) اشجار (درخت) انہار (نہریں)۔

اور یہ بھی فرمایا:

فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿١٥﴾ [الروم: ١٥]

ترجمہ: ''باغ کی کیاری میں ان کی خاطر داری ہوگی۔''

مجاہد نے مذکورہ آیت تفسیر میں کہا کہ آیت میں اس سماع کا ذکر کیا گیا ہے جو اہل جنت، بہشت کی خوبصورت حوروں اور خوبرو دوشیزاؤں کے دلکش مترنم آوازوں میں سنیں گے۔ وہ گا رہی ہوں گی۔ جیسا کہ حدیث ہے: ''ہم ہمیشہ زندہ رہنے والیاں ہیں ہمیں کبھی موت نہیں آئے گی ہم سدا نرم و تازہ رہیں گی، ہم پر کبھی (بڑھاپے) کی سختی نہیں آئے گی۔'' ❶

اللہ تعالیٰ نے شراب کو جملوں نعمتوں سے الگ کر کے حرام قرار دیا۔ حدیثِ نبوی ہے: جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ ❷

اس طرح سماع بھی جو کہ مذکور نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے ان نعمتوں میں شامل ہے جو اللہ نے بندوں کے لیے اس دنیا میں حلال ٹھہرائی ہیں۔ اور شراب کو باقی تمام نعمتوں سے اس طرح الگ کیا گیا کہ اسے نصِ قرآنی اور احادیث ظاہرہ سے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئے کیا دیکھتے ہیں کہ دو لڑکیاں دف بجا رہی ہیں اور ساتھ گا رہی ہیں۔ آپ نے انہیں گانے سے نہیں روکا۔ مگر یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے اور فرمانے لگے: کیا رسول اللہ کے گھر میں شیطان کی بانسری بج رہی ہے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو: اے عمر! کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے (یعنی خوشی کے مواقع ہوتے ہیں۔) ❸

مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر گانا ناجائز ہوتا تو عید یا غیر عید دونوں مواقع پر ناجائز ہوتا۔ الغرض اس ضمن میں کئی روایات ملتی ہیں۔

ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر مغموم حالت میں یہ شعر پڑھتے ہوئے داخل ہوئے۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''ہر شخص اپنے اہل و عیال میں مگن ہے جب کہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب تر ہے۔''

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب زیادہ پریشان ہوتے تو بلند آواز سے اشعار پڑھتے۔

**ترجمہ اشعار:**

---

❶ سنن ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، امام ترمذی نے اسے حدیث غریب قرار دیا۔

❷ الموطا، مسند احمد، صحیحین، اور سنن اربعہ میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

❸ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ترجمہ: ''کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ کیا میں کوئی رات کسی وادی میں اس طرح گزاروں گا کہ میرے گرد اذخر و جلیل جیسی خوشبودار گھاس ہو۔''

اور کیا میں کسی روز مکہ سے قریب مقام مجنۃ کے پانی کے گھاٹوں پر داخل ہوں گا اور کیا مجھے طلوع و غروب آفتاب اور چاند کے بیچ کی سیاہی کا منفرد دکھائی دے گا۔

اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لبید کا یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''وہ لوگ کوچ کر گئے جن کے پہلو میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور اب میں اس طرح باقی رہ گیا ہوں جیسے نیام کا چمڑا۔''

یہ شعر پڑھنے کے بعد ام المومنین فرماتیں کیا ہی اچھا ہوتا اگر لبید ہمارا زمانہ پاتا۔ صحابہ کرام اکثر اشعار پڑھا کرتے تھے اور اس طرح کی روایات کثیر تعداد میں ملتی ہیں۔ مجھے ابوعبداللہ حسین بن خالویہ نحوی نے انہیں ابن الانباری نے باسناد بتایا:

کعب بن زہیر نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اپنا مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' پیش کیا تھا۔ جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔ **ترجمہ اشعار:**

ترجمہ: ''سعاد گزر گئی اس لیے آج میرے دل کی حالت خستہ ہے اور اس قیدی کی مانند ہے جس کا فدیہ ادا نہیں کیا گیا اور وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔''

ترجمہ: ''جدائی کی صبح کو جب انہوں نے کوچ کیا تو سعاد گنگناتی جھکی جھکی نظروں اور سرگیں آنکھوں والی ہرنی کی مانند تھی۔''

ترجمہ: ''وہ شراب (جو سعاد کے دانتوں کو پلائی گئی) ایسی ہے کہ جس میں وادی کے موڑ پر وسیع سنگریزوں والی ندی سے بوقت چاشت لیے گئے پانی کی آمیزش کر کے اس کی تیزی کو توڑا گیا ہے۔''

ترجمہ: ''ہوائیں اس ندی سے تنکوں کو صاف کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس میں کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہتی جو اسے گدلا کر سکے اور اس ندی کو انتہائی سفید پہاڑوں نے رات کے وقت برسنے والے بادلوں سے لبریز کیا ہے۔''

ترجمہ: ''سعاد کس قدر معزز شریف النسب دوست ہے کاش! اس نے وعدہ وفا کیا ہوتا یا بھلائی کی بات مان لی ہوتی۔''

ترجمہ: ''لیکن وہ میری دوست کہ جس کی محبت کا اسیر ہوں اس کے خون میں، مصیبت زدہ بنانے، دروغ گوئی، منہ موڑنے اور دوست بدلنے کی فطرت سرایت کیے ہوئے ہے۔''

ترجمہ: ''عرقوب نامی مشہور وعدہ خلاف عرب کے وعدے اس کے لیے مثال بن گئے ہیں اور عرقوب کا ہر وعدہ جھوٹا ہوتا تھا۔''

ترجمہ: ''مجھے امید ہے اور میری آرزو ہے کہ سعاد کی محبت مجھ سے قریب ہوگی حالانکہ میں تم (سعاد) سے وصل پانے کا گمان نہیں کرتا۔''

ترجمہ: ''وہ جو وعدہ کرتی ہے اس کو اس طرح تھامے رہتی ہے جیسا کہ چھلنیاں پانی کو تھامے رہتی ہیں یعنی وعدہ وفا کرنا تو اس کی عادت سے ہی خارج ہے جیسا کہ چھلنیاں پانی کو روکتی نہیں بلکہ یکدم گرادیتی ہیں۔''

ترجمہ: ''تو تمہیں ہرگز اس کا وعدہ اور امید دلانا دھوکہ نہ دے دے کیونکہ آرزوئیں اور خواب گمراہ کر دیتے ہیں۔''

ترجمہ: ''سعاد ایک ایسی زمین پر پہنچ گئی جو دور واقع ہے اور جس تک صرف بے عیب مضبوط ترین نسل والے اور تیز رفتار اونٹ ہی پہنچ سکتے ہیں۔''

ترجمہ: ''اس زمین تک صرف وہی اونٹنی پہنچ سکتی ہے جو جسمانی اعتبار سے بڑی اور مضبوط ہو اور باوجود تھکاوٹ کے وہ تیز رفتاری سے فاصلہ طے کرتی ہو۔''

ترجمہ: ''اس اونٹنی کی گردن اور ٹانگیں موٹی ہوں اور اپنی بناوٹ وساخت میں دوسری اونٹنیوں پر سبقت رکھتی ہو۔''

ترجمہ: ''وہ اونٹنی انتہائی مضبوط، سخت اچھی نسل والی خالص نسب والی، لمبی کمر والی، طویل گردن والی، سبک سیر اور تیز رفتار ہو۔''

## شاعری

حضور ﷺ نے فرمایا: ''بعض اشعار میں دانائی کی باتیں ہوتی ہیں۔ [1] ایک اور حدیث نبوی ہے: '' حکمت ودانش مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ [2]

جب شعر کا پڑھنا جائز ٹھہرا تو اسے ترنم، خوش الحانی، حدی، نصب، رمل اور رجز کی صورت میں پڑھنا بھی درست ہے بشرطیکہ اس میں برے مقاصد، مخالفت اور حدود سے تجاوز نہ ہو۔

## سماع اور بعض فقہا وعلماء

سماع کی اجازت بعض علماء اور فقہاء نے بھی دی ہے اور اسے جائز سمجھا ہے مثلاً مالک بن انس علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک دوپہر کو کسی شخص کو جوان کے دروازے پر اجازت طلب کر رہا تھا۔ یہ شعر گاتے ہوئے سنا۔

**ترجمہ شعر:**

''اے رباب! تیری قوم کو کیا مصیبت ہے کہ انہوں نے آنکھیں سکیڑ رکھی ہیں جیسے وہ غصے میں ہوں۔''

---

[1] صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

[2] سنن ترمذی میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

مالک بن انس نے اس شخص سے کہا کہ تو نے ایک تو لفظوں کی ادائیگی ٹھیک نہیں کی، دوسرے تو نے قیلولے سے محروم کر دیا۔ اس شخص نے آپ سے پوچھا کہ ادائیگی کس طرح ہو۔ اس پر آپ نے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ یہ کہتے پھرو کہ میں نے اسے انس بن مالک سے سیکھا ہے۔

انس بن مالک ؓ اور اہل مدینہ کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ وہ سماع کو ناپسند نہیں کرتے تھے اور اس کے جواز میں کئی روایات ہیں جن کے راوی عبداللہ بن جعفر عبداللہ بن عمر اور دیگر کئی صحابہ و تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے بھی سماع اور ترنم سے اشعار پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس میں آداب و شرائطِ سماع کی پابندی کی جائے۔

ابن جریج علیہ الرحمہ کہا کہنا ہے کہ یمن سے میرے کوچ کرنے اور مکہ میں اقامت اختیار کرنے کا سبب فقط دو شعر تھے جو میں نے کسی سے سنے۔ اشعار یہ ہیں۔ **ترجمہ اشعار:**

''خدا کی قسم! میں یہ بات بغیر کسی خفگی کے کہہ رہا ہوں کہ یمن میں طویل قیام سے تو کیا چاہتا ہے۔
اگر تو نے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا تھا یا ارادہ کر لیا تھا تو تجھے ایسے میں بیت اللہ کا حج نہ کرنے سے کیا وصول ہوا۔''

ابن جریج کے بارے میں ایک واقعہ یہ ہے کہ وہ چونکہ سماع کو جائز سمجھتے تھے اس پر کسی نے ان سے پوچھا کہ جب قیامت کو آپ کو بھی لایا جائے گا اور آپ کے گناہوں اور نیکیوں کو بھی پیش جائے تو آپ کا سماع نیکی و برائی میں سے کس پلڑے میں ہوگا۔ آپ نے جواب دیا: نہ نیکیوں میں اس کا شمار ہوگا اور نہ برائیوں میں کیونکہ سماع مشابہ ہے لغو سے اور لغو کا ذکر اللہ نے ایک مقام پر اس طرح فرمایا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ [البقرہ:۲۲۵]

ترجمہ: ''اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے۔''

الغرض عوام الناس کے لیے سماع کا جواز فقط اس شرط پر ہو سکتا ہے کہ سماع کے دوران ان کے پیش نظر فاسد مقاصد نہ ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے جن سازوں مثلاً کمان کی تانیں، بانسری، طبلہ، ڈگڈگی اور دیگر گانے بجانے کے آلات کے ساتھ سماع کے سننے سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہیں کیونکہ ان سازوں کے ساتھ سماع اہل باطل کا سماع ہے جسے احادیث صحیحہ کے مطابق ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

# سماع خواص اور ان کے درجات

میں نے ابوعمرو اسماعیل بن نجیدؒ سے اور انہوں نے ابوعثمان سعید بن عثمان رازیؒ واعظ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

سماع کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم کا سماع مریدین ومبتدیوں کے لیے ہے جس کے ذریعے وہ اعلیٰ احوال تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں ان سے یہ خدشہ بھی ہرتا ہے کہ کہیں وہ ریاکاری وفتنے کا شکار نہ ہوجائیں۔

دوسری قسم کا سماع صدیقین کے لیے ہے جس کے ذریعے وہ اپنے ماحول میں اضافہ کرتے ہیں اور وہی کچھ سنتے ہیں جو ان کے مقامات واحوال کے موافق ہو۔

تیسری قسم کا سماع عارفین، عارفین میں سے اہل استقامت کا ہے۔ ان لوگوں کا حال بوقت سماع یہ ہوتا ہے کہ ان پر کسی طرح کی حرکت یا سکون کی کیفیت طاری ہو وہ اس میں کوئی بات ایسی نہیں کرتے جس سے اللہ پر اعتراض یا اس کی نافرمانی کا عنصر شامل ہو۔

ابویعقوب اسحاق بن محمد ایوب نہر جوری کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کا قول ہے:

اہل سماع کے تین طبقے ہوتے ہیں:

پہلے طبقے والے اپنی حرکت یا سکون کی حالت میں اپنے وقت کے مطابق رہتے ہیں۔

دوسرے طبقے والے خاموش اور پرسکون رہتے ہیں۔

تیسرے طبقے والے اپنے ذوق میں مخبوط ہوجاتے ہیں اور یہی طبقہ ہے جو کمزور ہے۔

بندار بن حسین کہتے ہیں: ''سماع کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم میں سماع سننے والے اپنی طبیعت کے موافق سنتے ہیں۔

دوسری قسم کا سماع وہ جسے حال کی کیفیت کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ اور تیسری قسم میں سماع کو حق کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے۔''

طبیعت کے مطابق سننے میں خاص وعام دونوں شامل ہیں۔ ہر ذی روح اچھی آواز کو پسند کرتا ہے کیونکہ روح کے ناطے یہ ذوق لازمی ہے۔ اور جو شخص اپنے حال کے مطابق سنتا ہے۔ وہ اس میں غور وفکر کرتا ہے حتیٰ کہ اس پر بعض کیفیات کے ذکر سے ایک مخصوص حالت طاری ہوتی ہے۔ کیفیات یہ ہیں مثلاً، عتاب، خطاب، وصل، ہجر، قرب، بعد، کسی چیز کے کھودینے کا افسوس، مستقبل میں کسی واقع ہونے والی چیز کے لیے شوق وانتظار، طمع، خوف عذاب، مانوس ہونا، سہولت وکشائش، جدائی کا غم، پاس عہد، تصدیق وعدہ، وعدہ شکنی، بے قرار، اشتیاق مسرتِ وصال، ناامیدی، خلوص وصفاء محبت، الفت میں استقامت، حصول مرتبہ کے بعد وقوع اشتیاق، وصل حبیب کے وقت رقیب کی نگہداری، تکالیف غم، اقسامِ فتنہ، چشم نم ہونا، اشک بہانا، آہیں بھرنا اور حسرتیں باندھنا۔

جب سماع سننے والے پر مذکورہ بالا تمام کیفیات کو سننے کے نتیجے میں اس کے اپنے حال سے موافق ایک حال طاری ہو جائے تو یہ ایک ایسی مؤثر کیفیت ہوتی ہے کہ اس کے صفاء قلب کے مطابق اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نتیجتاً (اس کے باطن میں) ایک آگ بھڑک اٹھتی ہے جو اپنی شرار سے جوارح پر پھینکتی ہے۔ ایسی کیفیت میں اس کے اعضاء جوارح پر ہیجان و اضطراب اور حرکت و تغیر کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے میں وہ اپنی بساط کے مطابق ضبط کرتا ہے اگر واردات سماع بہت قوی ہوں تو وہ اس کے ضبط کرنے سے عاجز بھی آ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں خدائے لم یزل کی ذاتِ اقدس ہی ان کی رہنمائی وحفاظت فرماتی ہے۔ اگر اس دوران اللہ کی رحمت ان کے شامل حال نہ ہو تو سماع سننے والوں کی عقلیں جاتی رہیں اور ان کی روحیں ان کے جسم چھوڑ جائیں مگر جو سماع کو حق کے ساتھ اور حق سے جو سماع کو براہِ راست سنتا ہے وہ مذکورہ کیفیات سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے احوال کی طرف التفات کرتا ہے کیونکہ چاہے یہ احوال کتنے ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہوں پھر بھی خطِ بشری سے مبرا نہیں ہوتے بلکہ انسانی حدود سے بھی مربوط ہوتے ہیں۔ اگر بندہ کا سماع اللہ کے ساتھ، اسی کے لیے، اسی سے بلا واسطہ اور اسی کی جانب ہو تو یہ احوال باوجود بشری اسباب رکھنے کے لغزش سے پاک اور صاف رہتے ہیں اور اس طرح کا سماع کرنے والے ہی حقائق شناس، احوال آگاہ، افعال واقوال سے فانی، فقط اخلاص اور صفاء توحید سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان کی بشریت گم اور باقی دلچسپیاں فانی ہو جاتی ہیں۔ فقط ان کے حقوق باقی رہ جاتے ہیں۔ وہ خلق کے موارد کو حق کے ساتھ دیکھتے ہیں اور ان کا مشاہدہ ہر علت وخطِ بشری یا روح کی نعمت سے لطف اندوز ہونے سے مبرا ہوتا ہے۔ پھر وہ سماع کے واردات کے ذریعے اپنے قلوب پر اللہ کی حکمت کا مظاہرہ اور اس کی قدرت کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کی نظر اللہ کے عجائب لطف وغرائب علم تک پہنچ جاتے ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

بعض کہتے کہ سماع سننے کے اعتبار سے اہل سماع کی تین اصناف ہیں۔ ایک وہ جنہیں ابناء حقائق (شناسیانِ حقیقت) کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سماع کے دوران اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو سماع میں اپنے احوال مقامات اور اوقات سے مخاطب ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔ اور جن حقائق کا وہ اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس میں صدقِ طلب کا جوہر موجود ہوتا ہے۔

تیسرے وہ جو خالصتاً فقیر ہوتے ہیں۔ یہ جملہ علائق سے دور اور ان کے دل حبِ دنیا سے پاک اور جمع ومنع سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ یہی وہ طبقہ ہے جو خلوص دل کے ساتھ سماع سنتا ہے اور سماع سننا ان کے لائق ہے۔ یہ سب لوگوں سے بڑھ کر سلامتی کے نزدیک اور فتنے سے محفوظ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

# طبقاتِ اہلِ سماع

سماعِ قرآن کرنے والا طبقہ

اہل سماع کے مختلف طبقے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے لیے سماع کا ایک طریق رکھتا ہے۔ یہاں اس باب میں اس طبقے کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے فقط سماع قرآن کو اختیار کیا اور مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا: ارشادِ ربانی ہے:

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ [المزمل:٤]

ترجمہ: ''اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''

فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ [الرعد:٢٨]

ترجمہ: ''سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔''

اور فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖۗ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ [الزمر:٢٣]

''اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں۔''

فرمایا:

الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ [الحج:٣٥]

ترجمہ: ''کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں۔''

فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا [الحشر:٢١]

ترجمہ: ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو تُو ضرور اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا۔''

فرمایا:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ [بنی اسرائیل:٨٢]

ترجمہ: ''اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔''

اور فرمایا:

الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ [الزمر:١٨]

ترجمہ: ’’ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔‘‘

ان آیاتِ مبارکہ کے علاوہ بھی اس ضمن میں کئی آیات ہیں جو بطور حجت کے پیش کی جا سکتی ہیں۔

سماع قرآن سے متعلق طبقے نے آیات کے ساتھ ساتھ بعض احادیث نبوی سے بھی استشہاد کیا ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ’’قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے مزین کروں۔‘‘

حضور رسالت ماب ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تلاوت قرآن کرو؟ ابن مسعود نے عرض کیا: میں کیونکر آپ کے سامنے تلاوت کرنے کی جسارت کروں کہ آپ پر قرآن اترا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے علاوہ دوسرے سے تلاوتِ قرآن کو سننا پسند کرتا ہوں۔ ۴

حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو سورۂ والتین والزیتون۔۔۔الخ‘‘ تلاوت کرتے سنا۔ اور میں نے ان سے بڑھ کر اچھی قرأت کسی سے نہیں سنی۔

قولِ رسول خیر الانام ﷺ ہے: ’’مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے (جن میں عذابِ الٰہی کا ذکر ہے) بوڑھا کر دیا ہے۔‘‘

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابوموسیٰ کو آل داؤد کی سی خوش الحانی عطا کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) بہترین قرأت کسی کی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی جو تلاوت کرے تو اللہ کا خوف رکھتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ اہل صفہ رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو کپڑے پھٹے ہوئے یا چھوٹے ہونے کے سبب ڈھانپ رہے ہیں اور قاری انہیں قرآن سنا رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جب یہ آیت پڑھی:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ [النساء:۴۱]

ترجمہ: ’’تو کیسی ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں۔‘‘

تو آپ پر جیسے غشی سی طاری ہو گئی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ [المائد:۱۱۸]

ترجمہ: ’’اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔‘‘

تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ ۵

رحمت دو عالم ﷺ کا یہ شعار تھا کہ جب بھی کوئی رحمت والی آیت پڑھتے تو دعا کرتے اور خوش ہوتے اور جب عذاب بیان کرنے والی آیت پڑھتے تو دعا کرتے اور اللہ کی پناہ مانگتے۔

جو بھی قرآن کو سنے اسے چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کو پیش نظر رکھے۔ آپ نے فرمایا: ’’ایسی قرأت کا

۴ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۵ قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ روایت سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور مسند بزار میں بروایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ جبکہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کوئی فائدہ نہیں جس میں غور وفکر شامل نہ ہو۔"

قرآن کریم میں سماعِ قرآن کرنے والوں کی دو قسمیں بیان کی گئیں۔ایک قسم کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ [محمد:١٦]

ترجمہ: "اور ان میں سے بعض تمہارے ارشاد سنتے ہیں یہاں تک کہ جب تمہارے پاس سے نکل کر جائیں علم والوں سے کہتے ہیں ابھی انہوں نے کیا فرمایا۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی۔"

یہ تو تھے وہ لوگ جو قرآن کو اپنے کانوں سے سنتے ہیں مگر ان کے دل غیر حاضر ہوتے ہیں۔ اسی لیے ایسے لوگوں کی قرآن نے مذمت کی اور ان کے دلوں پر مہریں لگادیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ [الانفال:٢١]

ترجمہ: "اور ان جیسا نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے۔"

دوسری قسم کے بارے میں یہ آیت مبارکہ دیکھئے:

اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ [المائدہ:٨٣]

ترجمہ: "اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں۔اس لیے کہ وہ حق کو پہچان گئے۔"

یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں توصیف فرمائی کیونکہ اپنے دلوں کو حاضر کر کے سماعِ قرآن کرتے ہیں۔ یہاں اگر میں ان تمام لوگوں کا ذکر کروں جو قرآن سننے یا تلاوت کرنے سے بے ہوش ہو گئے، جن پر گریہ طاری ہو گیا، جو مر گئے اور جن کے اعضاء جدا ہو گئے تو بیان بہت طول پکڑ جائے گا اور اختصار نہ رہے گا البتہ کچھ کے واقعات پیش ہیں۔

حضرت زارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ جو صحابی تھے ایک مرتبہ امامت کر رہے تھے اور قرأت میں ایک آیت پڑھی تو وہ بے ہوش ہو گئے اور بعد میں انتقال کر گئے۔ ❶

اسی طرح ابوجہیر رضی اللہ عنہ جو تابعی تھے ان کے سامنے صالح المری نے تلاوتِ قرآن کی تو وہ بے ہوش ہو کر رحلت کر گئے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ سے ابوعلی المغازلی علیہ الرحمہ نے سماعِ قرآن کے بارے میں پوچھا کہ بعض اوقات میں قرآن کی کوئی آیت مبارکہ سنتا ہوں تو وہ مجھے ترکِ اشیاء اور دنیا سے منہ پھیرنے پر متنبہ کرتی ہے مگر میں کچھ دیر بعد پھر سے اپنی پہلی حالت یعنی اپنے احوال اور لوگوں کی طرف واپس آجاتا ہوں۔

شبلی علیہ الرحمہ نے جواب دیا: قرآن کی جس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی طرف کھینچا وہ اس کا کرم تھا اور جب وہ تمہیں پھر سابقہ حالت کی طرف لوٹا لایا تو یہ تم پر اس کی شفقت تھی۔ اور یہ واپسی اسی لیے ہوئی کہ تم اللہ کی جانب متوجہ ہونے میں اپنی قوت و طاقت سے مبرا نہیں ہوتے۔

❶ حاکم نے سندِ صحیح سے بہز بن حکیم سے روایت کیا۔

احمد بن ابی الحواری علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ سلیمان دارانی علیہ الرحمہ نے کہا: بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ میں ایک ہی آیت کریمہ میں پانچ پانچ رات مسلسل مستغرق رہتا ہوں۔ اور اگر میں اس میں غور وفکر کو ترک نہ کر دیتا تو اس سے آگے نہ بڑھ سکتا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک آیت سامنے آتی رہے اور عقل اس میں پرواز کرنے لگتی ہے۔ ایسے ہی وہی پاک ذات ہی اسے واپس لاتی ہے۔

جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سری سقطی علیہ الرحمہ کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک شخص بے ہوش پڑا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس نے ایک آیت سنی اور ہوش جاتے رہے۔ میں نے کہا کہ اسے وہی آیت سنائی جائے جس سے یہ بے ہوش ہوا تھا۔ یہی عمل کیا گیا اور وہ شخص ہوش میں آ گیا۔ سری علیہ الرحمہ کہنے لگے۔ یہ علاج تمہیں کس طرح سوجھا؟ میں نے کہا کہ مجھے یہ معلوم تھا کہ یعقوب علیہ السلام کی بینائی چلے جانے کا سبب مخلوق (یعنی قمیص یوسف علیہ السلام) تھی اور اس مخلوق کے ذریعے ہی ان کی بنائی لوٹ آئی تھی۔ اگر ان کی بینائی کے چلے جانے کا سبب حق ہوتا تو کبھی مخلوق کے ذریعے نہ لوٹتی۔ میرا یہ جواب ان کو بہت پسند آیا۔

ایک صوفی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک رات کو بار بار یہ آیت پڑھتے تھے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِؕ [آل عمران: ۱۸۵]

ترجمہ: ''ہر جان کو موت چکھنی ہے۔''

اسی دوران ہاتف نے صدا دی کہ کب تک یہ آیت دہراتے چلے جاؤ گے۔ اب تک اس نے چار ایسے جنوں کو ہلاک کر ڈالا ہے جنہوں نے اپنی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی اپنے سر آسمان کی طرف نہیں اٹھائے۔

میں نے احمد بن مقاتل مکی کو کہتے سنا: میں ایک مسجد میں ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ کے پہلو کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ امام نے یہ آیت پڑھی:

وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ [بنی اسرائی: ۸۶]

''اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے۔''

آیت سنتے ہی انہوں نے ایک ایسی چیخ ماری کہ مجھے ڈر ہوا کہ مبادا ان کی روح پرواز کر گئی تھوڑی دیر بعد میں نے ان کو دیکھا کہ ان پر کپکپی طاری تھی اور بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ احباب ہی کو اس طرح مخاطب کیا جاتا ہے؟

جس نے سماع قرآن اختیار کرنا ہو وہ ان آیات واحادیث اور اخبار کے مطابق اختیار کرے جو ہم نے بیان کیں۔

ہر شخص کو سماع قرآن کے لیے حضور قلب، تدبر، تفکر اور عبرت حاصل کرنا ضروری ہے اور اس کے قلب پر قرأتِ قرآن سے جو کیفیت طاری ہو گی اس کے نتیجے میں وہ اپنی کیفیات پر سماع قرآن کے دوران غالب رہے گا۔ اگر اس پر حال طاری نہ ہو گا اور اس کے قلب میں قرآن کے سننے سے وجد کی کیفیت پیدا نہ ہو گی اور وہ ویسے ہی جوش میں آ جائے گا تو ایسے شخص کی مثال قرآن کریم کے ان الفاظ میں موجود ہے:

كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ [البقرہ: ۱۷۱]

ترجمہ: ''مثال اس کی سی ہے جو پکارے ایسے کو کہ خالی چیخ پکار کے سوا کچھ نہ سنے۔''

# سماعِ قصائد واشعار

اہل سماع کا وہ طبقہ، جس نے سماعِ قصائد واشعار کو اختیار کیا ان کا استدلال رسول اللہ ﷺ کے قول ''بعض اشعار میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں'' [1] اور یہ کہ ''دانائی مومن کی متاعِ گم گشتہ ہے'' سے ہے۔[2]

اس طبقے کا مؤقف یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ چونکہ کلام اس کی صفت اور لا فانی وغیر مخلوق ہے لہٰذا جب یہ ظاہر ہو تو یہ طاقتِ بشریت سے باہر ہے کہ اس کو برداشت کر سکے، نہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعض حصے دوسرے حصوں سے زیادہ بہتر ہوں اور نہ ہی اسے نغماتِ مخلوقہ کے ساتھ مزین کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ دوسری اشیاء آراستہ ہوتی ہیں اور یہی تمام اشیاء میں سے احسن ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ [القمر:١٧]

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔''

اور فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا [الحشر:٢١]

ترجمہ: ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور اسے دیکھتا ہوا پاش پاش ہوتا۔''

اگر قرآن کریم کی آیاتِ بینات کو ان کے حقائق سمیت قلوب پر نازل فرماتا اور قرآن کی تلاوت کے دوران اس کی ہیبت وتعظیم میں سے ایک ذرہ برابر بھی قلوب پر منکشف فرماتا تو دل مارے دہشت وتحیر کے پھٹ جاتے۔

اس طبقہ کے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک شخص قرآن کو کئی بار ختم کر جاتا ہے مگر اس کے دل پر کوئی رقت تلاوت کے دوران نہیں پیدا ہوتی مگر تلاوت خوش آوازی وترنم سے کی جاتی ہے تو اس پر وجد ورقت طاری ہو جاتی ہے اور سننے میں بھی ایک لذت حاصل کرتا ہے۔ پھر یہی ترنم وخوش الحانی جب کلام الٰہی سے علاوہ کسی اور کے کلام کے ساتھ استعمال کی گئی تو بھی وہ لذت ولطف سے ہمکنار رہا۔ اس تجربے سے اس طبقے والوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ تلذذ ولطف اور رقت ووجد جسے وہ قرآن سے متعلق سمجھتے تھے واقعتاً قرآن ہی سے ہوتا تو خوش الحانی وترنم کے علاوہ تلاوت کے دوران میں جاری رہتا۔

پاکیزہ نغمگی طبائع کے موافق ہوتی ہے۔ اور اس کی نسبت حظوظ کی ہے حقوق کی نہیں۔ اور قرآن اللہ جل ذکرہ کا کلام ہے۔ اس کی نسبت حقوق کی ہے حظوظ کی نہیں اور ان قصائد واشعار کی نسبت بھی حظوظ کی ہے حقوق کی نہیں۔

اگرچہ اہلِ سماع درجات وخصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں مگر سماع یکساں طور پر طبائع کے موافق، حظِ نفس کا سامان اور روح کے لیے نعمت ہے۔ کیونکہ دلکش آوازوں اور پاکیزہ نغمات میں جو لطافت پنہاں ہے اس سے ہی تو سماع عبارت ہے۔

---

[1]،[2] ان کی تخریج گزر چکی ہے۔

قصائد واشعار میں رقیق مضامین، رقت، فصاحت، لطافت اور اشارات موجود ہوتے ہیں۔ اور جب ان اشعار وقصائد کو خوبصورت نغموں کی صورت میں ڈھال لیا جاتا ہے اور یہ دونوں یعنی نغمہ وشعر آپس میں ہم آہنگ ہوتے ہیں تو یہ سرمدی لذتوں سے قریب اور قلوب پر ایک لطیف سا بار بن کر نازل ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے بھی کم خطرناک ہوتے ہیں کہ یہ ان دونوں کا باہم مربوط ہونا مخلوق کا مخلوق سے مربوط ہونا ہے۔

جس شخص لے سماعِ قرآن کے بجائے سماع قصائد واشعار کو اختیار کیا تو اس لیے کہ اسے قرآن کی تعظیم کا خیال تھا اور وہ اس خطرے سے دور رہنا چاہتا تھا کیونکہ قرآن کلامِ حق ہے اور انسانی نفس پر اگر انوارِ حقائق ظاہر ہو جائیں اور اپنے معانی اس پر واضح کر دیں تو وہ سکڑ کر رہ جاتا ہے، اپنی اپنی حرکات سے ساکن ہو جاتا ہے اپنے حظوظ کو فنا کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب تک بشریت باقی رہتی ہے اور ہم اپنی صفات و محظوظ کے ساتھ اپنی روحوں کو دردناک نغموں اور اچھی آوازوں کے ساتھ لذت یاب کرتے ہیں۔ اُس وقت تک ہماری خوشی وانبساط انہی اشعار وقصائد کے حظوظ کی بقاء کے ساتھ زیادہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ ہم کلام اللہ کی نغمگی سے انبساط حاصل کریں جب کہ کلام اللہ اُس کی صفت ہے جو اس سے ہی ظاہر ہوتی اور اسی کی طرف لوٹتی ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے ترنم ونغمگی سے قرآن کی قرات کو ناپسند کیا ہے۔ اور اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ [المزمل:٤]

ترجمہ: ''اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''

اس آیت میں ترتیل قرآن سے متعلق حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ کلامِ الٰہی حق ہے۔ لا فانی ہے اور انسان اپنی حادث و فانی طبائع کے سبب اس سے دوری سی محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا عوام الناس کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر دلکش آوازوں سے مزین کر کے اسے پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ اگر قلوب حاضر ہوں، باطن صاف ہوں، اور نفوس مؤدب ہوں تو پھر خوش الحانیوں اور خوش آوازیوں کی ضرورت ہی نہیں۔

# سالکین اور مبتدئین کے احوالِ سماع

میں نے ابوعمرو عبدالوحد بن علوانؒ سے مالک بن طوقؒ کے گھر کے صحن میں اس سے یہ واقعہ سنا کہ ایک نوجوان جنید علیہ الرحمہ کی مجلس میں رہتا تھا وہ جب بھی کوئی تصوف کا نکتہ ان کی زبانی سنتا تو اس کی چیخ نکل جاتی۔ جنید علیہ الرحمہ نے ایک دن اس سے کہا: اگر تو نے یہ حرکت دوبارہ کی تو میں تجھے اپنی مجلس سے نکال دوں گا۔ اس کے بعد جنید علیہ الرحمہ جب بھی کوئی تصوف کا مبحث چھیڑتے تو اس نوجوان کا رنگ متغیر ہو جاتا مگر اس قدر ضبط سے کام لیتا کہ اس کے ہر موئے بدن سے پانی کا قطرہ ٹپک پڑتا۔ مجھے ابوعمرو نے یہ بتایا کہ اس نوجوان نے ایک روز اس زور سے چیخ ماری کہ دِل پھٹ گیا اور دنیا سے گزر گیا۔

میں نے خواص علیہ الرحمہ کے ایک مرید ابوالحسین سیروانیؒ کو دمیاط میں جنید علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا کہ انہوں نے کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے سماع سنا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور ایک دوسرے شخص کو دیکھا کہ اس نے ذکر سنا اور مر گیا۔

میں نے دقی علیہ الرحمہ سے سنا کہ انہوں نے کہا: ابوالحسین دراج نے کہا کہ میں اور ابن الفوطیؒ بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ پر سے گزر رہے تھے کہ ہماری نظر ایک نہایت خوش منظر محل پر پڑی جس کے جھروکے میں ایک شخص بیٹھا تھا اور ایک مغنیہ اس کے سامنے کھڑی یہ شعر گا رہی تھی۔ **ترجمہ شعر:**

''میری محبت تو تیرے لیے اللہ کی راہ میں صرف کی جا رہی ہے مگر تو ہے کہ ہر روز رنگ بدلتا ہے یہ طریق تیرے لیے اچھا نہیں۔''

اسی وقت محل کے نیچے ایک نوجوان پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہاتھ میں چھاگل لیے یہ شعر سن رہا تھا۔ اس نے گانے والی لڑکی سے کہا: اے لڑکی! تجھے اللہ اور اپنے آقا کی قسم! مجھے یہی شعر پھر ایک بار سناؤ۔ لڑکی نے پھر شعر سنایا۔ نوجوان نے کہا: بخدا! میرا حال بھی حق تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ ہر روز رنگ بدلتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک آہ بھری پھر الحمدللہ کہا اور ہم نے ٹٹولا تو وہ بے جان تھا۔

اس کے بعد ہم وہاں ٹھہر گئے کیونکہ ایک فرض کی ادائیگی ہم پر لازم ہو گئی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ گانے والی لڑکی کو اس کے مالک نے کہا: جا تو آج سے اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔ اس کے بعد ہم نے یہ بھی دیکھا کہ بصرہ کے لوگ آئے، اس نوجوان کا جنازہ پڑھا اور جب اس کو دفن کر چکے تو اس محل کے مالک نے باواز بلند کہا: کیا تم مجھے نہیں جانتے کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں میں تم سب لوگوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اپنی تمام ملکیت اللہ کی راہ میں قربان کرتا ہوں، میری تمام کنیزیں آزاد ہیں اور محل آج سے مسافروں کے لیے وقف کرتا ہوں اس کے بعد اس نے اپنا لباس اتار پھینکا ایک چادر کو ازار بنایا دوسری کو اوڑھ لیا اور ایک طرف کو چل دیا لوگ اسے دیکھتے رہے اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ لوگ یہ منظر دیکھ کر رو پڑے۔ بہت عرصہ بعد تک نہ اس شکل کسی نے دیکھا اور نہ اس کی کوئی خبر سنی۔ میں نے اس واقعے سے بڑھ کر معنی خیز اور یاد رہنے والا واقعہ کبھی نہیں دیکھا۔

میں نے احمد بن علی وجیہیؒ سے اور انہوں نے کہا میں نے ابوعلی رودباریؒ کو یہ کہتے سنا کہ میں مصر میں داخل ہوا تو لوگوں کو صحراء کی جانب سے واپس آتے ہوئے دیکھا۔ میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم ایک نوجواں کے جنازے سے آرہے ہیں۔ جس نے کسی کو ایک شعر کہتے ہوئے سنا اور چیخ مار کر مر گیا۔ شعر یہ تھا۔ ترجمہ شعر:

''اس شخص کی ہمت بلند ہے جس نے تجھے دیکھنے کی خواہش کی۔ کیا آنکھ کے لیے یہی کافی نہیں کہ
اسے دیکھ لے جس نے تجھے دیکھا ہو۔''

دقی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ ابن اجلاء علیہ الرحمہ سے سنا اور انہوں نے کہا: میں نے مغرب میں دو واقعے بڑے عجیب نوعیت کے دیکھے۔ ایک یہ کہ میں نے جامع قیروان میں ایک شخص کو صفوں کے آگے سے گذرتا ہوا دیکھا جو لوگوں سے کچھ مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا: اے لوگو! مجھے صدقہ وخیرات دو، کیونکہ میں صوفی منش تھا اور اب ضعیف ہو گیا ہوں۔ دوسرا واقعہ یہ کہ میں نے دو شیوخ دیکھے جن میں سے ایک کا نام جبلہ اور دوسرے کا نام زریق تھا۔ دونوں کے شاگرد اور مریدین بھی تھے۔ ایک روز زریق اور اس کے مریدین جبلہ سے ملنے گئے تو وہاں زریق کے ایک مرید نے قرآن کی تلاوت کی جسے سن کر جبلہ کے ایک مرد نے چیخ ماری اور جان دے دی۔ وہ دن گزرا اور صبح ہوئی تو جبلہ نے زریق سے کہا کہ آپ کا وہ مرید کہاں ہے جس نے کل تلاوت کی تھی۔

اس شخص کو بلایا گیا تو جبلہ نے اس سے تلاوت کرنے کو کہا، اس نے تلاوت کی تو جبلہ نے چیخ ماری اور قاری کی روح پرواز کر گئی۔ اس پر جبلہ نے کہا: ایک کے بدلے ایک (دنیا سے رخصت ہو گیا) اور جس نے اس کی ابتدا کی وہ زیادہ ظالم ہے۔

محمد بن یعقوب علیہ الرحمہ نے جعفر مبرقع علیہ الرحمہ جو اجل صوفیہ میں سے تھے، کا یہ واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ کسی جگہ محفلِ سماع میں موجود تھے کہ اچانک وجد میں آ کر کھڑے ہو گئے اور اسی کیفیت میں کہا: مریدین کا سلسلہ ہم پر ختم کر دیا گیا۔

طالب کے لیے اس وقت تک سماع درست نہیں جب تک کہ وہ اسماء وصفاتِ الٰہیہ سے باخبر نہ ہو۔ تا کہ وہ ایسی صورت میں اللہ سے اسی بات کو منسوب کرے جو شایانِ بارگاہِ خداوندی ہو۔ اس کا قلب حبِ دنیا یا تعریف پسندی سے ملوث نہ ہو، اس کے دل میں نہ تو لوگوں سے طمع ہو اور نہ ہی مخلوقات کی طرف جھکاؤ۔ اور وہ اپنے قلب کی دیکھ بھال کرتا ہو۔ اپنے حدود کی حفاظت کرتا ہو اور اپنے وقت کا محفوظ ہو۔ اگر وہ ان مذکورہ شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے سماع کو اختیار کیا تو بلاشبہ اس کا یہ طریق سماع تائبین، سیر الی اللہ کرنے والے اور اللہ کا خوف رکھنے والے صوفیہ کے طریق سماع میں داخل ہوگا۔ اور ایسے میں وہ جو کچھ سنے گا وہ اسے مجاہدہ ومعاملہ پر ابھارے گا۔ اسے چاہیے کہ بتکلیف سماع اختیار نہ کرے اور نہ ہی تلذذ کے لیے سنے تا کہ کہیں اس طرح کی عادت اسے عبادت اور حفاظتِ قلب سے غافل نہ کر دے۔

اگر کہیں بھی اسے اس طرح کی شرائط کے مطابق سماع کرنے کا موقع نہ مل سکے تو اسے چاہیے کہ سماع کو ترک کر دے فقط وہیں پر سماع اختیار کرے جہاں ایسا ذکر جاری ہو جو اسے اللہ سے تعلق جوڑنے، اسے یاد کرنے اسی کی حمد وثنا بیان کرنے اور اس کی رضا چاہنے پر آمادہ کرے۔ اگر تو مبتدی ہو اور شرائط وآدابِ سماع سے بے خبر تو اسے شیوخ سے رجوع کر کے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لینی چاہئیں تا کہ وہ لہو ولعب کا شکار ہو کر شیطان کے دھوکے میں آ کر فقط لذتِ نفس میں ہی گرفتار ہو کر نہ رہ جائے۔

# متوسط درجے کے شیوخ کا سماع

میں نے وجہی علیہ الرحمہ سے اور انہوں نے طیالسی رازی علیہ الرحمہ کو یہ کہتے سنا کہ میں ذوالنون علیہ الرحمہ کے استاد اسرافیل علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ زمین پر بیٹھے اپنی انگلیوں سے کچھ کرید رہے تھے اور ساتھ ساتھ کچھ ترنم سے پڑھ رہے تھے جب مجھے دیکھا تو کہا: کیا تم کوئی چیز خوبصورت آواز سے پڑھ سکتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا تو دل ہی نہیں ہے۔

مین نے ابوالحسن علی بن محمد صیرفیؒ سے اور انہوں نے رویمؒ کو جب کہ ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے مشائخ کو سماع کے وقت کیسا پایا؟ یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے انہیں سماع کے دوران اس طرح پایا کہ جیسے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا گھس جائے۔

میں نے قیس بن عمر حمصی علیہ الرحمہ سے سنا: وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ابوالقاسم بن مروان نہاوندی تشریف لائے اور یہ ابوسعید خراز کی صحبت میں بھی رہ چکے تھے۔ یہ ایک عرصے سے سماع چھوڑ چکے تھے۔ میرے ساتھ ایک دعوت میں کسی شخص کو انہوں نے اشعار پڑھتے ہوئے سنا جس میں سے ایک مصرع یہ تھا۔ **ترجمہ مصرع:**

ترجمہ: ''پانی کے بیچ میں پایا کھڑا ہے مگر اسے پانی نہیں پلایا جاتا۔''

ہمارے سارے ساتھی اٹھتے تھے اور وجد کرتے تھے جب سب خاموش ہو گئے تو القاسم نے ہر ایک سے اس مصرع کا مفہوم پوچھا اور اکثر نے یہ مفہوم بیان کیا کہ مصرع میں پیاس سے مراد احوال کی پیاس ہے۔ اور یہ کہ بندہ روکا گیا ہوتا ہے اس حال سے جس کی اس کو تشنگی ہوتی ہے۔ مگر اس مفہوم سے کسی کو تشفی نہ ہوتی تھی۔ بالآخر سب نے ابوالقاسم سے پوچھا کہ آپ اس کا مفہوم بتائیں اور انہوں نے کہا: اس مصرع کا مطلب یہ ہے کہ بندہ احوال کے وسط میں کھڑا ہوتا ہے اور تمام طرح کی کرامات اس کے ارد گرد ہوتی ہیں مگر ان میں ایک ذرہ بھی اسے نہیں دیا گیا ہوتا۔

میں نے یحییٰ بن رضا علوی سے بغداد میں سنا اور انہوں نے مجھے یہ واقعہ لکھا بھی تھا۔ ان کے مطابق ابوحلماں نام کے ایک صوفی نے گلی میں پودینہ بیچنے والے ایک شخص کو یہ آواز لگاتے سنا:

یَاسَعْتَرَ ابَرّی

ترجمہ: ''جنگلی پودینہ!''

اور سنتے ہی غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو پوچھا گیا کہ غشی کا کیا سبب تھا؟ اس نے کہا: میں نے پوچینہ بیچنے والے کی آواز کو یوں سنا کہ جیسا وہ کہہ رہا ہو: اسع تری بتری (کوشش کرو گے تو میرے احسان کو پالو گے)۔

اسی قصے کو سامنے رکھتے ہوئے مبشیر مسائخ وعلماء نے یہ وضاحت کی کہ سماع کا ہر سامع پر اس کے وقت، حال اور کیفیت کے مطابق اثر ہوتا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور حکایت یہ ہے کہ عتبۃ الغلام علیہ الرحمہ نے کسی شخص کو یہ شعر کہتے سنا۔ **ترجمہ شعر:**

''آسمان کا پیدا کرنے والا رب پاک ہے اور اس میں شک نہیں کہ محبت کرنے والا تکلیف میں ہے۔''

عتبہ نے شعر سن کر کہا تو نے سچ کہا۔ اور ایک دوسرے شخص نے سن کر کہا تو نے جھوٹ بولا۔ اس پر ایک شیخ نے جوان کیفیات سے واقف تھا، کہا: دونوں نے ٹھیک کہا۔ عتبہ نے محبت میں اپنی مشکلات و آلام کی بنا پر کہا کہ سچ ہے اور دوسرے نے محبت میں راحت و آرام پانے کی بناء پر کہا کہ جھوٹ ہے۔

احمد بن مقاتل علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمہ بغداد میں داخل ہوئے تو بہت سے صوفیاء ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور ان کے ہمراہ ایک قوال بھی تھا۔ انہوں نے ذوالنون سے عرض کیا کہ وہ قوال کو کچھ سنانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ اور انہوں نے اجازت دے دی۔

قوال نے یہ شعر گائے۔ **ترجمہ اشعار:**

''تیری تھوڑی محبت نے مجھے مبتلائے عذاب کر دیا اس وقت کیا حالت ہوگی جب یہ پوری طرح مجھ پر غالب آ جائے گی۔

تو نے میرے دل کی وہ ساری محبت اپنے لیے اکٹھی کر لی جو دوسروں کے لیے بھی مشترک تھی۔

کیا تو اس مبتلائے غم پر ترس کھائے گا کہ محبت سے عاری لوگ تو ہنستے ہیں اور وہ روتا ہے۔''

اشعار سن کر ذوالنون کھڑے ہوئے اور پھر منہ کے بل گر پڑے ان کے بعد ایک اور شخص بتکلف وجد کرتا ہوا اٹھا تو ذوالنون علیہ الرحمہ نے اس سے کہا: ذرا اس ذات والا صفات کی طرف بھی توجہ کرو، جو تمہاری اس بناوٹ کو دیکھ رہی ہے۔

ذوالنون علیہ الرحمہ نے اس بتکلف وجد کرنے والے سے جو کچھ کہا اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس کا قیام خالصتاً اللہ کے لیے نہیں تھا۔ اگر اس شخص کا وجد حقیقی ہوتا تو وہ نہ بیٹھتا ذوالنون علیہ الرحمہ کو کیونکر اس کے وجد کا علم ہو گیا اس کا جواب یہی ہے کہ مشائخ اپنے سے کم تر صوفیہ کے احوال کو اپنی قوتِ معرفت کے ذریعے جان لیتے ہیں۔ اور ان کے ذمہ پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ انہیں اپنی حدود سے تجاوز نہ کرنے دیں اور نہ ہی انہیں دوسروں کی کیفیت کا دعویدار بننے دیں۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے ایک مجلسِ سماع میں یہ شعر سنا۔ **ترجمہ شعر:**

''میں ہمیشہ تیری الفت و محبت میں ایک ایسے مقام پر فائز رہا کہ عقل وہاں تک پہنچنے پر ورطۂ حیرت میں پڑ گئی۔''

شعر کا سننا تھا کہ وہ اٹھے اور وجد کرتے ہوئے چکر آنے لگے تو بانس کے ایک کھیت میں گر پڑے جسے تازہ کاٹا گیا تھا اور اس کے جڑ کے قریب حصے باقی تھے جو تلوار کی طرح کھڑے تھے۔ وہ اٹھ کر ان پر چلنے لگے اور صبح تک یہی شعر پڑھتے رہے۔ خون ان کے پاؤں سے جاری تھا بعد میں ان کے پاؤں اور پنڈلیاں متورم ہو گئیں جس کے نتیجے میں وہ چند دن زندہ رہ کر انتقال کر گئے۔

ابوسعید خراز کہتے ہیں کہ میں نے علی بن موفق جو اجل شیوخ میں سے تھے کہ اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک مجلس سماع میں موجود تھے انہوں نے کوئی کلام سنا اور کہنے لگے کہ مجھے کھڑا کر دو۔ حاضرین نے انہیں کھڑا کر دیا، وہ وجد

کرنے لگے اور اسی حالت میں کہا کہ میں رقص کرنے والا شیخ ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے خود کو رقص کرنے والا اس لیے کہا وہ اس طرح اپنے حال کو اپنے حبیبوں اور ساتھیوں سے چھپانا چاہتے تھے اور ان کا ایسا کہنا حسنِ ادب بھی ہے کیونکہ اس طرح کہنے سے وہ خود رفتگی اور تسکین سے بچ رہتا ہے جو مبتدیوں کے احوال میں سے ہیں۔

میرے کچھ دوستوں نے بتایا کہ ابو الحسین دراج علیہ الرحمہ نے کہا کہ میں نے بغداد سے یہ ارادہ کیا کہ یوسف بن الحسین علیہ الرحمہ سے رے میں جا کر ملاقات کروں اور انہیں سلام کروں۔ جب میں رے کے علاقے میں داخل ہوا تو ان کی رہائش گاہ کے بارے میں لوگوں سے پوچھا۔ مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ اس زندیق سے مل کر کیا کرو گے؟ یہاں تک کہ یہ بات سنتے سنتے میں تنگ آ گیا اور واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ اور وہ رات ایک مسجد میں گزاری صبح ہوئی تو میں نے سوچا کہ اتنی دور سے آیا ہوں تو اب انہیں کم از کم دیکھتا تو چلوں۔ اور میں نے پھر سے ان کی رہائش گاہ کا پتہ لوگوں سے پوچھا بہر حال میں اس مسجد تک پہنچ گیا جہاں وہ مقیم تھے۔ مسجد میں داخل ہوا تو انہیں محراب میں بیٹھا ہوا پایا۔ ان کے سامنے رحل میں قرآن کریم پڑا ہوا تھا اور وہ تلاوت کر رہے تھے۔ شیخ خوش شکل اور خوش ریش تھے۔ میں ان کے قریب گیا، سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں اُن کے روبرو بیٹھ گیا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: بغداد سے۔ پھر پوچھا: کس لیے؟ میں نے جواباً کہا: سلام عرض کرنے کے لیے۔ کہنے لگے: اگر تمہیں کسی شہر میں کوئی شخص یہ کہتا: میرے پاس ٹھہرو میں تمہیں گھر اور لونڈی خرید دوں گا تو کیا تم میری طرف آنے سے رک جاتے۔ میں نے عرض کیا: مجھے میرے اللہ نے اس طرح کی آزمائش میں ڈالا ہی نہیں اور اگر بتلا کر دیتا تو مجھے معلوم نہیں کہ میری کیا حالت ہوتی۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ کیا تم کوئی کلام خوش آوازی سے پڑھ سکتے ہو۔ میں نے اثبات میں جواب دیا، انہوں نے کہا کہ سناؤ اور میں نے یہ شعر سنائے۔ **ترجمہ شعر:**

''میں نے تمہیں ہمیشہ میرے ساتھ تعلق توڑنے کی بنیاد ڈالتے دیکھا ہے اگر عقل مند ہوتا تو ایسی ہر بنیاد کو گرا دیتا۔

(۲) میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں اور تیری گفتگو کا اکثر حصہ اے کاش کے لفظ میں پر مشتمل ہوتا ہے کاش کہ ہم اس طرح ایک دوسرے سے متعلق ہوتے کہ اُس میں اے کاش کے لفظ کی ضرورت ہی نہ رہتی۔''

یہ اشعار سنتے ہی انہوں نے قرآن کریم کو رکھ دیا اور اس قدر گریہ طاری ہوا کہ ڈاڑھی اور کپڑے تر ہو گئے، ان کی حالت قابل رحم تھی۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا: بیٹے! رے کے لوگوں کو مجھے زندیق کہنے پر ملامت نہ کرو کیونکہ میں صبح کی نماز سے بیٹھا تلاوت کر رہا ہوں مگر میری آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا مگر ان دو شعروں نے تو مجھ پر قیامت برپا کر دی۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمہ اس شعر پر بہت کثرت سے وجد کیا کرتے تھے۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''تیری دوستی جدائی ہے تو تیرا پیار غصہ اور تیرا وصل قطعِ تعلق ہے تو تیری صلح، جنگ۔''

دقی علیہ الرحمہ ایک شب کو آدھی رات تک وجد کی حالت میں سر کے بل گرتے اور اٹھتے رہے۔ لوگوں کی حالت یہ تھی کہ روئے جاتے تھے اور قوال یہ شعر گا رہے تھے۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''خدارا! اس دل گرفتہ کا دل لوٹا دو جس کے لیے اس کے حبیب کا کوئی بدل ہی نہیں۔''

# سماع کے بارے میں مخصوص اہلِ کمال صوفیاء کا طرزِ عمل

ابوالحسنؒ احمد بن محمدؒ سے میں نے بصرہ میں سنا اور انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا اور انہوں نے فرمایا: میں ساٹھ برس سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کی خدمت کی مگر کبھی قرآن کریم یا کوئی کلام سننے سے ان کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں دیکھا۔ عمر کے آخری دنوں میں کسی نے ان کی موجودگی میں یہ آیت تلاوت کی:

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ [الحدید:۱۵]

ترجمہ: ''تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے۔''

میں نے انہیں آیت سننے کے بعد دیکھا کہ وہ کپکپائے اور قریب تھا کہ گر پڑتے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو میں نے اس کے بارے پوچھا۔ آپ نے کہا: ہاں پیارے! اب ہم ضعیف ہو چکے ہیں۔

ابن سالم علیہ الرحمہ نے بھی اپنے والد سے سنا کہ انہوں نے کہا میں نے سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کو دوسری بار اس طرح دیکھا کہ میں ان کے روبرو بیٹھا آگ تاپ رہا تھا اور ان کے شاگردوں میں سے ایک نے سورہ فرقان پڑھنا شروع کی۔ جب وہ ''الملك يومئذ الحق للرحمن۔'' تک پہنچا تو سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ مضطرب ہو گئے اور قریب تھا کہ گر پڑتے۔ میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ اس کا سبب میری ضعیفی ہے۔

میں نے ابن سالم علیہ الرحمہ کو یہ کہتے سن کہ میں نے سہل بن عبداللہ سے کہا کہ آپ کی مراد تغیر واضطراب سے اپنے حال کا کمزور ہو جانا ہے۔ یہ بتائیے کہ حال کس طرح قوی ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: مجھ پر واردات بھی ہوتی ہیں میں انہیں اپنے حال کی قوت سے برداشت کر لیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ واردات کتنی بھی قوی کیوں نہ ہوں اس کو متغیر نہیں کر سکتیں۔

اس ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول علم تصوف میں ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ قول آپ نے اس موقع پر کہا جب انہوں نے ایک شخص کو قرآن پاک کی تلاوت کے دوران روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

ہماری حالت بھی ایسی ہی تھی یہاں تک کہ بعد میں ہمارے دل سخت ہو گئے۔ یعنی مضبوط اور ثابت قدم ہو گئے۔ لہٰذا ایسی حالت میں سماع سے ان میں کوئی تغیر نہ پیدا ہوتا کیونکہ ان کی حالت سماع سے پہلے اور بعد میں یکساں ہوتی تھی۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میری حالت نماز سے پہلے اور نماز کے دوران ایک جیسی رہتی ہے۔ کیونکہ ان کا قلب پہلے سے ہی صاف، حاضر اور اللہ کی طرف لگا ہوا ہوتا ہے اور یہی کیفیت نماز کے لیے ہوتی ہے۔ لہٰذا نماز کے دورن انہیں تغیر کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور ان کی کیفیت نماز میں بھی وہی رہتی ہے جو نماز سے قبل ہوتی ہے۔

اسی اصول کو بنیاد بناتے ہوئے ان کی سماع کے دوران وہی کیفیت ہوتی ہے جو اس سے پہلے ہوتی ہے اس طرح ان کا سماع اور وجد مسلسل رہتا ہے ان کی تشنگی جاری رہتی ہے اور ان کی سیری ہمیشہ متصل رہتی ہے۔ جب ان کی سیری میں اضافہ ہوتا ہے تو تشنگی بھی بڑھتی ہے اور اس طرح ان کا تعلق ہمیشہ اللہ کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

احمد بن علی الکرجی المعروف بہ الوجیہیؒ کہتے ہیں: صوفیہ کی ایک جماعت حسن قزاز علیہ الرحمۃ کے گھر میں موجود تھی اور

قوال بھی تھے جو گاتے جاتے تھے اور وہ سب وجد کرتے جاتے تھے کہ اتنے میں ممشاد علیہ الرحمہ وہاں آ نکلے جب ان کی نظر ان پر پڑی تو سب خاموش ہو گئے۔ممشاد علیہ الرحمہ نے کہا: کیا بات! تم سب خاموش کیوں ہو گئے۔ اسی حالت پر لوٹ جاؤ جس پر تھے۔ اگر دنیا کے تمام ساز بھی چھیڑ دیے جائیں تو یہ میرے دل کو میرے رب سے غافل نہیں کر سکتے۔

ممشاد علیہ الرحمۃ کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے وہ بھی کچھ عجیب نہیں کیونکہ اہلِ کمال کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ کسی خارجی واردات کے لیے ان کے اندر کوئی توجہ موجود ہی نہیں ہوتی اور ان کے طبائع اور بشریت میں سے اگر کوئی حاسہ باقی بھی ہوتا ہے تو بدلا ہوا اور نہایت آراستہ کہ نغمات وترنم سے یا خوش الحانیوں سے کوئی لذت حاصل نہیں کرتا کیونکہ ایسے لوگوں کے غم جدا اور ان کے باطن پاک ہوتے ہیں ان پر لوگوں سے ملنا، اظلماتِ نفس اور حواس کی کدورتیں اثر انداز ہی نہیں ہو سکتیں اور یہ مقام اللہ ہی چاہے جس کو عطا کردے۔

ابو القاسم علیہ الرحمۃ سے کہا گیا کہ آپ قصائد بھی سنتے ہیں اور اپنے مریدین کے ساتھ سماع میں وجد کی حالت میں حرکت بھی کرتے رہتے ہیں مگر اس وقت بالکل ساکت کیوں ہیں؟ اس پر حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ

[النمل:۸۸]

ترجمہ: ''اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادلوں کی چال۔ یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔''

گویا انہوں نے اس آیت سے اس طرف اشارہ کیا کہ تم تو میرے ظاہری سکون اور طمانیت کو دیکھ رہے ہو مگر یہ نہیں جانتے کہ میرا دل اس وقت کس حال میں ہے۔ یہ کیفیت بھی سماع میں اہل کمال ہی کا وصف ہے۔

## صوفیہ اور محافلِ سماع

اس طرح کے باکمال صوفیہ کم ہی محافلِ سماع میں جاتے ہیں اور اگر جاتے ہیں تو اس کی بھی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض اوقات تو وہ اپنے کسی بھائی (صوفی) سے تعاون کی خاطر ایسا کرتے ہیں اور کبھی اس لیے کہ وہ اپنی علمی وجاہت اور علم تصوف میں تبحر کی بنا پر چلے جاتے ہیں تاکہ وہ وہاں جا کر محفل سماع کے آداب اور شرائط سے لوگوں کو آگاہ کریں اور بعض مرتبہ تو اپنے مشرب سے ہٹ کر دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی محفلِ سماع میں چلے جاتے ہیں فقط ان کا دل رکھنے کے لیے اور اخلاقاً مگر ایسی صورت میں اگرچہ وہ بظاہر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوتے ہیں مگر بباطن ان سے جدا۔

# ذکر، وعظ اور اقوال سننے کا بیان

ابوبکر زقاق علیہ الرحمہ کے حوالے سے مجھ تک یہ بات ابوبکر محمد داؤد دینوری الدقی علیہ الرحمہ کے ذریعے پہنچی۔ زقاق کہتے ہیں کہ میں نے جنید علیہ الرحمۃ سے توحید کے بارے میں ایک گفتگو سنی جس نے چالیس برس تک مجھے متاثر کئے رکھا اور اس کے بعد بھی ایک بیہوشی کی سی کیفیت جاری رہی۔

جعفر خلدی علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ خراسان کا ایک باشندہ ابوالقاسم جنید علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ابوالقاسم! کس وقت بندے کے لیے اس کی تعریف اور تنقیص یکساں ہو جاتی ہے؟ جنید علیہ الرحمۃ کے ہاں بیٹھے کچھ مشائخ میں سے ایک نے جواب دیا جب بندے کو اسپتال داخل کیا جائے اور اسے دو ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں۔ اس پر ابوالقاسم نے اس شیخ سے کہا یہ تمہارا معاملہ نہیں اور اس شخص کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس بندے کے لیے تعریف و تنقیص برابر ہو جاتی ہے جب اُسے یہ مکمل یقین ہو جائے کہ وہ مخلوق ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے ایک چیخ ماری اور وہاں سے چل دیا۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ دانشمندی اللہ کے عساکر میں سے ایک فوج ہے جس کے ذریعے وہ اولیاء کرام کے دلوں کو تقویت بخشتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بات جب دل سے نکلتی ہے تو دل میں اتر جاتی ہے اور جب فقط زبان سے ادا ہوتی ہے تو کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔

الغرض اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں کہ لوگوں نے کوئی ذکر، وعظ یا اچھی بات سنی اور ان کے باطن میں ایک وجد اور سوزش کی سی حالت پیدا ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی آنکھیں تمہیں اس کی باتوں سے دور نہیں لے جاتیں اس کی باتوں سے تمہیں نصیحت نہیں مل سکتی۔

ابوعثمان حیری علیہ الرحمہ کا قول ہے: ایک دانش مند کا فعل جو وہ ہزار آدمیوں کے سامنے پیش کرے وہ ہزار آدمیوں کے ایک آدمی کو پند و نصیحت کرنے سے کہیں زیادہ نفع بخش ہے۔

غیب سے جو واردات واثرات سنے یا دیکھے جاتے ہیں دلوں پر بہت قوی اثر مرتب کرتے ہیں بشرطیکہ دل پاک اور ان سے ہم آہنگ ہوں وگرنہ بصورت دیگر یہ اثر کمزور ہوتا ہے۔ مگر اہل استقامت واہلِ صدق وکمال اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ وہ اس مقام سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ اور احساسِ تمیز سے مبرا ہو چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ ان اثرات سے متغیر نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض اوقات ان کے اذکار کی تجدید کر دی جاتی ہے جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں اور ان کی روحانیت کی تجدید کر دی جاتی ہے جب وہ حکمت کی باتیں سنتے ہیں۔

الغرض صوفیہ کے سماع کے بارے میں ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ جو کچھ قرآن کریم سے یا قصائد و ابیات وغیرہ کی صورت میں سنتے ہیں اس سے ان کی مراد فقط حسنِ نغمہ اور خوش آوازی سے تلذذ نہیں ہوتا بلکہ رقت ہیجان اور وجد کی کیفیات تو ان کے باطن میں خوش الحانیوں اور نغمگیوں کے بغیر بھی موجود ہوتی ہیں جب کہ سکون وطمانیت کی کیفیت آوازوں اور نغموں کے ہوتے ہوئے بھی ان کے اندر موجود ہوتی ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جو کچھ بھی سنتے ہیں اس سے ان کی کیفیت وجد کو تقویت ملتی ہے۔

# سماع سے متعلق کچھ اور باتیں

ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ سماع کا سارا دارومدار سننے والوں کی اندرونی کیفیات پر ہے کہ وہ کس طرح سے اسے سنتے ہیں اور اس سے ان کی باطنی روحانی ہم آہنگی ہے کہ نہیں۔ جب وہ کوئی کلام سنتے ہیں اور وہ ان کے وقت اور حال سے موافقت رکھتا ہو تو اس سے ان کے باطنی اسرار اور ضمیر کو تقویت ملتی ہے۔ ایسے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں، اپنے وجد کی بنا پر کہتے ہیں۔ اور جو اشارہ کرتے ہیں اپنے ارادے اور صدق کی بناء پر کرتے ہیں۔ ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ شاعر یا کہنے والے کی اپنے کلام سے کیا مراد ہے۔

قاری کی غفلت انہیں کسی طرح بھی پریشان نہیں کر سکتی کیونکہ وہ خود ہوشیار رہتے ہیں اور انہیں ذاکر کی پراگندگی سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود اپنے حواس جمع رکھتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے کے احوال ایک جیسے ہوجاتے ہیں۔ دونوں کے اوقات باہم مشابہ ہوجاتے ہیں اور دونوں کے ارادے ایک سے، ایسے ہی حال قوی تر، وقت خالص تر اور اسباب پوشیدہ تر ہوتے ہیں۔ اور جب اللہ کی توجہ اور توفیق ان کے شامل حال ہو تو وہ جملہ حالات میں لغزشوں سے محفوظ اور اسباب سے مبرا ہوتے ہیں۔

اب اس ضمن میں چند حکایات بیان کی جاتی ہیں:

محمد بن سروق بغدادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میں اپنے دو جاہلیت میں ایک رات نشے کی حالت میں باہر نکال اور شعر گانے لگا۔ ترجمہ شعر:

''طیز ناباذ کے مقام پر انگور کے باغ ہیں۔ اور میں جب بھی وہاں سے گزرا ہوں تو مجھے اس بات نے حیران کر دیا کہ وہاں کے لوگ پھر بھی پانی پیتے ہیں۔''

میں یہ شعر گا ہی رہا تھا کہ میرے کانوں میں کسی کی آواز پڑی جو اسی بحر میں یہ گیت گا رہا تھا۔ ترجمہ شعر:

جہنم میں ایسا پانی ہے جو حلق سے اترتے ہی پیٹ میں انتڑیوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

یہی شعر میری توبہ اور علم تصوف و عبادت کی طرف متوجہ ہونے کا سبب بنا۔

یہاں اس بات کو دیکھئے کہ جب اللہ کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی تو اس کے اندر سے باطل کا صفایا ہوگیا۔ اور اس کا باطل ہی اس کے لیے اللہ کی توفیق کے ذریعے نجات کا سبب بن گیا۔

ابوالحسن بن زرعانؒ کہتے ہیں کہ میں ایک شخص کے ساتھ بصرہ کے باغات میں سے گزر رہا تھا کہ میں نے کسی کو طنبور پر یہ شعر گاتے ہوئے سنا۔ ترجمہ اشعار:

''اے حسین چہرے رکھنے والو! جو انصاف تم ہمارے ساتھ ایک طویل عرصہ سے کر رہے ہو وہ دراصل تم سب ہمارے ساتھ ظلم کر رہے ہو۔ حق تو یہ تھا کہ جب ہم تمہاری محبت کی آزمائش میں ڈالے گئے تو ہمارے ساتھ انصاف کرتے۔''

یہ اشعار سن کر میرے ساتھی نے ایک چیخ ماری اور کہنے والے سے کہا گیا ہوتا اگر تم اس طرح کہتے ۔ترجمہ اشعار:

ترجمہ: ''اے خوبرو! عنقریب تم مرجاؤ گے تمہارے رخسار اور تمہاری آنکھیں بوسیدہ ہو جائیں گی۔
اور اس کے بعد تم فقط ایک نشان بن کر رہ جاؤ گے۔اور یہ جان لو کہ یہ ایک یقینی امر ہے۔''

کیا آپ نے دیکھتے کہ ابوالحسنؒ کے ساتھی نے جو کچھ کہا وہ ان کے باطنی احساسات کے عین مطابق تھا اور اول الذکر اشعار کے قائل کے موضوعِ سخن نے انہیں اس وجہ سے متاثر نہیں کیا کہ ان کے اپنے قلب پر حقائق کا غلبہ تھا اور ان کا باطن وجد سے معمور تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔''

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ سے کسی شخص نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی وضاحت چاہتے ہوئے پوچھا: مجھے ان کے مکر کا علم تو ہے کہ انہوں نے ایسا کیا مگر ان کے ساتھ اللہ کے مکر کرنے کا کیا مفہوم ہے؟ آپ نے جواب دیا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جس پر وہ تھے۔اگر وہ بدلنا چاہتا تو ان کی حالت بدل جاتی۔ابوبکر شبلی کو اس کے بعد یوں لگا کہ جیسے سائل کو تشفی نہیں ہوئی۔تب آپ نے اس سے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ فلاں طنبور بجانے والی اسی موضوع پر کہتی ہے۔

ترجمہ شعر:

''تیرے بغیر مجھے جو کام برا لگتا ہے اسے جب تو انجام دیتا ہے تو اچھا لگتا ہے۔''

دیکھئے کہ شبلیؒ کا اشارہ اس طنبور بجانے والی کے ارادے سے ہٹ کر کس طرف ہے اور شبلی علیہ الرحمۃ کا یہ مثال پیش کرنا مصداق ہے اس حدیث کا کہ ''دانائی کی بات مومن کی گم شدہ متاع ہے۔''

جہاں تک مجھے معلوم ہوا اوپر کے واقعے میں شبلیؒ سے سوال کرنے والے ابوعبداللہ بن خفیف علیہ الرحمہ تھے۔

# وہ صوفیا جو سماع، قرآن کو گانے کے انداز میں پڑھنے اشعار وقصائد اور وجد ورقص کو صحیح نہیں سمجھتے

سماع، قرآن کریم کو گانے کے انداز میں قرأت کرنے، اشعار وقصائد پڑھنے اور بتکلف وجد ورقص کرنے کی محفلوں میں شرکت کرنے کو ناپسند کرنے کی مختلف وجوہات ہیں۔ کچھ لوگ اسے ائمہ متقدمین یا علماء تابعین سے منقولہ ان روایات کے زیر اثر ناپسند کرتے ہیں جن کی رو سے وہ خود اسے ناپسند کرتے تھے۔ اور ان کی اتباع کی خاطر اسے مکروہ جانا کیونکہ ان کی حیثیت اسلام میں قابلِ تقلید ہے۔

بعض صوفیا کرام نے اسے فقط مریدین اور مبتدیوں کے لیے ناپسند گردانا کیونکہ ان کے لیے اس میں یہ خدشہ موجود ہے کہ مبادا وہ اس سے لذاتِ نفسانی میں پڑ کر سب کچھ کھو بیٹھیں۔

ایک اور طائفۂ صوفیہ کا کہنا ہے کہ ہم اسے اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اسے وہ طرح کے لوگ اختیار کرتے ہیں ایک وہ جو لہو ولعب کے عادی ہو جاتے ہیں دوسرے وہ جو بلند احوال کے حامل، مقاماتِ ارفع پر فائز، ریاضات ومجاہدات سے نفس کو مارے ہوئے، دنیا سے منہ پھیر لینے والے اور اللہ کی جانب کاملاً مشغول ہونے والے ہوتے ہیں۔ اب جب کہ ہمارا تعلق نہ اول الذکر گروہ سے ہے اور نہ ہم ثانی الذکر کے مقام پر فائز ہیں تو بہتر یہی ہے کہ سماع سے دامن بچائیں طاعات وفرائض کی طرف توجہ اور محرمات سے اجتناب نے ہمیں سماع سے دور رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔

احمد بن علی الوجیہی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابو علی علیہ الرحمۃ رودباری سے سنا وہ فرماتے تھے:

ہم اس سماع کے بارے میں جس مقام تک آ پہنچے ہیں اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے ہم تلوار کی دھار پر ہیں اگر جھک گئے تو آگ ٹھکانا ہے۔

جعفر الخلدی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جنید علیہ الرحمۃ نے کہا کہ میں ایک دن سری سقطی علیہ الرحمۃ کے پاس گیا تو انہوں نے پوچھا: تمہارے ساتھیوں کا کیا حال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عاشق ایک طویل بیماری کا مریض ہوتا ہے۔ اگر میں چاہتا تو اس چیز کا ضرور اظہار کرتا جو میرے اندر موجود ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ان کے اندر (جذبۂ عشق) بہت زیادہ موجود تھا مگر وہ اسے پوشیدہ رکھتے تھے کیونکہ انہیں خوفِ الٰہی دامنگیر تھا۔

ایک اور طائفۂ صوفیہ کی نظر میں سماع کو اس لیے ناپسند کیا گیا کہ ان کے مطابق عامۃ الناس کو طریق اور مقاصدِ صوفیہ کے مطابق سماع کرنے کا علم نہیں ہوتا۔ اور اس طرح بسا اوقات ایسے لوگ اصول وشرائط سماع میں غلطی کر جاتے ہیں۔

مذکورہ طائفۂ صوفیہ نے عوام الناس کی اصلاح، خواص کو بچانے اور وقت جیسی نعمت، جو چلی جائے تو پھر حاصل نہیں ہوتی، کو ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر سماع کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

ایک گروہ صوفیہ نے تو سماع کو اس لیے بھی ناپسند کیا کہ اس میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر برے لوگوں کی صحبت میں شامل ہو جاتا ہے اور نیکی و سلامتی کا حصول اس کے پیش نظر نہیں رہ جاتا۔

بعض صوفیہ نے سماع کو اس لیے بھی ناپسند کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بہترین مسلمان لایعنی فعل سے دور رہتا ہے۔'' ۵

اسی حدیث کے زیر اثر ان کا یہ کہنا کہ سماع اختیار کرنے کا چونکہ ہمیں حکم نہیں دیا گیا ہے اور نہ ہی سماع زادِ قبر کا کام دیتا ہے لہٰذا یہ لایعنی افعال میں سے ہے۔

ایک اور جماعتِ صوفیہ کے مطابق سماع اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ صوفیا صاحب کمال اور باطنی طور پر اس قدر آسودہ اور مطمئن ہوتے ہیں کہ کسی بیرونی سماع کے لیے ان کے پاس گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔

---

۵ مسند احمد، مسند ابو یعلی، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

# حقیقتِ وجد

اہلِ تصوف کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وجد کیا ہے؟

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں وجد کی کوئی تعریف بیان نہیں کی جا سکتی کیونکہ پختہ ایمان رکھنے والے مومنوں کے نزدیک یہ اللہ کے اسرار میں سے ایک ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے: میرے خیال میں وجد اللہ تعالیٰ کے قول:

وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۚ [الکہف:۴۹]

ترجمہ: ''اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا۔''

کے مطابق وجد بلا کسی ارادہ وکوشش کے کسی شے کو پا لینے کو کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی آیت میں لفظ وجد کا معنی بلا ارادہ وکوشش کے پا لینے کا ہے۔

اسی طرح ذیل کی آیت میں بھی ''تجدوہ'' کا یہی مذکورۃ الصدر معنی ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللهِ ۚ [البقرہ:۱۱۰]

ترجمہ: ''اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔''

ایک اور آیت میں یَجِدْہُ کا معنی بغیر کوشش وارادے کے پانا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

حَتّٰى إِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا [النور:۳۹]

ترجمہ: ''یہاں تک جب اس کے پاس آیا تو اُسے کچھ نہ پایا۔''

گویا ہر وہ کیفیت مسرت والم جو قلب پر بغیر ارادے وکوشش کے طاری ہو اسے وجد کہتے ہیں۔

قلوب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ بصیرت رکھتے ہیں اور یہی بصیرت قلوب کے لیے وجد ہے جیسا کہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝ [الحج:۴۶]

ترجمہ: ''تو یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

الغرض اس طرح ان دونوں آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ تو نے کیا پایا اور کیا نہ پایا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وجد مکاشفاتِ حق کا نام ہے آپ دیکھتے نہیں کہ ایک شخص جو چپ چاپ ساکن بیٹھا ہوتا ہے کہ حرکت کرنے لگتا ہے اور اس کے منہ سے آہیں اور چیخیں نکلنے لگتی ہیں۔ مگر جو شخص اول الذکر سے زیادہ قوی ہوتا ہے وہ ساکن و ساکت رہتا ہے۔

قول خداوندی ہے:

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ [الحج:۳۵]

ترجمہ: ''کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں۔''

بعض شیوخ علیہم الرحمۃ کا کہنا ہے کہ وجد دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک وجدِ ملک اور دوسرا وجد القاء اور یہ دونوں اقسام قرآن کریم ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:فمن لم یجد (لم یملك) اور''ووجدوا ما عملوا حاضره'' (ای القوا)۔

کچھ اور صوفیہ نے بھی اسی طرح کی دو اقسام بیان کی ہیں:

ابوالحسن حصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ مدعی ۲۔ معترض ۳۔ مستحقق، جو اپنی حقیقت کو پا کر اس پر اکتفا کرے

۴۔ وجد جو خود سے گزر گیا ہو۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: ہر وجد جس کی سند قرآن وسنت سے نہ ملے باطل ہے۔

ابوسعید احمد بن بشر بن زیاد بن الاعرابی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: وجد کا آغاز یہ ہے کہ حجاب اٹھ جائے۔ مشاہدۂ رقیب، حضورِ فہم، ملاحظۂ غیب، محادثۂ سر اور فناءِ نفس حاصل ہو جائے۔

ابوسعید کا ایک اور قول: وجد خصوصی درجات میں سے پہلا درجہ ہے اور تصدیق غیب کو کہتے ہیں جس کا مزا جو چکھ لے اور جس کا نور جس کے قلب کو منور کر دے اس سے ہر شک و ریب رخصت ہو جاتا ہے۔آپ ہی نے یہ بھی فرمایا کہ وجد کے سامنے جو چیز حجاب بنتی ہے وہ دنیوی علائق اور آثار نفس ہیں اور جب نفس ان تمام آلائشوں اور اسباب سے پاک ہو تو قلب مشاہدہ کرتا ہے باطن پاکیزہ ہوتا ہے اور بندہ وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جس سے اس کا قلب خالی تھا۔اور یہی وجد ہے۔

# وجد کرنے والوں کی صفات

اللہ جل ذکرہ نے فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ [الزمر:۲۳]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اوّل سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیاں والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں۔''

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ وجد کرنے والوں کی صفات میں سے ہے۔

ارشاد فرمایا:

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ [الحج:۳۵]

ترجمہ: ''ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں۔''

وَجل (ڈر) صفاتِ واجدین میں سے ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ [النساء:۴۱]

ترجمہ: ''تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں۔''

اور اس کے بعد آپ ﷺ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہ کیفیت بھی صفات واجدین میں سے ہے۔

اس بارے میں واقعات بکثرت ملتے ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ الغرض، آہ و بکا، چیخ و پکار، کپکپانا، فرمایا کرنا اور غشی طاری ہونا یہ سب صفاتِ واجدین میں سے ہیں۔

وجد کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں:

واجد، یعنی حقیقتاً وجد کرنے والا اور

متواجد، یعنی بتکلف وجد کرنے والا۔

جہاں تک واجدین کا تعلق ہے تو ان کی تین اصناف ہیں:

پہلی صنف کے واجدین کا وَجد ٹھیک رہتا ہے مگر اس وقت متغیر ہوجاتا ہے جب بشری عادات اور خواہشاتِ نفس اس کے سامنے آجاتی ہیں۔

دوسری صنف کے واجدین کا واجد اس وقت متاثر ہوتا ہے جب وہ سماع کے لطف و نشاط میں منہمک ہوجاتے ہیں۔

تیسری صنف کے واجدین کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا وجد مسلسل رہتا ہے۔

کیونکہ یہ لوگ اپنے وجد میں فانی ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ خود باقی نہیں رہتے صرف ان کا وجد ہی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے انہیں کسی چیز کے وجود کا احساس ہی نہیں رہتا۔

اسی طرح بتکلف وجد کرنے والوں یعنی متواجدین کی بھی تین اصناف ہیں:

پہلی صنف: یہ لوگ تکلف اور نقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ خوش طبعی کی خاطر ایسا کرتے ہیں اور ہلکے قسم کے ہوتے ہیں۔

دوسری صنف: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیوی علائق کو چھوڑ کر بلند احوال کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ان کے لیے اچھا نہیں تاہم اس لحاظ سے ان کا تواجد بہتر بھی ہے کہ وہ اسے اس وقت اختیار کرتے ہیں جب کہ انہوں نے دنیوی اشیاء و اسباب کو پس پشت ڈال دیا ہوتا ہے۔ اور ان کو جو تواجد حاصل ہوتا ہے اس کی ساری مسرت اور لطف بہر حال قطعِ آسائش دنیوی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

اور اس بتکلف وجد اختیار کرنے یعنی تواجد کو جس نے تصوف سے خارج سمجھا اس نے غلطی کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''روؤ! اگر رونا نہیں آتا تو کوشش کر کے بتکلف روؤ''۔ [1]

گویا تواجد اور وجد کی حیثیت وہی ہے جو حدیث نبوی میں تباکی (بتکلف رونا اور بکاء (واقعتاً رونا) کی ہے۔

تیسری صنف: اس میں وہ کمزور صوفیہ شامل ہوتے ہیں جو حرکت کرتے وقت اپنی اندرونی کیفیت و جذبات کو ضبط نہ کرتے ہوئے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اپنا بوجھ اتارنے کے لیے تکلفانہ وجد اُن سے سرزد ہو جاتا ہے۔

عیسیٰ القصار علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میں نے حسین ابن منصور حلاج کو اس وقت جبکہ انہیں قتل کرنے کے لیے قید سے نکالا گیا یہ آخری الفاظ کہتے سنا:

''وجد کرنے والے کا مقصد خدائے واحد کو یکتا سمجھنا ہے۔'' بغداد کے تمام مشائخ نے منصور حلاج کے ان الفاظ کو سراہا۔

ابو یعقوب نہر جوری علیہ الرحمۃ وجد کرنے والے (واجد) کے وجد کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کے بارے میں کہتے ہیں:

صحیح وجد وہ ہے جسے قلوبِ واجدین قبول کر لیں اور غیر صحیح وجد وہ ہے جس کو واجدین کے دل قبول نہ کریں اور وجد کرنے والوں کے ساتھی اس سے زچ ہوں۔

---

[1] صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

# رات بازمشائخ کا تواجد

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک روز اپنی مجلس میں تواجد (بتکلف وجد کرنا) اختیار کیا اور اسی حالت میں کہا: ہائے افسوس! وہ نہیں جانتا کہ میرے دل میں اس کے سوا کیا کچھ ہے۔ کسی نے پوچھا کیا کچھ ہے؟ جواب دیا سب کچھ ہے۔

شبلیؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے تواجد کی کیفیت میں اپنا ہاتھ دیوار پر مارا کہ ہاتھ زخمی ہوگیا۔ ایک طبیب کو ان کے علاج کے لیے لایا گیا۔ آپ نے طبیب سے کہا: تجھ پر افسوس تو کون سا شاہد لے کر میرے پاس آیا ہے۔ طبیب نے کہا: میں تو آپ کے ہاتھ کا علاج کرنے آیا ہوں۔ آپ نے طبیب کو تھپڑ مارا اور دھتکار دیا۔ اس کے بعد ایک اور زم خو طبیب کو لایا گیا۔ آپ نے اس سے بھی سوال کیا کہ میرے پاس کون سا شاہد لے کر آئے ہو؟ طبیب نے کہا: تیرے شاہد کو لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد شبلی علیہ الرحمۃ نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا۔ طبیب نے زخم کو چیرا اور وہ خاموش رہے۔ جب طبیب نے دوا نکالی اور ہاتھ پر لگانے لگا تو شبلی علیہ الرحمۃ نے چیخ ماری اور تواجد کی حالت میں زخم پر انگلیاں رکھ کر کہنے لگے۔ ترجمہ شعر:

''تیری محبت نے میرے کلیجے میں ناسور بنا دیا ہے۔ میں نے تیرے غم زدہ ہونے کے باعث رات ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے قیدی کی مانند کاٹ دی۔''

کہتے ہیں کہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ کسی دعوت میں تشریف فرما تھے کہ تصوف کے مسائل پر بات چھڑ گئی۔ ابوالحسین پہلے تو خاموش رہے اور پھر یہ اشعار انہیں سنائے۔

**ترجمہ اشعار:**

1. ''اکثر دوپہر کے وقت کوئی دردمند فاختہ ٹہنیوں میں درد بھری آواز سے چیختی ہے۔''
2. ''بعض اوقات میری آہ و بکاء اسے رلاتی ہے اور بعض اوقات اس کی چیخ و پکار مجھے۔''
3. ''اگر وہ شکوہ کرتی ہے تو میں اسے نہیں سمجھتا اور اگر میں نالہ کرتا ہوں تو وہ نہیں جانتی۔''
4. ''سوائے اس کے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو سازش عشق کے حوالہ سے جانتے پہنچاتے ہیں۔''

نوری علیہ الرحمۃ نے یہ شعر سنائے تو ساری محفل تواجد میں جھوم اٹھی۔

ایک صوفی نے کہا کہ برسوں سے میری یہ خواہش ہے کہ کسی واجد سے بحالتِ وجد محبت کی ایک بات سن لوں۔

کہتے ہیں کہ ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ موت کا ذکر سنتے ہی بہت زیادہ تواجد کرتے تھے۔ ان کے اس انداز کے بارے میں جنید علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: عارف کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جن ناخوشگوار حالات سے دوچار کرتا ہے وہ نہ تو ناراضگی کی بنیاد پر اور نہ ہی سزا کے طور پر ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی صنعتوں اور تمام، ناخوشگوار حالات میں بھی اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان خلوصِ محبت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس پر جو کچھ بھی حالات نازل کیے جاتے ہیں ان سے اس کی روح کو اپنے لیے منتخب کرنا ہوتا ہے۔ جب عارف پر یہ حقیقت جو بیان کی گئی منکشف کر دی جاتی ہے تو پھر یہ بات تعجب خیز

نہیں رہ جاتی ہے کہ اس کی روح اللہ کی طرف پرواز کرتی ہے تو اس پر میں جذبۂ اشتیاق موجزن ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ صوفی موت کے ذکر پر تواجد کرتا ہے۔ ایک وجہ ذکرِ موت پر تواجد کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ صوفی کو اپنا مقصد سامنے دکھائی دینے لگتا ہے لہٰذا وہ تواجد کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ جس طرح چاہے اپنے دوست کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

کسی شیخ سے تواجد اور وجود میں فرق واضح کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا: وجود غیب کے صحراؤں اور حقیقت کے لیے بے نقاب ہوجانے سے عبارت ہے۔ جب کہ تواجد کا تعلق اکتساب سے ہے۔ اور یہ بشری اوصاف سے متعلق ہوتا ہے۔

جو لوگ تواجد کرنے والے کے وجد میں خامی کے باعث اسے ناپسند کرتے ہیں وہ ابوعثمان حیری الواعظ کے اس مواقعہ کو بطور سند پیش کرتے ہیں:

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک شخص جو تواجد کررہا ہے تھا سے انہوں نے کہا: اگر تو اپنے وجد میں صادق ہے تو تو نے اللہ کے راز کو افشا کیا اور اگر تو کاذب ہے تو تو نے شرک کیا۔

# غلبۂ وجد کی قوت

ایک روز سری سقطی علیہ الرحمۃ کے ہاں قوی اذکار میں تیز ترقسم کے وجدوں کا ذکر ہو رہا تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی کو گہرا وجد ہو جائے اور اس کے چہرے پر تلوار کا وار کر دیا جائے تو بھی اسے اس کا احساس تک نہ ہوگا۔

ابوالقاسم جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہ کیفیت اس وقت میرے اندر بھی موجود تھی اگر ایسا واقعتاً نہ ہوتا تو میں اسی وقت سری سقطیؒ کی بات کا انکار کر دیتا۔

جنید علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: جب کسی کا وجد قوی ہو تو وہ اس شخص سے کہیں کامل ہوتا ہے جسے علم تصوف پر دسترس حاصل ہو۔ آپ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جس کے پاس فضیلت علمی ہو اسے وجد کی خامیاں نقصان نہیں پہنچا تیں۔ اور فضیلت علمی زیادہ مکمل ہوتی ہے فضیلتِ وجد سے۔

جعفر خلدی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ جنید علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: وجد میں غلبہ کے بعد تحمّل زیادہ مکمل ہوتا ہے وجد میں غلبہ سے۔

اور وجد میں غلبہ زیادہ مکمل ہے غلبہ سے پہلے تحمّل اختیار کرنے سے کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ ترتیب کیسے قائم کی تو فرمایا: تحمّل کرنے والا قہر کے بعد تحمّل پر غلبہ حاصل کرنے کے باعث مکمل ترین ہوتا ہے۔ اور مغلوب اپنے نفس پر تحمّل پانے کے بعد مکمل ترین ہوتا ہے۔

میرے نزدیک جنید علیہ الرحمۃ کے بیان کی وضاحت اس طرح ہے کہ جو شخص متحمل ہو وجود کے غلبہ اور واردات کی قوت کے بعد وہ کامل ہے اس کی نسبت جس پر غلبۂ وجود اور قوتِ واردات غالب آ جائیں اور اس کے ظاہری صفات سے اس کا صاف پتہ چلتا ہو۔

واردات کی قوت اور دل کی حالت سے مطابقت رکھنے کے باعث غلبۂ وجد کی کیفیت والا زیادہ کامل ہے اس ساکن رہنے والے کی حالت سے جس پر واردات کا نزول ہوتا ہے اور نہ کوئی کیفیت اس کے قلب میں گزر پاتی ہے۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ کو وجد کی حالت میں اس قدر تقویت حاصل ہو جاتی تھی کہ چودہ یا پندرہ دن تک بغیر کھائے پئے گزار دیتے، شدید سردی کے باوجود ان کے جسم سے پسینہ بہتا رہتا۔ اور انہوں نے ایک قمیض پہنی ہوتی تھی۔

جب آپ سے اس کے بارے سوال کیا جاتا تو کہتے: مجھ سے سوال مت کرو کیونکہ اس وقت تم میری باتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔

میں نے ابوعمرو بن علوان علیہ الرحمۃ سے اور انہوں نے جنید علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے سنا کہ شبلی علیہ الرحمۃ حالتِ سکر میں رہتے تھے اگر وہ ہوش میں آتے تو ان سے استفادہ کیا جا سکتا تھا۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: میں نے سری سقطی علیہ الرحمۃ کے سامنے محبت کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اپنے بازو کی جلد کو کھینچا اور کہا: اگر میں یہ کہوں کہ یہ چمڑا اس کی محبت میں خشک ہو گیا ہے تو میں سچا ہوں اور یہ کہنے کے بعد ان پر غنودگی سی طاری ہو گئی

پھران کا چہرہ مثلِ قمر دمکنے لگا اور وہ اس قدر خوب صورت ہو گئے کہ حاضری میں سے کوئی ان کے حسن پر نظر جمانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے ہم نے ان کے چہرۂ مبارک کو ڈھانپ دیا۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: وہ وجد جو قلب میں پیدا ہوا اور اسے روحانی قوتوں سے معمور کر دے حتیٰ کہ قلب پہلے کے تمام حالات سے خالی ہو جائے اور اُسے ایک ایسا حال عطا کر دیا جائے جو باقی تمام احوال سے علیحدہ ہو تو وہ بندے کو اس مقام پر فائز کر دیتا ہے کہ وہ غیر اللہ کے احساس تک سے خالی ہو کر مکمل طور پر فقط حق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

ابو عثمان المزینؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

**ترجمہ شعر:**

''وجد میں حالتِ سکر کا طاری ہونا ہوش میں آنے کے مترادف ہے اور وجد میں باہوش ہونا۔ وصل میں سکر کر طاری ہونا ہے۔''

# وجد میں ساکن اور متحرک رہنے والے

ابوسعید بن الاعرابی علیہ الرحمۃ کتاب الوجد میں لکھتے ہیں:

''ایک سوال کرنے والے نے پوچھا کہ وجد میں کامل ترین شخص کون ہے حرکت کرنے والا یا ساکن رہنے والا؟ صوفیہ کرام کی رائے میں سکون و تمکین سے رہنا کہیں افضل ہے حرکت کرنے سے یا جوش وجذبے میں آنے سے۔''

ابوسعیدؒ نے جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

''بلاشبہ واردات اذکار سے ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض واردات ایسی ہوتی ہیں جو موجبِ سکون ہوتی ہیں لہٰذا ایسے میں ساکن رہنا ہی افضل ہے حرکت سے۔

اور بعض واردات ایسی ہوتی ہیں جو موجب حرکت ہوتی ہیں اس لیے متحرک رہنا افضل ہو جاتا ہے ساکن رہنے سے۔ کیونکہ اس طرح کی واردات کے مزاج میں قہر یعنی غلبہ ہوتا ہے۔ اب اگر وہ اس غلبہ پر قائم نہ رہا تو واردات ضعیف ہوں گے اور اگر واردات ضعیف نہ ہوں تو حرکت ضروری ہے۔''

واردات، علوم واذکار سے پیدا ہوتی ہیں اور ان سے وجد پیدا ہوتا ہے اور واجد ان کا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔

میں نے ایک جماعتِ صوفیہ کو دیکھا جو وجد میں اہل سکون کو اس لیے ترجیح دیتی ہے کہ ان کی عقلیں بڑی اور قوی ہوتی ہیں ان پر جو کچھ واردات ہوں ان کو سمجھتی اور ان پر استقامت رکھتی ہیں۔ یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی درست ہے مگر بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کچھ واردات اس قدر قوی نوری اور مضبوط برہان والی ہوتی ہیں کہ عقلیں ان کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں ایسے میں جس وجد میں انسان متحرک ہو جائے تو بلاشبہ ایسی حرکت، ساکن رہنے سے افضل ہے۔

ابوسعید ابن الاعرابی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کچھ واردات اس طرح کی ہوتی ہیں جو عقل کے مطابق ہوتی ہیں وہ انہیں سمجھتی ہے لہٰذا تمکن اور سکون پیدا ہوتا ہے اور حرکت نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے ساکن رہنے والوں کو جن لوگوں نے افضل قرار دیا وہ فضیلت عقل کی بناء پر اور جنہوں نے وجد میں متحرک رہنے والوں کو افضل قرار دیا ان کے پیش نظر وہ قوی واردات تھیں جو عقل کی قوتِ ادراک سے بالا ہیں۔

اگر عقلیں ایک جیسی ہوں ان میں سے کوئی افضل بھی نہ ہو تو ایسی حالت میں ساکن کو متحرک پر فضیلت ہوگی۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ دو عقلیں، دو آدمی یا دو واردات باہم یکساں ہوں اہل تصوف اس یکسانیت کا انکار کرتے ہیں۔ الغرض جب یکسانیت ٹھہری تو ہم پھر اسی بات کی طرف آتے ہیں جو ہم پہلے کہہ آئے ہیں۔ یعنی متحرک کا ساکن یا ساکن کا متحرک سے افضل ہونا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا کیونکہ وارد ہونے والا حال مختلف ہے اس لیے کہ یہی حال کہیں باعثِ حرکت ہے تو کہیں موجب سکون۔ اور واجدین اپنے مشاہدات اور مکاشفات میں یکساں نہیں ہوتے۔ گویا فضیلت حرکت وسکون کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان واردات پر ہے جن کو جانے بغیر ہم کسی ایک کے افضل ہونے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ سب باتیں اہلِ احوال کے لیے تھیں جہاں تک اہلِ سکر کا تعلق ہے یہ کلام ان سے متعلق نہیں۔

# ابو سعیدؒ بن الاعرابی کی تالیف ۔۔۔ کتاب الوجد کی تلخیص

ابو سعید بن الاعرابی علیہ الرحمہ نے کہا: وجد مندرجہ ذیل احوال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔

بے قرار کر دینے والا بیان، پریشان کن خوف، لغزش پر مواخذہ، کسی فائدے کی طرف خوب صورت کلام کے ذریعے اشارہ، غائب کا شوق، کھو دینے پر ندامت، ماضی کا غم، حصول اور اپنے باطن کے ساتھ سرگوشی کرنا۔

باطن سے سرگوشی کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ظاہر کا ظاہر، باطن کا باطن، غیب کا غیب اور سر کا سر کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ اور یہ کہ اپنے حقوق و فرائض کو جان لیا جائے تا کہ تو اس میں کوشش کرے اور اس کے بعد تیرے لیے قدم کے بغیر ثابت قدمی اور ذکر کے بغیر ذکر لکھ دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نعمتوں کا مالک اور عطا کرنے والا ہے وہی نعمتوں پر توفیق شکر عطا کرنے والا اور تجھے ان کے حصول پر مائل کرنے والا ہے لہٰذا وہی ان میں سے تمہیں درجہ دینے والا ہے۔ اور بے شک تمام امور کا مرجع اسی کی ذاتِ والا صفات ہے۔

ابو سعید بن الاعرابی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: وجد، خوشیوں سے ہمکنار ہونے اور مزید سے آگاہ ہونے کو کہتے ہیں۔ وجد کی یہ لذتیں تھوڑی ہوں تو صبر نہیں آتا اور زیادہ ہوں تو سنبھالی نہیں جاتیں۔ گمان و خیال اس سے قریب ہیں اور برانگیختہ ہونا مسلسل۔ یہی وجہ ہے کہ پشیمانی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سب گنوا دینے کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔

آہ و بکاء وجد کے آنے سے پہلے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ وجد طاری ہونے سے پہلے تو موجود نہیں ہوتا۔ اور وجد سے انس نہیں پیدا ہو سکتا کیونکہ وہ واقع ہوتے ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ وجد میں غشی، لرزہ، اعضاء کا زوال اور عقل پر غلبہ اسی صورت میں ہوتا ہے کہ واردات قوی ترین اور موٴثر ترین ہوتی ہیں۔

کیفیت وجد کے تیزی سے آنے اور عجلت تمام رخصت ہونے میں ایک نکتہ دقیقہ اور اللہ کی نعمت پوشیدی ہے وہ اس طرح کہ اگر اللہ جل جلالہٗ اپنے اولیاء کو نہ بچاتا اور ہر قلب پر مالایطاق کیفیت وجد کو دیر تک طاری رہتے دیتا تو عقلیں بکھر جاتیں اور جانیں تلف ہو جاتیں۔

وجد اس دنیا میں کشف نہیں بلکہ مشاہدۂ قلب، توہم حق اور ظن یقین ہے۔ پس وہ اس کا مشاہدہ نشاطِ یقین اور خلوص ذکر کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ وہ نیند میں گویا جاگا ہوا ہوتا ہے۔ اور جب وہ بے ہوشی میں ہوش میں آتا ہے۔ تو جو اس نے پایا ہوتا ہے اسے کھو چکا ہوتا ہے۔ اور اس کے پاس فقط اس کا علم ہی باقی رہ جاتا ہے جس سے اس کی روح متمتع ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے یقین کے بڑھ جانے سے بھی مستفید ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ بندے کے قرب و وجد کے مطابق ہوتا ہے اور اسی قدر ہوتا ہے جس قدر اس کا رب اسے دکھانا چاہتا ہے۔

واجدین میں سے کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو وجد میں ثابت قدم ہوتے ہیں اور جو کچھ وجد میں سے انہوں نے حاصل کیا ہوتا ہے۔ وہ ان کی تمکین کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو وجد کی کیفیات کو بیان کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے ان کا بیان حجت ہوتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ دوسروں کو غلطی کا مرتکب ہونے سے بچانے کے لیے انہیں صحیح احوال نہ بتاتے تو ان کی کیفیات

سلب ہو جاتیں۔ بعض اوقات ان پر وجد کسی کلام کے سنتے وقت اس پر غور کرنے سے پہلے ہی طاری ہو جاتا ہے اور وہ اس خیال سے نہیں بچ سکتے کہ یہ وجد طبعی اثرات کے نتیجہ میں طاری ہوا ہے اور اس لحاظ سے ان پر وجد حقیقی و غیر حقیقی میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے وجد میں انہیں رقت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد کیفیت میں اضافہ بھی محسوس ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے خالق کی معرفت کا مدعی ہوا سے نہیں چاہیے کہ وہ اسی کے سوا کسی اور سے سکون و مسرت پائے یا کسی ناقص سے دل لگائے یا کسی زائل ہونے والے سے خیالات کے سلسلے کو جوڑے۔ اگرچہ اس کے لیے ایسا کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ان چیزوں میں بظاہر مشابہت بھی پائی جاتی ہے اس لیے اہل نظر صوفیہ نے اس التباس کو باعتبار فضیلت اس طرح واضح کیا کہ قلوب اپنے ظن و گمان سے متصور کرتے ہیں نہ متروک و مہمل، محفوظ کے برابر ہوسکتا ہے۔ نہ مصنوعی چیز، سرشمے سے آتی ہوئی چیز کے برابر ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی فکر سے حاصل ہونے والی بات ذکر سے حاصل ہونے والی بات کے برابر ہوسکتی ہے۔

بعض اوقات تمیز کے باوجود بھی متفرق چیزوں میں فرق واضح نہیں ہو پاتا اس کی وجہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ اور جب یہ کمزوری زائل ہو جائے تو فرق واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فکر کے ذریعے متمیز شے ذکر کے ذریعے چاہی گئی شے کے برابر نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہی صاحبِ اختیار و ضبط اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے۔ جس پر وجد و فریفتگی کا غلبہ ہو مگر ہر واجد کی یہ صفت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کے احوال یکساں نہیں ہوتے۔ واجدین میں سے کسی کا وجد تو علم کے باعث ہوتا ہے۔ بعض کا علم کے ساتھ اور بعض کا وجد خالصتاً علم ہی ہوتا ہے۔

وہ وجد جس کا تعلق اصل ثبات سے ہے۔ وہ حرکت کے بجائے سکوں اختیار کر کے حرکت کو ترک کرنے والوں میں پایا جاتا ہے۔ خلوت سے دوری اس لیے کہ مانوس رہنے کی حالت نے انہیں وحشت سے دور کر دیا ہوتا ہے اور قرب نے ان کو مسافت سے علیحدہ کر رکھا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اہلِ وجد پر کوئی ایسی کیفیت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ لوگ اپنے وجود میں بڑھ جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان کا اپنی صفاتِ بشری کی طرف لوٹنا ان کے لیے باقی رہتا ہے اور اپنی صفاتِ بشری کے مطابق ہی وہ غذا اور عورت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اور اس ضرورت سے وہ پریشان ہو جاتے ہیں کیونکہ اسے وہ اپنے وجد کے لیے نقص کے قائم مقام سمجھتے ہیں۔ اور ایک عرصے تک خوف کا شکار رہتے ہیں۔ اسی دوران کوئی کھوئی کیفیت کو پانے کی طلب انہیں ایک ایسی پریشانی سے دوچار کر دیتی ہے اور وہ ہر شے کے بارے میں یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ انہیں گوہر مراد تک پہنچا دے گی۔ اور ان کے احساس پر تمیز اس قدر غالب آ جاتی ہے کہ وہ جلد بازی میں ڈوبنے لگتے ہیں اور جہاں کہیں سراب دکھائی پڑتا ہے اسے پانی سمجھ بیٹھتے ہیں اور جہاں کہیں پانی دیکھتے ہیں اسے سراب سمجھ بیٹھے ہیں کیونکہ طمع کا غلبہ ہوتا ہے وہ ناک کی سیدھ میں چلے جا رہے ہوتے ہیں اور ہر وادی میں چکر کاٹتے ہیں اور ہر چمکنے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ ان کا سیلاب ان کی بارش سے بڑھ جاتا ہے اور ذکر فکر سے آگے نکل جاتا ہے۔ ہر سبب کے آگے سر خم کر دیتے ہیں۔ اس سے مدد نہیں لیتے۔ طمع ان کی نظروں کو اوپر اٹھائے رکھتا ہے اور ناامیدی ان کو روکتی ہے ان کی ناامیدی جاری نہیں رہتی کہ وہ لوٹ جائیں اور نہ طمع واقعتاً طمع ہوتی ہے کہ وہ تلف ہو جائیں۔ ان کی مثال ان دیوانوں کی سی ہوتی ہے جو محبوب کی خاطر اپنی زندگی تک کو قربان کر دیتے ہیں اگر انہیں یہ خیال لاحق ہو جائے کہ محبوب لق و دق صحرا میں ہے تو وہ اس کی طرف چل پڑیں یا یہ وہم پڑ جائے کہ وہ سمندر کے پار ہے تو اسے عبور کر لیں یا بھڑکتی آگ کے پرے ہے تو اس میں بے خطر کود پڑیں اُس پتنگے کی مانند جو

جہاں کہیں آگ روشن دیکھتا ہے اُس میں کود پڑتا ہے۔

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ جنگلوں، صحراؤں اور موت کی گھاٹیوں میں پریشان حال چکر کاٹتے پھرتے ہیں کہ انہیں ٹھکانا ملتا ہے اور نہ کوئی پناہ۔ ایسے خطرات سے اگر وہ محفوظ رہ سکتے ہیں تو اپنی نیت اور ارادے کی صداقت اور شریعت کی اتباع کے ذریعے۔

جس شخص نے ظاہری علوم شریعت سے دوری اختیار کی وہ لغزشوں سے بچ نہیں سکتا اور جس شخص نے شریعت کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کی تو وہ سلامتی سے دور خطرے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ہم نے سطور بالا میں جو کچھ علوم وجد سے متعلق باتیں کیں، اشارے بیان کیے یا دلیلیں قائم کیں وہ اس کے ظاہر سے تعلق رکھتی تھیں جہاں تک اس کے دوسرے رخ کا تعلق ہے تو اس کا علم اللہ کے پاس ہے وہی اس کو اپنے بندوں پر عیاں کرتا ہے۔ وہ لوگ جو اس کے لطف سے محظوظ ہوتے ہیں اور جنہیں اللہ اس سے متمتع فرماتا ہے وہ اس کو جانتے ہیں مگر بیان نہیں کر سکتے۔ وہ ظاہراً بھی جانتے ہیں اور باطناً بھی۔ اور یہی وہ غیب ہے جس سے اللہ تعالیٰ مومنین کو متصف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ[البقرہ:۳]

ترجمہ: ''وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔''

گویا وہ مومنین اس کے غیب میں غائب ہیں اور اگرچہ وہ غائب ہے مگر انہیں شک وریب دامنگیر نہیں ہوتا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ وجد کی مزید کوئی تعریف بیان کی جائے تو افسوس ہے اس پر کہ کس طرح اس کی کوئی صفت یا تعریف بیان کی جائے جو خود اپنی صفت آپ ہے اُسے جس نے پالیا اس نے جان لیا اور جس نے نہیں جانا اس نے انکار کیا۔ وہ فقط ذوق سے محسوس ہوتا ہے۔ وہ غالب ہے، موجود ہے، مفقود ہے اور اپنے انوار کے ساتھ اپنے نور سے حجاب میں ہے، اپنی صفات کے ساتھ پوشیدہ ہے اپنے ادراک سے۔ اور اپنی ذات سے اپنے اسماء کے ساتھ محجوب ہے۔ ذات سے میری مراد وجد یقین ایمان اور حقائق ہیں۔ اسی طرح محبت، شوق اور قرب اس کے وصف کو تو بیان کیا جاتا ہے مگر اس کی حقیقت یا کہنہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کیا جاتی۔ صرف وہی اس کو جان سکتے ہیں جنہوں نے اس کا ذوق پایا۔ لوگ اس کے اوصاف تو بیان کرتے ہیں مگر اسے سمجھ نہیں سکتے۔ اپنے تئیں اس کے بارے میں کچھ کہتے ہیں تاکہ اپنی وحشت کو انس سے بدل سکیں۔ وہ جس قدر اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں اسی قدر اس کی حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ ان کی زبان بند ہونا اس کے بارے میں کچھ کہنے سے زیادہ بلیغ ہے۔

اہل وجد کو اس بارے میں فقط اسی قدر معلوم ہوتا ہے جس قدر انہیں بتایا جاتا ہے، اور ان کا خود کو اس کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر بتانا ہی ان کے علم کی دلیل ہے۔ اور اسے متعلق کچھ کہنے سے عاجز ہونا ان کی گویائی ہے۔ الغرض ان کا کلام سے عجز، بلاغت ہے اور لکنت ان کی فصاحت۔

اس لیے جو شخص اس کی حقیقت کے بارے میں سوال کرتا ہے تو یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے۔ اور ایک عالم کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ ہر سائل کے سوال کا جواب دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو اس کا پابند بنایا ہے کہ وہ علم کو اس کے اہل سے نہ چھپائیں جیسا کہ اس نے علماء کو اس بات کا بھی پابند بنایا کہ وہ نااہل سے علم کی حفاظت کریں۔ اور ہم کہہ چکے ہیں کہ اس کے علم حاصل

کرنے کے اہل شک کرنے والے نہیں ہوتے کہ بلاوجہ کوئی سوال پوچھیں۔
جب کہ ان احوال کی انتہاء نہیں لہٰذا ہم نے ان کا بیان یہیں چھوڑ دیا۔ اگر مزید جاری رکھتے تو یہ سلسلہ لامتناہی ہے، یہ معارف ہیں جن کا شمار نہیں۔ اور ان کا اکتساب طاقتِ بشری سے باہر ہے بلکہ یہ قول باری تعالیٰ میں داخل میں جیسا کہ فرمایا:

وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝[ق: ۳۵]

ترجمہ: ''اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔''

الغرض یہ اس کے کچھ عطیات تھے جن کا ذکر ہو چکا اور اس ان کا سلسلہ بے نہایت ہے اور ان کی توصیف بیان نہیں کی جا سکتی۔ اور کیسے ان واردات و کیفیات کا ذکر ہو جن سے وہ اپنے اولیاء کو ہر دم اور ہر آن نوازتا رہتا ہے۔ یہ جو کچھ احوال ہم نے یہاں بیان کیے وہ بہر طور بہت کم ہیں اور اللہ کے فضل و کرم ہی سے معلوم ہوئے جیسا کہ قول خداوندی ہے:

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ[السبا:۳]

ترجمہ: ''اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز''

اگر چہ یہ احوال انسانی اکتساب سے باہر ہیں تاہم ان میں کچھ بہترین عمل کرنے کے نتیجے میں عطا ہوتے ہیں۔ جو شخص اللہ سے مزید احوال کا طالب ہو وہ اپنے بنیادی سرمایے کو مستحکم کر لیتا ہے جو مزید کے حصول کا موجب بنتا ہے۔ جس نے اس میں تجاوز سے کام لیا بعید نہیں کہ اس کا بنیادی سرمایہ ہی ضبط کر لیا جائے کیونکہ اس نے اس سرمایے کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کی اور اس لیے بھی کہ نفس پر توقف اختیار کر لینے سے ہجوم منقطع ہو جاتا ہے اور ہجوم، علم کے بغیر ایک واضح غلطی ہے۔ اگر توقف نفس اختیار کرنے کی طرف عدم توجہی قوی ہو تو بسا اوقات ہجوم کا حاصل ہونا بہت ممکن ہوتا ہے۔

جسے اصل کی تلاش ہو اور وہ اس میں استحکام سے پہلے فرع کی طرف رجوع کرنے کی غلطی کرے تو یہ ایسا اقدام ہے کہ جس کے نتیجے میں وہ لغزشوں سے نہیں بچ سکتا۔

الغرض یہ تھی ابن الاعرابی کی کتاب الوجد کی تلخیص جسے میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پیش کیا۔

# تحقیق آیات و کرامت

## آیات وکرامات کا مفہوم اور بعض اہلِ کرامت کا ذکر

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ آیات اللہ تعالیٰ کے لیے، معجزات انبیاء علیہم السلام کے لیے اور کرامات اولیاء علیہ الرحمہ اور نیک عمل مسلمانوں کے لیے ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ جس شخص نے چالیس دن دنیا سے صدق و اخلاص کے ساتھ کنارہ کشی اختیار کی اس سے کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اور جس سے کرامت ظاہر نہ ہوئی گویا اس کی کنارہ کشی میں صدق و اخلاص ہی نہ تھا۔

جنید علیہ الرحمہ نے فرمایا: جو کرامات کی باتیں کرتا ہے مگر خود اس سے ان کا ظہور نہیں ہوتا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھوسہ چباتا ہے۔

سہل ابن عبداللہ علیہ الرحمہ سے چالیس روز تک کنارہ کشی کرنے والے کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے تو فرمایا: وہ جو چاہے جیسے چاہے اور جہاں سے چاہے حاصل کر لیتا ہے۔

میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ کو کہتے سنا کہ ایمان کے چار ارکان ہیں: پہلا رکن ایمان دوسرا رکن ایمان بالقدر، تیسرا رکن حرکت و قوت سے برأت ظاہر کرنا اور چوتھا رکن جملہ کاموں میں اللہ سے مدد مانگنا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابن سالم علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان بالقدر سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ایمان رکھے اور تیرا دل اس بات کا انکار نہ کرے کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ مشرق میں ہو اور وہ اسے قدر عطا فرمائے تو وہی شخص اک پہلو بدلے اور خود کو مغرب میں پائے۔

### انوکھی ضیافت

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ اپنے پاس بیٹھنے والے ایک نوجوان سے کہا کرتے تھے اگر تو آج کے بعد درندوں سے ڈرا تو میری صحبت ترک کر دینا۔

میں تستر میں سہل علیہ الرحمہ کے گھر میں کچھ لوگوں کے ساتھ داخل ہوا تو وہاں ایک کمرہ دیکھا جسے درندوں کا کمرہ کہا جاتا تھا ہم نے اس کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ جنگل کے درندے سہل بن عبداللہؒ کے پاس آتے ہیں اور وہ انہیں اس کمرے میں گوشت کھلا کر رخصت کر دیتے ہیں۔ میں نے تستر کے کسی شخص کو بھی اس واقعے کا انکار کرتے نہیں پایا۔

### نگاہِ کیمیا اثر

ابوالحسین بصری علیہ الرحمہ کہتے ہیں: عبادان کے ایک ویرانے میں سیاہ رنگت کا ایک فقیر رہتا تھا میں کچھ چیزیں اس کے لیے لے کر گیا۔ اس کے پاس پہنچ کر میں نے اسے بلایا اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو مسکرایا اور زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا میں نے جب زمین پر نگاہ ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین سونا بن کر چمک رہی ہے۔ پھر اس نے میری طرف دیکھتے

ہوئے کہا: لاؤ! جو لائے ہو۔ اور میں جو کچھ اس کے لیے لایا تھا اس کے ہاتھ میں تھما کر وہاں سے واپس بھاگا۔

## ابوسلیمان خواصؒ اور ان کا گدھا

میں نے ابوعبداللہ حسین بن احمد الرازی علیہ الرحمۃ سے اور انہوں نے ابوسلیمان خواص علیہ الرحمہ کو یہ کہتے سنا کہ میں ایک روز اپنے گدھے پر سوار تھا راستے میں ایک مکھی اس کو بار بار تنگ کرتی تو وہ سر ہلانے لگتا اور میں ایک لکڑی سے اسے سر پر مارتا جاتا تھا کہ گدھے نے سر اٹھا کر کہا: مارو کہ تم اپنے ہی سر کو مار رہے ہو۔ ابوعبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ کیا یہ واقعہ تمہارے ساتھ پیش آیا، تو انہوں نے کہا: بالکل اسی طرح پیش آیا جس طرح تم مجھ سے سن رہے ہو۔

## علم کی فضیلت

احمد بن عطاء رودباریؒ فرماتے ہیں کہ طہارت کے مسئلہ میں میرا اپنا ایک مسلک تھا ایک رات میں وضو کر رہا تھا کہ ایک چوتھائی رات وضو ہی میں گزر گئی مگر میرے دل کو اطمینان حاصل نہ ہوا آخر میں رونے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: یا رب! عفو! کہ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ یا ابا عبداللہ! عفو علم میں ہے۔

## گمشدہ چیز کو پانے کی ایک مجرب دعا

جعفر خلدی علیہ الرحمہ ایک روز دجلہ میں ایک کشتی میں سوار ہوئے، ملاح کو کرایہ دینے کے لیے اپنے رومال کھولا جس میں ایک نگینہ بھی تھا جو دریا میں گر پڑا، انہیں گمشدہ چیز کو پانے کی ایک مجرب دعا یاد تھی اس کا ورد شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک روز اوراق الٹتے ہوئے وہ نگینہ انہیں ان میں پڑا مل گیا۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِجْمَعْ عَلَيَّ ضَالَّتِيْ.

ترجمہ: ''اے میرے رب! اے لوگوں کو اس دن جمع کرنے والے جس میں کوئی شک نہیں میری گم شدہ چیز مجھے عطا فرما۔''

مجھے ابوالطیب مکی علیہ الرحمہ نے ان لوگوں کی ایک طویل فہرست دکھائی جنہوں نے مذکورہ بالا دعا کو کامیاب طور پر آزمایا اور اپنی گم شدہ اشیاء بہت قلیل مدت میں پالیں۔

## اولیاء اللہ سینوں کے بھید جانتے ہیں

حمزہ بن عبداللہ علوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ابوالخیر حبشی تی علیہ الرحمہ کے پاس گیا اور جانے سے پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ سلام کر کے رخصت ہوں گا کھانا تناول نہیں کروں گا بلا غرض میں گیا، سلام کیا اور رخصت ہو کر باہر آ گیا۔ جب اس قریہ سے دور نکل آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبداللہ علویؒ کھانا لے کر میرے سامنے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں: اے نوجوان! یہ کھانا کھا لو کیونکہ اب تم اپنا عزم پورا کر چکے ہو۔

سطور گزشتہ میں جن مردانِ خدا کا ذکر آیا ہے وہ تمام اپنی دیانت اور سچائی کے لیے مشہور تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے علاقے میں احکام دین کے بارے میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو اخبار و آثار بیان کیے مسلمانوں نے ان کی تصدیق کی۔ لہٰذا جو واقعات ان کے بارے میں بیان کیے گئے وہ بلاشبہ ان میں سچے تھے۔

# انکارِ کراماتِ اولیاء پر اہلِ ظاہر کے دلائل، کراماتِ اولیاء کے جواز پر دلائل اور اس سلسلے میں انبیاء و اولیاء کا باہمی فرق

اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ کرامات انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں سے صادر نہیں ہوسکتیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام ہی اس سے مخصوص ہیں۔ اور آیات ومعجزات وکرامات ایک ہیں معجزات اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کے صادر کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ اس لیے جس نے معجزات یا کرامات میں سے کوئی کرامت انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے ثابت کی تو اس نے انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء کو یکساں کردیا اور دونوں میں کوئی فرق ہی نہیں رہنے دیا۔

جن لوگوں نے کراماتِ اولیاء سے انکار کیا ان کے پیشِ نظر یہ بات تھی کہ کہیں معجزاتِ انبیاء علیہم السلام میں کوئی شک یا خامی نہ واقع ہوجائے مگر ان سے اس بارے میں کچھ غلطی ہوگئی کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام میں کرامات ومعجزات کی بنا پر کئی وجوہ سے فرق موجود ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے معجزات کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں اور اس کے ذریعے لوگوں کو قائل کرنے اور اللہ کی طرف بلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں جب کہ اولیاء کرام اپنی کرامات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے معجزات کو مشرکین کے خلاف بطور دلیل پیش کرتے ہیں جب کہ اولیاء کرام اپنی کرامات کو خود اپنی ذات کے خلاف اپنے عقیدہ کی تقویت دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

## کرامات اور تادیب نفس

میں نے ابن سالم علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ جب اولیاء کرام اپنی مرضی کے مطابق دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں تو اس سے ان کو کون سی عزت دی جاسکتی ہے کہ ان سے یہ کرامت ظاہر ہوجائے کہ پتھر ان کے لیے سونا بن جائے۔ انہوں نے جواب دیا۔ انہیں کرامات اس لیے نہیں عطا کی جاتیں کہ وہ دنیا کی قدر جانیں بلکہ اس لیے انہیں کرامات عطا کی جاتی ہیں کہ وہ اس کے ذریعے اپنے نفس کے خلاف دلیل قائم کرسکیں کہ جو ذات ان کے لیے پتھر کو سونا بنا سکتی ہے کیا ہی وہ انہیں غیب سے رزق نہیں عطا کرسکتی اور اس طرح ان کے اندر رزق کے ختم ہونے یا کم ہوجانے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا مزید یہ کہ ان کے باطن کی تربیت وتادیب بھی ہوجاتی ہے۔ اس ضمن میں ابن سالم علیہ الرحمۃ نے ہم سے یہ حکایت بھی بیان کی کہ بصرہ میں ایک شخص اسحاق بن احمد نام کا رہتا تھا۔ یہ شخص دنیا کا پرستار تھا۔ اچانک اس نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر توبہ کی اور سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ کی صحبت اختیار کرلی۔ ایک روز اس نے سہل علیہ الرحمہ سے کہا: اے ابا محمد! میرا نفس گزارے کی خوراک وغیرہ کے ختم ہونے کے بارے میں ہر وقت فکرمند رہتا ہے۔ سہل علیہ الرحمہ نے اس سے کہا: یہ پتھر لو اور اپنے رب کو پکارو کہ وہ اسے تیرے لیے طعام میں بدل دے تاکہ تو اُسے کھائے۔ اس شخص نے کہا: اس میں میرے لیے نمونہ کون ہے۔ سہل علیہ الرحمہ نے فرمایا: تیرے لیے اس میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بطور مثال موجود ہے۔ جب انہوں نے کہا تھا:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ

قَلْبِیْ ؕ [البقرہ:۲٦٠]

ترجمہ: ''اور جب عرض کی ابراہیمؑ نے اے رب! میرے! مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ دل کو قرار آ جائے۔''

مفہوم یہ ہے کہ نفس اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے کیونکہ اس کی جبلت شک کرنا ہے۔ گویا ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ مجھے دکھا دے کہ نفس کس طرح مطمئن ہوتا ہے کیونکہ میں تو ایمان رکھتا ہوں مگر نفس دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور ان کے نفس کی تادیب و تہذیب کے لیے کرتا ہے۔ یہیں پر انبیاء و اولیاء میں فرق قائم ہو جاتا ہے کیونکہ انبیاء کا معجزہ عطا کیا جاتا ہے تاکہ وہ اسے توحیدِ الٰہی پر اقرار اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے بطورِ حجت پیش کر سکیں۔

تیسری وجہ انبیاء و اولیاء میں فرق واضح کرنے کی یہ ہے کہ جب بھی انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اضافہ کیا جاتا ہے تو وہ ان کے قلوب کو اور زیادہ ثابت قدم و مطمئن کر دیتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی فخرِ رسل علیہ التحیۃ والسلام کو وہ تمام کچھ عطا ہوا تھا جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا تھا۔ مگر انہیں پھر کچھ ایسے معجزات بھی عطا کیے گئے جو کسی اور کو نہیں ملے۔ جیسے معراج، شقِ قمر اور انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا۔ تفصیل اس کی بڑی طولانی ہے مگر ہم مختصراً یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے اضافۂ معجزات باعث تکمیل فضیلت ہوتا ہے جبکہ اولیاء کرام کے لیے جب کرامات میں اضافہ کیا جاتا ہے تو ان کا خوف بڑھ جاتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان سے ناراض نہ ہو گیا ہو اور اس طرح کہیں اس کی نظر میں وہ گر نہ جائیں۔

# کرامات اولیاء کے ثبوت پر دلائل اور کرامات کو انبیاء کے لیے مخصوص سمجھنے والوں کی خامی

اس ضمن میں ہماری دلیل کتاب وسنت سے ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

وَهُزِّيٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ [مریم: ۲۵]

ترجمہ: ''اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گریں گی۔''

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں جریج راہب اور ایک شیر خوار بچے کے کلام کرنے کا قصہ مذکور ہے حالانکہ جریج نبی نہیں تھے۔ ❶

تیسری دلیل حدیثِ غار ہے جس کے مطابق تین شخص سفر کر رہے تھے کہ رات پڑ گئی اور ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔۔۔الخ ❷

ایک اور روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص جارہا تھا اور اس کے ہمراہ ایک گائے بھی تھی۔ اور وہ گائے پر سوار ہوگیا تو گائے نے کہا: اے خدا کے بندے! ہم سواری کے لیے نہیں پیدا کی گئیں بلکہ کھیتی باڑی کے لیے۔ سب نے سبحان اللہ کہا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ﷺ۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس موقع پر ابوبکر، بکر رضی اللہ عنہما لوگوں میں شامل نہیں تھے اور یہ ذکر بھی نہیں کیا گیا تھا کہ گائے پر سوار ہونے والا نبی تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میری امت میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی اور بلاشبہ عمر بن خطاب ان میں سے ہیں۔ اور کسی غیر نبی کا مکلم محدث ہونا ان تمام کرامات سے اولیٰ ہے جو جملہ اولیاء ابدالوں اور صالحین کو عطا کی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنے خطبۂ جمعہ میں فرمایا: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف۔ ❸ تو ان کی آواز نہاوند کے دروازے پر لشکر نے سن لی۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق کئی کرامات روایات میں مذکور ہیں۔

صحابۂ کرام سے متعلق کئی روایات میں ان کی کرامات کا تذکرہ موجود ہے جیسے ایک روایت ہے کہ اُسید بن حضیر اور عتاب بن بشیر رضی عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے رخصت ہو کر نکلے تو اس وقت تاریک رات تھی۔ ایسے میں ان میں

❶ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

❷ صحیحین اور سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

❸ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس روایت کو بیان کیا۔

سے ایک کا عصا مثلِ چراغ روشن ہو کر انہیں راستہ دکھاتا رہا۔

## تسبیح جام

ابو درداء اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ان کے درمیان ایک پیالہ پڑا تھا کہ وہ اچانک تسبیح بیان کرنے لگا اور اس کی تسبیح ان دونوں نے سنی۔ ❶

## پانی پر چل پڑے اور درندوں نے رستہ دیا

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ پر روانہ فرمایا: یہ صحابی جب چلے تو ان کی راہ میں ایک جگہ سمندر کا کچھ حصہ آتا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اسم ذات کے وسیلے سے دعا کی اور وہ پانی پر چل پڑے۔

اسی طرح ان کے راستے میں درندے آئے تو انہوں نے دعا کی اور درندوں نے راستہ دے دیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں کچھ لوگ درندے کے خوف سے کھڑے ہوئے نظر آئے آپ نے درندے کو راستے سے ہٹا دیا اور فرمایا:

''انسان پر وہی کچھ مسلط کیا جاتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے اگر وہ فقط اللہ سے خوف رکھے تو کوئی چیز اسے نہیں ڈرا سکتی۔''

ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کئی گرد آلود جسم والے اور بکھرے بالوں والے تن پر چیتھڑے پہنے ہوئے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا کر کچھ کہہ دیں تو اللہ اسے پورا کر دیتا ہے اور براء بن مالک ؓ انہی میں سے ہیں۔'' ❷

کرامات میں سے اس سے بڑھ کر مکمل کرامت کیا ہو سکتی ہے کہ ایک بندۂ خدا قسم کھا کر کچھ کہے اور خدا اس کے کہے کو پورا کر دکھائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ [المومن:٦٠]

ترجمہ: ''اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔''

ان تمام روایات کے علاوہ اور بھی کئی صحیح اسانید والی روایات ہیں جن کے لیے طوالت کے باعث یہاں گنجائش نہیں۔ ہاں علماء کرام نے ان پر مبنی کئی کتابیں مرتب کی ہیں۔

احادیث مبارکہ میں عامر بن عبدالقیس، حسن بن ابی الحسن المصری، مسلم بن یسار، ثابت البنانی، صالح المری، بکر بن عبداللہ المزنی، اویس قرنی، ہرم بن حیان، ابو مسلم الخولانی، صلۃ بن اشیم، ربیع بن خثیم، داؤد الطائی، مطرف بن عبداللہ بن الشخیر، سعید بن المسیب، عطاء السلمی، اور دیگر کئی تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعلق کرامات پر مبنی کئی روایات ہیں اور

❶ دلائل النبوۃ للبیہقی میں ہے۔
❷ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

یہ روایات اس قدر صحیح اور متواتر ہیں کہ اہل روایت کے مطابق ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ان کے علاوہ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جس میں مالک بن دینار، فرقد السنجی، عتبۃ الغلام، حبیب العجمی، محمد بن واسع، رابعہ العدویہ، عبدالواحد بن زید اور ایوب السختیانی کے اسماء شامل ہیں۔ ان تمام سے علماء نے کرامات کے واقعات روایت کیے ہیں۔ اور کچھ تو ان میں سے مثلاً ایوب السختیانی علیہ الرحمہ، سفیان الثوری علیہ الرحمۃ اور حماد بن زید علیہ الرحمہ ایسے ثقہ ائمہ دین ہیں کہ ان کی روایات کو کسی طرح رد نہیں کی جا سکتا۔ حدود اللہ، احکام حلال وحرام اور دین کے دیگر مسائل میں ہم ان کے اقوال و روایات کا تو کسی طرح انکار نہیں کرتے اور ان میں ہم ان کی روایت کو صحیح مانتے ہیں پھر ہم کس طرح ان کی ان روایات کا انکار کر سکتے ہیں جن کا تعلق کراماتِ اولیاء سے ہے۔

میں نے اہلِ علم کے ایک گروہ کو دیکھا کہ انہوں نے کراماتِ اولیاء سے متعلق ایک ہزار حکایات اور ایک ہزار روایات سے زیادہ مواد جمع کیا۔ ہم کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام واقعات غلط ہیں۔ اگر ان تمام میں سے ایک بھی صحیح ہو تو یہ تمام کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ایک ہی موضوع سے متعلق روایات میں زیادہ اور کم کی تو بات ہی نہیں ہوتی۔

## سید الرسل ﷺ کا اعزاز

جو یہ دلیل بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قبل جن لوگوں سے کرامات ظاہر ہوئی تھیں وہ دراصل اس وقت کے نبی کے لیے ایک اعزاز تھا اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں جو کرامات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ظاہر ہوئیں وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ کی جانب سے ایک اعزاز تھا۔ ہم اس بات میں اس قدر اضافہ کرتے ہیں کہ نہ صرف صحابہ کرام بلکہ تابعین اور ان کے بعد قیامت تک جو کرامات بھی دنیا میں صالح لوگوں سے ظاہر ہوگی وہ رہتی دنیا تک سید دو عالم ﷺ کے لیے ایک شاندار اعزاز رہے گا۔

امت مسلمہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کرامات کو حال، مرتبہ اور شرف نہیں سمجھتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ اصفیاء کے لیے بجائے امتحان و آزمائش کے ہے اور جو شخص اس سے خوش ہو جائے یا مطمئن ہو جائے وہ طبقۂ خواص میں شمار نہیں ہوتا۔ انہیں یہ خوف بھی رہتا ہے کہ کرامات ان کے لیے درجات میں کمی کا باعث بنتی ہیں۔

# کرامات میں خواص کا مقام اور بعض اہلِ کرامت کا خوفِ فتنہ کے باعث کرامت سے اظہارِ ناپسندگی

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کرامات تو وقت کے ساتھ گزر جاتی ہیں لہٰذا سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ برائی کو نیکی سے بدلا جائے۔

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ابتداء میں مجھے اللہ تعالیٰ نے آیات وکرامات دکھائیں۔ مگر میں نے ان کی جانب توجہ نہ دی۔ اس کے نتیجے میں مجھے معرفت عطا کی گئی۔

کہتے ہیں کہ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا: شیطان بھی ایک ہی لمحے میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے اور وہ بدستور میں ملعون رہتا ہے۔

کسی اور شخص نے ان سے کہا کہ فلاں پانی پر چلتا ہے۔ آپ نے کہا: مچھلیوں کا پانی میں ہونا اور پرندوں کا ہوا میں اڑنا اس سے کہیں زیادہ حیران کن ہے۔

میں نے طیفور بن عیسیٰ سے انہوں نے موسیٰ بن عیسیٰ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے کہا کہ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنا مصلی پانی پر بچھا دے اور ہوا میں چہل قدمی کرے تو اس سے مرعوب مت ہو جاؤ بلکہ یہ دیکھو کہ امر و نہی کی پابندی وہ کہاں تک کرتا ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: خواص کے قلوب اللہ تعالیٰ سے اس وقت حجاب میں رہتے ہیں جب وہ نعمتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں عطاء و بخشش سے تلذذ حاصل کرتے ہیں اور کرامات پر خوش ہوتے ہیں۔

مجھے ابن سالم اور انہیں ان کے والد نے بتایا کہ ایک شخص سہل بن عبداللہؒ کی صحبت میں رہتا تھا۔ ایک روز اس نے سہل بن عبداللہ علیہ الرحمہ سے کہا: اے ابو محمد! بعض اوقات پر وضو کرتا ہوں تو جو پانی میرے ہاتھوں سے بہتا ہے وہ سونے اور چاندی کی سلاخیں بن جاتا ہے۔ سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ نے اسے کہا: تو نے نہیں دیکھا کہ جب بچہ رونے لگتا ہے تو اس کے ہاتھ میں جھنجھنا تھما دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس سے کھیلنے میں مشغول ہو جائے۔ اب غور کرلو کہ تم کیا کر رہے ہو؟

ابو حمزہؒ سے متعلق ایک واقعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ایک دروازے کو کھولنے کے لیے جمع تھے مگر دروازہ نہیں کھلتا تھا۔ ابو حمزہؒ آئے اور انہوں نے کہا: ایک طرف ہٹ جاؤ۔ پھر قفل کو پکڑ کر ہلانے لگے اور قفل کھل گیا۔

ابو الحسین نوری علیہ الرحمۃ ایک رات کو دجلہ پر گئے تو دیکھا کہ دریا کے دونوں کنارے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر انہوں نے خدا کے حضور عرض کی: تیری عزت وجلال کی قسم! میں اسے کشتی ہی سے عبور کروں گا۔

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میرے پاس ابو علی سندھی علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور یہ ان کے استاذ تھے۔ ان کے پاس ایک تھیلی تھی جو انہوں نے میرے سامنے الٹا دی۔ اور اس میں سے جواہرات نکلے میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے

ملے۔انہوں نے کہا: میں یہاں ایک وادی میں پہنچا تو یہ جواہرات زمین پر پڑے چمک رہے تھے، میں نے اٹھا لیے۔ میں نے پوچھا: جب آپ وادی میں پہنچے تو آپ کی کیفیت کیا تھی؟ کہا: میری کیفیت اس وقت تھوڑے وقت کے لیے اس کیفیت سے کٹ چکی تھی جو وادی میں داخل ہونے سے قبل تھی۔

یہاں اس واقعے میں نتیجہ خیز بات یہ ہے کہ جس وقت ان کی کیفیت میں کمزوری واقع ہوئی اسی وقت اسے جواہر میں مشغول کر دیا گیا۔

محمد یوسف البنا کا بیان ہے کہ ابوتراب نخشبی علیہ الرحمۃ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ایک سال میں نے ان کے ہمراہ سفر کیا۔ ہمارے ساتھ چالیس اشخاص اور بھی تھے جن کے ساتھ وہ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ابوتراب ؒ نے انہیں راستہ دکھانے میں ان کی راہنمائی کی۔ دوران سفر ہم راستہ بھول گئے تو ہمارے ساتھ سوائے ایک دبلے پتلے نوجوان کے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔اس وقت ابوتراب نے کہا: ان تمام میں سے مضبوط ایمان والا یہی نوجوان ہے۔ہم نے سفر جاری رکھا تا آنکہ ہمیں کھانا کھانے کی شدید ضرورت محسوس ہوئی۔ابوتراب علیہ الرحمۃ تھوڑی دیر کے لیے راستے سے ہٹ کر ایک طرف کو گئے اور واپس آئے تو کیلے کا ایک گچھا ان کے ہاتھ میں تھا۔انہوں نے وہ گچھا ہمارے سامنے رکھ دیا حالانکہ اس وقت ہم ریت کے ٹیلوں کے وسط میں تھے۔ابوتراب ؒ نے اس نوجوان کو وہ کیلے کھلانے کی بڑی کوشش کی مگر اس نے نہیں کھائے۔ ہم نے اس سے کہا کیا وجہ ہے کیوں نہیں کھاتے؟ اس نے جواب دیا: میں نے اپنے رب کے ساتھ یہ پیمان باندھا ہے کہ جو چیز بھی مجھے معلوم ہو جائے اسے ترک کر دوں گا۔ آپ بھی اب میرے لیے معلوم ہیں لہٰذا میں آج سے آپ کی صحبت ترک کرتا ہوں۔

محمد بن یوسف ؒ نے کہا میں نے ابوتراب علیہ الرحمۃ سے کہا اگر چاہو تو کوشش کر کے اسے روک لو اور چاہو تو اسے چھوڑ دو۔ابوتراب علیہ الرحمۃ نے نوجوان سے کہا: جو چاہو کرو۔

## بے مثال پرہیزگاری

میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ سے سنا انہوں نے کہا کہ جب اسحاق بن احمد علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا اس وقت سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ ان کی عبادت گاہ میں داخل ہوئے وہاں انہوں نے ایک ٹوکری میں دو بوتلیں پڑی پائیں۔ایک بوتل میں سرخ رنگ کی کوئی چیز تھی اور دوسری میں زرد رنگ کی۔اس کے علاوہ چاندی اور سونے کے دو ٹکڑے بھی وہاں پڑے تھے۔ ابن سالم علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ سہل ؒ نے میرے والد کو حکم دیا کہ دو دونوں ٹکڑے دجلہ میں پھینک دے۔ پھر انہوں نے دونوں بوتلوں میں موجود مواد میں مٹی ملا دی۔اور اسحاق بن احمد پر اس وقت قرضہ بھی واجب الادا تھا۔ابن سالم علیہ الرحمۃ نے کہا کہ میرے والد نے کہا کہ میں نے سہل علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ بوتلوں میں کیا چیز تھی؟ سہل علیہ الرحمۃ نے کہا: جو سرخ مواد تھا اگر اسے ایک درہم برابر تانبے کی مثقالوں پر ڈالا دیا جاتا تو وہ سونے میں تبدیل ہو جاتیں۔اور جو زرد رنگ کا مواد تھا اگر اسے ایک درہم برابر مقدار میں تانبے کی مثقالوں پر ڈال دیا جاتا تو وہ چاندی بن جاتیں۔اور جو دو ٹکڑے انہوں نے سونے اور چاندی میں تبدیل کیے تھے وہ بطور تجربے کے تھے۔ میں نے پوچھا: وہ کیا چیز تھی جس نے انہیں سونا چاندی بنا کر اپنا قرض چکانے سے روکے رکھا؟ سہل ؒ نے کہا: اے دوست! اسے اپنے ایمان کا ڈر تھا۔

راقم السطور نے ابن سالم علیہ الرحمۃ سے کہا کہ کیا یہ زیادہ بہتر نہ تھا کہ سہل بن عبداللہؒ ان سونے اور چاندی کے دو ٹکڑوں کو ضائع کرانے کے بجائے ان میں سے اسحاق بن احمدؒ کا قرض ادا کر دیتے۔ ابن سالمؒ نے مجھے جواب دیا کہ سہل بن عبداللہؒ اسحاق بن احمدؒ سے بھی بڑھ کر اپنے ایمان پر ڈرتے تھے۔ اور پھر مزید کہا کہ انہیں ایسا کرنے سے ورع نے روک لیا تھا۔ کیونکہ اس طرح بنائے ہوئے سونے یا چاندی کی اصلیت ستر برس کے بعد بدل جاتی ہے۔

## مشابہت فرعون سے احتراز

ابوحفصؒ یا کسی اور شیخ کے بارے میں حکایت بیان کی جاتی ہے کہ وہ تشریف فرما تھے اور ان کے مریدین ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک ہرن پہاڑ سے اتر کر ان کے قریب آیا اور بیٹھ گیا۔ ابوحفص یا شیخ علیہ الرحمۃ یہ دیکھ کر رونے لگے۔ اور ہرن کو چھوڑ دیا۔ مریدین نے سبب پوچھا، جواب دیا: تم لوگ میرے پاس بیٹھے تھے اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر ایک بکری میرے پاس ہوتی تو تمہارے لیے ذبح کرتا۔ مگر جب یہ ہرن آ کر میرے پاس بیٹھ گیا تو مجھے اپنا یہ فعل فرعون سے مشابہ معلوم ہوا کہ اس نے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اس کے پاس دریائے نیل بہائے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسا ہی کر دیا۔ اس لیے مجھے رونا آیا اور میں نے اللہ سے درخواست کی وہ مجھے میری اس خواہش پر درگزر فرمائے۔

کسی شیخ کا کہنا ہے کہ ایک شخص کی اس بات سے متعجب مت ہو جاؤ کہ اس نے جیب میں کچھ بھی نہیں ڈالا تھا مگر ہاتھ اس میں داخل کیا تو جو کچھ چاہتا تھا نکال لیا۔ بلکہ کسی شخص کی اس بات سے ضرور متعجب ہو جاؤ کہ اس کی جیب میں کوئی چیز موجود تھی اور اس نے اس میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا اور اس کے باوجود وہ متغیر نہیں ہوا۔

ابن عطاؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے سنا: میرے ذہن کرامات کے بارے میں کچھ شک سا تھا لہٰذا میں نے بچوں سے مچھلی پکڑنے کی چھڑی لی اور دو کشتیوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا: تیرے جلال کی قسم! اگر آج میرے لیے تین رطل وزنی مچھلی نہ نکلی تو میں اس پانی میں ڈوب کر مر جاؤں گا۔ اور اتنے میں تین رطل کی مچھلی میرے لیے نکلی۔ یہ بات جنید علیہ الرحمۃ تک پہنچی تو انہوں نے کہا: وہ اس لائق تھا کہ اس کے لیے اژدھا نکلتا اور اسے ڈس لیتا یعنی اگر اسے سانپ ڈس لیتا تو دین کے معاملے میں یہ اس کے لیے مچھلی حاصل کرنے سے زیادہ نفع بخش تھا کیونکہ مچھلی پا لینے میں فتنہ تھا جب کہ سانپ کے ڈسنے میں تطہیر اور کفارہ تھا۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ کرامات کی طرف اشارہ کرتا ہے تو جان لو کہ اس کا طریق ابدال کا ہے اور جو نعمتوں کی طرف اشارہ کرے تو اس کا طریق اہل محبت کا ہے اور اس کا درجہ ماقبل سے اعلیٰ ہے۔ اس طرح جو ذکر کی طرف اشارہ کرے اور اللہ کے ذکر سے ہر وقت متعلق رہے تو جان لو کہ اس کا طریق عارفین کا ہے اور یہ تمام احوال سے درجے کے اعتبار سے اعلیٰ ہے۔

# اصطلاحات صوفیہ اوران کی تشریحات

## الحق بالحق للحق

اس اصطلاح میں تینوں جگہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔
ارشادخداوندی ہے:
وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ [المومنون:۷۱]
ترجمہ: ''اوراگرحق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا۔''
ابوصالح علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ میں حق کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے۔
ابوسعیدخراز علیہ الرحمۃ نے اپنی کسی گفتگو میں کہا کہ بندہ حق کے ساتھ موقوف ہے، حق کے ذریعے موقوف ہے اورحق کے لیے موقف ہے حق سے ان کی مراد اللہ ہے۔

## منہ، بہ اورلہٗ

اور یہی تشریح منہ، بہ اورلہٗ کی ہے کہ اس میں ''ہ'' کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ اس طرح ہم یوں کہیں گے کہ من اللہ، باللہ، للہ بعض اوقات اس سے مرادخود بندہ بھی ہوتا ہے جیسے من العبد، بالعبد اورللعبد اور جیسا کہ ابویزید علیہ الرحمۃ نے کہا کہ مجھ سے ابوعلی سندیؒ نے کہا: میں ایک ایسے حال میں تھا جو مجھ سے میرے لیے اور میرے ساتھ قائم تھا اس کے بعد میں ایک ایسے حال پر فائز ہوا کہ جو اس سے اس کے لیے اوراس کے ساتھ تھا۔
یہاں مفہوم یہی نکلتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کو دیکھ رہا ہے لہٰذا وہ اپنے افعال کو خود اپنی ذات سے منسوب کرتا ہے مگر جب اس کے قلب پر انوارِ معرفت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ جملہ اشیاء کو اللہ سے قائم اللہ کے لیے معلوم اوراس کے لیے لوٹنے والی پاتا ہے۔

## حال

ایک ایسی وارداتِ قلبی ہے جو بندے پر ایک خاص وقت میں وارد ہوتی ہے۔ پھر دل میں قرار پکڑتی ہے جب کہ دل میں رضا اور سب کچھ اللہ کے سپرد کردینے کی صفات موجود ہوں۔ سالک اس کے لیے صفاء باطن پیدا کرتا ہے اور پھر یہ حال زائل ہوجاتا ہے۔
جنید علیہ الرحمۃ کے مطابق حال کی تعریف یہ ہے: حال صفائے اذکار کے ساتھ باطن میں وارد ہوتا ہے اور زائل نہیں ہوتا اگر زائل ہوجائے تو حال نہیں کہلاتا۔

## مقام

مقام کی یہ خصوصیت ہے کہ بندہ اپنے مخصوص احوال میں اس پر فائز ہوتا ہے جیسے مقام صابرین ومتوکلین جو کہ بندے کا ظاہری و باطنی مقام ہے اس کے مجاہدات ومعاملات اورارادات کے مطابق جب بندہ کسی حال میں مکمل ہوتو وہی اس کا مقام

ہوتا ہے جس سے وہ اگلے مقام کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ہم احوال و مقامات کے باب میں اس کا ذکر کر آئے ہیں۔

## مکان

یہ اہل کمال واستقامت اور تصوف میں منتہی صوفیہ کا حصہ ہے۔ جب بندہ اپنے احوال میں کامل ہو جاتا ہے تو اسے ایک مستقل مکان عطا کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے احوال و مقامات طے کر لیے ہوتے ہیں لہٰذا وہ بالآخر صاحب مکان ہو جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''میرے دل میں تیرا مقام یہ ہے کہ سارا دل ہی تیرا مکان ہے اس میں تیرے سوا کسی اور کے لیے جگہ ہی نہیں۔''

## مشاہدہ

قدرتِ حق کی نشانیاں دیکھ کر قلب میں حضورِ حق کا پیدا ہونا اور باہم قریب آنے کا نام مشاہدہ ہے۔ مکاشفہ اور مشاہدہ دونوں معنی میں ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ مگر کشف معنی کے اعتبار سے زیادہ مکمل ہے۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ نے کہا: مشاہدہ کا آغاز یہ ہے کہ زوائد یقین، کواشفِ حجور کے ساتھ چمکتے ہیں اور وہ غیب کے ڈھانپ لینے سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ الغرض مشاہدہ دوام محاضرہ کو کہتے ہیں جسے قلب طلب کرتا ہے جب اسے غیوب ڈھانپ لیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ [ق:۳۷]

ترجمہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ شہید سے مراد حاضر ہے۔''

## لوائح

لوائح وہ انوارِ ذاتیہ ہیں جو باطن پر چمکتے ہیں تا کہ سالک کی بلندی میں اضافہ ہو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے کہا: وہ لوگ کامیاب رہے جنہیں مختلف راستے کی طرف رہنمائی کی گئی اور وہ سرگوشی کرنے سے قریب تر ہو گئے جس کے ذریعے انہوں نے فہم خطاب کو سمجھنے میں تیزی حاصل کر لی۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ [آل عمران:۱۳۳]

ترجمہ: ''اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔''

پھر عقلیں اس کے نزدیک اپنے اپنے مقام کے مطابق حسن توجہ کے ساتھ متوجہ ہو گئیں۔

## لوامع

اس اصطلاح کا معنیٰ لوائح سے قریب ہے۔ لوامع دراصل لوامع برق یعنی بجلی کے بار بار چمکنے سے ماخوذ ہے کہ جب

بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو پیاسا یہ سمجھتا ہے کہ بارش ہوگی۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے خالص و پاکیزہ خیال میں اس طرح وارد فرماتا ہے کہ جیسے بجلی یکے بعد دیگرے چمکتی ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے اولیاء کے قلوب کے لیے معرفت کی یہ روشنیاں دکھاتا ہے تاکہ قلوب ایمان بالغیب رکھتے ہوئے اصل کے متعلق کوئی خیال نہ باندھیں۔ اور یہ معرفت کی بجلیوں کی چمک اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ نفس اس نور کا تو ہم کر ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ اس کا توہم کرے تو یہ سلسلہ فوراً منقطع ہو جاتا ہے۔ کہنے والے نے کہا ہے۔ **ترجمہ مصرع**

''اور طمع رکھنے والا سراب کی چمک سے دھوکا کھا گیا''

## الحق

حق سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن مجید شاہد ہے:

اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝ [النور:۲۵]

ترجمہ: ''کہ اللہ ہی صریح حق ہے۔''

## حقوق

اس کے معنی میں احوال، مقامات، معارف، ارادت، معاملات اور عبادات شامل ہیں۔

طیالسی رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب حقوق ظاہر ہوتے ہیں تو حظوظ غائب ہو جاتے ہیں اور جب حظوظ ظاہر ہوتے ہیں تو حقوق غائب ہو جاتے ہیں اور حظوظ کا معنی حظوظ نفس ہے۔ اور بشریت حقوق کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

## تحقیق

بندے کا حقیقت کو پانے کے لیے اپنی کوشش وقوت کو استعمال کرنا تحقیق ہے۔

ذوالنون علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: میں ایک دانشور سے ملا تو اس سے پوچھا کہ سالک راستے میں تنگ درے کے اندر کیوں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ دانشور نے کہا: تصدیق کے ستونوں کے کمزور ہونے اور قلوب کے تحقیق پر دسترس حاصل کرنے میں ضعف کے باعث ایسا ہوتا ہے۔

## تحقیق

اس کا معنی بھی تحقیق کا ہے اور دونوں میں وہی فرق ہے جو تعلیم و تعلم میں ہے۔

## حقیقت

حقیقت اہم ہے اور حقائق حقیقت کی جمع ہے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ قلوب پر ایمان رکھتے ہوں اس کے روبرو ہمیشہ قائم کھڑے رہیں اگر قلوب میں کوئی شک یا خیال اس کے بارے میں جس پر وہ ایمان رکھتے ہوں، داخل ہو جائے حالانکہ اس

کے حضور قائم کھڑے ہوں تو ایمان باطل ہو جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان کیا کیا حقیقت ہے؟ حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اپنے نفس کو دنیا سے کنارہ کش کرلیا، میں رات کو جاگتا رہا اور دن کو پیاسا رہا۔ میری حالت اب ایسی ہے کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو ظاہر ظہور دیکھتا ہوں۔ ❶

حدیث میں حارثہ رضی اللہ عنہ نے جس طرح کے مشاہدے کی بات کی اس سے ان کی مراد اپنے مشاہدۂ قلب اور اللہ کے حضور دائمی وقوف تھا گویا ان کا مشاہدہ آنکھوں سے دیکھنے کے برابر تھا۔

جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے: حقائق نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ قلوب کے لیے برائے وضاحت کسی قول کا سہارا لیں۔

## الخصوص

الخصوص سے مراد مخصوص صوفیہ ہیں اور یہ وہ صوفیہ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عام مومنین کے مقابلے میں حقائق، احوال اور مقامات عطا کر کے مخصوص ٹھہرایا۔

## خصوص الخصوص

توحید میں تفرید و تجرید کے حامل ہوتے ہیں یعنی وہ صوفیہ جنہوں نے احوال و مقامات کو طے کیا اور ان کے حصول و عبور میں واقع ہونے والے صحراؤں سے گزر گئے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ [فاطر:٣٢]

ترجمہ: ''اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔''

آیت مبارکہ میں مقتصد سے مراد خصوص (یعنی خاص صوفیہ) اور سابق سے مراد خصوص الخصوص (یعنی خاص الخواص) ہے۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اے ابو بکر! اس بات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ خصوص الخصوص اہلِ عموم ہیں اور پھر خود ہی فرمایا: اللہ کی طرف اشارہ کرنے میں خصوص الخصوص بھی اہلِ عموم ہیں۔

## اشارہ

اشارہ یہ ہے کہ جسے متکلم، تکلم کے ساتھ بیان نہ کر سکے کیونکہ یہ معنی کے اعتبار سے نہایت لطیف ہوتا ہے۔

ابوعلی رودباری علیہ الرحمۃ نے کہا: ہمارا یہ علم تصوف محض اشارہ ہے جب عبارت بن جائے تو غائب ہو جاتا ہے۔

## ایماء

ایماء کسی عضو کی حرکت کے ساتھ اشارہ کرنے کو کہتے ہیں۔

جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں نے ابن الکرینی علیہ الرحمۃ کے سر کے پاس بیٹھ کر اپنے سر کے ساتھ زمین کی طرف

---

❶ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

اشارہ کیا۔ تو انہوں نے کہا: دوری سے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو کہنے لگے: دوری یعنی جس قدر بندہ اس کی طرف اشارہ کرے وہ دور ہی ہے۔

شبلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: جس نے اس کی طرف ایماء یعنی کسی عضو کے ساتھ اشارہ کیا، اس کی مثال بت کے پجاری کی سی ہے۔ کیونکہ ایماء فقط اصنام کی طرف ہی ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں کسی نے کہا۔ **ترجمہ اشعار:**

''میرے لیے وصل کے قریب اور وصل کے دوران آنکھوں سے آنکھوں کی طرف اشارہ کرنے میں ملامت ہے یعنی ایسا کرنا میرے لیے کوئی اچھا امر نہیں۔''

''وصل کے دوران مجھے خوف سے مبہوت کیا جاتا ہے، میں ڈر سے پگھلنے لگتا ہوں۔ اور حرکت و سکون سے بھی جاتا رہتا ہوں۔''

## رمز

ظاہری کلام میں پوشیدہ مفہوم کو رمز کہتے ہیں اس پر صرف اس کے اہل صوفیہ ہی کو دسترس حاصل ہوتی ہے۔

قناد علیہ الرحمۃ نے کہا۔ **ترجمہ شعر:**

''جب وہ بولیں گے تو ان کے رموز کا مقصد و مطلب تم پر واضح ہوگا اور اگر وہ خاموش ہو گئے تو تجھ سے ان کے رموز کے مطالب کا تسلسل دور چلا جائے گا۔''

کسی نامعلوم صوفی کا قول ہے: جو ہمارے مشائخ کے رموز کو جاننا چاہتا ہے تو اسے ان کے مکتوبات و مراسلات پڑھنے چاہئیں نہ کہ ان کی تصنیفات۔ کیونکہ ان کے رموز مراسلات اور مکتوبات میں ہوتے ہیں، ان کی تصنیفات میں نہیں۔

## صفاء

صفاتِ خلیقہ اور احساسِ فعل کے امتزاج سے پاک کیفیت کو صفاء کہتے ہیں۔

جریری علیہ الرحمۃ کا قول ہے: صفاء کی جو کیفیت حاصل ہو اسے صفاء سمجھنا زیادتی ہے کیونکہ ایسا کرنے میں صفات خلقیہ اور احساس فعل دونوں شامل ہوتے ہیں۔

ابن عطاء علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: تم صفاء عبودیت کے دھوکے میں نہ آجانا کیونکہ ایسا کرنے میں ربوبیت کو فراموش کر دینے کا خدشہ موجود ہے۔ اور اس میں احساس فعل اور صفاتِ خلقیہ بھی موجود ہیں۔

محمد بن علی ابوبکر کتانی علیہ الرحمۃ صفا کے بارے میں فرماتے ہیں: صفا مذموم افعال کو زائل کر دیتا ہے۔ اور صفاء الصفاء کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ احوال و مقامات سے گزار کر نہایات تک پہنچا دیتا ہے۔

## صفاء الصفاء

حق کا حق کے ساتھ بلا علت مشاہدہ کرنے کے لیے موجودات کے اسرار کو ظاہر کرنے کا نام صفاء الصفاء ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''صفو الصفاء اللہ کی صفا کا اقرار اور صفاء وجود حق کا یقین کرنا۔
جو خود ظاہر ہوا اس نے وہ کچھ واضح کر دیا جس نے اس کے لیے اس کے ذریعے بیان کرنے کا حق

بھرپور توضیح کے ساتھ ظاہر کر دیا۔

یہ اس کے اپنے وجد کو پانے کی حقیقت ہے۔ اور اس کے وجد کے لیے کیا اس سے بڑھ کر کوئی بیان ہو سکتا ہے۔''

## زوائد

زواید، ایمان بالغیب اور یقین میں ہونے والے اضافوں کو کہتے ہیں۔ جب کبھی ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے، تو احوال، مقامات، ارادات اور معاملات میں صدق و یقین بھی بڑھتا ہے۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب یقین کے زوائد (اضافے) کو اشف حضور کے ساتھ دل کی پوشیدگی سے روشن ہوتے ہیں تو غیوب انہیں نہیں چھپاتے۔

## فوائد

فوائد، ان تحائف کو کہتے ہیں جو اللہ کی جانب سے اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو بوقت حاضری، آسودگی و آسائش حاصل کرنے کے لیے عطا کیے جاتے ہیں۔

ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: میں نے دیکھا کہ فوائد رات کے اندھیرے میں وارد ہوتے ہیں۔

## شاہد

شاہد وہ ہے جو تمہیں وہ کچھ دکھاتا ہے جو تجھ سے غائب ہوتا ہے یعنی تیرے قلب کو اس غیب کے پانے کے لیے حاضر کرتا ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''ہر شے میں اس کے لیے ایک شاہد موجود ہے جو اس بات کی دلیل پیش کرتا ہے کہ وہ ایک ہے۔''

شاھد بمعنی حاضر بھی ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ ''شاہد'' سے متعلق فرماتے ہیں: شاہد حق تیرے ضمیر و باطن میں موجود اس سے باخبر ہے۔

## مشہود

جو کچھ شاہد دکھاتا ہے وہ مشہود ہے۔

ابو بکر واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: شاہد حق ہے اور مشہود کائنات۔

اللہ جل شانہٗ کا فرمان ہے:

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝ [البروج:۳]

ترجمہ: ''اور قسم ہے اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں۔''

## موجود اور مفقود

موجود و مفقود دو متضاد اسم ہیں۔ موجود وہ ہے جو عالمِ عدم سے عالم وجود میں آیا۔ اور مفقود وہ ہے جو عالمِ وجود سے عالم

عدم میں آیا۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے کہا: مفقود کا غم نہ کر کیونکہ کوئی موجود بندہ اس کا ذکر کرتا ہی رہتا ہے۔

## معدوم

جس کا نہ کوئی وجود ہو اور نہ ہی ممکن ہو۔ اگر تم کوئی چیز کھو بیٹھے جس کا وجود ممکن ہو تو وہ چیز مفقود کہلائے گی معدوم نہیں۔

کسی عارف کا قول ہے: عالم عدم کے دو کناروں کے درمیان موجود ہے۔ پہلے بھی وہ معدوم تھا اور آخر کار پھر معدوم ہو جائے گا۔ عارف اس کے عدم کا مشاہدہ کرتا ہے اور ایسے میں وہ معرفتِ خالق کو پالیتا ہے۔

## جمع

جمع ایک مجمل لفظ ہے اس سے وہ اشارہ عبارت ہے جو بندہ حق کی طرف کون وخلق کے بغیر کرے۔ کیونکہ کون وخلق دونوں تخلیق کیے گئے ہیں اور خود اپنی ذات میں قائم نہیں بلکہ عدم کے دو کناروں کے درمیان موجود ہیں۔

## تفرقہ

یہ بھی ایک مجمل لفظ ہے جو ایک ایسے اشارے سے عبارت ہے جو بندہ، کون وخلق کی طرف کرتا ہے۔

تفرقہ وجمع دونوں لازم وملزوم ہیں جس نے تفرقہ کی جانب جمع کے بغیر اشارہ کیا اس نے باری تعالیٰ کا انکار کیا۔ اور جس نے جمع کی طرف، بلا تفرقہ اشارہ کیا وہ قادرِ مطلق عزوجل کی قدرت کا منکر ہوا۔

اور جس نے دونوں کو باہم اکٹھا کیا اس نے تو خدا کو پالیا۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''میں اکٹھا ہوا پھر خود سے جدا ہوا اس کے ساتھ ہو کر۔ گویا ہم دونوں کا واصل میں ایک ہونا گنتی کے لحاظ سے وہ ہے۔ یعنی بظاہر گننے میں دو ہیں مگر بوقت وصل ایک ہیں''

یعنی جمع میں ایک ہے اور تفرقہ میں دو۔

## غیبت

حضور حق ومشاہدہ حق میں مشغول رہتے ہوئے قلب کا خلق کے مشاہدے سے اس طرح دور رہنا کہ بندے کے ظاہر میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو غیبت کہلاتا ہے۔

## غشیۃ

قلب پر جو کچھ واردات ہوتی ہیں ان سے اس کا بے خبر رہنا اور اس کا مظاہرہ بندے کے ظاہر پر ہونا غشیت ہے۔

## حضور

خالص یقین کے ساتھ قلب کا اس غائب کے لیے حاضر رہنا جو اس کے عیان سے غائب ہو، حضور کہلاتا ہے۔ اگر اس طرح کی کیفیت سالک کو حاصل ہو تو غائب بھی اس کے لیے حاضر کے مانند ہے۔

کسی نے کہا ہے: **ترجمہ مصرع**

''میرے سردار چاہے تجھے مجھ سے غائب بھی کر دیا گیا ہو تب بھی میرے لیے بمنزلہ حاضر کے ہے۔''

ابوالحسن نوریؒ کا شعر ہے۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''جب میں غائب ہوتا ہوں تب وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ظاہر ہوتا ہے تو مجھے غائب کر دیتا ہے۔''

## صحو وسکر

صحو وسکر معنی کے لحاظ سے غیبت وحضور کے معنی سے قریب ہیں۔ اگر فرق ہے تو اس قدر کہ صحو وسکر، غیبت وحضور سے زیادہ قوی مکمل اور غالب ہوتا ہے۔ صحو وسکر سے متعلق کسی نے یہ اشعار کہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''تیری دو حالتیں ہیں ایک صحو اور دوسری سکر، اور میں ہمیشہ ان دونوں حالتوں میں یعنی صحو سکر ہی میں رہتا ہوں۔

تیرے لیے یہی کافی ہے کہ حالت صحو نے مجھے شکستہ حال بنا دیا اگر ایسا ہے تو پھر حالتِ سکر میں کیا عالم ہوگا، اور سکر کی کیفیت ہی زیادہ مناسب ہوتی ہے۔

اگر میں نے اس وقت سے جب کہ محبت نے تیری آنکھوں کو میری لیے ایسی آنکھ بنا دیا جو کبھی دیکھتی اور کبھی نہیں دیکھتی، تیرے سوا کسی اور طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا ہوتا تو میں محبت ہی سے دستبردار ہو جاتا۔''

کیونکہ میں تمہارے اور اپنے سوا ادا ہر شے کو خواب وخیال تصور کرتا ہوں۔

## سکر اور غشیت میں فرق

سکر وغشیت میں فرق یہ ہے کہ سکر انسانی طبیعت سے نہیں پیدا ہوتا اس کے طاری ہونے سے طبیعت یا حواس میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتا۔ جب کہ غشیت کے طاری ہونے کا تعلق انسانی طبیعت سے ہے اور اس کے طاری ہونے سے طبیعت اور حواس میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور طہارت باطل ہو جاتی ہے۔

غشیت ہمیشہ نہیں رہتی جب کہ سکر ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

## صحو وحضور میں فرق

صحو حادث ہے اور حضور دائمی۔

## صفو الوجد

صفو الوجد (خالص وجد) یہ ہے کہ وجودِ حق کے بغیر کوئی اور وجد کی حالت میں سامنے نہ ہو۔

جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''ہمارے وجد کا خالص ہونا اس بات سے ہی ثابت ہو گیا کہ ہمارے لیے ہمارے اپنے نفس کے علاوہ کوئی جانچ پرکھ کرنے والا اور آگاہ کرنے والا نہیں۔''

## ہجوم وغلبات

ہجوم وغلبات باہم قریب المعنیٰ ہیں۔ ہجوم، صاحبِ غلبات کا فعل ہے۔ یہ اس وقت واقع ہوتا ہے جب قوتِ رغبت ہو اور خواہشات واسبابِ نفس کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

اگر ایسے میں طالب کو مطلوب تک پہنچنے کے کچھ مزید آثار معلوم ہو جائیں تو چاہے درمیان میں سمندر ہو یا کوئی چٹیل میدان ہو وہ اسے غلباتِ ارادہ وقوتِ طلب رکھتے ہوئے عبور کرے گا۔ اگر اسے آگ بھی راستے میں حائل دکھائی دے گی تو وہ جان وروح کی پرواہ کیے بغیر اس میں کود پڑے گا چاہے اس سے وہ مطلوب تک پہنچے یا نہ پہنچے۔

## فناء اور بقاء

فناء اور بقاء کا ذکر ان سے متعلق باب میں بھی ہم کر آئے ہیں۔

فناء کا مفہوم صفاتِ نفس، بخل اور آسائش طلبی کو اپنے حال میں فنا کر دینا ہے اور بقاء اسی حالت پر باقی رہنے کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ فناء کی ایک تعریف یہ ہے کہ بندے کا اپنے افعال کو افعالِ حق میں فنا کر دینے اور خود اپنے ذات کو فنا کر کے ذاتِ حق کے ساتھ قائم رہنے کو بھی فناء کہتے ہیں۔ اور بقاء اللہ کی ذات میں اپنی ذات کو گم کر کے اسی کے ساتھ قائم رہنے پر باقی کو کہتے ہیں۔

## مبتدی

سیر الی اللہ کرنے والوں کے راستوں کو پوری قوتِ عزم کے ساتھ، طے کرنے کے عمل کو شروع کرنے والے کو مبتدی کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ ان راستوں کے آداب کو بھی ملحوظ رکھتا ہے۔ اور خدمتِ وتسلیم کے جذبے کے ساتھ ان راستوں کے آغاز وانجام سے خبر رکھنے والے سے سیکھنے کے لیے خود کو وقف کر دیتا ہے۔

## مرید

جس بندے کی ابتداء صحیح ثابت ہو چکی ہو، وہ سیر الی اللہ کرنے والوں کے زمرے میں اسم کے ساتھ شامل ہو گیا، قلوبِ صادقین اس کے ارادے کی صحت کی گواہی دیں اور اس کے بعد وہ حال ومقام پر دھیان نہیں دیتا بلکہ وہ اپنے سفرِ وصل میں اپنے ارادے کی پاکیزگی کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے۔

## مراد

ایسا عارف جس کا اپنا کوئی ارادہ باقی نہ رہے اور وہ اشیاء تک پہنچ گیا ہو، اس نے تمام احوال ومقامات اور مقاصد و ارادت طے کر لیے ہوں وہ مراد کہلاتا ہے۔ اس سے وہی کچھ چاہا جاتا ہے جو کچھ اللہ چاہتا ہے اور وہ خود جو کچھ ارادہ کرتا ہے، وہ ارادۂ خداوندی ہوتا ہے۔

## وجد

وجد قلوب پر بلا ارادہ، صفاءِ ذکر کے ذریعے طاری ہونے والی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو پہلے مفقود ہوتی ہے۔

## تواجد وتساکر

تواجد وتساکر قریب المعنی ہیں۔ تواجد وتساکر سے مراد بندے کا وجد وسکر کی حالت کو بتکلف طاری کرنا اور سچے اہلِ وجد وسکر سے مشابہت پیدا کرنا ہے۔

## وقت

اصطلاح صوفیہ میں وقت سے مراد ماضی و مستقبل کا درمیانی زمانہ یعنی زمانہ حال ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وقت قیمتی ہے۔ جب ہاتھ سے نکل جائے تو حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی وقت سانسوں کی طرح ہے کہ مستقبل و ماضی کی صورت میں ہوتی ہیں اور اگر وہ سانسیں جو بغیر یادِ خدا کے گزر جائیں پھر حاصل نہیں ہوسکتیں۔

## البادی

البادی، اس حالت کو کہتے ہیں جو قلب پر بندے کے حال کے مطابق ظاہر ہوتی ہے جب بادی الحق کا ظہور ہوتا ہے تو وہ غیر حق ہر شے کو ختم کر دیتی ہے۔

ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب بادئ الحق ظاہر ہوتا ہے تو ہر ظاہر ہونے والی حالت کو فنا کر دیتا ہے۔

## وارد

جب مزکورۃ الصدر بادئ ظاہر ہو جائے تو اس کے بعد جو کیفیت قلوب پر وارد ہوتی ہے وہ وارد کہلاتی ہے۔ یہ کیفیت اپنے ورود کے بعد قلوب پر پوری طرح چھا جاتی ہے۔ وارد، ایک عمل ہے جب کہ بادی اس سے خالی ہوتا ہے۔ کیونکہ بوادی دراصل واردات کے مبادیات میں سے ہیں۔

ذوالنون علیہ الرحمۃ نے فرمایا: وارِدِ حق آیا اور قلوب کو بے قرار کر گیا۔

## خاطر

یہ وہ اچھے خیالات ہوتے ہیں جو غیب سے باطن پر نازل ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی باقاعدہ آغاز نہیں ہوتا۔ جب قلب میں آ جائے تو باقی نہیں رہتا بلکہ اس کی جگہ ایک اور خاطر لے لیتا ہے۔

## واقع

عالم غیب سے کوئی ایسا خطاب جو قلب پر وارد ہو تو باقی رہے زائل نہ ہو، واقع کہلاتا ہے۔

میں نے ابوالطیب شیرازی سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے مشائخ میں سے ایک شیخ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میں امید رکھتا ہوں کہ اس کا جواب واقع ہو جائے۔

خیر النساج علیہ الرحمۃ کے دروازے پر جنید علیہ الرحمۃ آئے تو اس سے پہلے خیر النساج کے قلب میں یہ خیال کئی بار آتا

رہا کہ دروازے پر جنید علیہ الرحمۃ ہیں۔ اور جب وہ دروازے پر آئے تو جنید علیہ الرحمۃ نے ان سے کہا: کیا آپ اپنے دل میں پیدا ہونے والے پہلے خیال کے مطابق دروازے پر نہیں آئے؟

کہتے ہیں کہ خاطر صحیح یعنی سچا خیال وہی ہوتا ہے جو پہلا ہو۔ خاطر کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق ضمیر سے نہیں ہوتا اور خاطر بھی ایک قہر ہے جو دل پر چھا جاتا ہے۔

## قادح

قادح مفہوم کے اعتبار سے خاطر کے بہت قریب ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ خاطر دل بیدار رکھنے والوں کے لیے ہے جب کہ قادح اہل غفلت سے متعلق ہے۔ جب قلب سے غفلت کے بادل چھٹ جاتے ہیں تو اس میں قادح ذکر ایک آگ روشن کرتا ہے۔ اصطلاحِ قادح ''قدح النار بالزناد'' (اس نے چقماق سے آگ نکالی) اور قادح آگ روشن کرنے والے کو کہتے ہیں۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ مصرع:**

''اے چقماق سے آگ نکالنے والے۔''

کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ جسے حقیقت کی آگ نے روشن کیا وہ اس شے کے برابر نہیں جسے بشریت نے ساکن کر دیا۔

## عارض

عارض اس وسوسے کو کہتے ہیں جو قلب وضمیر پر دشمن، نفس اور خواہشات کے ذریعے اثر انداز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دشمنانِ قلب وضمیر کے لیے خاطر، قادح، بادیٔ اور وارد کے استثناء کے ساتھ ایک ہی راستہ چھوڑا ہے اور وہ ہے عارض۔

ابوعبداللہ قریشیؒ نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''چغل خور ہر اس چیز کے ساتھ میرے قلب کی مخالفت کرتے ہیں جو قلب کو پوشیدہ اور ظاہر طور پر پریشان کرے''

## قبض وبسط

قبض وبسط دو بلند احوال ہیں جو اہلِ معرفت ہی کا حصہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں حالت قبض میں مبتلا فرماتا ہے تو مباح اشیاء، گفتگو اور کھانے پینے کے اختیار کرنے سے متنفر کر دیتا ہے۔ اور جب انہیں حالت بسط کی طرف لوٹاتا ہے تو پھر سے انہیں سب مباحات کے اختیار کرنے کی طرف لے آتا ہے۔ اور ان میں ان کی حفاظت بھی فرماتا ہے۔

الغرض قبض، حال ہے فقط عارف کا کہ جس میں سوائے معرفتِ حق تعالیٰ کے کسی اور شے کو کوئی دخل نہیں اور بسط بھی عارف کا حال ہوتا ہے جسے اللہ نے کشادگی عطا فرمائی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اس لیے خلق ان سے سیکھتی ہے۔

فرمان اللہ جل شانہٗ ہے:

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ [البقرہ:۲۴۵]

ترجمہ: ''اور اللہ تنگی اور کشائش کرتا ہے اور تمہیں اس کی طرف پھر جانا۔''

جنید علیہ الرحمۃ قبض و بسط کے معنی میں فرماتے ہیں: قبض بمنزلہ خوف اور بسط بمنزلہ رجاء ہے۔ رجاء طاعت کی جانب بسط پیدا کرتا ہے یعنی طاعت کے سماجانے کے لیے گنجائش پیدا کرتا ہے اور خوف معصیت سے روکتا ہے۔

کسی نے قبض میں مبتلا عارف اور بسط میں مبتلا عارف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ اشعار کہے ہیں۔ ترجمہ اشعار:

''معارفِ حق تین ہیں ان کے بعد ارواح کو قبض کر لیا جاتا ہے۔

ایک عارف وہ ہوتا ہے جس کی کوئی سانس اپنے لیے نہیں ہوتی بلکہ ہر سانس حق تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے۔

دوسرا وہ عارف جو اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا معترف ہوتا ہے اور اسے وجد ایسے حال کی جانب جانے پر ابھارتا ہے جس میں اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

تیسری قسم میں وہ عارف آتا ہے جس سے اس کی تمام عادات وغیرہ غائب ہو جاتیں ہیں۔

اس کے سرار اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں مزاج کا چڑچڑا اور بدخلق ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مطیع و عاجز ہو جاتا ہے، مشکل، آسانی میں بدل جاتی ہے، اور اس سے دو چیزوں کا احساس غائب ہو جاتا ہے ایک گویائی دوسری بے زبانی، (یعنی ان کے لیے بولنا نہ بولنا برابر ہوتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی اپنے رب کے ساتھ ایسی پوشیدہ گفتگو ہوتی ہے جس کی رمز پوشیدہ ہوتی ہے۔''

مذکورہ بالا اشعار میں عارفین کی تین اقسام بیان کی گئی ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی قسم کے عارفین اپنے لیے ایک سانس بھی نہیں لیتے۔

دوسری قسم کے عارفین وہ ہیں جنہیں وجد ایک ایسے حال تک پہنچا دیتا ہے کہ اس پر فائز رہنے میں اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

تیسری قسم کے عارفین وہ ہیں جن سے ان کی عادات چھوٹ جاتی ہیں اور ان کے نزدیک گویائی و خاموشی میں فرق نہیں رہتا۔ اللہ کا ان پر کرم اور توجہ رہتی ہے۔ اگر خاموش رہیں تو اللہ کے لیے اور بولیں تو اسی کی ثناء میں بولتے ہیں۔

یاد رہے کہ غیب، حضور، صحو، سکر، وجد، ہجوم، غلبات، فنا اور بقاء یہ تمام ذکر اللہ میں ثابت قدم قلوب کے احوال ہیں۔

## ماخوذ اور مستلب

ماخوذ اور مستلب (سلب کیا گیا) ہم معنی ہیں مگر ماخوذ، کیفیت کے اعتبار سے زیادہ مکمل ہے۔ مستلب و ماخوذ سے وہ بندے مراد لیے جاتے ہیں جن کے بارے میں حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ مخبوط الحواس ہو گئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ان کے قلوب عظمت خداوندی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی عقلیں جاتی رہیں۔

ایک اور حدیث:

فرمانِ رسول ﷺ ہے:

ترجمہ: ''بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کی نہیں پہنچتا جب تک لوگ اسے دیوانہ نہ سمجھنے لگیں۔'' ❶

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں جب صاحب مجاہدہ کو دیکھتا تو مجھے یوں لگتا جیسے وہ گدھے والا ہے جس کا گدھا گم ہو گیا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا تھا کہ اس میں شدید والہانہ پن ہوتا تھا۔

ایسے بندے جو ماخوذ و مستلب کے ذیل میں آتے ہیں ان سے متعلق اخبار و روایات بکثرت ہیں۔

کسی نے اس ضمن میں کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''مجھے میرے قلق واضطراب پر ملامت نہ کر کہ میں تیری محبت میں ماخوذ اور مستلب ہوں''

## دہشت

دہشت ایک حملہ جو محب کی عقل پر محبوب سے حالتِ یاس میں ملنے پر ہوتا ہے، اور جس کے گزر جانے پر محب کو کوئی آفت لاحق نہیں ہوتی۔

کسی نامعلوم صوفی نے کہا ہے: اے اللہ! تو دنیا میں دکھائی نہیں دیتا لہٰذا مجھے اپنی طرف سے کوئی ایسی چیز عطا فرما کہ جس سے میرے دل کو تسکین حاصل ہو کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر ان پر غشی طاری ہو گئی اور جب ہوش میں آئے تو کہا: سبحان اللہ! پوچھا گیا کہ آپ نے سبحان اللہ کس بات پر کہا؟ کہنے لگے اللہ نے اپنے دیدار کے بدلے سکون قلب عطا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا دیدار کا کوئی بدل ہو سکتا ہے؟ اور میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اے میرے رب! میں تیری محبت سے دہشت زدہ ہو گیا اور مجھے یہ ضبط ہی نہ رہا کہ کیا کہہ گیا۔

کسی کا شعر ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''جس کی محبت نے مجھے دہشت میں ڈال دیا اس خوف سے میں نے دہر کو خالی نہیں پایا۔''

شبلی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے: ہر شے تجھ سے دہشت میں ہے۔

## حیرت

حیرت اچانک طاری ہونے والی کیفیت ہے جو قلب عارفین پر تامل، حضور اور غور و فکر کرنے کے وقت وارد ہوتی ہے۔ اور انہیں تامل، حضور اور غور و فکر سے دور لے جاتی ہے۔ واسطی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: اچانک طاری ہونے والی حیرت، حیرت سے منہ پھیر کر حاصل ہونے والے سکون سے کہیں بلند رتبہ ہے۔

## تحیر

تحیر ایک ایسی کیفیت ہے جو عارفین کے قلوب کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جب وہ اپنے مقصود و مطلوب کے وصول میں یاس و امید کی درمیانی حالت میں ہوں۔ اور ایسی حالت انہیں پانے کی آس نہیں دلاتی کہ وہ پُرامید ہو سکیں اور نہ ہی طلب سے انہیں مایوس کرتی ہے کہ وہ اُسے چھوڑ کر آرام کریں ایسے میں ان کو جو کیفیت ہوتی ہے وہی تحیر ہے۔

---

❶ اس روایت کے قریب المفہوم یہ حدیث مبارکہ ہے ''اللہ تعالیٰ کا اس کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں''، اس کو امام احمد اور ابو یعلی نے اپنی اپنی مسند میں روایت کیا جبکہ حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا۔

کسی شیخ سے پوچھا گیا کہ معرفت کیا ہے؟ انہوں نے کہا: تحیر پھر اتصال پھر احتیاج اور پھر حیرت۔

کسی نے کہا ہے۔**ترجمہ شعر:**

''اے اس شخص کے رہنما! جو تیری ذات کی معرفت حاصل کرنے میں تحیر میں پڑ گیا میں بھی تجھ

سے تحیر میں پڑ گیا میرا ہاتھ پکڑ۔''

## طوالع

طوالع، انوار توحید ہیں جو اہل معرفت کے دلوں پر ظاہر ہو کر چمکتے ہیں اور دل میں موجود انوار پر ان کا غلبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ ماند پڑ جاتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے چڑھتا سورج، ستاروں کو باوجود یکہ وہ موجود ہوتے ہیں، اپنی غالب روشنی سے ماند کر دیتا ہے۔

حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمۃ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔**ترجمہ اشعار:**

''چمکتے ہوئے طوالع (پہلی رات کے چاند) ظاہر ہو گئے ہیں، اور بجلی کی روشنیوں میں ان کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

مجھے میرے واحد نے توحید حقیقی کے ساتھ مختص کیا ہے جس کی طرف کوئی راستہ ہی نہیں جاتا۔''

## طوارق

جو کچھ معانی بذریعہ سماعت اہلِ حقیقت کے دلوں پر ان کے حقائق کی تجدید کے لیے نازل ہوتے ہیں طوارق کہلاتے ہیں۔

ایک شیخ کا قول ہے کہ اہل حقائق کے علوم میں سے معلومات میری سماعت میں اترتی ہیں تو میں انہیں اس وقت تک دل میں جگہ نہیں دیتا جب تک انہیں قرآن وسنت پر پرکھ نہ لوں۔لغوی اعتبار سے طوارق جمع ہے طارق کی اور طارق رات کو آنے والے کو کہتے ہیں۔روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اعوذبك من شرطوارق الليل والنهار الا طارقايطرق بخير

ترجمہ: ''میں تجھ سے رات اور دن کو آنے والوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں سوائے اس کے جو بھلائی کے ساتھ آئے۔''[1]

## کشف

جو چیز فہم سے پوشیدہ ہو اور اسے بندے پر اس طرح ظاہر کر دیا جائے کہ جیسے عینی مشاہدہ ہو، کشف کہلاتا ہے۔

ابو محمد جریری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جس نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو تقویٰ و توجہ سے نہ نبھایا وہ کشف و مشاہدہ سے دور رہا۔

نوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مکاشفاتِ عیون متعلق ہیں دیکھنے سے اور مکاشفاتِ قلوب کا تعلق اتصال سے ہے۔

## شطح

ایسا کلام جسے زبان، وجد کی حالت میں بیان کرتی ہے یہ کلام اپنے سرچشمے سے ظاہر ہوتا ہے اور دعویٰ سے قریب ہوتا

[1] الموطا میں امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے مرسلاً روایت کیا۔

ہے، مگر یہ کہ اس کا کہنے والا مستلب اور محفوظ ہو۔

ابوحمزہؒ نے کہا کہ مجھ سے خراسان کے ایک شخص نے پوچھا: امن کیا ہے؟ میں نے کہا: میں اس شخص کو جانتا ہوں کہ اگر اس کے بائیں درندے ہوں اور دائیں جانب تکیہ تو اسے یہ تمیز نہیں رہتی کہ دونوں میں سے کس پر ٹیک لگائے۔ یہ سن کر خراسانی شخص نے کہا: یہ تو شطح تھی کوئی علم کی بات کرو۔

ایک شیخ سے جب کوئی شخص ایسا مسئلہ پوچھا تا جس میں دعویٰ ہوتا تو کہتے میں زبان کی شطح سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

جنید علیہ الرحمۃ نے شطحیات ابو یزید علیہ الرحمۃ کی باقاعدہ تفسیر بیان کی ہے۔ اگر ان کے نزدیک ابو یزید کی شطحیات میں کوئی کمزوری یا علت ہوتی تو وہ ہرگز ان کی وضاحت نہ کرتے۔

اسی ضمن میں قناد علیہ الرحمۃ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔ **ترجمہ اشعار:**

''حقیقت واحوال کی شطح ان دونوں یعنی حقیقت واحوال کے درمیان فصل ہے۔ اور اسی فصل کو شطح حقیقت واحوال کے درمیان چمک رہی ہے۔

پس حال اس حال کی طرح ہے کہ اس کا شاطح حالتِ تلوین میں ہوتا ہے اور آنکھ حقیقت واحوال کے درمیان موجود شطح کے قریب لے جاتی ہے۔''

## الصول

مریدین ومتوسط سالکین کا اپنے ساتھیوں کے احوال کے بارے میں زبان کھولنا صول کہلاتا ہے اور یہ ایک مذموم فعل ہے۔

ابوعلی رودباری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے دل میں اللہ کے ساتھ خیانت کرے۔ اور یہ خیال کرے کہ جو اس نے تجھے عطا کیا ہے کسی اور کو نہیں عطا کیا۔ اور اس طرح تو اس شخص پر زبان سے حملہ کرے جو اپنا حال تجھے بتانے پر اللہ سے شرماتا ہو۔

کسی پر حملہ کرنے یعنی زبان درازی کرنے سے نفرت کرو کیونکہ اپنے سے اوپر کے شخص پر زبان سے حملہ کیا تو یہ بدتہذیبی ہے، اگر اپنے سے نیچے کے آدمی کے ساتھ ایسا کیا تو یہ قلتِ معرفت کی دلیل ہے۔ اور اپنے جیسے سے یہی معاملہ کیا تو یہ سوءادبی ہے۔

جو صادقین وکاملین ہوتے ہیں وہ اگر کچھ کہتے بھی ہیں تو اپنے رب سے کہہ دیتے ہیں اور یہ ان کے ماسوا اللہ پر تکیہ نہ کرنے کی دلیل ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں تیرے ذریعے ہی حملہ کرتا ہوں اور تیرے ذریعے ہی متحرک رہتا ہوں۔''

ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے: ''پھر میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی کے ذریعے حملہ کرتا ہوں۔''

کسی کا شعر ہے۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''اس شخص کے بعد میری زندگی میں کیا لطف رہ جاتا ہے جس کے ذریعے میں زمانے کے مصائب پر حملہ آور ہوتا تھا''

### ذہاب

ذہاب بمعنی غیبت کے ہے۔لیکن ذہاب کی کیفیت غیبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ذہاب سے مراد قلب کا مشاہدۂ حقیقت کر لینے کے بعد محسوسات کی حس سے جاتے رہنا ہے۔پھر وہ اپنے ذہاب کی کیفیت کے احساس سے بھی مبرا ہو جاتا ہے۔اور پھر اس مبرا ہونے سے بھی مبرا ہو جاتا ہے۔الغرض ذہابات کا یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے ابو یزید علیہ الرحمۃ کے قول ''لیس بلیس'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: لیس بلیس ہر شے کے احساس سے مبرا ہو جانے اور پھر مبرا ہو جانے کی کیفیت سے بھی بری ہو جانے کو کہتے ہیں، یعنی دیکھنے والا بھی نہ اشیاء باقی نہ ہوں گی تو ان کا احساس بھی نہ رہے گا۔اس کیفیت کو صوفیہ فناء بھی کہتے ہیں۔الغرض فناء سے فناء ہو جانے یا گم ہو جانے کی کیفیت کو بھی گم کر دینے کو ذہاب عن ذھاب کہتے ہیں۔

### نفس

صوفیہ کی اصطلاح میں نفس وہ ہے جو سوزشِ قلب کو فرحت و سکون بخش دے۔

کسی شیخ کا قول ہے: نفس اللہ کی جانب سے چلنے والی وہ بادِ نسیم ہے جو باعثِ راحت اور اللہ کی آگ پر غالب آ جاتی ہے اور یہی مفہوم تنفس کا بھی ہے۔**ترجمہ اشعار:**

''جس نے اللہ کی پناہ لی وہ اللہ کے ذریعے نجات پا گیا اور اللہ کی قضا کے پورا ہونے نے مسرور کر دیا۔

ہر سانس اللہ ہی کے لیے اور اسی کی خاطر جاری ہے۔میری ہر سانس میں اسی کی قوت موجود ہے۔''

نفس سے مراد بندے کی سانس بھی ہے۔جنید علیہ الرحمۃ: اللہ تعالیٰ نے بندے کو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ہر سانس کی حفاظت کا پابند کیا ہے۔

کسی کا شعر ہے۔**ترجمہ شعر:**

''میری ہر سانس میں تو ہی بستا ہے اور میری نس نس میں تو ہی روح بن کر جاری و ساری ہے۔''

### حس

حس ایک علامت ہے جو نفس سے متعلق ہے۔

عمرو مکی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: جس نے کہا میں غلبۂ وجد کے وقت حس نہیں رکھتا تو اس نے غلط کہا کیونکہ اسے کیفیت احساس کے مفقود ہونے کا احساس بھی قوتِ حس ہی سے ہو سکتا ہے پانا یا گم کرنا دونوں محسوسات میں سے ہیں اور حس ہی کے ذریعے محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

### توحید عامہ

توحید عامہ سے مراد اقرار لسانی اور زبان نے ذاتِ واحد عز وجل کے اثبات پر اس کے تمام اسماء صفات کے ساتھ جو

اقرار کیا ہواس کی قلبی تحقیق ہے اور یہ تحقیق اس طرح ہو کہ اللہ نے جس کو ثابت رکھا اس کا اثبات کرے اور اس نے جس کی نفی کی اس کی نفی کرے اور اس کے ساتھ اللہ نے جو کچھ اپنے لیے ثابت قرار دیا ہو اس کا بھی اثبات کرے اور اس نے جو کچھ اپنی ذات سے منفی قرار دیا ہو اس کی نفی کرے۔

## توحید خاصہ

اس کی تفصیل باب توحید میں گزر چکی ہے۔ بہر حال مختصراً یہ کہ توحید خاصہ وحدانیت خداوندی کی عظمت کو پانے اور اس کے قرب کی حقیقت کو اس طرح حاصل کرنے کو کہتے ہیں کہ بندے کی حس اور حرکت اللہ کی مرضی کے تابع ہو۔

کہتے ہیں کہ ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ ایک شخص سے توحید کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو اس شخص نے کہا: یہ تو آپ کی توحید تھی مگر جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس سے مختلف ہے اِس پر شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تو اپنی ذات کو اس کے لیے ہی مختص کر دے۔ پھر تجھے وہ اپنی توحید کا مشاہدہ اس طرح کرائے کہ تجھے اس مشاہدے سے بھی بے خبر کر دے۔ یہی توحید خاص کی صفت ہے۔

## تفرید

تفرید، اللہ تعالیٰ کو حدوث سے بالکل علیحدہ ماننے اور حقائق فردانیت کے ساتھ اسے قدیم جاننے کو کہتے ہیں۔

کسی نے کہا ہے کہ موحدین کی تعداد مومنین میں زیادہ ہوتی ہے۔ مگر مفردین کی تعداد موحدین سے کم ہوتی ہے۔

حسین بن منصور علیہ الرحمۃ نے اپنی شہادت کے وقت یہ لفظ کہے تھے: واجد کو یہی کافی ہے کہ وہ خدائے واحد عز وجل کو یکتا مانے۔

## تجرید

تجرید سے مراد قلوب کا شواہد الوہیت کے مشاہدے کے لیے کدورتِ بشریت سے خالی ہو جانا ہے۔

کسی شیخ نے تجرید کے بارے میں کہا: اللہ تعالیٰ کو ماسوا اللہ سے یکتا و منفرد ماننا اور بندے کا ہر اس مشاہدے میں محو ہو جانا جو اسے کرایا جائے، تجرید کہلاتا ہے۔

تجرید، تفرید اور توحید اگرچہ باعتبار معنی یکساں ہیں تاہم صوفیہ ان کو اپنے اپنے انداز میں مختلف طور پر بیان کرتے ہیں اور ان کی تفصیل واجدین کے حقائق اور اشارات کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''حقیقت حق ایک ایسی حقیقت ہے جسے صرف صاحب تجرید جیسا کہ تجرید کو جاننے کا حق ہے جان سکتا ہے۔''

## الھم المفرد اور السر المجرد

الھم المفرد اور السر المجرد دونوں اصطلاحات ہم معنیٰ ہیں۔ مفہوم دونوں کا یہ ہے کہ بندے کا ھم یعنی ارادہ اور سر یعنی باطن جب تمام اشغال سے مجرد ہو اور خدائے ذوالجلال کے مراقبہ میں منفرد ہو تو ایسے میں نہ تو اس میں کوئی خیال مخل ہو سکتا ہے

اور نہ ہی کوئی اسباب اس کے لیے توجہ، قرب اور اتصال سے مانع ہو سکتے ہیں۔

جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مجھ سے ابراہیم آجری علیہ الرحمۃ نے کہا: اے نوجوان! اگر ایک لمحے کے لیے بھی تو اللہ کی جانب ارادہ کرے تو یہ تیرے لیے اس چیز سے بھی کہیں بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہو۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ نے کسی شخص سے کہا: وارفتہ عزائم فضاء عدم میں ہوتا ہے۔ تیرا ارادہ جو شے شخص کا ارادہ ہے جب کہ میرا ارادہ وارفتۂ محبت کا ارادہ ہے۔

## محادثۃ

بندے اور خدا کا باہم ہمکلام ہونا صدیقین کا وصف ہے۔

ابو بکر واسطی علیہ الرحمۃ سے صدیقین کے آخری مقام کے بلند ترین حال کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے: وہ طلوع ہونے والے اور اللہ سے ہمکلامی کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں۔

سید الکونین ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''بے شک میری امت میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا ہے اور عمرؓ انہی میں سے ایک ہیں۔''

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خلق کو اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ ان سے پوشیدہ کلام فرمائے اور اللہ سے ہم کلام ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں اس لیے پیدا کیا کہ مجھ سے چھپ چھپ کر ہمکلام ہوا کرو اگر ایسا نہ کرو تو مجھ سے ظاہراً کلام کرو اگر یہ بھی نہ کرو تو مجھ سے سرگوشی کرو اور اگر ایسا بھی نہ کرو تو مجھ سے ہی سنو۔

## مناجاۃ

وہ رازدارانہ گفتگو جو بندے اور خالق کے درمیان خلوص ذکر کے ساتھ ہوتی ہے۔

ابو عمرو بن علوان علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں جنید علیہ الرحمۃ کو ایک رات صبح تک یہ مناجات کرتے سنا کہ یاالٰہی! اے میرے مالک! تو مجھے خود سے جدا کرنا چاہتا ہے یا تو مجھے ترکِ ہیہات میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ میں نے ابو عمرو سے پوچھا کہ یہاں ہیہات سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا: تمکین۔

## مسامرۃ

بندے کو پوشیدہ طور پر اسرارِ غیبی کے بارے میں جو خطاب ہوتا ہے اسے مسامرۃ کہتے ہیں۔

ابو علی رودباری کا ایک شعر اسی ضمن میں ملاحظہ ہو۔ **ترجمہ شعر:**

''میں نے اپنے خلوص محبت سے رات کے وقت یہ بات چیت کی کہ اس کے غم سوزش عشق اور اس کی گرمی، اس کی آگ ہے۔

کسی شیخ نے کہا کہ مسامرہ کمال پوشیدگی کے ساتھ خطاب کو دائم باقی رکھنا ہے۔''

## رؤیۃ القلوب

دل کا حقائق ایمان کے ساتھ انوار یقین کے ذریعے غیب میں پوشیدہ اسرار کا دیکھنا رویت قلوب کہلاتا ہے جیسا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ کیا آپ اللہ کو دیکھتے ہیں؟ تو فرمایا: ہم کیونکر اس کی عبادت کرتے ہیں اگر اسے دیکھتے نہیں، اور فرمایا: اسے آنکھوں نے نہیں دیکھا، یعنی اس دنیا میں آنکھوں نے عیاں نہیں دیکھا بلکہ قلوب نے حقائق ایمان کے ساتھ اسے دیکھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی [النجم:۱۱]

ترجمہ: ''دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔''

قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ دنیا میں قلب کے ذریعے روایت باری تعالیٰ ممکن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو یا اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

## اسم

اسم کا ان الفاظ پر اطلاق ہوتا ہے جن کے ذریعے اللہ کی طرف اشارہ کیا جائے گا مگر ان الفاظ کے ساقط ہونے سے ان کا معنی مسمیٰ سے الگ نہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے: لوگوں کے پاس اللہ کی جانب سے فقط اس کا نام ہی ہے۔

اور وہ یہ بھی کہا کرتے تھے: لاؤ! اس شخص کو جو اللہ کا نام الفاظ میں واجب کرتا ہے۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ اللہ کی طرف اشارہ کرنے پر اس شعر سے استدلال کرتے تھے۔ ترجمہ **شعر:**

''جب بچے کی ماں کو بچے کی بھوک کا علم ہوتا ہے تو وہ بچے کا نام لے کر اسے غذا دیتی ہے اور بچہ قوی ہو جاتا ہے۔''

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: میں ایسے شخص کی تلاش میں ہوں جس نے اللہ کا نام پکارا ہو اور وہ جو کچھ کہتا ہو اسے ثابت کرتا ہو۔ آپ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ لوگ علم میں ٹھیک گئے، علم اسم میں چلا گیا اور اسم ذات میں گم۔

## رسم

رسم سے مراد خلق کے ظاہری اوصاف و افعال ہیں جو غلبۂ حق کے ظہور سے مٹ جاتے ہیں۔

جنید علیہ الرحمۃ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کا اسم غائب ہو گیا ہو، اس کے اوصاف نہ رہے ہوں اور اس کے افعال باقی نہ رہے ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اس وقت ایسا ہوتا ہے جب بندے کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ اللہ کی اپنی ذات کے ساتھ اور اپنے لیے اپنی سلطنت میں قائم ہے۔ گویا رسوم کے مٹنے کا مفہوم یہ ٹھہرا کہ بندے سے متعلق علم اور فعل اس وقت باقی ہی نہ رہے جب وہ یہ دیکھ لے کہ اللہ قائم بالذات ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ **مصرع**

''مٹے ہوئے نشانات اور ٹیلوں کے پاس''

## وسم

وسم سے مراد اصطلاح صوفیہ میں وہ کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے بارے میں اپنے قدیمی علم میں جس طرح چاہا

ان سے متعلق کر دیا ہے اور اس کے بعد اس میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ اور نہ ہی کسی کو اس کا علم ہے۔

احمد بن عطا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دو قسم کے وسم ہوتے ہیں جو مقبول اور مردود بندوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ دونوں ازل سے ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

## روح اور تروح

روح اور تروح سے مراد وہ بادِ نسیم ہے جس سے اہل حقیقت کے دلوں کو مہکایا جاتا ہے اور جو اعمال انہوں نے نہایت احسن انداز سے انجام دیئے ہوتے ہیں ان سے تھکاوٹ کے بعد انہیں آرام بہم پہنچایا جاتا ہے۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: حکمت (دانشمندی) اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جسے اللہ جل جلالہ عارفین کے قلوب پر نازل فرماتا ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ دنیا کی آگ سے راحت پائیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ولی اللہ کی روح عالم قدس میں اپنے مولا کی حضوری میں مشغول رہتی ہے۔

سفیان علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ عارفین کے دلوں کی جولاں گاہ ایک آسمانی باغ میں ہے جس سے آگے حجاباتِ رب شروع ہوجاتے ہیں عارفین کے قلوب آسمانی باغ میں جمع ہوتے ہیں اور نہ مقامِ مقرب میں محبتِ الٰہی کے ثمر چنتے ہیں۔

## نعت

نعت سے مراد یہ ہے کہ نعت بیان کرنے والے اپنے منعوت (جس کی نعت بیان کی گئی ہو) کے احکام و اوصاف کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نعت اور وصف دونوں ہم معنی ہوں مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وصف، مجمل اور نعت مفصل ہوتی ہے وصف کے بیان میں جامعیت ہوتی ہے جب کہ نعت میں ہر جز کو جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

## صفت

صفت کو موصوف سے الگ نہیں کیا جاسکتا اسے موصوف کہا جاسکتا ہے اور نہ غیر موصوف۔

## ذات

ذات کی تعریف یہ ہے کہ یہ قائم بالذات ہوتی ہے جب کہ اسم، نعت اور صفت ذات کی علامتیں ہیں، اسم، نعت اور صفت کا تعلق فقط صاحبِ ذات سے ہوتا ہے جسے مسمّی کہا جاتا ہے۔ یہی مسمّی موصوف و منعوف ہوتا ہے جیسا کہ ''قادر'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اسی طرح قدرت اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور تقدیر اللہ تعالیٰ کی نعوت سے ایک نعت ہے۔ اسی طرح متکلم بھی اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے اور کلام صفاتِ الٰہیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اور غفران (بخشش) نعوتِ الٰہیہ میں سے ایک نعت ہے۔

## خلق اور خالق

واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: خلق کے پاس سوائے اللہ کے اسم صفت اور نعت کے کچھ بھی نہیں، خلق اس کے اسماء کے ذریعے اس کی نعوت سے اور نعوت کے ذریعے اس کی صفت سے اور صفات کے ذریعے اس کی ذات سے حجاب میں رہتی ہے۔

جب بھی بندہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر، تقدیر، فضل اور بخشش کا ذکر کرتا ہے تو وہ دراصل اس کی نعوت کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعے اس کی تعریف بیان کر رہا ہوتا ہے اور جب وہ اس کے علم، قدرت، کلام اور مشیت کا ذکر کرتا ہے تو وہ اس کی صفات بیان کر رہا ہوتا ہے گویا اس نے اس کی صفات ہی کے ذریعے اس کا وصف بیان کیا۔

ابوعبداللہ قرشی علیہ الرحمۃ کے دو اشعار۔ **ترجمہ اشعار:**

''جب تجھ پر آفتاب اپنی روشنی کے ساتھ طلو ہوتا ہے اور تم اس کی مانوس کرن کے ساتھی ہوتے ہو۔

تو اس آفتاب کا مقام ذاتِ عزیز سے دور ہوتا اور وہ تیرے غالب نفس کی نعت سے خالی نہیں ہوتا۔''

## حجاب

ایک ایسی رکاوٹ جو طالب اور مطلوب کے درمیان واقع ہو حجاب کہلاتی ہے۔

سری سقطی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: یارب! جب بھی تو مجھے عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو حجاب واقع کرنے کے عذاب میں مبتلا نہ کرنا۔

محمد بن علی الکتانی علیہ الرحمۃ نے کہا: ثواب پر نظر رکھنا حجاب در حجاب ہے اور رحجاب کا احساس رکھنا پسندیدگی وشوق سے حجاب میں رہنے کے مترادف ہے۔

کتانی کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ بندے کا ثواب کے حاصل ہونے سے متعلق سوچنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور حجاب کا احساس رکھنے سے یہ مراد ہے کہ ایسا عمل بندے کے لیے اپنے عمل سے لگن اور شوق کے حصول میں ایک رکاوٹ بن جاتا ہے۔

## دعویٰ

نفس کا خود سے وہ کچھ منسوب کرنا جو اس میں نہیں دعویٰ کہلاتا ہے۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان دبیز ترین پردہ دعویٰ ہے اور کہا

''جب میں نے محبت کا دعویٰ کیا تو اس نے کہا تو نے مجھ سے متعلق جھوٹا دعویٰ کیا کیونکہ یہ کیا بات ہے کہ میں تیرے اعضاء کو پر گوشت دیکھتی ہوں۔''

ابوعمرو زجاجی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: جس کے ہاں دعویٰ نہیں اس میں کوئی حقیقت ہی نہیں۔

مذکورہ بالا قول سے ابوعمرو کی مراد یہ تھی کہ نفس خود سے وہ طاعات منسوب کرے جو اس کے اندر موجود نہ ہوں اور نہ ہی اپنے دعویٰ پر کوئی گواہی رکھتی ہو۔

## اختیار

اختیار اشارہ ہے اس چیز کی طرف جو اللہ عزوجل بندے کے لیے منتخب فرماتا ہے اور بندہ اسے عنایت خداوندی کے

ساتھ اپنے لیے اختیار کر لیتا ہے گویا کہ وہ جو کچھ اختیار کرتا ہے اختیار خداوندی کے ساتھ نہ کہ اپنے اختیار سے اختیار کرتا ہے۔

یحیٰی بن معاذ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب تک بندہ معرفت حاصل کرتا رہتا ہے۔ اس سے یہی کہا جاتا ہے کہ تو خود نہ منتخب کر کیونکہ تو اس وقت تک اختیار کا امین نہیں ہوسکتا جب تک معرفت حاصل نہ کرے۔ اور جب بندہ معرفت پالیتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے چاہو تو چن لو اور چاہو تو نہ چنو کیونکہ اگر تو نے کچھ منتخب کیا تو ہمارے اختیار کے ساتھ اور منتخب نہ کیا تو بھی ہمارے اختیار کے ساتھ۔ الغرض تو اپنے اختیار و عدم اختیار میں ہمارے اختیار کے ساتھ منسلک ہے۔

## اختبار

حق تعالیٰ کا صادقین کا اس غرض سے امتحان لینا کہ اس کے ذریعے وہ مخصوصین کی جگہوں کو پر کرے اور اس امتحان سے وہ ان کے صدق کو ظاہر کر کے مومنین پر اپنی حجت قائم کر دے تاکہ مبتدی سالکین ان سے سیکھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اخبر من تقله۔ [1]

حدیث کی شرح یہ ہے کہ جس کو چاہو آزما کر امتحان لو تاکہ تم اسے آزما کر اس کے اندر پوشیدہ سچائی کو سامنے لے آؤ۔

## البلاء

بندے کی حقیقت حال کو جاننے کے لیے آزمائش کے طور پر عذاب میں مبتلا کرنے کے ذریعے اس کا امتحان لینا البلاء کہلاتا ہے۔

ابو محمد جریری علیہ الرحمۃ کا قول ہے: انسان وہیں ہے جہاں آزمائش ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم پیغمبروں کی جماعت دیگر لوگوں سے زیادہ آزمائشوں سے دوچار ہوتی ہے۔''

کسی نے بلا کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں۔ **ترجمہ اشعار:**

''مجھ پر ابتلاء کے مصائب چکر لگاتے رہتے ہیں۔ اور کب تک مجھ پر حملہ کرتے رہیں گے۔

مجھے آزمائش کے لیے اپنے سوا کوئی آزمائش نظر نہیں آتی۔ اور میری آزمائش کو آزمائش پر غصہ ہے۔

میں آزمائش و ابتلاء کے لیے آزمائش ہوں اور میری آزمائش کی محافظ، اس پر غیرت کرنے والی ہے۔

اے میری آزمائش! تو آزمائش پر زیادتی نہ کر، اس کے لیے رحم و بخشش کرنے والا بن جا۔

اے آزمائش میں مدد کرنے والے! ابتلاء کے دور میں میری اعانت فرما کیونکہ آزمائش میرے لیے آگ کا بھڑکتا شعلہ ہے۔''

## اللسان

علم حقائق کے بیان کرنے کو لسان کہتے ہیں۔

---

[1] امام ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ نے جنید علیہ الرحمۃ کو ایک خط میں تحریر کیا: میرے سردار! آپ کو علم بلا میں لسان حاصل ہے یعنی اسے بیان کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ اور اسی طرح آپ کو علم بلا البلاء میں بھی دسترس حاصل ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ سے لسانِ علم اور لسان حقیقت کے درمیانی فرق کو واضح کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا: لسان (بیان) علم ہم تک واسطے سے پہنچتا ہے جب کہ لسانِ (بیان) حقیقت بلا واسطہ ہم تک پہنچتا ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ لسان الحق کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا: جس تک خلق کی رسائی نہ ہو۔

واضح رہے کہ شبلی کے قول میں لسان سے مراد بیان علم اور عبارت میں کسی مفہوم کو واضح کرنا ہے۔

## سر

سر، وجود و عدم کے درمیان پوشیدہ ہوتا ہے مگر معنوی طور پر موجود ہوتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سر وہ ہے جسے حق تعالیٰ نے غائب رکھا ہو اور خلق یہ ہے کہ اس پر حق تعالیٰ بلا واسطہ مطلع ہو۔ اور سر حق پر صرف حق تعالیٰ ہی مطلع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سرالسر ہوتا ہے جس کا احساس سر بھی نہیں کر سکتا ہے اگر ایسا ہو تو وہ سر نہیں کہلاتا ہے۔

سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ نے کہا: نفس کے لیے بھی ایک سر ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقط فرعون کی زبان پر جاری کیا تھا تو کہا تھا:

انا ربکم الاعلی.

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''اے سرالسر! جو اس قدر دقیق ہو جاتا ہے کہ سر ذی روح کے وہم و گمان سے بھی پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

یہ ظاہراً و باطناً موجود رہتا ہے اور ہر شے سے ہر شے کے لیے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔''

## عقد

عقد کا تعلق باطن سے ہے اور یہ اس عہد کو کہتے ہیں جو بندہ اپنے قلب میں اپنے رب اور اپنے درمیان ٹھہراتا ہے کہ وہ فلاں کام کرے گا اور فلاں کام نہیں کرے گا۔

قول باری تعالیٰ ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۚ [المائدہ:۱]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو۔''

ایک مرد دانا سے دریافت کیا گیا کہ تو نے اپنے رب کو کس طرح پہچانا؟ اس نے جواب دیا: میں نے اسے مشکلات کے حل ہو جانے اور ارادوں کے ٹوٹ جانے سے پہچانا۔

محمد بن یعقوب فرجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس برس سے اللہ اور اپنے درمیان فقط اس خوف سے کوئی عہد قائم نہیں کیا کہ مبادا وہ اسے فسخ فرما دے اور اس طرح میں کہیں اپنی زبان سے ہی جھوٹا نہ ہو جاؤں۔

کہا جاتا ہے کہ خاص و عام میں فرق یہ ہے کہ عامۃ المومنین پر اللہ تعالیٰ نے واجب کر دیا ہے کہ وہ اپنے عہدوں کو اس

وقت پورا کریں جب کہ وہ ان کا اقرار اپنی زبان سے کریں۔ اور خاص مومنین پر ایفائے عہد کا پورا کرنا اس طرح لازم ہے کہ وہ اس وقت عہد کو پورا کریں جب انہوں نے دل میں عہد باندھا ہو۔

## الھم

ھم کو واحد استعمال کرنے میں یہ اشارہ پوشیدہ ہے کہ سالک اپنے تمام ہموم یعنی ارادوں کو یکجا کر کے ایک ہی ارادے میں ضم کر دے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمہ نے فرمایا: اپنے ھم (ارادے) کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اکٹھا کر دے۔

کسی اور شیخ کا قول ہے: بندے کو چاہیے کہ اس کا ارادہ اس کے قدموں کے نیچے ہو یعنی نہ تو وہ حالتِ ماضی کا ارادہ کرے اور نہ مستقبل کا بلکہ موجودہ کیفیت کے وقت ہی سے متعلق رہے۔

## اللحظ

لحظ سے مراد دل کی آنکھوں کا ان زوایدِ یقین کا مشاہدہ کرنا کہ جن پر بندہ غیب کے ساتھ ایمان لا چکا ہو۔

ابوعلی رودباری علیہ الرحمۃ کے چند اشعار اسی ضمن میں ملاحظہ ہوں۔ **ترجمہ اشعار:**

''میں نے اسے چشمِ دل سے دیکھا اور اس نے میرے اس دیکھنے کو بھی دیکھا۔ اور اس طرح میں اس کے مدلول و مقصود کے ساتھ خود اپنی رویت سے بھی غائب ہوا۔

میرا مقصد و ارادہ اتفاقاً ایک مخفی لطف و کرم سے متصل ہو گیا۔ اور اس لطفِ خفی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ کی رضا سے قریب قرار پالیا۔

کسی کی طرف نہ تو میرا قصد ہے نہ کسی کی طرف میرا ادراک متوجہ ہے اور نہ ہی میں کسی آزمائش سے مطمئن ہوتا ہوں کہ اسے بھول جاؤں۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اسے یاد نہیں کرتا اور میں اسے یاد بھی کیسے کروں جب کہ میں نے اسے بھلایا ہی نہیں۔''

## محو

کسی شے کا اس طرح فنا ہو جانا کہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے محو کہلاتا ہے۔ اگر کوئی نشان باقی رہ جائے وہ طمس کہلائے گا۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ نے کہا: خاص و عام دونوں قسمیں عبودیت میں رہتے ہیں مگر جو ان میں سے ارفع ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کی طرف کھینچ لیتا ہے اور اس کے نفس سے دیگر تمام مشغولیات و مصروفیات کو مٹا دیتا ہے۔ پھر اسے مقامِ قرب میں ثبات عطا فرماتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ [الرعد:٣٩]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے۔''

اللہ کا اپنا قرب عطا فرمانا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ اپنے قرب سے نواز کر اپنے پاس اکٹھا کر لیتا ہے، اس کے نفس کو احساسِ افعال سے عاری کر کے اسے اپنے ساتھ ثابت کر دیتا ہے تا کہ وہ اپنے افعال و حرکات میں اللہ ہی کا محرک سمجھے۔

## محق

محق، محو کا ہم معنیٰ ہے مگر اس قدر فرق ہے کہ محق مٹ جانے اور فنا ہو جانے کے اعتبار سے محو سے کسی قدر آگے ہے۔

ایک شخص نے ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے میں آپ کو پریشان دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ آپ کے ساتھ اور آپ اس کے ساتھ نہیں؟ شبلی علیہ الرحمۃ نے جواب دیا اگر میں اس کے ساتھ ہوتا تو میں موجود ہوتا بلکہ میں تو اس کی ذات میں محو ہو چکا ہوں یعنی نہ میں ہوں اور نہ مجھ سے متعلق کوئی شے موجود ہے بلکہ ہر شے اسی سے اسی کے لیے اور اس کے ساتھ ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''ہر شے اسی کے لیے اسی کے ساتھ اور اسی سے ہے پھر میرے لیے کوئی شے کہاں ہے کہ میں اس کو اپنے لیے پسند کروں۔''

## اثر

زائل ہونے والی شے کا باقی رہنے والا نشان اثر کہلاتا ہے۔ کسی کا قول ہے کہ جسے دیکھنے سے محروم رکھا گیا وہ اثر ہی سے مانوس ہو گیا اور جس نے اثر کو کھو دیا وہ ذکر میں مشغول ہو گیا۔ کہنے والے نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''میرے پاس نہ تمہارا کوئی نشان ہے اور نہ ہی میں نے تمہارے بارے میں کوئی خبر سنی ہے۔''

کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے محل پر یہ شعر لکھا تھا۔ **ترجمہ شعر:**

ترجمہ: ''ہمارے آثار ہی ہمارا پتہ دیں گے لہٰذا ہمارے بعد ہمارے آثار کو ہی دیکھو۔''

خواص علیہ الرحمۃ نے کہا: خدا تعالیٰ کو تمام اشیا سے یکتا جاننا یہ ہے کہ بندہ ان تمام آثارِ اشیاء کو اس سے علیحدہ جانے جو نفس سے ملحق کرتا ہے۔ آپ نے یہ شعر بھی کہا۔ **ترجمہ شعر:**

''اگر تجھ سے پہلے دریائے چین بھی حائل ہوتا تو میں اسے ایک مٹ جانے والا سراب محض سمجھتا۔''

## کون

کون ایک جامع و مجمل لفظ ہے ان تمام مخلوقات کے لیے جسے موجدِ اعلیٰ عز و جل نے کاف اور نون کے درمیان پیدا فرمایا۔

## بون

بون کا معنی جدائی و علیحدگی ہے۔ کون اور بون دونوں کے معنی کو جنید علیہ الرحمۃ نے بڑی خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: موحدین انہیں کہتے ہیں جو موجود ہوتے ہیں بغیر وجود کے اور وہ علیحدہ ہوتے ہیں بلا جدائی کے۔ یعنی وہ اشیاء میں ہوتے ہیں اس طرح کہ گویا نہیں ہیں اور ان سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طرح گویا کہ جدا نہیں۔ کیونکہ ان کا اشیاء کے ساتھ

موجود ہونا ان کی شخصیتوں کے ساتھ ہونا اور ان اشیاء سے جدا ہونا ان کے باطن سے متعلق ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''بلاشبہ وہ میدانِ توحید میں اکیلا بھٹکتا پھرا۔ اور جب تو نے اسے طلب کیا تو وہ تیری عظمت و عزت کے ساتھ غائب ہو گیا۔

تو اس کے لیے ظاہر ہوا جسے تو نے اس کی علیحدگی کے بعد ثابت کر دیا۔ تو گویا وہ موجود ہو گیا بغیر ہونے کے جیسے تو ہی اسے وجود میں لے آیا۔''

## وصل

وصل کا مفہوم ہے غائب سے لاحق ہو جانا۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جس نے جب تک عرش کے نیچے کی اشیاء سے آنکھیں بند نہیں کیں وہ عرش کے اوپر جو کچھ ہے اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اس نے خالق عرش کے وصل تک رسائی حاصل نہ کی۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: جس نے یہ خیال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا ہوا ہے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔

بعض صوفیہ نے کہا: اصول کو ضائع کرنے کے باعث انہیں وصل نصیب نہیں ہوا۔ **ترجمہ شعر:**

''تیرا وصل وجدائی ہے، تیری محبت بغض ہے تیرا قرب دوری ہے اور تیری صلح جنگ ہے۔''

## فصل

کسی پسندیدہ امید کی گئی شے کا حاصل نہ کر سکنا فصل ہے۔

کسی نے کہا: جس نے یہ خیال کیا یا گمان کیا کہ اسے وصل حاصل ہوا اسے یقین کر لینا چاہیے کہ وہ جدا ہو گیا۔

کسی اور نے کہا: تیرے وصل کی خوشی جدائی کے غم سے مربوط ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا۔ **ترجمہ مصرع**

''نہ وصل ہے نہ جدائی نہ یاس ہے نہ طمع''۔

## اصل

اصل سے اضافہ ہوتا ہے۔ اصل الاصول ہدایت ہے اور اس کے بعد اصول جیسے دین کے اصول یعنی، توحید، معرفت، ایمان، یقین، صدق اور اخلاص

## فرع

فرع اصل سے بڑھتی ہے اور جب فرع سے مزید فروع نکلتی ہیں تو وہ قائم مقام اصل کے ہو جاتی ہے۔ الغرض اصل ان اضافوں کے لیے جو فروع کہلاتی ہیں بمنزلہ حجت ہے۔ اور یہ فروع اپنے اصول کی طرف لوٹتی ہیں۔

ہدایت اصل ہے اور توحید، معرفت، ایمان، صدق اور اخلاص اس پر اضافے ہیں۔ اور احوال، مقامات، اعمال اور طاعات ان اصول پر اضافے ہیں یعنی ان کی فروع ہیں۔ اسی طرح یہی فروع پھر مزید فروع کے پیدا ہونے کا سبب بننے کے باعث اصول کہلاتی ہیں۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہمارا اصول کو مان لینا ہمارے لیے کوتاہی وکمی پر دلیل و حجت قائم کر دیتا ہے۔

اسی طرح اصول پر ایمان واقرار کے بعد ان کا انکار کرنے کے سلسلے میں بھی ہمارے اوپر حجت قائم ہو جاتی ہے۔
کسی عالم دین کا قول ہے کہ جس امر کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی وہ اصل ہے اور جو امور اس اصل سے بڑھیں وہ فروع ہیں اور یہ اپنے اصل کی طرف لوٹائی گئی ہیں۔

## طمس

کسی واضح شے کے بیان کا محو ہو جانا طمس کہلاتا ہے۔
جنید علیہ الرحمۃ نے ابوبکر الکسائی علیہ الرحمۃ کو ایک خط لکھا: آپ پوشیدہ راستوں اور ماند پڑے ہوئے ستاروں میں ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ [المرسلٰت:۸]

ترجمہ: ''یہاں طمست سے مراد ستاروں کی روشنی کا جاتے رہنا ہے۔''
عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: تو اس وقت تک حقیقت حق تعالیٰ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک ان محو ہو جانے والے راستوں پر نہ چلے۔ یعنی تو ان احوال تک نہ پہنچ جائے جن تک تمہارے علاوہ کوئی اور نہ پہنچ سکا ہو اور ان کا نشان باقی نہ ہو۔

## الرمس اور الدمس

دس کا معنیٰ دفن کرنا ہے اسی لیے قبرستان کو دیماس کہتے ہیں۔
جنید علیہ الرحمہ نے یحییٰ بن معاذ کو ایک خط میں لکھا: پھر اپنے دل میں موجود ہر شے کے غلبہ کو قبر میں دفن کر دو اور اس قبر کو بھی غیب کی پوشیدگی میں دفن کر دو یہاں تک کہ اس شے کا مخفی ہونا بھی اس سے مخفی کر دو پھر اس کی طرف اشارہ کی نسبت کو بھی اس سے علیحدہ کر دو۔
یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جنید علیہ الرحمۃ کی اس تحریر میں حقیقت توحید کی جانب اشارہ ہے یعنی بندہ صفات وافعالِ بشریت سے بالکل فانی ہو جائے۔ اور گویا کہ وہ ہے مگر نہیں ہے۔
سہل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جب تو اپنے نفس کو تحت الثریٰ میں دفن کر دیتا ہے تو تیرا قلب عرش سے اوپر پہنچ جاتا ہے۔
مفہوم یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو چھوڑ دے اور اس کی مخالفت کرے۔

## قصم

قصم کا معنی ہے توڑنا۔
ابوبکر زقاق علیہ الرحمۃ نے کہا: اگر گناہ میں نے خود اختیار کیے ہوتے تو مجھے اس کا کوئی رنج نہ پہنچتا کیونکہ یہ امر میرے مطابق ہوتا۔ مگر کیا کروں کہ میری کمر تو اس وقت توڑ دی گئی جب خود گناہوں نے میری جانب سبقت کی۔
ابوبکر واسطی علیہا الرحمۃ نے فرمایا: تمام امور اپنے حقائق کے اعتبار سے زمانوں پر غالب آئے تو جس نے زمانوں کو قدیم جانا اس کے لیے زمانوں کا مقابلہ ٹوٹ گیا۔

## سبب

سبب سے مراد واسطہ ہے۔ اور اسباب کا مفہوم اللہ تعالیٰ اور خلق کے درمیان واسطے ہیں۔

احمد بن عطا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جس نے سبب میں مسبب کی صنعت کا مشاہدہ کیا، اسے اس مشاہدے نے مسبب تک رسائی کے قابل بنا دیا، کیونکہ جس نے سبب کا مشاہدہ کر لیا اس کا قلب اسباب کی زینت و زیبائش سے معمور ہو گیا۔ اور جس نے طاعات سے غافل کر دینے والے اسباب کو جان لیا وہ ان سے الگ ہو گیا اور اعمال صالح کی جانب لے جانے والے اسباب سے تعلق جوڑ لیا۔

اس ضمن میں ابو علی رودباری علیہ الرحمۃ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔ **ترجمہ اشعار:**

''جو تیرے ساتھ اپنی محبت، خواہشات اور دوستوں کی الفت کو ترک کر کے فانی نہ ہو چکا ہو۔

یا اسے محبت نے ذلیل وخوار کر کے اس کے لیے وہ اسباب اکٹھے کر دیئے ہوں جو اس سے جدا تھے۔

تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مراتب کے بیچ کوئی حصہ پانے اور اچھے ٹھکانے کے حصول کے لیے کھڑا ہو۔''

## نسبت

یہ اس حال کو کہتے ہیں جس سے کوئی شخص اس وقت باخبر ہوتا ہے جب وہ اس سے خود کو منسوب کرے۔

جعفر طیالسی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے: نسبت دو طرح کی ہے ایک نسبت حظوظ اور دوسری نسبت حقوق، جب اوصاف بشری غائب ہوں تو حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور جب اوصافِ بشری ظاہر ہوں تو حقیقت غائب ہو جاتی ہے۔

قناد علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ مسافر کون ہے؟ آپ نے کہا: جس کے لیے دنیا میں کوئی رشتہ دار نہ ہو۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: جو کچھ آنکھیں دیکھتی ہیں وہ علم سے منسوب ہوتا ہے اور جو کچھ قلوب جانتے ہیں اس کی نسبت یقین سے ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ نسبت کا معنیٰ ہے اقرار کرنا۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ نے کہا: اسرار کے پوشیدہ ہونے کی صفت یہ ہے کہ نہ تو وہ احساس میں قائم ہوں اور نہ ہی وہ نسبت میں ظاہر ہوں۔

## صاحبِ قلب ہونا

قلب میں جو علم اکٹھا ہوتا ہے اس کا زبان و بیان اور فصاحت سے ظاہر نہ کرنا صاحب قلب ہونا کہلاتا ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے: اہلِ خراساں اصحابِ قلب ہیں۔

## رب حال

رب حال کا معنی یہ ہے کہ فلاں شخص محبت، خوف، رجا اور شوق وغیرہ جیسے احوال سے مربوط ہے اور جب ان احوال میں سے کوئی حال اس پر غالب ہو تو ایسے شخص کو رب حال (حال کی پرورش کرنے والا) کہتے ہیں۔

## صاحبِ مقام

جو شخص قاصدین و طالبین کے مقامات مثلاً توبہ، ورع، زہد اور صبر وغیرہ میں سے کسی مقام کے لیے جانا جائے تو اسے صاحبِ مقام کہتے ہیں۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: بندہ معرفت کی حقیقت اور صفاء توحید تک احوال و مقامات کو عبور کرنے کی صورت ہی میں رسائی حاصل کرتا ہے۔

کسی شیخ کا قول ہے کہ میں ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کے پاس کئی بار حاضر ہوا اور ہر مرتبہ انہیں مقامات واحوال کے بارے میں گفتگو کرتے سنا۔

## بے نفس ہونا

بے نفس وہ شخص ہوتا ہے جس پر نفس کی عادات غالب نہ آ سکیں اور عادات نفس یہ ہیں غصہ، تکبر، حرص، طمع اور حسد۔ جب بندہ مذکورہ آفات سے محفوظ ہو تو سمجھ لو کہ وہ بے نفس ہے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے اللہ کی طرف رجوع کیا اس کا اللہ سے تعلق پیدا ہو گیا اور وہ قربِ اللہ کے مقام میں ٹھہرا تو اس نے اللہ کے سوا سب کچھ بھلا دیا۔

جب آپ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے اور کدھر جا رہا ہے تو اس کے پاس سوائے، اللہ، کہنے کے کوئی جواب نہ ہوگا۔ اور اس کی وجہ اس کے قلب میں وہ تعظیم خداوندی ہے جو اس نے پالی ہے۔

## صاحبِ اشارہ

اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کی گفتگو باریک نکات اشارات اور علمِ معارف پر مبنی ہو۔ ابوعلی رودباریؒ نے کہا۔

**ترجمہ شعر:**

''اگر وجد کا خالص ہونا مشتمل بر اشارات ثابت ہو جائے تو اس کو کسی سے کوئی طمع نہیں رہتی۔''

## انا بلا انا ونحن بلا نحن

بندے کا اپنے افعال میں افعال ہی سے علیحدہ ہونے کے لیے انا بلا انا ونحن بلا نحن کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ سے اس قول خداوندی کا مفہوم پوچھا گیا:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ [النحل:۵۳]

ترجمہ: ''اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

آپ نے جواباً فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے انہیں ان کے افعال میں افعال سے جدا کر دیا ہے۔

## انا انت وانت انا

اس قول کی تشریح کو شبلی علیہ الرحمۃ کی اس گفتگو سے سمجھیں جس میں انہوں نے فرمایا: اے ساتھیو! وہ مجنونِ بنی عامر تھا

جس سے لیلیٰ کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتا: میں لیلیٰ ہوں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لیلیٰ کے ساتھ لیلیٰ سے خود غائب ہو جاتا اور صرف لیلیٰ کا نظارہ ہی باقی رہ جاتا۔ اور اس کے ساتھ وہ ماسوا لیلیٰ ہر شے سے بھی غائب ہو جاتا اور ہر شے کو لیلیٰ ہی کے ذریعے دیکھتا۔

کوئی شخص کس طرح کسی کی محبت کا دعویٰ کرنے کا حقدار ہو سکتا ہے جب کہ وہ ٹھیک حالت میں اپنی عادات و افعال کو پوری طرح انجام دے رہا ہو۔

افسوس تو اس شخص پر ہے کہ جس نے اپنے اوصاف و عادات کو نہ ترک کیا اور نہ ہی خود سے ایک ذرے کو بھی علیحدہ کیا۔ ایسے میں وہ کس طرح دعویٰ محبت کرنے کا سزاوار ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ معبود عزوجل کے عشق میں مقدور بھر کوشش کرنا لوگوں کے نزدیک کوئی بلند رتبہ بات ہی نہیں۔

## من تو شدم

شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک اور موقع پر فرمایا: دو محبت کرنے والے کسی سمندر میں کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ ان میں سے ایک پانی میں گر کر ڈوب گیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے نے بھی پانی میں چھلانگ لگا دی۔ غوطہ خوروں نے دونوں کو پانی سے صحیح سالم نکال لیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: میں تو پانی میں گر گیا تھا مگر تم نے خود کو کیوں پانی میں ڈال دیا۔ اس پر اس نے جواب دیا: میں تمہارے ساتھ اپنے سے غائب تھا میں نے یہ سمجھا تھا کہ میں، تُو تھا۔

کوئی لڑکا شبلی علیہ الرحمۃ کو مجلس میں موجود تھا اس نے آپ سے کہا: اے ابو بکر! اس نے مجھے مجھ سے حاصل کر لیا، مجھے مجھ سے غائب کر دیا اور مجھے میری ہی طرف لوٹا دیا۔ گویا کہ میں بغیر اپنی ذات کے وجود کے ہوں۔

شبلی علیہ الرحمۃ نے اس سے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے تو نے یہ کیفیت کہاں سے پائی؟ تجھے خدا اندھا کرے۔

لڑکے نے جواب دیا: میرے لیے کہاں سے کوئی شے ہے جو میں اس میں اندھا ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ لڑکا شبلی کی مجلس سے بھاگ گیا۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''ہم نے اسے یاد رکھا اور بھلایا ہی نہیں اور اس کا ذکر کرتے ہی رہتے مگر نسیم قرب ظاہر ہوئی اور غالب آ گئی۔''

پھر میں اس کے ساتھ خود سے فانی ہو گیا اور اس کے لیے اسی کے ساتھ باقی ہو گیا یہاں تک کہ اپنی ہی خبر دینے والا اور اپنی ہی بات کرنے والا ہے۔

کسی اور نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''میں کون ہوں؟ محبوب! اور محبوب کون ہے؟ میں ہوں۔ تو نے مجھے دیکھا تو تو نے (دراصل) ہم دونوں کو دیکھا۔

ہم دو روحیں ہیں ایک جسم میں، اللہ نے ہمیں لباس جسم پہنا دیا۔''

من و تو کی اسی یکتائی سے متعلق دو اور شعر ملاحظہ ہوں۔ **ترجمہ اشعار:**

''اے تنہائی کی تمنا! تو نے مجھے اپنے ساتھ خود سے فنا کر دیا۔ تو نے مجھے خود سے اس قدر قریب کر دیا کہ میں سمجھا شاید تُو میں ہوں۔
یہ روداد تو تھی مخلوق سے مخلوق کی محبت کی تو اس کی محبت کا عالم کیا ہوگا جو رگِ جاں سے قریب تر کی محبت کا دعویدار ہو۔''

## ہو بلا ہو

ہو بلا ھو دراصل اشارہ ہے اللہ کو یکتا و منفرد جاننے کی طرف۔ مفہوم یہ ہوا کہ وہ ہے کہنے والے کے وہ کہے بغیر۔ اور وہ ہے بغیر کاتب کے لفظ لکھنے اور وہ یعنی ہو موجود ہے بغیر ان دو حرفوں یا واؤ کے مجموعے کے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے توحید سے متعلق فرمایا: توحید کی تعریف یہ ہے کہ اس کا حکم جاری و ساری ہے، اس کا غلبہ ہر شے پر چھایا ہوا ہے، توحید ظاہر ہوئی تو غالب آ گئی، پوشیدہ ہوئی تو حجاب میں چلی گئی۔ حملہ آور ہوئی تو ہلاک کر دیا، وہ، وہ ہے مگر بغیر لفظ وہ کہنے کے۔ وہ ظاہر ہوتی ہے تو ہر وہ شے جو اس پر ظاہر ہوا سے ہلاک کر دیتی ہے اور جو شے بھی اس کی طرف اشارہ کرے اسے فناء کر دیتی ہے اس کے قریب والا اس سے دور ہے اور اس سے دور اس کے قریب ہے۔ اور اس کے قریب والا شک میں مبتلا ہے۔

## قطعِ علائق

علائق سے مراد وہ اسباب ہیں جو بندے سے لگ کر اس کو مشغول کر دیتے ہیں یہاں تک کہ اسے اللہ عزوجل سے دور لے جاتے ہیں۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اہل توحید نے علائق یعنی اسباب کو چھوڑ دیا محبوب حقیقی جل ذکرہ کی محبت میں مشغول ہو کر خلائق سے جدا ہو گئے آرام و آسائش کو ترک کر دیا، ہر مانوس سے نفرت کرنے لگے۔ اور پسندیدہ شے سے ناگواری ظاہر کی۔

## بادی بلا بادی

بادی سے مراد اہل معرفت کے دلوں پر ظاہر ہونے والے احوال، انوار اور صفاءِ اذکار ہے اور جب بلا بادی کہا جاتا ہے تو اس سے اشارہ مقصود ہوتا ہے کہ بادی (ظاہر ہونے والے) سے مراد ظاہر کرنے والا ہے جو قلوب پر احوال و انوار کو ظاہر کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ۝ [البروج:۱۳]

خواص علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''معرفۃ المعرفۃ'' میں لکھتے ہیں کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے تو وہ بغیر ظاہر ہونے والے کو ظاہر ہوتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کوئی اور ظاہر ہونے والا حال یا کیفیت فنا ہو جاتی ہے اور یہ مشاہدہ حق کے ان سے قریب ہونے کی بنا پر ہوتا ہے۔

## التحلی

تحلی سے مراد صادقین کے ساتھ اقوال اور اظہارِ اعمال کے لحاظ سے مشابہت پیدا کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان تجلی یعنی ظاہری آراستگی اور ارادہ خواہش ظاہر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں ثابت و جاگزین ہو۔ اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔ ❶

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''جس نے خود کو اس چیز سے آراستہ کیا جو اس میں موجود نہیں تو شاید امتحان نے اسے رسوا کیا۔''

## تجلی

حق تعالیٰ کے انوار کا اس کی طرف آنے والے سالکین کے دلوں پر چمکنا تجلی کہلاتا ہے۔

ابو الحسین نوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے خلق کے لیے اپنے خلق کے ساتھ ظاہر ہوا اور اسی طرح ان سے پوشیدہ ہوا۔

واسطی علیہ الرحمۃ نے قولِ باری تعالیٰ:

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ [التغابن:۹]

ترجمہ: ''وہ دن ہے ہار والوں کی ہار کھلنے کا۔''

کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: اہلِ حق کا تغابن (خسارہ، ہار) ان کی کیفیت فناء، رویت اور تجلی کے مطابق ہوتا ہے۔

ابو الحسین نوری علیہ الرحمۃ نے کہا: انوار و احوال کی تجلی سے خوبیوں کو حسن ملتا ہے اور ان کے پوشیدہ رہنے سے خوبیاں قبیح ہو جاتی ہیں۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''اس کے قلب پر نورِ حق تعالیٰ نے جب ظہور کیا تو تاریک دل روشن ہو گیا۔''

## تخلی

ظاہر و باطن میں موجود حق سے دوسری طرف متوجہ کرنے والے عوارض سے علیحدگی اختیار کرنے کو تخلی کہتے ہیں۔ گویا تخلی میں خلوت، عزمت اور وحدت کو لازماً اختیار کرنا ہوتا ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کا قول ہے: محفوظ قلوب کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی حفاظت کرنے والا ان کا رب عزوجل انہیں غیر سے گفتگو کرنے سے کنارہ کش ہونے سے مانع نہیں ہوتا۔ اور اس لیے کہ وہ ان قلوب پر رحم کرتے ہوئے انہیں صفاء اور دیگر اوصاف سے نوازے۔

یہ تمہیں اس شخص کی بعض صفات جو اللہ تعالیٰ بندے کو دیگر تمام اشیاء جو اس کے اور بندے کے مابین حائل ہوتی ہیں، سے علیحدہ ہو جانے پر عطا فرماتا ہے۔

یوسف بن الحسین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تخلی سے مراد عزلت (علیحدہ ہو جانا) ہے کیونکہ بندہ اپنے نفس پر قدرت نہیں رکھتا اور کمزور ہو جاتا ہے تو وہ اپنے نفس سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔

---

❶ مسند الفردوس میں امام دیلمی نے سندِ ضعیف کے ساتھ اسے روایت کیا۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''بلاشبہ نوجوان کا دل اگر محبت میں ایک طویل زمانہ گزار دے پھر بھی وہ اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔''

## العلۃ

علت کنایہ ہے اس شے سے جو نہ تھی اور واقع ہو گئی۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ خلق کی تعریف یہ ہے کہ تابعداری اس کے وجود کا سبب ہے۔ اور اس کا موجود ہونا اس کی علت۔

ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہر شے کی علت اس کی صنعت ہے مگر اس کی صنعت کی کوئی علت نہیں۔

میرے نزدیک ذوالنون علیہ الرحمۃ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہر پیدا کردہ شے میں نقصان کا موجود ہونا ہے کیونکہ وہ نہیں تھا اور ہو گیا مگر صانع کی صنعت میں مصنوعات کے لیے کوئی علت نہیں۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ مصرع**

''اے بیماری سے میرے لیے شفا! اگرچہ تو ہی میری بیماری ہے''

## اَزل

اس کا معنیٰ وہی ہے جو قدیم کا ہے۔ کیونکہ قدیم کو ازل سے موسوم کیا جاتا ہے جب کہ باری (پیدا کرنے والا) کو اس سے موسوم نہیں کیا جاتا۔ اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شے فلاں شے سے بہت پہلے ہے۔

ازل اور ازلیت فقط اللہ کے لیے ہے سوائے اس کے ان صفات سے کسی اور کو موسوم نہیں کیا جا سکتا۔

ازل اللہ تعالیٰ کے اسمائے اولیت میں سے ایک اسم ہے پس وہ اللہ ہے جو سب سے اول قدیم اور لم یزل و لایزال ہے۔ اور ازلیت اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

متقدمین میں سے کسی نے کہا ہے کہ حق اللہ تعالیٰ جن اشیاء میں زوال پذیر نہیں تھا وہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ وہ جن اشیاء میں نہ تو زوال پذیر ہے اور نہ ہو گا۔ بعض صوفیہ نے تو اس قول کی تعریف کی کیونکہ اس میں حق تعالیٰ سے تغیر کی صفت کی نفی ہے اس لیے وہ اپنے تمام اسماء و افعال میں لازوال ہے۔ مگر بعض صوفیہ نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس قول سے کہنے والے نے اشیاء کو قدیم جانا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اسماء فعل اور اسماء ذات میں فرق ہے اور اسی طرح صفات فعل اور صفات ذات میں بھی فرق ہے۔

## ابد اور ابدیت

اللہ تعالیٰ کی نعوت میں سے ایک نعت ہے۔ ازلیت اور ابدیت میں فرق یہ ہے کہ ازلیت کا آغاز نہیں ہوتا جب کہ ابدیت کا کوئی انجام نہیں ہوتا۔

واسطی علیہ الرحمۃ ابد کی تعریف میں کہتے ہیں: ابد، عدد میں انقطاع واقع ہونے کی ترک کر دینے کی جانب اشارہ ہے

اوراس طرح اوقات کو دوام میں متاد دینے کی طرف اشارہ ہے۔

مزید کہا کہ وسم اور رسم دونوں صفات ہیں جو ہمیشہ کے لیے ازل سے جاری ہیں۔

کسی اور نے یہ کہا ہے کہ ازل، قدم اور ابد، حقیقت احدیت سے دور نہیں کی جا سکتیں، کیونکہ یہی وہ اشارات ہیں جن کے ذریعے وہ خلق کو خود سے آگاہی عطا فرماتا ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا: پاک ہے وہ ذات جو اس وقت بھی موجود تھی جب کہ مکاں، زماں، اوقات، دھر، ابد، ازل، اول اور آخر موجود نہیں تھے۔ اور اس نے اشیاء کو اس طرح پیدا فرمایا کہ وہ ان سے غافل نہیں، ان سے اس کو کوئی اعانت نہیں ملتی اور اس نے ان پر جو کچھ عائد کیا وہ اس میں عادل ہے۔

عمرو بن عثمان مکی علیہ الرحمۃ نے کہا: پاک ہے وہ بے نیاز جو قدیم ہے ازل سے اور ابد کی ہیشگی میں لازوال ہے۔

## وقتی مسرمد

وقتی مسرمد سے مراد وہ حال ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان قائم ہوتا ہے اور کسی وقت بھی بدلتا نہیں۔ اور یہ حال واجد کا کلام ہے جس کے ذریعے وہ اس کے سر کی خبر دیتا ہے صفات کی نہیں۔ کیونکہ صفات تغیر کے وجود کا باعث ہیں۔ اور اگر یہ صفات متغیر نہ ہوں تو متغیر ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے عدم تغیر کی صورت میں انہیں اس حالت سے متغیر کر دیا جاتا ہے جو ان کی جبلت میں موجود ہو۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کا شعر ملاحظہ ہو۔ **ترجمہ شعر:**

''میرا وقت تیرے ساتھ متعلق ہو کر دائمی ہو گیا۔ اور تو نے مجھے خود میری ذات سے اس طرح فنا کر دیا کہ میں مجرد رہ گیا۔''

## بحری بلاشاطیٔ

بحری بلاشاطی (میرا دریا بے کنار ہے) کا معنی وہی ہے جو وقتی مسرمد کا ہے، اور یہ الفاظ پہلی بار ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ نے اس وقت کہے تھے جب ایک روز انہوں نے اثنائے کلام میں فرمایا کہ تمہارے اوقات محدود ہیں جب کہ میرے وقت کے وہ کنارے نہیں۔ اور میرا دریا بے کنار (بحری بلاشاطی) ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کے قول کی تشریح یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جس حال پر فائز کر رکھا تھا اس کی کیفیت ایسی تھی کہ جو اپنی وسعت کے اعتبار سے بے نہایت تھا۔ اور اس طرح کی وسعت و لامحدودیت کو اسی طرح کے جملے سے ہی واضح کیا جا سکتا تھا جو انہوں نے فرمایا: یعنی بحری بلاشاطی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝ [الکہف:۱۰۹]

ترجمہ: ''تم فرما دو! اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔''

مذکورہ آیت مبارکہ میں کلمات رب کے لامتناہی ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ ذات جوان سے متصف ہے وہ خود لامتناہی ہے۔
کسی کا قول ہے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اس سے محبت کر بیٹھا اور جو اس سے محبت کر بیٹھا وہ بحرِ غم میں ڈوب گیا۔
کسی اور نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''اگر تیرے وصل میں میرے سامنے بحرِ چین بھی حائل ہوتا تو میں اسے سراب فانی تصور کرتا۔''

## نحن مسیرون

نَحْنُ مُسَيَّرُوْنَ کہنے سے صوفیہ کی مراد قلوب کا ایک حال سے دوسرے حال اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونے کے لیے چلنا مراد ہے۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: زاہد پیدل چلتا ہے تو عارف ہوا پر اڑتا ہے۔ یعنی وہ احوال و مقامات میں سفر کرنے میں نہایت تیز رفتار ہوتا ہے۔

ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا۔ **ترجمہ شعر:**

''زمرہ عشاق میں ہی شامل نہیں اگر میں نے اپنے دل کو اس کا گھر اور اس کا مقام نہیں بنایا۔
میں طوافِ کعبہ کو اسی کی طرف چلنے کے قائم مقام سمجھتا ہوں اور جب میں رکن کو بوسہ دیتا ہوں تو اسی کی ذات ہی میرے لیے رکن ہوتی ہے۔''

## تلوین

تلوین کا مفہوم بندے کے احوال کا مختلف ہوتا ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ حقیقت کی علامت تلوین ہے کیونکہ تلوین قدرتِ قادر کا ظہور ہے اور اس سے 'غیرت' حاصل ہوتی ہے۔

تلوین کا معنی تغیر ہے اس لیے جس نے تلوین صفات اور تغیر احوال کی طرف اشارہ کیا اس نے یہ کہا کہ حقیقت کی علامت تلوین کا رفع ہو جانا ہے اور جس نے تلوین قلوب، اسرارِ پاکیزہ اور تلوین کے نتیجے میں قلوب پر ہیبت طاری ہونے کے بعد واردات کی تلوین کی جانب اشارہ کیا تو انہوں نے یہ کہا کہ علامتِ حقیقت تلوین ہے کیونکہ وہ اللہ کی جانب ہر سیر کرنے میں اپنے قلوب میں تلوین واردات کی کثرت پاتے ہیں۔ جہاں تک تلوین صفات کا تعلق ہے تو اس کا بیان اس شعر میں موجود ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''تو ہر روز رنگ بدلتا ہے یہ تجھے زیب نہیں دیتا۔''

واسطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جس نے اس کے اخلاق کو اپنا لیا اس کی طبیعت میں تلوین کے آثار ظاہر ہی نہیں ہوتے۔

کسی نے مسیرین کے بارے میں یہ دو شعر کہے ہیں۔ **ترجمہ اشعار:**

''میں نے اپنے دل کو روکا مگر وہ نہیں رکا اور وہ کوئی شے طلب بھی کرتا ہے اور اس سے دور بھی بھاگتا ہے۔
وہ حق کی طرف بے تابی سے محبت طلب کرنے جاتا ہے مگر مجھے اس کے بارے میں ڈر بھی رہتا

ہے۔اور اس پر ترس بھی آتا ہے۔''

## بذل المہج

اس ترکیب کا معنیٰ بندے کا اپنی تمام تر محبوب چیزوں کو قربان کر کے اللہ کی طرف اپنی مقدور بھر توجہ صرف کرنا ہے۔
خواص علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اللہ کی طرف توجہ کرنے والا ہر بندہ جب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی توجہ میں مقاماتِ استراحت قائم ہوں تو اس کی توجہ ختم نہیں ہوتی۔
کسی نے کہا ہے۔**ترجمہ شعر:**

''اے خوبصورت ناز و انداز والے تجھے روحوں پر غلبہ حاصل ہے''

میرے نزدیک 'مہج' (واحد 'مہجۃ' بمعنی روح، زندگی) سے جان و مال اور اولاد جیسی تمام محبوب چیزیں مراد ہیں۔

## تلف

تلف بمعنی طبعی موت ہے۔
ابوحمزہ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں ایک کنویں میں گر گیا اور لوگوں نے اسے اوپر سے بند کر دیا۔ میں نے یہ یقین کر لیا کہ اب بچنا مشکل ہے اور مایوس ہو کر سر رکھ دیا، اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درندہ کنویں میں داخل ہوا، میں اس کی ٹانگ سے چمٹ گیا اس نے مجھے کنویں سے باہر نکال لیا۔ اس کے بعد غیب سے آواز آئی کہ اے ابوحمزہ! کس اچھے انداز میں ہم نے تمہیں موت سے موت کے ذریعے بچا لیا۔ ابوحمزہ علیہ الرحمۃ نے اس موقع پر اشعار کہے تھے جن میں سے دو ہدیۂ قارئین ہیں۔**ترجمہ اشعار:**

''میں تجھے دیکھتا ہوں اور تیری ہیبت کے ذریعے وحشت سے دوچار ہو جاتا ہوں۔تو مجھے تو لطف و مہربانی سے نوازتا ہے۔
جو محب، محبت میں مرجاتا ہے اسے تو زندہ کرتا ہے اور زندگی کا موت کے ساتھ وابستہ ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے۔''

جریری علیہ الرحمۃ کا قول ہے: جس شخص کو علم توحید کے شواہد کا علم نہ ہوا سے دھوکہ و فریب وادیٔ موت میں پہنچا دیتا ہے۔

## اللجاء

اللجاء (پناہ لینا) سے مراد ہے صدقِ فقر و رجاء کے ساتھ قلوب کا اللہ کی طرف مائل ہو جانا۔
واسطی علیہ الرحمۃ کا قول ہے: جو بندہ فقط موت کے وقت صدقِ فقر اور توجہ الی اللہ پر فائز ہو اس پر دائمی ذلت باقی رہتی ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ [بنی اسرائیل:۸۰]

ترجمہ: ''اور یوں عرض کرو کہ اے میرے رب! مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا۔''

قرآن کریم کے مندرجہ بالا کلماتِ مبارکہ کی کسی اہلِ علم نے یہ تشریح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حضور صدقِ

نفر کے ساتھ صدقِ لجا کا اظہار کیا۔ اور صدق لجا کے ساتھ ہی سرائر مرتب ہوتے ہیں۔

## انزعاج

کسی مقصد کے حصول کی خاطروں کا خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر دھڑکنا انزعاج کہلاتا ہے۔ جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تم اس کی خدمت میں اپنے بھیدوں کو پیش کیوں نہیں کرتے، تم وہ چیز بھی کیوں اس کے سامنے نہیں رکھتے جس سے قلب بے قرار ہو جاتے ہیں، تم اس کی طرف کوشش کر کے اس کی آزمائشوں سے مانوس ہو کر اور اس کی بخششوں پر خوش ہو کر بڑھتے کیوں نہیں؟

غالباً ابراہیم الخواص علیہ الرحمۃ سے کہا گیا کہ آپ کے مریدین کہتے ہیں کہ ہم جب کوئی چیز لینا چاہتے ہیں تو اپنے رب سے لیتے ہیں مگر ہم نے انہیں ہمیشہ لوگوں ہی سے چیزیں لیتے دیکھا ہے۔ آپ نے جواب دیا وہ کون ہے جو لوگوں کے دلوں کو بے چین کرتا ہے اور وہ انہیں بلا مانگے دے دیتے ہیں۔

## جذب الارواح

جذب الارواح، بلندیٔ قلوب، مشاہدۂ اسرار، مناجات، مخاطبت اور اس طرح کی دوسری اصطلاحات سے مراد بندے پر توفیق عنایت اور قلوب پر انوار ہدایت کا قرب و بعد اور صدق وصفا کی مقدار کے مطابق نازل ہونا ہے۔

ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی ارواح کو اپنی طرف بلا لیتا ہے پھر انہیں اپنے ذکر اور حصولِ قرب کی لذتوں سے بہرہ ور فرماتا ہے۔ اور وہ ان کے اجسام کو ہر شے کی لذت عطا فرماتا ہے گویا ان کے جسموں کی زندگی، جانداروں کی زندگی جیسی ہوتی ہے اور ان کے ارواح کی زندگی، اللہ والوں کی زندگی ہوتی ہے۔

واسطی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: بیشک اللہ نے صوفیہ کو اپنے لطف و کرم سے اس طرح نوازا ہے کہ ان کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اور آپ نے مزید کہا کہ جب اللہ تعالیٰ روحوں کو جسموں سے کھینچ لیتا ہے تو جسموں میں عقول وصفات بدستور باقی رہ جاتی ہیں کیونکہ اللہ نے انہیں شرطِ عقول کے ساتھ ڈھانپ رکھا ہے۔ اور بنجوں کو اس نے اس سے مایوس کر دیا کہ انہیں اپنے سرائر کے سوا کوئی اور شے حاصل ہو۔

قول خداوندی ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ [یونس: ۵۸]

ترجمہ: ''تم فرماؤ! اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔ وہ ان کی سب دھن دولت سے بہتر ہے۔''

## الوطر

وطر سے مراد وہ خواہش اور پسندیدہ و بہتر منفعت کا حصول ہے جو بشری و نفسانی صفات سے مبرا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں اپنے وطن میں متمکن ہے اور اپنے وطر میں بلند۔

کسی نے کہا ہے۔ ترجمہ شعر:

''اے لیلیٰ میں کوچ کر گیا مگر میں نے اپنی آرزوئیں پوری نہیں کیں۔اور میں برابر مغموم اپنے
گھر کا مشتاق رہوں گا۔''

ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے کہا۔**ترجمہ اشعار:**

''میں مرجاؤں گا اور تیرے لیے میری محبت بھی مرجائے گی۔اور میں نے تیری محبت کے گھاٹ
سے اپنی خواہشیں پوری نہیں کیں۔
میری تمام آرزوں کی جگہ فقط ایک تو ہی ہے جو میری آرزو ہے۔اور تو ہی میری امیری وثروت
ہے جب کہ میں تنگدست ہوتا ہوں۔''

کسی دانشور سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک کونسی جگہ رہنے کے لیے بہت بہتر ہے؟اس نے جواب دیا:کسی کے لیے سب سے بہتر رہنے کی جگہ وہ ہے جہاں وہ جو آرزو کرے پوری ہو۔

## الوطن

اصطلاح صوفیہ میں وطن سے مراد بندے کا وہ مقام ہے جہاں اس کا حال ختم ہو اور اسے قرار حاصل ہو یوں بھی کہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں حال اور فلاں مقام میں قرار حاصل کیا۔

جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا:اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جو وطنوں پر پہنچنے کے بعد اللہ کے بخشے ہوئے سواری کے جانوروں پر سوار ہو کر اس کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھتے ہیں۔

ابوالحسین نوری کے چند اشعار۔**ترجمہ اشعار:**

''کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس نے مجھے فریفتہ کر کے مجھے میرے وطن سے بھگا دیا۔
جب میں غائب ہو جاتا ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر وہ ظاہر ہو تو مجھے غائب کر دیتا ہے۔''

ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:ایمان،یقین سے افضل ہے۔کیونکہ ایمان وطنات سے عبارت ہے جب کہ یقین خطرات سے۔اور یہ کہ ابوسلیمان علیہ الرحمۃ نے جس قدر اپنے یقین کا مشاہدہ کیا تھا اس قدر انہوں نے اس کے بارے میں کہا۔اور یہ کہہ کر انہوں نے گویا یقین سے اپنی اجنبیت کا اظہار بھی کیا،کیونکہ یقین،قلب میں معرفت کا قرار پکڑنے سے پیدا ہوتا ہے اور اسی کے مطابق مختلف لوگ مختلف درجات یقین پر فائز ہوتے ہیں۔

## الشرود

منازلات حقائق اور حقوق سے لازم رہنے سے صفات کے علیحدہ ہونے کو'شرود' کہتے ہیں۔

ابن الاعرابی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:کیا تو نے نہیں دیکھا کہ'مشردین' ہر وادی میں بغیر کسی مقصد کے پھرتے ہیں اور ہر چمکنے والی شے کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

واسطی علیہ الرحمۃ نے کہا:اللہ تعالیٰ نے بندے کو تربیت احوال کی غذا عطا کی اور اسے اعمال میں مشاہدے سے نوازا لہٰذا اس پر واجب ہے کہ وہ زندگی میں صدقِ فقر اور صدقِ لجاء اختیار کرے تاکہ اس پر شرود حملہ نہ کر سکے۔اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرود کی ذلتیں اٹھاتا پھرے اور لوگوں سے مدد مانگتا پھرے۔اگر اسے اپنے احوال میں صدقِ وجد کی کیفیت حاصل ہو تو کوئی

وجہ نہیں کہ وہ شرود سے مامون نہ رہے۔

## قصود

قصد کی جمع ہے یعنی سچے ارادے۔ اور سچی نیتیں جو اللہ کی طرف رجوع ہونے پر مبنی ہوں۔

احمد بن عطاء علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: جس نے حق کے علاوہ کسی اور کا ارادہ کیا وہ حق کی نگاہوں میں حد درجہ گر گیا۔

واسطی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: مختلف ارادوں کے خیالات دل میں لانا معبود کا انکار ہے۔ اور جو مقصود کو پیش نظر رکھتا ہو وہ ارادوں کو کب دیکھتا ہے۔

واسطی علیہ الرحمۃ کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ جو بندہ اپنے ارادے میں مقصود کو مطمع نظر بنائے ہوئے ہو وہ ارادوں کو کب دیکھتا ہے۔

واسطی علیہ الرحمۃ کے قول کی وضاحت یہ ہے کہ جو بندہ اپنے ارادے میں مقصود کو مطمع نظر بنائے ہوئے ہو اسے ارادوں کا احساس تک نہیں رہتا۔

## اصطناع

اصطناع ایک ایسا مرتبہ ہے جس پر فقط انبیاء علیہم السلام اور صدیقین رضوان اللہ علیہم اجمعین فائز ہوتے ہیں۔

بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ اصطناع کے مرتبہ پر فقط موسیٰ علیہ السلام فائز تھے کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ [طٰہٰ:٤١]

ترجمہ: ''میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔''

جب کہ کچھ صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اصطناع فقط انبیاء علیہم السلام ہی کا حصہ ہے۔

ابو سعید خراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اللہ کی طرف سے جو پہلی چیز ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ اس نے بندوں کو ان کے نفوس میں پوشیدہ کر دیا پھر ان کے نفوس میں فنا کر دیا۔ اور انہیں اپنے لیے تیار کیا اور یہ توحید کے دائمی ظہور کے لحاظ سے توحید میں داخل ہونے کے لیے پہلا قدم ہے۔

کسی شیخ سے مندرجہ ذیل آیات کی وضاحت پوچھی گئی:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ [طٰہٰ:٤١]

ترجمہ: ''اور میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔''

لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿٣٩﴾ [طٰہٰ:٣٩]

ترجمہ: ''اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔''

تو فرمایا: اس درجہ تک پہنچنے کے لیے جو محنت و جانفشانی کرنا پڑتی ہے اس سے نہ تو کوئی نبی بچ سکا اور نہ ہی کوئی ولی۔

## اصطفاء

اصطفاء کا معنی ہے چن لینا، منتخب کر لینا۔ یہ اسمِ مشترک ہے۔ قولِ خداوندی ہے:

اجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ [الانعام:۸۷]

ترجمہ: ''اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی۔''

اور فرمایا:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ [الحج:۷۵]

ترجمہ: ''اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔''

واسطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اس نے تجھے خود شروع فرمایا، اپنے لیے منتخب کیا پس جس نے اس مقام پر غرور و فخر کیا تو اس نے جو کچھ کیا وہ خطرے میں پڑ گیا اور جس نے اس کی طرف پوری توجہ کی اسے اس مقام سے ہدایت ملی۔

## مسخ

مسخ کا معنی اصطلاح صوفیہ میں قلوب کا مسخ ہو جانا ہے۔ یہ کیفیت ان کی ہوتی ہے جو اس کے در سے دھتکارے گئے ہوں حالانکہ پہلے ان کے قلوب متوجہ الی اللہ تھے مگر انہیں اعراض کرنے کے سبب مسخ کر دیا گیا اور ان کی توجہ حظوظ کی بجائے حقوق کی طرف لگا دی گئی۔ اگر کوئی کہے کہ فلاں کو مسخ کر دیا گیا تو مراد یہ ہوگی کہ اس نے اپنے قلب کے ساتھ اعراض کیا۔

## لطیفہ

لطیفہ ایک اشارہ ہے جو فہم میں روشن اور ذہن میں چمکتا ہے اسے باریکی مفہوم کی وجہ سے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ابو سعید ابن الاعرابی کہتے ہیں: حق تعالیٰ تجھے اپنے پاس سے ایک لطیفہ عطا کرنا چاہتے ہیں جس کے ذریعے تو اس کی مرضی کے مطابق اس کا ادراک حاصل کر لے۔

ابو حمزہ صوفی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: تو نے میرے معاملے میں میرے ساتھ تلطف کیا تو نے میرے غائب کے لیے حاضر کو ظاہر فرمایا، بلاشبہ لطف کا حصول لطف سے ہی ہوتا ہے۔

## امتحان

امتحان سے مراد آزمائش ہے اللہ کی جانب سے۔ جو اللہ کی طرف بڑھنے والے قلوب پر ڈالی جاتی ہے۔ اور یہ آزمائش اس طرح ہوتی ہے کہ قلوب ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور بکھرے جاتے ہیں۔

خیر النساج علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں ایک مسجد میں داخل ہوا تو میرے مریدین میں سے ایک نوجوان مجھ سے کہنے لگا: اے شیخ! مجھ پر کرم کرو کیونکہ میری آزمائش بری ہے۔ میں نے پوچھا آزمائش کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے آزمائش کو کھو دیا اور عافیت سے ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ یہ ایک بڑی آزمائش ہے۔

امتحان تین طرح کا ہوتا ہے: ایک سزا کی صورت میں دوسرا کفارا اور کسی چیز سے آزمانے کی صورت میں جب کہ تیسرا درجات میں بلندی کی صورت میں ہوتا ہے۔

## حدث

یہ اسم ہے اس شے کے لیے جو موجود نہ تھی اور ہوگی۔

صوفیہ کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عوام الناس کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے تو اپنی نشانیوں میں سے کوئی نشانی پیدا فرماتا ہے۔ اور جب خواص کو متنبہ کرنا چاہتا ہے تو ان کے قلوب سے نئی پیدا شدہ اشیاء کا ذکر زائل فرما دیتا ہے۔

## الکلیۃ

کلیۃ کسی شے کی اس مجموعی شکل کو کہتے ہیں کہ اس میں کچھ باقی نہ رہے یعنی تمام کا تمام۔

جب کوئی شخص لفظ کُل استعمال کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں تاہم معنی کے لحاظ سے باقی رہنا برقرار رہتا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ کوئی بندہ پوری طرح عبودیت پر فائز نہیں ہوتا بلکہ اس میں سے کچھ پہلو غیر اللہ کے لیے باقی رہتے ہیں۔

کسی اور صوفی کا قول ہے کہ اگر تو اللہ کے حضور تمام کا تمام حاضر ہو تو وہ کل الکل کے ساتھ تیری طرف بڑھے گا۔

کسی کا شعر ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''تیرے لیے میرے وجود کا پوری طرح حاضر ہونے کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ گویا تو اپنے کل الکل کے ساتھ میرے کل کی طرف بڑھتا ہے۔''

## تلبیس

کسی شے کو اس کی ضد کے اوصاف کے ساتھ آراستہ کرنا تلبیس کہلاتا ہے۔

واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تلبیس عین ربوبیت ہے۔ یعنی وہ مومن کو کافر اور کافر کو مومن کے لباس میں ظاہر فرماتا ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

وَ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ [الانعام:۹]

ترجمہ: ''اور ان پر وہی شبہ رکھتے ہیں جس میں اب پڑے ہیں۔''

جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وہ التباس سے ملا ہوا اور احساس میں متلون انداز سے شامل ہے۔ قناد علیہ الرحمۃ کا ایک شعر اسی ضمن میں ملاحظہ ہو۔ **ترجمہ شعر:**

''ہم پر ہر دھوکہ دینے والے کے بارے میں اس وقت دھوکہ دہی کا انکشاف کیا جاتا ہے جب وہ اپنے دعوے میں گمراہ ہو جائے اور وہ کسی کی شے کو اپنے ظاہر کرنے میں ناکام ہو جائے۔''

## شرب

ارواح و اسرارِ پاکیزہ کا وارد ہونے والے کرامات کا استقبال کرنا اور ان کرامات سے لطفِ نعمت حاصل کرنے کو شرب سے مشابہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایسی کیفیت میں بندہ پر قربِ مولیٰ کے انوارِ مشاہدہ وارد ہوتے ہیں تو وہ ان سے خوشی حاصل کرتا اور نعمت کا لطف اٹھاتا ہے۔

ذوالنون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ان کے قلوب بحرِ محبت پر وارد ہوئے اور اس میں سے چلو بھر بھر کر دلوں کو خطرے میں ڈال کر سیراب ہوئے تو لقاء محبوب میں حائل ہر مشکل ان پر آسان ہوگئی اور ہر رکاوٹ دور ہوگئی۔

**ترجمہ اشعار:**

''میں نے تیری یاد میں کئی پاکیزہ پیالے نوش کئے۔ اس لیے اب تیری (محبت) میں قلب کو کوئی علت لاحق نہیں ہوسکتی۔

اب تیرے سوا کسی اور شے کی طرف میرا کوئی میلان نہیں۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ میں تجھ سے بے توجہ ہوں تو زندہ ہی نہ رہوں۔''

## ذوق

ذوق شرب کی ابتداء ہے۔

ذوالنون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جب اللہ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی محبت کے جام پلائے تو انہیں اپنی محبت کی لذتوں کا مزا چکھایا اور انہیں اس کی حلاوت سے نوازا۔

اسی سلسلہ میں کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

''وہ کہتے ہیں کہ ان کی مثال بچہ گم کر دینے والی عورت کی سی ہے یعنی وہ اس کی طرح بے قرار ہیں۔ مگر اس نے تو بچہ گم ہی نہیں کیا یعنی وہ تو بے قرار ہی نہیں ہوا جس نے دوستوں کی جدائی کے صدمے ہی نہ اٹھائے ہوں۔''

## عین

عین اشارہ ہے اس شے کی ذات کی طرف جس سے اشیاء ظاہر ہوں۔

واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ایک گروہ صوفیہ جو اس بحث میں الجھا تھا کہ مصادر کلام کہاں ہیں کہ در یں اثناء وہ عین پر پہنچ گئے اور اس نے انہیں بحث وطلب سے ہی بے نیاز کر دیا۔

جنید علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ابویزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے حالات و واقعات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ وہ عین الجمع تک رسائی حاصل کر چکے تھے اور یہ عین الجمع اسماء توحید میں سے ایک اسم ہے جس کی اپنی خصوصیات ہیں جن سے اس پر فائز صوفیہ ہی باخبر ہوتے ہیں۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ کا ایک شعر۔ **ترجمہ شعر:**

''سب کچھ گزر گیا اور نہ کوئی عین رہا نہ کوئی شان قوم عاد اور ان کی قدیم جنت بھی معدوم ہوگئی۔''

## اصطلام

اصطلام خصوصیت ہے ایسے غلبہ کی جو عقلوں پر وارد ہو کر انہیں اپنے غلبہ وقوت کے ساتھ سلب کر لیتی ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ قلوب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کو آزمایا گیا ہوتا ہے اور دوسرے وہ جن کو اصطلام لاحق ہو

چکا ہوتا ہے۔اگر اصطلام واقع ہوتو قلوب جاتے رہتے ہیں۔کسی نے کہا ہے۔**ترجمہ اشعار:**

''جب میری محبوبہ میرے سامنے ظاہر ہوتی ہے تو میں اسے اس قدر عظیم سمجھنے لگتا ہوں کہ اس شخص
کی طرح واپس ہونے لگتا ہوں جو آیا ہی نہیں۔
اور میری یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مجھ سے سب کچھ چھن جاتا ہے اور مجھ سے وہ سب کچھ پوشیدہ کرلیا
جاتا ہے جو میں نے پالیا ہوتا ہے۔''

## حریت

حریت سے اشارہ کیا جاتا ہے اللہ کی عبودیت اختیار کرنے کی نہایت پالینے کی طرف۔وہ اس طرح کہ مخلوقات میں سے کوئی تجھ پر غالب نہ آسکے اور تو جب اللہ کی بندگی اختیار کرے تو تو پہلے سے آزاد ہو۔جیسا کہ بشر بن حارث حافی علیہ الرحمۃ نے سری سقطی علیہ الرحمۃ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھے آزاد پیدا فرمایا لہٰذا اسی طرح رہ جس طرح اس نے تجھے پیدا فرمایا، لہٰذا تو اپنے متعلقین ورفقاء سے سفر ہو کہ حضر دور رہ۔اللہ تعالیٰ کے لیے تمام اعمال انجام دو اور لوگوں کو خود سے دور چھوڑ دو۔

جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: عارف کا آخری مقام حریت ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ کوئی بندہ اللہ کا سچا بندہ نہیں بن سکتا جب تک وہ غیر اللہ کا غلام بنا رہے۔

## رین

رین (زنگ) سے مراد وہ زنگ ہے جو دلوں کو لگ جاتی ہے۔قول باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ [التطفیف:۱۴]

**ترجمہ:** ''کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھادی ہے ان کی کمائیوں نے۔''

کسی عالم کا قول ہے کہ حجابات قلب تین قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ مہر کی صورت میں اور یہ کفار کے دلوں پر لگی ہوتی ہے۔
۲۔ زنگ اور قساوت کی صورت میں اس کا تعلق قلوب منافقین سے ہے۔
۳۔ زنگ اور حجاب کی صورت میں اس کا تعلق قلوب مومنین سے ہے۔

ابن الجلاء علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ ان کے والد کا نام جلاء کیونکر پڑا؟ انہوں نے جواب دیا ان کا نام جلاء اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ لوہے کی صیقل کرتے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ جب قلوب پر گفتگو کرتے تھے تو ان سے گناہوں کا زنگ اتار دیتے تھے۔

## غین

غین (بادل، تیرگی) کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ سے ایک روایت اسی ضمن میں مروی ہے جو کہ ضعیف ہے۔روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

البتہ میرے دل پر بادل چھا جاتے ہیں تو میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور دن میں ستر بار اس کے حضور

توبہ کرتا ہوں۔“ ❶

شارحین نے کہا کہ بادل جو رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر چھا جاتا تھا، اس کی مثال اس آئینہ کی سی ہے جس پر دیکھنے والے کی سانس سے بادل سا چھا جاتا ہے اور تھوڑی دیر بعد وہ بادل چھٹ کر آئینہ پھر سے صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔

بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ نبی کا قلب اس طرح کے کسی غلبۂ خلق سے متاثر ہو کیونکہ نبی کا قلب رویت سے مخصوص ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ [النجم:١١]

ترجمہ: ”دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔“

کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ سید دو عالم علیہ التحیۃ والسلام کے قلبِ اطہر کے بارے میں کچھ بیان کرے یا اسے کسی شے سے مثال دے یا اسے کسی طرح کی خفی یا جلی علت کا حامل قرار دے۔

ابوعلی رودباری علیہ الرحمۃ نے قلب پر بادل چھا جانے کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں۔ **ترجمہ اشعار:**

”غین (قلب پر چھانے والا بادل) حق کی صحبت میں رہنے والے اس قلب پر چھا جانے سے روک دیا جاتا ہے جو علتوں سے علیحدہ ہو گیا ہو۔

اور اگر ان علتوں کا سامنا سبقت حق کے ساتھ ہو جائے تو قلب پر بادل کا چھا جانا اپنے بوجھوں سے پھر جائے۔

لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ مقصد و مراد سے جو انوارِ توحید چمکتے ہیں وہ اس کی آرزو کو بیدار کرنے کا سبب ہوتے ہیں۔

اس سے واپس ہونا اس سے ملنے کے مترادف ہے اور اس کے سرائر، صاحبِ سرائر کے لیے کوئی چھا جانے والا بادل ظاہر نہیں کرتے۔“

## الوسائط

وسائط سے مراد وہ اسبابِ دنیا و آخرت ہیں جو بندے اور اللہ جل شانہ کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔

کسی شیخ سے وسائط کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: وسائط تین طرح کے ہوتے ہیں: وسائط مواصلات، وسائطِ متصلات اور وسائط مفصلات۔

وسائطِ مواصلات سے مراد حق تعالیٰ کی طرف جانے کے راستے کے صحرا متصلات سے مراد عبادات اور منفصلات سے مراد خواہشات نفس ہیں۔

ابوعلی رودباری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اللہ وہ پاک ذات ہے جس نے وسائط یعنی اسباب کو عارفین کے لیے رحمت بنایا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اس تک رسائی حاصل کر سکیں۔

---

❶ اس حدیث کو امام احمد نے مسند، امام مسلم نے صحیح اور ابوداؤد اور نسائی نے اپنی سنن میں روایت کیا۔

# شطحیات وکلماتِ صوفیہ جو بظاہر قبیح مگر دراصل صحیح ہیں

## معنی شطحیات اور منکرین شطحیات کی تردید

شطح کی جمع شطحیات ہے، اور شطح سے مراد وہ عجیب وغریب عبارات ہیں جو صوفیۂ کرام سے وجد و مستی کی انتہائی کیفیت میں صادر ہوتی ہیں۔

لغتِ عرب میں شطح کا معنی حرکت ہے جیسے کہا جاتا ہے: شَطَحَ يَشْطَحُ یعنی حرکت کرنا۔ اور آٹے کے گودام کو مشطاح کہتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

> ''فرات کے کنارے گھوڑوں کے گھاٹ، آٹے کے گودام کی طرف جانے والے رستے سے کچھ پہلے، پادری کی قبر کے نزدیک آتے کی چکیوں اور ہرنیوں کی خانقاہ جو کہ حسیناؤں کی خانقاہ ہے کہ پاس ٹھہر جا!
>
> اور جب پانی کے بندے کے پاس کوئی ہرنی جسے حسن نے صبح کی روشنی اوڑھ رکھی ہو ظاہر ہو۔ تو اس ہرنی سے میرا اسلام کہو جب بھی کوئی بہتری کی جانب پکارے۔''

آٹے کے گودام کو مشطاح اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں آٹے کو چھاننے کے لیے کثرت سے ہلاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات آٹا چھانتے وقت پہلوؤں سے آٹا گرتا بھی رہتا ہے۔ لہٰذا لفظ شطح حرکت سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ شطح واجدین کے قوی وجد کی حالت میں ان کے اسرار کی حرکت کے نتیجے میں صادر ہونے والے اس کلام کو کہتے ہیں جو سننے والے کو بظاہر عجیب سا لگتا ہے۔ اور شطح میں بیان کی گئی بات کا انکار کرنے والا یا اس پر اعتراض کرنے والا مفتون و ہلاکت میں پڑنے والا ہے۔ اور جو اسے سن کر کسی ایسے شخص سے رجوع کرے جو اس کا علم رکھتا ہو اور اس طرح وہ انکار اور اس پر بحث کرنے کو ہی ختم کر دے تو ایسا شخص بلاشبہ نجات پانے والا اور صالح ہے۔

اور شطح کی کیفیت تو ایسی ہوتی ہے جیسا کہ کسی تنگ نہر میں جب پانی چھوڑ دیا جائے تو پانی اس کے کناروں سے باہر نکل پڑے تو ایسے میں کہا جاتا ہے: شَطَحَ المَاءُ فِي النَّهَرِ۔ اس طرح ایک مبتدی صوفی جو بحالتِ وجد اپنے وجد کو اس قدر قوی پاتا ہے کہ وہ اپنے قلب پر وارد ہونے والے انوارِ حقائق کے غلبہ کا متحمل نہیں ہو سکتا تو یہ انوار اس کی زبان پر پھیل جاتے ہیں اور وہ ان کے بارے میں ایسی عجیب وغریب اور پیچیدہ گفتگو کرتا ہے کہ سننے والے کی سمجھ سے بالا ہوتا ہے۔ ہاں وہ لوگ اسے سمجھتے ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں۔ اس بنا پر ایسا کلام اہل اصطلاح کے ہاں شطح کہلایا جانے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے قلوب کھول دیئے ہیں، انہیں بلندی کی طرف جانے والے درجات کی طرف بڑھنے کی اجازت دے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب بندوں کو اپنی طرف آنے، متوجہ ہونے اور مراتبِ خواص پر مطلع ہونے کی

صلاحیت بخش دی، لہٰذا ان منتخب اولیاء میں سے ہر ایک اس حقیقت کو بیان کرتا ہے جسے وہ پا لیتا ہے۔ وہ اپنے حال اور قلب پر وارد ہونے والے انوار و حقائق ہی سے متعلق گفتگو کو زبان پر لاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے ارادوں سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو جاتے ہیں اور وہ اس مقام پر ہوتے ہیں جہاں تمام احوال و مقامات اور راستے آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ [يوسف:٧٦]

ترجمہ: ''اور ہر علم والے سے او پر ایک علم والا ہے۔''

اور فرمایا:

رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ [الزخرف:٣٢]

ترجمہ: ''اور ان میں ایک دوسرے پر درجوں بلندی دی۔''

اور فرمایا:

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ [بنی اسرائیل:٢١]

ترجمہ: ''دیکھو! ہم نے ان میں ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی۔''

کسی کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ اللہ کے اولیاء کے بارے میں زبانِ غیبت کھولے اور خود اپنے قیاس سے ان کے کلام سے مطالب اخذ کرے کیونکہ اولیاء اللہ اپنے اوقات میں مختلف اور احوال میں ایک دوسرے کے مقابلے میں فضیلت رکھتے ہیں اس طرح وہ احوال میں باہم ایک جیسے بھی ہوتے ہیں۔ اب اگر ان میں سے کوئی اپنے ساتھیوں سے زیادہ صاحب فضیلت ہو اور وسعتِ معرفت کا حامل ہو تو وہ اس بات کا اہل ہے کہ شطحیاتِ صوفیہ سے متعلق گفتگو کرے یا ان کے درست و نادرست ہونے کے بارے میں کچھ کہے اور اگر کوئی شخص ایسے صاحب مقام صوفیہ کے راستے پر چلا ہی نہ ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ صوفیہ کے اس طرح کے کلمات سے انکار کو جانے دے اور انہیں اللہ پر چھوڑ دے۔ اس کے علاوہ اگر اس نے صوفیہ سے متعلق کوئی غلط ریمارکس دیئے ہوں تو ان کے غلط ہونے کا اعتراف کرے۔

# تشریحِ علوم، علماء کی علمی مشکلات اور ان کی صحت پر دلائل

واضح رہے کہ علم پر مکمل عبور کسی ذہن کو حاصل نہیں کیونکہ علم انسانی اذہان سے کہیں وسیع تر ہے اس سلسلے میں موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعے کو ذہن میں رکھنا چاہیے جب کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفتِ جلال، اپنے ساتھ کلام کرنے، نبوت، وحی اور رسالت جیسے مناصب سے نوازا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے نبی صادق ﷺ کی زبان سے یہ کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندے کے علم کے جاننے سے عاجز تھے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا [الکہف:٦٥]

ترجمہ: ''تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی۔''

یہاں تک کہ انہوں نے اس بندے سے کہا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ [الکہف:٦٦]

ترجمہ: ''کیا میں تمہارے ساتھ رہوں۔''

اس طرح گویا موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کی شرافت وعلمیت کی تائید کی اور اس بات کا بھی اقرار کر لیا کہ وہ ان کی باتوں کا انکار نہیں کریں گے حالانکہ وہ شخص یعنی خضر علیہ السلام نبوت، رسالت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنے کی فضیلت کے لحاظ سے کسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر تم وہ کچھ جان لو جس کا علم مجھے ہے تو البتہ روؤ گے زیادہ اور ہنسو گے کم، تم عورتوں سے لذت یاب نہ ہو سکو گے، نہ ہی تم اپنے بچھونوں پر آرام کر سکو گے، اور بلند جگہوں پر جا جا کر بلند آواز سے اللہ کے حضور میں دعائیں مانگو کے کہ خدا کی قسم! اگر میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹا جاتا تو یہ میرے لیے بہتر ہوتا۔

اس حدیث کو اسرائیل نے ابراہیم بن مہاجر سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے مورق سے انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا۔

اس حدیث نبوی میں ذیل کی آیت مبارکہ کی تصدیق اور اس کے لیے دلیل موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ [المائدہ:٦٧]

ترجمہ: ''اے رسول! پہنچا دو جو کچھ اتارا تمہارے رب کی طرف سے۔''

آیت مبارکہ میں ما انزل الیك فرمایا۔ یہ نہیں فرمایا: ما تعرفنا به الیك۔

قول رسول اللہ ﷺ: ''اگر تم وہ کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں...... الخ'' کی تشریح یہ ہے کہ اگر وہ علوم جو وہ جانتے تھے انہیں لوگوں تک پہنچانے اور پھیلانے کا حکم ہوتا تو وہ ضرور ان کو لوگوں تک پہنچاتے۔ اور اگر لوگوں کے لیے ان کا جاننا مفید ہوتا تو وہ ضرور انہیں سکھاتے۔

## علوم رسالت مآب ﷺ

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ختم الرسل ﷺ کو تین قسم کے علوم عطا فرمائے:

ایک علم جو خاص و عام یعنی ہر ایک کے لیے واضح ہے۔ اور یہ علم حدود الٰہی، اور امر و نہی پر مشتمل ہے۔

دوسرا علم جو صرف صحابہ کرامؓ کو دیا گیا یعنی وہ علم جو حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جانتے تھے حتیٰ کہ عمر الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی عظمت و فضیلت کے باوجود ان سے دریافت فرمایا کہ اے حذیفہ! کیا میں منافقین میں سے ہوں؟ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے علم کے ستر باب سکھائے۔ جنہیں میرے بغیر کوئی اور نہیں جانتا۔

صحابہ رسول ﷺ و رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جس کو بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی تو وہ اس کے حل کے لیے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے۔

تیسرا علم وہ ہے جو فقط رسول اللہ ﷺ ہی کو عطا فرمایا گیا اور اس میں کوئی اور ان کا شریک نہیں۔ وہ وہی علم جس کی طرف آپ نے لو تعلمون ما اعلم کہہ کر اشارہ فرمایا۔

اسی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی کو بھی یہ خیال نہیں رکھنا چاہیے کہ وہ تمام علوم کو جانتا ہے اور اس طرح وہ مخصوصین کے کلام میں اپنی رائے سے غلطیاں نکالے، انہیں کافر و زندیق کہے حالانکہ وہ خود ان کے احوال و مقامات کی رفعتوں سے بے خبر ہو۔

## علوم شریعت کی اقسام

علوم شریعت کی چار اقسام ہیں:

قسم اول، علم روایت و آثار و اخبار پر مشتمل ہے اس علم کو ثقہ راوی ثقہ راویوں سے نقل کرتے ہیں۔

قسم دوم، علم درایت ہے۔ یہ فقہ و احکام پر مبنی ہے۔ اور علماء و فقہاء میں متداول ہے۔

قسم سوم، علم قیاس جو غور و خوض اور مخالفین کے خلاف دلائل لانے پر مشتمل ہے۔

یہ اہل بدعت و گمراہی کے خلاف حجت ثابت کر کے دین کی نصرت کا علم کہلاتا ہے۔

قسم چہارم، یہ وہ علم ہے جو تمام سے افضل ہے کیونکہ یہ علم، حقائق، انوار و تجلیات کے نزول، مجاہدات و ریاضت، خلوص طاعات، معاملہ باللہ، اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے، ہر وقت اسی کی طرف بڑھنے، ارادوں کی سچائی خواہشات و آفات سے باطن کی صفائی، خالقِ سماوات پر اکتفاء مخالفتِ نفس کر کے اسے مار دینے، احوال و مقامات میں صدق برتنے، خلوتوں اور جلوتوں میں ظاہراً اور باطناً دونوں طرح سے اللہ کے حضور حسن ادب سے رہنے، غلبۂ حاجات کے وقت فقط گزارہ کرنے پر اکتفا کرنے، دنیا سے منہ موڑ لینے، دنیا میں موجود اشیاء کو بلندیٔ درجات اور کرامات تک پہنچنے کے لیے ترک کر دینے پر مشتمل ہے۔

جو شخص علم روایت میں غلطی کرے تو وہ اپنی غلطی کے بارے میں اہل روایت سے نہیں پوچھتا اور درایت میں غلطی کرنے والا کبھی اہلِ روایت سے رجوع نہیں کرتا اور جو قیاس و نظر کے علم میں غلطی کرتا ہے وہ اہلِ روایت و درایت سے سوال نہیں کرتا اور جو علم حقائق و احوال میں الجھ جائے وہ اپنی الجھن کو کسی اور سے نہیں پوچھتا بلکہ یہ تمام لوگ اپنے اپنے مسائل، متعلقہ علم کے

ماہرین وعلماء سے سمجھتے ہیں۔

یہ ممکن ہے یہ یہ مندرجہ بالا تمام علوم آپ کو اہل حقائق کے ہاں تو مل جائیں گے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ علم حقائق آپ کو فقط ماہرین علوم شریعت کے ہاں مل سکے۔ ہاں ان میں جس کو اللہ چاہے عطا فرما دے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ علم حقائق تمام علوم کا پھل اور ان کا انجام ہے اور غایت جملہ علوم خود علم حقائق کی غایت ہے۔ جو اس تک رسائی حاصل کرے وہ ایک بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو جاتا ہے اور اس علم حقائق میں علمِ قلوب، علم معارف، علم اسرار، علم باطن، علم تصوف، تعلم احوال اور علم معاملات شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴿۱۰۹﴾ [الکہف:۱۰۹]

ترجمہ: ''تم فرما دو! اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ اگر چہ ہم ویسا ہی اور اس کی امدد کر لے آئیں۔''

کیا آپ نہیں جانتے کہ علم تصوف کے علماء باقی تین علوم شریعت کے علماء کے علوم کا انکار نہیں کرتے مگر باقی تینوں علوم شریعت کے علماء اہل تصوف کے علوم کا انکار کرتے ہیں ہاں جسے اللہ چاہے وہ انکار نہیں کرتا۔

ان علوم مذکورہ میں سے جو بھی اپنے اپنے علم میں مہارت تامہ حاصل کرے تو وہ اپنے ساتھیوں کے لیے امام ہوتا ہے اور وہ اپنے ہر مسئلے کو اسی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اگر کسی شخص میں یہ چاروں مذکورہ علوم جمع ہو جائین تو وہ امام کامل، قطب، حجتِ الٰہی، اور راہِ راست کی جانب بلانے والا کہلاتا ہے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کمیل بن زیاد سے ایک گفتگو کے دوران فرمایا: زمین اللہ کی حجتوں کو قائم کرنے والے سے خالی نہیں ہوتی تا کہ کہیں اس کی نشانیاں اور حجت باطل نہ ہو جائے۔ ایسے لوگ اگر چہ تعداد کے اعتبار سے بہت کم ہوتے ہیں مگر قدر و منزلت کے اعتبار سے عنداللہ بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔

اب ہم شطح اور شطحیات سے متعلق بحث کی طرف آتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ شطحیات کا صدور اہل کمال سے بہت کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے معانی میں متمکن ہوتے ہیں۔ شطح کا صدور زیادہ تر مبتدی ہی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ نہایات وغایات اور کمال کی طرف بڑھنے والا ہوتا ہے۔

# شطحیات ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ مع تفسیر جنید بغدادی علیہ الرحمۃ

جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کی شطحیات میں سے بہت کم کی تفسیر بیان کی ہے مگر دانشمند کم ہی سے زیادہ پر دلیل لاسکتا ہے۔

یہ بات میرے لیے محال ہے کہ میں جنید علیہ الرحمۃ کی تشریحات کو نظر انداز کر کے اپنی تشریحات پیش کروں۔

جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ابو یزید بسطامی سے متعلق بیان کردہ شطحیات مختلف انداز کی ہیں اور ان کے نقل کرنے والے بھی متفرق انداز سے نقل کرتے ہیں اور یہ شاید اس وجہ سے کہ یہ شطحیات مختلف احوال و مقامات میں کہی گئی ہیں۔ الغرض ہر بیان کرنے والا اپنے اپنے طریقے کے مطابق ضبط کرتا ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ نے ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے کلام کی شرح کی ہے تو اس وجہ سے کہ وہ خود بلند مقام اور کامل بصیرت کے حامل تھے دوسرے یہ کہ جس دریا سے سیراب ہوئے تھے وہ فقط انہی کا حصہ تھا۔

انہوں نے فرمایا: میں نے یہ دیکھا کہ ابو یزید بسطامی کے کلام کا مقصد و منتہیٰ بہت دور ہوتا ہے۔ یعنی ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے بہت کم کوئی سمجھ سکتا ہے صرف وہی شخص ان کے کلام سے پورا مفہوم اخذ کر سکتا ہے جو اس کے معانی کو جانتا ہو۔ اور اگر کوئی اس صلاحیت سے عاری ہو تو اس نے جو کچھ سنا اور سمجھا وہ قابل قبول نہیں۔

جنید علیہ الرحمۃ نے کہا کہ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا کلام اپنی قوت، گہرائی اور بلند معانی کے اعتبار سے ایک ایسے دریا سے سیراب ہوتا ہے کہ جو انہی کا حصہ ہے اور میں نے ان کے حال میں ایک ایسا بعید مفہوم و مطلوب پایا ہے کہ کم ہی کوئی اس کے بارے میں سن کر سمجھ سکے گا یا اس کی کوئی تعبیر کر سکے گا کیونکہ ان کا متحمل تو وہی ہو سکے گا جو اس کے معانی کو سمجھے گا اور جو ان کو سمجھنے یا برداشت کرنے کی استعداد نہیں رکھتا اس لیے یہ سب کچھ بے معنی ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یزید بسطامی کی شطحیات کو جس انداز میں پایا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ ایسے رموز و معانی پالیے تھے جن میں وہ مستغرق ہو چکے تھے اور حقیقت حق میں وارد ہونے سے پہلے اس میں فنا ہو گئے۔

اور یہ حقیقت حق ایسے معانی پر مبنی ہے کہ جس نے ان کو کوئی مرتبہ مستغرق کیا اور یہ معانی خود ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

جنیدؒ کہتے ہیں کہ جہاں تک ابو یزیدؒ کے حال کے ابتدائی مراحل ہیں تو وہ اس لحاظ سے مضبوط و محکم ہیں اور وہ ان مراحل کی انتہا کو پہنچے۔ آپ نے علم توحید سے متعلق حقائق بیان کئے مگر یہ سب کچھ ابتدائی حالات میں تھا کہ جن میں توحید کے مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔

میں ابو یزید بسطامیؒ کی جن شطحیات و کلمات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اگرچہ وہ کتابوں میں موجود نہیں کیونکہ علماء کے نزدیک ان کا تعلق مشہور و معروف علم سے نہیں، تاہم میں نے دیکھا کہ لوگوں نے ان کے معانی پر کافی غور و خوض کیا، ایک انہیں اپنے باطل نظریات کے لے حجت بناتا ہے تو دوسرا ان کے کہنے والے کو کافر سمجھتا ہے حالانکہ یہ سب لوگ ابو یزیدؒ کے کلمات کو غلط تشریحات میں غلطاں رہے بلاشبہ اللہ ہی راہ صواب دکھانے والا ہے۔

# ابو یزید بسطامیؒ کی ایک شطح اور اس کی تشریح

لوگوں میں ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے متعلق یہ حکایت بہت مشہور ہے اور میں یہ نہیں جانتا کہ یہ کہاں تک صحیح ہے یا غلط۔ بہر حال حکایت یوں ہے: ابو یزید نے کہا کہ ایک مرتبہ اللہ نے مجھے اوپر لے جا کر اپنے سامنے بٹھا دیا اور مجھ سے فرمایا: اے ابا یزید! میری مخلوق کی یہ خواہش ہے کہ تجھے دیکھیں۔ میں نے عرض کیا: مجھے اپنی وحدانیت سے آراستہ فرما دے، اپنی انانیت کا لباس مجھے پہنا دے۔ اور مجھے اپنی احدیت سے قریب کر دے تا کہ جب تیری مخلوق مجھے دیکھے تو وہ کہہ اٹھے کہ ہم نے خدا کو دیکھ لیا۔ ایسے میں گویا وہاں میری جگہ تو ہی ہوگا اور میرا وجود ہی نہ ہوگا۔

اگر مذکورہ واقعہ صحیح تو اس کی توضیح جنید علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''تفسیر کلام ابی یزید'' میں ان الفاظ میں کرتے ہیں: ابو یزید علیہ الرحمۃ کو حقیقت توحید کے کمال تک رسائی حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ کے ایک و منفرد ہونے کے حقائق سے ملبوس نہیں کیا گیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے اس کے عطا کرنے کی درخواست کی وگرنہ ان حقائق سے بہرور ہونے کی صورت میں ایسا سوال کبھی نہ کرتے۔

اور اس طرح کا سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کیفیت سے قریب تھے جو وہاں تھی نہ کہ وہ کسی ایسے مقام سے قریب تھے جس میں امکان و استمکان کا وجود ہوتا ہے۔ اور ابو یزیدؒ کے یہ الفاظ کہ ''مجھے لباس پہنا دے اپنی انانیت کا، مجھے آراستہ کر دے اپنی وحدانیت سے اور مجھے اپنی احدیت سے قریب کر دے۔'' تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی مطالبہ کیا وہ ان کے روحانی ظرف کے مطابق تھا۔ اور انہیں اسی قدر معرفت حاصل ہوئی جس کا انہوں نے اظہار کیا تھا۔

یہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جنید علیہ الرحمۃ نے ابو یزید کے قول کی اسی قدر تشریح کی جس قدر کہ الفاظ میں اشارات موجود تھے۔ مگر انہوں نے ان کے بارے میں لوگوں کے الزامات اور تنقیدات کا جواب دیا۔ بہر حال اس کے بارے میں ہم کچھ عرض کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ان کے قول اللہ نے اوپر لے جا کر مجھے اپنے پاس بٹھا دیا'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے مجھے مشاہدہ کرایا اور میرے دل کو اس مشاہدے کے لیے حاضر فرمایا کیونکہ تمام خلق اللہ کے سامنے ہے ان پر ایک سانس یا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا کہ جس میں وہ تمام ایک دوسرے سے مشاہدے کے اعتبار سے مختلف نہ ہوں۔

ایک اور حدیثِ نبوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو کہتے کہ میں خدائے جبار کے سامنے کھڑا ہوں۔

اور ابو یزید علیہ الرحمۃ کا قول ہے ''اس نے مجھ سے اور میں نے اس سے کہا۔'' تو اس میں شب و روز میں اللہ کے حضور مشاہدہ قلب کے ساتھ صفائے ذکر اور مناجات اسرار کی طرف اشارہ ہے۔ ہماری اس تشریح پر اس طرح کی تمام عبارات کو قیاس کرتے جائیں کیونکہ اس طرح کی ہر عبارت اس سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہے۔

اور یہ جان لو کہ جب بندے کو اپنے مالک کی قربت کا پختہ یقین ہو جائے اور وہ اپنے قلب کے ساتھ حضور خداوندی میں حاضر اپنے تمام خیالات و ارادات کا محافظ رہے تو ہر خیال جو اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ دراصل اس سے اس کے قلب

کے ذریعے اللہ کا خطاب ہوتا ہے۔

الغرض قلوب میں جو کچھ بھی حضور قلبی کے دوران واقع ہوتا ہے اس کا آغاز وانجام اللہ ہی کی جانب ہوتا ہے۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''آرزوؤں نے اس کی شبیہ بنائی اور وہ میرا ندیم بنا گویا میں نے گمشدہ و پوشیدہ کو ہی اپنے لیے
نعمت جانا۔''

آرزوؤں نے اسے تصور میں اس طرح جگہ دی کہ میں گویا اپنے قلب سے اس کے پوشیدہ راز کے ساتھ سرگوشیاں کرتا ہوں۔

کسی اور نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''جب میں نے اس کی محبت کا ارادہ کیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔
اگر (عاشق) ساری زندگی خون کے آنسو روتا رہے تو بھی میں اس پر ترس نہ کروں۔''

اوپر کے اشعار میں قلوب کی سرگوشیون سے متعلق کہا گیا ہے اور اس طرح کے کئی اشعار اور بھی ہیں۔

ابو یزید علیہ الرحمۃ کے قول: ''مجھے اپنی واحدنیت سے آراستہ کر، مجھے اپنی انانیت سے ملبوس فرما، اور مجھے اپنی احدیت سے قریب کر'' سے مراد ابو یزید علیہ الرحمۃ کا اپنے حال سے تجرید توحید اور حقیقت تفرید کے آخری مقام کو پانے والوں کے احوال کی جانب منتقل ہونا ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

آپ نے فرمایا: ''مفردین سبقت لے گئے۔'' [1]

عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ مفردین کون ہیں۔ آپ نے فرمایا: دکھ اور خوشی دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنے والوں کو مفردین کہتے ہیں۔

ابو یزید علیہ الرحمۃ کے قول: ''مجھے اپنی انانیت کا لباس پہنا حتیٰ کہ تیری مخلوق مجھے دیکھے تو یہ کہے کہ اس نے تجھے دیکھ لیا اور وہاں گویا میں نہیں تو ہی ہے۔'' کی تشریح یہ ہے کہ ابو یزید (علیہ الرحمۃ) فنا ہو جائے اور پھر وہ اپنی فنا سے بھی فنا ہو جائے گویا اس کی جگہ حق اپنی وحدانیت کے ساتھ جلوہ گر ہو اور نہ کوئی خلق پہلے ہو اور نہ کوئی موجودات میں سے ہو۔ الغرض اس طرح کی تمام باتیں آنحضرت ﷺ کے اس قول سے مستفاد ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب وہ میری نظروں میں عزیز ہو جاتا ہے تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ [2]

اس ضمن میں چند شعر ملاحظہ ہوں۔ **ترجمہ اشعار:**

''میں کون ہوں؟ محبوب! اور محبوب کون ہے؟ میں اگر تو مجھ کو دیکھ لے تو گویا تو نے ہم دونوں کو
دیکھ لیا۔

---

[1] امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔ بقول حاکم یہ حدیث، صحیح الاسناد ہے۔

[2] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

ہم دو روحیں ہیں جو ایک ساتھ ایک ہی جسم میں موجود ہیں۔ اللہ نے ہمیں جامۂ بدن پہنا دیا ہے۔"

مذکورہ اشعار میں اگر مخلوق میں سے کسی فرد کی دوسرے فرد سے محبت مس فنا ہو جانے کا یہ عالم ہے تو کہے اللہ کے ساتھ محبت کرنے کا عالم کیا ہوگا۔

کسی مرد دانا کا قول ہے کہ دو محبت کرنے والے اس وقت تک محبت کی حقیقت کو نہیں پا سکتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کو اس طرح نہ پکارے کہ اے میں!

یہ بحث خاصی طولانی ہے اور اس ضمن میں سب کچھ تو نہیں کہا جا سکتا بہر حال مختصراً بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

# ابو یزید بسطامیؒ کی ایک اور شطح اور اس کی تشریح

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے کہا: سب سے پہلے جب میں اس کی وحدانیت تک پہنچا تو پرندے کی شکل میں، جس کا جسم احدیت سے اور پَر ہمیشہ قائم رہنے سے بنے ہوئے تھے۔ دس برس تک فضائے کیفیات میں محو پرواز رہنے کے بعد پھر ایک ایسی فضا میں پہنچا۔ جو پہلی فضا سے کروڑ گنا بڑی تھی۔ میں مسلسل اڑتا رہا یہاں تک کہ میدانِ ازلیت میں وارد ہوا۔ یہاں میں نے احدیت کا درخت دیکھا۔ اس کے بعد ابو یزید علیہ الرحمۃ نے اس درخت کی زمین، جڑ، تنا، شاخوں اور پھل کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا: پھر میں نے دیکھا اور مجھے معلوم ہوا کہ سب کچھ دھوکہ ہے۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابو یزید علیہ الرحمۃ کے قول: ''سب سے پہلے جب میں اس کی وحدانیت تک پہنچا۔'' سے مراد ان کا توحید کو پہلی بار مشاہدہ کرنا ہے۔ گویا انہوں نے وہی کچھ بیان کیا جو انہوں نے دیکھا۔ اور آخری حد کا ذکر اس وقت کیا جب وہ وہاں تک پہنچ گئے اور آخری حد پر پہنچ کر ہی انہوں نے اپنے ٹھکانے کا ذکر کیا اور یہ سب کچھ دراصل طالبین حقیقت کا راستہ ہے جو وہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے اور علم توحید کے حقائق کو پانے کے لیے طے کرتے ہیں۔ اور یہی راستہ ہی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے سلسلے میں ان سالکین کی نظر میں مقبول ومحبوب ہے جو اس کے مشاہدات سے گزر چکے ہوتے ہیں۔

ابو یزید علیہ الرحمۃ کا یہ قول: ''اس فضائے کیفیت کی حیثیت کروڑ گنا بڑھ کر ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی استطاعت بھر اس مقام کی وضاحت کرنا چاہی مگر وہ ان کی توضیحات سے کہیں بڑھ کر نکلی۔ اس کے بعد انہوں نے وہ کچھ بیان کیا جو انہوں نے وہاں مشاہدہ کیا مگر یہی کچھ مطلوب ومقصود نہیں بلکہ اس راہ کے مشاہدات میں سے ایک ہے۔

الغرض جنید علیہ الرحمۃ نے جو کچھ شطحیات ابو یزید علیہ الرحمۃ سے متعلق وضاحتی انداز میں کہا وہ سمجھنے والوں کے لیے کافی ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جنید علیہ الرحمۃ نے ابو یزید علیہ الرحمۃ کے قول پر کی جانے والی تنقید کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب کہ اعتراض کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ انسان کے لیے یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ پرندہ بن کر اڑتا پھرے۔

ان بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ابو یزید علیہ الرحمۃ نے اڑنے سے ارادوں کی بلندی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور دلوں کی پرواز مراد لی ہے۔ اور اس طرح کا مفہوم خود لغت میں موجود ہے جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ قریب ہے کہ میں خوشی کے مارے اڑنے لگوں یا میرا دل اڑنے لگا۔ اور قریب ہے کہ میری عقل اڑ جائے، اسی مفہوم کے مطابق۔

یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ نے کہا: زاہد چلتا ہے اور عارف اڑتا ہے۔ یعنی عارف اپنے مطلوب کی طرف جانے میں زاہد سے تیز رفتار ہوتا ہے۔ اور ایسا کہنا جائز ہے۔

اس ضمن میں قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ [بنی اسرائیل:۱۳]

ترجمہ: ''اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی۔''

سعید بن جبیرؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ہر انسان کے ساتھ سعادت وشقاوت کو پہلے سے لاحق کر دیا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔ **ترجمہ اشعار:**

''جس روز وہ بچھڑے تو اس کے بعد کئی دن اس کے فراق میں اسی کوچ کے دن کی طرح آنسو بہاتے گزرتے۔''

اگر تو مجھے اس روز دیکھتا جب انہوں نے کوچ کیا تو میرا جسم تو موجود تھا مگر میرا دل ان کے ساتھ ساتھ اڑتا تھا۔

**ابو یزید علیہ الرحمۃ کے قول:** ''اس پرندے کے پَر اور جسم احدیت اور ہمیشہ قائم رہنے سے بنے ہیں۔'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے مقصود ومطلوب کی جانب پرواز کرنے میں اپنی طاقت واختیار سے بری ہے اور وہ ان الفاظ سے اپنی حرکت اور فعل کو ذات احد جو دائم ہے سے منسوب کرنا چاہتا ہے مگر اس کا اظہار کچھ عجیب وغریب الفاظ میں یعنی استعارۃً کرتا ہے اور اس طرح کی مثالیں واجدین اور تصور خدا میں مستغرق صوفیہ کے کلام میں جا بجا موجود ہیں کیونکہ جب کوئی صوفی خدا کے ذکر میں مستغرق ہوتا ہے اور اس کے قلب پر ذکر محبوب ہی کا غلبہ ہوتا ہے تو ایسے میں وہ اپنے احوال کو صفاتِ محبوب کے ذریعے بیان کرتا ہے جیسا کہ مجنون بنی عامر جب جنگلی درندوں کو دیکھتا تو انہیں بھی لیلیٰ کہہ کر پکارتا اگر پہاڑوں پر نظر ڈالتا تو انہیں لیلیٰ ہی کہتا اور لوگوں کو دیکھتا تو انہیں بھی لیلیٰ کا نام دیتا یہاں تک کہ جب اس سے پوچھا جاتا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اور حال کیسا ہے تو بھی جواباً لیلیٰ ہی کہتا۔

قیس العامری کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔ **ترجمہ اشعار:**

''جب دیار لیلیٰ سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو۔''

یہ دیار کی محبت نہیں کہ جس نے میرا دل موہ لیا ہے بلکہ اس کی محبت نے میرا دل لوٹ لیا ہے جو ان دیار کا مکین ہے۔

کسی اور کے شعر ہیں۔ **ترجمہ اشعار:**

''میں اپنے باطن سے تیری محبت کے بارے میں بحث کرتا ہوں مگر سوائے اپنے اور کچھ سجھائی نہیں دیتا تو تیرے بارے میں کیونکر جان سکتا ہوں کہ تیری حقیقت تو بہت بڑی ہے۔

اگر اس نے مجھے پالیا ہے تو کیسے کیونکر موجود تو صرف وہ خود ہے اور اگر اس نے میرے بارے میں کچھ بیان کیا ہے تو دراصل اس نے اپنے ہی بارے میں کچھ بیان کیا ہے۔''

الغرض اس طرح کی کئی مثالیں ہیں جو کہنے والوں نے بہت خوبی سے محبوب غیر حقیقی کے بارے میں خود کو مٹا کر کہی ہیں۔

**ابو یزید علیہ الرحمہ کے قول:** ''دس برس......الخ'' اور ''ایک کروڑ بار......الخ'' سے مراد جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے مطابق اللہ کی طرف جانے والے راستوں کے مقامات ہیں۔

**ابو یزید علیہ الرحمۃ کے اس قول:** ''یہ سب کچھ دھوکہ ہے'' سے مراد حقائق تفرید اور تجرید توحید کا عرفان پالینے کے بعد کون ومملکت کی طرف متوجہ ہونا فقط دھوکہ ہے۔ اور اسی بنیاد پر حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے کہا اگر ابو یزید بسطامی اس مقام

بلند پر فائز ہوتے جس کی طرف انہوں نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے تو وہ کبھی ابتدا، درمیانی مقام، جسم، پر، فضلا اور میدان کا ذکر نہ کرتے بلکہ ابتدائی اور درمیانی مقام سے ہی نکل جاتے اور جو انہوں نے کہا کہ میں نے جان لیا کہ یہ سب کچھ دھوکہ ہے تو یہ اس لیے کہ اہل نہایت کے ہاں اللہ کے سوا ہر شے کی طرف توجہ کرنا دھوکہ ہے۔ اور اگر کوئی اس بات کا انکار کرتا ہے تو اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پیش نظر رکھنا چاہیے کہ عربوں نے سب سے بڑھ کر جو سچ بات کی ہے وہ لبید کا یہ مصرع ہے۔

الا کل شئی ماخلا اللہ باطل. (1)

---

(1) شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

# ابو یزید بسطامیؒ کا ایک قول اور اس کی تشریح

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: میں میدان نفی میں وارد ہوا جس میں دس برس تک محوسفر رہا یہاں تک کہ میں نفی سے نفی کے ساتھ نفی میں داخل ہوا۔ اس کے بعد میں فناء کی منزل تک پہنچا اور یہی میدان توحید ہے۔ میں برابر نفی کے ساتھ فناء کی فضاؤں میں اڑتا رہا تو آ نکہ فناء ہونے میں فنا ہوا اور جب فنا ہوا تو خود فنا ہونے سے فنا ہو گیا (یعنی فنا کا احساس بھی نہ رہا) پھر نفی میں نفی کے ساتھ اس کے فنا ہونے سے فنا ہوا۔ تب جا کر میں خلق کے عارف سے غائب ہو جانے اور عارف کے خلق سے غائب ہو جانے کے ساتھ توحید کے مقام تک رسائی حاصل کر سکا۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہ کیفیت جو اوپر مذکور ہے اور اس طرح کی دیگر کیفیات شاہد کے ادراک پانے سے متعلق ہیں اور غیب کے شواہد کا علم پانے میں داخل ہیں۔ اور اس میں فناء کے وہ معانی ہیں جن کا تعلق فناء کے فنا سے غائب ہونے سے ہے۔

ابو یزید علیہ الرحمۃ کے قول: ''میں نفی کے میدان میں وارد ہوا یہاں تک میں نفی سے نفی کے ساتھ نفی میں داخل ہوا۔'' سے مراد یہ ہے کہ ایسا کہنا ابو یزید علیہ الرحمۃ کا حقیقت فنا تک پہلی رسائی تھی اور حاضر غائب ہر شے سے اس کا فانی ہونا تھا۔ اور فناء کے پہلی بار واقع ہونے کے ساتھ اس کے فناء کے آثار مٹ گئے۔ اور نفی کے ساتھ نفی ہونے سے مراد تمام اشیاء کا اس سے منفی ہونا اور خود منفی ہونے کے احساس کا بھی منفی ہو جانا ہے۔ یعنی کوئی شے ایسی نہیں جو محسوس کی جا سکتی ہو یا وہ موجود ہو گویا رسوم مٹ گئے اسما کٹ گئے، مقامات حضور غائب ہو گئے اور مشاہدہ سے متعلق ہر شے ختم ہو گئی پھر کوئی شے ایسی نہ رہی جسے پایا جاتا کوئی شے محسوس نہ ہوتی کہ اسے گم کیا جاتا اور نہ ہی کسی چیز کا کوئی نام رہا کہ اسے یاد رکھا جاتا۔ الغرض ہر شے ان سے پوری میں غائب ہو گئی اور وہ خود فنا میں ضائع ہو گئے۔ اور اس ضائع ہونے سے مراد نفی میں نفی کے ساتھ نفی ہونا ہے۔ جو کہ ہر شے کے مفقود ہونے کی حقیقت ہے اس کے بعد فقد نفس ہوتا ہے اور مقصود ہونے کا مفقود ہونے میں مفقود ہونا، مٹ جانے میں غوطہ زن ہونا اور فنا کا فنا سے فنا ہو جانا یہ سب ایسے امور ہیں کہ جن کی نہ تو کوئی انتہا ہے اور نہ کوئی وقت کہ جسے محفوظ رکھا جا سکتا ہو۔

جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابو یزید علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ ''میں دس برس تک میدان نفی میں پرواز کرتا رہا'' سے مراد ان کا وقت ہے اور اس کا کوئی معنی نہیں کیونکہ ایسے حال میں اوقات غائب ہوتے ہیں اور جب وقت گزرے اور جو اس سے غائب ہو اس سے بھی غائب رہے تو ایسے میں دس برس، سو برس یا اس سے زیادہ۔

حضرت جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ پھر ابو یزید بسطامیؒ نے کہا: ''پھر میں توحید سے خلق کے عارف سے غائب ہونے اور عارف کے خلق سے غائب ہونے کی حالت میں شناسا ہوا۔ جب میں توحید سے آ گاہ ہوا تو مجھ پر جملہ خلق کی اللہ سے غیبوبت اور اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات سے اپنی کبریائی میں علیحدہ و منفرد ہونا ثابت ہو گیا۔'' اس عبارت کی تشریح کے بارے میں جنیدؒ کہتے ہیں کہ یہ عبارت اپنے مطلب کے لحاظ سے خاصی واضح ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔

یہ تھیں وہ تشریحات جو جنیدؒ نے شطحیات ابو یزید سے متعلق بیان کیں۔ مگر یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جنید علیہ الرحمۃ نے جو تشریحات بیان کیں وہ بھی مشکل ہیں مگر اس کے لیے مشکل نہیں جو ان کا اہل ہو۔ کیونکہ ایسی باتیں اس شخص کے لیے دشوار فہم ہوتی ہیں جس نے علم میں تبحر حاصل نہ کیا ہو اور اللہ کی عظمت و کبریائی سے متعلق روایات اور کتابیں نہ پڑھی ہوں کہ جن کے ذریعے وہ ان علوم پر دلیل لا سکے جو کہ کتابوں کی صورت میں مدون نہ ہوں اور جن سے فقط اولیاء اللہ اور خواص و مقربین کے سینے ہی مالا مال ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کے صاحب فہم علماء ہی یہ جانتے ہیں کہ کس طرح فنا ہو گئی اور یہی وہ کیفیت جسے اہل معرفت کی زبان میں فنا کہا جاتا ہے۔ پھر فنا ہی فنا ہر وہ شخص جس نے اپنے اس حال میں جو اللہ کے چاہنے والوں کا خاصہ ہے، اضافہ پایا تو پھر مسلسل ہر سانس اور ہر لحہ اللہ کے ساتھ اس کے مخصوص حال میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور ہر سانس میں وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اور یہ سلسلہ لامتناہی چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ اور ہر وہ حال جس سے وہ دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے تو پہلے حال سے اس کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے اور ان کے قول نفی اور فنا سے فنا ہو جانے، دور ہو جانے، دور ہو جانے سے بھی دور ہو جانے اور میں گم ہوا پھر گم ہونے سے بھی گم ہو گیا'' جیسی عبارات کا مفہوم بھی یہی ہے۔

اگرچہ ان کی عبارات مختلف ہیں مگر ان کے معانی متفقہ اور حقائق مرتب ہیں۔ اس ضمن میں عبداللہ ابن عباسؓ کی وہ روایت ہے جو اس قول خداوندی سے متعلق ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ [حٰمٓ السجدہ:۱۰]

''پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''فرشتوں نے کہا اے رب! اگر زمین و آسمان وہ کچھ نہ بننا چاہیں جو آپ ان کو بنانا چاہتے ہیں تو اللہ نے فرمایا: تو میں ان پر ایک ایسا چوپایہ اپنے چوپایوں میں سے مسلط کر دیتا جو ایک ہی لقمے میں ان کو نگل جاتا۔ فرشتوں نے عرض کیا، اے ہمارے رب! وہ چوپایہ کہاں ہے۔ فرمایا: میری چراگاہوں میں سے ایک چراگاہ میں۔ فرشتوں نے کہا: وہ چراگاہ کہاں ہے۔ فرمایا: میرے پوشیدہ اور دور از فہم علم میں۔

یہاں اس روایت میں دیکھئے کہ چوپایہ اور لقمہ میں آسمانوں اور زمین کا گم ہونا پوشیدہ ہے جب چراگاہ میں گم ہو جانے سے بھی گم ہو جانا مضمر ہے۔ اور گم ہو جانے میں قلوب عارفین کے لیے تنبیہہ ہے لہٰذا جس نے اس تنبیہ کو اپنے قلب کے ساتھ مشاہدہ نہ کیا وہ کس طرح اپنے نفس، کائنات اور اللہ کی تمام مخلوقات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بعض کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا کہ اگر تو نے وہ کچھ نہ کیا جس کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں تو میں تمہیں اپنی بہت بڑی آگ سے جلا ڈالوں گا۔ کسی عارف سے اللہ کے قول ''تو میں تمہیں اپنی بہت بڑی آگ سے جلا ڈالوں گا۔'' کا مفہوم پوچھا گیا تو کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم پر اپنی محبت میں سے ایک ذرہ مسلط کرے گا تو جہنم کی حیثیت اس ذرے کے سامنے ایسی ہوگی کہ جتنے نانبائی کے تنور کی حیثیت پوری دنیا کی آگ کے سامنے

ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی کمتر۔

ابو یزید بسطامیؒ کے قول: ''نفی سے نفی کے ساتھ نفی میں......الخ'' سے وہ اپنی اس نفی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں وہ اس طرح منفی ہیں کہ جب کہ تمام اشیاء اپنے معانی اور وجود کے اعتبار سے اس حال میں کہ وہ اللہ کے لیے ہیں، اشباح ہیں اور یہ اشیاء اگرچہ ایجاد سے متعلق ہیں مگر اپنے حقائق کے لحاظ سے عدم واتی کے ساتھ مربوط ہیں۔ اور اہل حق کے لیے ان کے مشاہدے کے مطابق تقسیم شدہ مراتب ہیں۔

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ ۠ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ [البقرہ: ۲۴۶]

ترجمہ: ''اور اللہ تنگی اور کشائش کرتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پھر جانا۔''

# صاحبِ کتاب اللمع اور ابنِ سالم میں ابو یزید بسطامیؒ کی شطحیات پر ایک مباحثہ

## فرعون اور بایزید بسطامیؒ

میں نے ابن ابن سالم علیہ الرحمۃ کو اپنی مجلس میں ایک روز یہ کہتے سنا کہ فرعون نے وہ کچھ نہیں کہا تھا۔ جو بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے کہا۔ کیونکہ فرعون نے یہ کہا تھا: اَنَا ربُّکم الاعلیٰ جب کہ رب ایسا اسم ہے جس سے مخلوق کو بھی موسوم کیا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: فَلَانٌ رَبُّ دار۔ (فلاں گھر کا مالک ہے) ورَبُّ مَال (مال کا مالک) و رَبُّ بَیْت۔ مگر بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے کہا: سُبْحَانِیْ۔ حالانکہ سُبْحان اور سبوح اللہ کے اسماء میں سے ہیں۔'' جن سے غیر اللہ کو موسوم کرنا جائز نہیں۔

میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ سے کہا کہ تیرا یہ کہنا: تیرے نزدیک صحیح ہے کہ یہ قول ابو یزیدؒ کا ہے۔ اور یہ بھی کہ ان کا ارادہ بھی 'سبحانی' کہنے سے وہی تھا۔ جو ''انا ربکم الاعلیٰ'' کہنے سے فرعون کا تھا۔ اس پر ابنِ سالمؒ نے کہا۔ ان کی مراد اس سے کچھ ہو۔ بہر حال اس کے کہنے سے ان پر کفر لازم آتا ہے۔

میں نے کہا جب آپ کو ان کے خلاف یہ گواہی دینے کے لیے کہ سبحانی سے ان کی مراد کیا تھی۔ معلومات ہی حاصل نہیں۔ تو آپ کا انہیں کافر قرار دینا باطل ٹھہرا۔ کیونکہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انہوں نے کچھ کلمات کہے ہوں۔ اور ان کے بعد 'سبحانی'' کہا ہو۔ یعنی یوں کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سُبحانی، سُبحانی۔

اگر ہم کسی کو یہ کہتے ہوئے سنیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ [الانبیا:۲۵]

ترجمہ: ''میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی کو پوجو۔''

تو ہمیں یہ بات ہرگز نہیں کھٹکے گی۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ قرآنِ کریم کی آیت تلاوت کر رہا ہے یا یہ کہ وہ اللہ کی وہی تعریف بیان کر رہا ہے جو اللہ نے خود اپنے لیے بیان فرمائی ہے۔ اس طرح اگر ہم ابو یزید بسطامیؒ کو پیہم سبحانی سبحانی کہتے ہوئے سنیں تو ہمیں شک نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہے ہوتے تھے اور اس کا وصف خود اس کلام سے کر رہے ہوتے تھے جس میں اللہ نے اپنا وصف خود بیان کیا۔

جب معاملہ یہ ہے تو ہم نے جس قدر دلائل دیئے ان کے مطابق آپ کا ایک ایسے معروف زاہد و عارف کی تکفیر کرنا قطعاً محال ہے۔

میں نے خود ایک مرتبہ بسطام جا کر ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے اہل خاندان سے اس بات کی بابت پوچھا تو انہوں

نے اس کا انکار کر کیا اور کہا ہم اس طرح کی کوئی بات نہیں جانتے۔

بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے مزکورہ قول ''سبحانی'' سے متعلق اگر کتابوں میں ذکر نہ ہوتا اور لوگوں کی زبانی یہ واقعہ مشہور نہ ہوتا تو میں ہرگز اس کی طرف دھیان نہ دیتا۔

میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ کو ایک اور موقع پر اپنی مجلس میں یہ کہتے سنا کہ بایزید علیہ الرحمۃ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''میں نے عرش کے سامنے یا اس کے نزدیک اپنا خیمہ گاڑ دیا۔'' یہ کلمہ کفر ہے جو صرف کافر ہی کہتا ہے۔

ابن سالم علیہ الرحمۃ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ بایزید علیہ الرحمۃ جب یہودیوں کے قبرستان سے گزرے تو کہا: یہ معذور ہیں اور جب مسلمانوں کے قبرستان سے گزرے تو کہا: یہ دھوکے میں ہیں۔

ابن سالم علیہ الرحمۃ جلیل القدر بزرگ ہونے کے باوجود بایزید علیہ الرحمۃ پر طعن کرنے میں زیادتی کر جاتے ہیں اور وہ ان کو صرف اس لیے کافر قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے مذکورہ بالا کلمات کہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اللہ آپ سے درگزر فرمائے ہمارے ہاں کے علماء آج بھی ان کے مزار سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ مشائخ متقدمین کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ وہ ان کے نزدیک جلیل القدر عباد، زہاد اور اہلِ معرفت میں سے تھے۔ وہ یہ بھی ذکر کرتے تھے کہ ان کو اپنے ہم عصروں پر ورع، اجتہاد اور ذکر اللہ پر دوام رکھنے میں فوقیت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ ایک جماعت نے ان کے بارے میں یہ بیان کیا کہ ہم نے انہیں اس قدر ذکر الٰہی کرتے ہوئے دیکھا کہ تعظیم وخشیت خدا سے انہیں پیشاب کی جگہ خون آنے لگا۔ ان باتوں کے پیش نظر یہ کیسے جائز ہے کہ ہم ان کے بارے میں بیان کی جانے والی باتوں پر ان کی تکفیر کریں جب کہ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں کہ ایسا کہنے میں ان کی مراد کیا تھی یا کس سیاق میں انہوں نے ایسا کہا تھا اور نہ ہی ہمیں یہ علم ہے کہ یہ کلمات کہتے وقت ان پر کیا حال طاری تھا۔

کیا یہ ہمارے لیے درست ہے کہ ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے وجد حال اور وقت پر فائز ہوئے بغیر ان کے بارے میں کوئی رائے دیں اِلا یہ کہ ہم ان کے مقام پر فائز ہوں تو بات جچتی بھی ہے کیا اللہ تعالیٰ نے مومنین سے یہ نہیں فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ [الحجرات:۱۲]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔''

الغرض یہ وہ گفتگو تھی جو ابن سالم اور میرے درمیان بایزید بسطامیؒ سے متعلق روایات اور حکایات کے متعلق ہوئی۔

اگر ابو یزیدؒ سے منسوب اس بیان کو صحیح مان لیا جائے کہ ''میں نے عرش کے سامنے یا اس کے نزدیک اپنا خیمہ گاڑ دیا'' تو یہ کوئی نہ معلوم یا غریب کلام نہیں کیونکہ تمام خلق کائنات اور جملہ مخلوقات عرش کے نیچے اور اس کے سامنے ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ میں نے اپنے خیمے کا رخ رب العرش کی طرف کر لیا۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ کائنات میں ایک قدم کی جگہ بھی ایسی نہیں جو عرش کے سامنے نہ ہو۔ لہٰذا معترض کے لیے ان کے اس کلام میں اعتراض کی گنجائش ہی نہیں۔

ابو یزید علیہ الرحمۃ سے متعلق یہ قول کہ قبرستان یہود سے گزرے تو کہا: یہ معذور ہیں'' سے مراد یہ کہ جیسے وہ معذور ہیں کیونکہ جب بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے یہ دیکھا کہ ازل سے ان کے لیے شقاوت و بدبختی مقدر ہے تو کیونکر وہ ایسا کوئی عمل کر سکتے تھے جو شقی لوگوں کا نہ ہوتا۔ تو گویا وہ معذور ہی تھے۔ اور اس لحاظ سے وہ معذور نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے ہی

بیان کے مطابق اپنی کتابِ مقدس میں ان کی حالت یوں بیان فرمائی:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۣابْنُ اللّٰهِ [التوبہ:۳۰]

ترجمہ: ''اور یہودی بولے عزیز (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔''

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ [المائدہ:۱۸]

ترجمہ: ''اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جو بھی فیصلہ فرمایا وہ اس میں عادل اور جو بھی اس نے تخلیق کیا اس میں حکیم ہے۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ [الانبیاء:۲۳]

ترجمہ: ''اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے۔ اور ان سب سے سوال ہوگا۔''

ابو یزید علیہ الرحمۃ کا قول کہ وہ جب مسلمانوں کے قبرستان سے گزرے تو کہا کہ ''یہ دھوکے میں ہیں'' کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ واقعی انہوں نے ایسا کہا تھا تو بھی اس کی وجہ عامۃ المسلمین کا وہ مشہور خیال ہے جس کی بنا پر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو اعمال کیے ہیں اُن کی وجہ سے وہ نجات پائیں گے اور کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس طرح کے خیال سے مبرا ہوتے ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے انہوں نے مومنین کو مغرورین (دھوکے میں آئے ہوئے) کی ایک ایک سانس اور حرکت کی ابتدا و انتہا اسی سے اور اسی پر ہوتی ہے۔ جس نے فضل الٰہی اور اس کی وسعتِ رحمت کے بغیر یہ سمجھا کہ نجات پا جائے گا تو بلاشبہ وہ دھوکہ و ہلاکت میں پڑ گیا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سید الانبیاء اور امام الاتقیاء ﷺ نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جسے اس کے اعمال نجات دلا سکیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا آپ بھی، فرمایا: میں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہاں اس صورت میں کہ میرا رب مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

## صوفیہ کرام پر علم الحقائق تک رسائی حاصل کیے بغیر معترض ہونا گمراہی ہے۔

الغرض وہ لوگ جن کے جوارح مضبوط اور علم و ادب سے مالا مال ہوں ان کے کسی قول یا واقعے پر بایں وجہ اعتراض کرنا کہ ان کے ادراک سے اس کا مفہوم باہر ہو، وہ بلاشبہ عالم کی لغزش، حکیم کی لایعنی بات اور عاقل کی کھلی ہوئی غلطی ہے اور بسا اوقات اسی طرح کسی حکیم کی حکمت کو غلط معانی پہنا دیئے جاتے ہیں کیونکہ ان کی حکمت کو کوئی ایسا شخص بیان کرتا ہے جو خود اس کے مفہوم سے بے خبر اور اس کا ادراک مرادِ متکلم سے دور رہتا ہے تو ایسے میں اصل مفہوم کا الٹ لوگوں کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو متکلم میں غلطی دکھائی دیتی ہے جو خود اس حکمت کے مقصد سے نابلد اور معانی سے بے خبر ہوتا ہے۔ کیونکہ علوم کے سربستہ راز کو کسی سربستہ راز ہی کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ حکمت میں غلط معانی پہنانے کا عمل دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک حروف میں تحریف یہ آسان ترین طریق ہے، اور دوسرا طریق معانی میں تحریف کا ہے جیسے کوئی حکیم اپنے حال اور اوقات کے مطابق کچھ کہے مگر سننے والے کو اس جیسا حال اور وقت حاصل نہ ہو تو ایسے میں وہ اپنے مقام و احوال کے مطابق اس کی غلط تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح غلطی کر کے ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں۔

## اکتسابِ فیض کا طریق

میں نے ابوعمرو بن علوان علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے جنید علیہ الرحمۃ سے سنا اور انہوں نے فرمایا: میں نو عمر تھا کہ

صوفیہ کرام کی صحبت میں بیٹھتا اور ان کی ایسی باتیں سنتا رہتا جنہیں سمجھنا میرے بس سے باہر تھا۔ مگر اس کے باوجود انکار سے میرا دل ہمیشہ محفوظ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ان سے فیض پایا۔

## ذکر اور مذکور

میں نے سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا اسے اس بات سے زیادہ تقویت ملتی ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ میں ابن سالم علیہ الرحمۃ سے کلام بایزید پر بحث کے بعد ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ سے متعلق یوں بیان کیا کہ سہل بن عبداللہ علیہ الرحمۃ نے کہا: اللہ کا ذکر زبان سے کرنا ہذیان اور قلب میں ذکر الٰہی کو جاری رکھنا وسوسہ ہے۔ جب ابن سالم علیہ الرحمۃ سے اس قول کی تشریح کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا: سہل بن عبداللہؒ کی مراد یہ تھی کہ بندہ مذکور کے ساتھ قائم رہے نہ کہ ذکر کے ساتھ۔

## ابن سالمؒ کے مرید خاص اور صاحب کتاب اللمع

ایک اور مجلس میں ابن سالمؒ نے سہل بن عبداللہؒ سے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے کہا: میرا مولا نہیں سوتا اور میں بھی نہیں سوتا تب میں نے ابن سالمؒ کے ایک مرید خاص سے کہا کہ اگر ابن سالمؒ، سہل بن عبداللہؒ کی جانب بہت زیادہ مائل نہ ہوتے تو وہ ان کی بھی اسی طرح تغلیط و تکفیر کرتے جیسے انہوں نے بایزید بسطامیؒ کو اپنی تکفیر کا نشانہ بنایا تھا، کیونکہ سہیل بن عبداللہؒ جو ابن سالمؒ کے امام اور ان کے نزدیک تمام لوگوں سے افضل ہیں، اگر ان کے وہ اقوال وکلمات جو ابن سالمؒ بیان کرتے ہیں کوئی ہدفِ تنقید بنانا چاہے تو بخوبی بنا سکتا ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ سہل بن عبداللہؒ کے اقوال کی کوئی ایسی تشریح ہوسکتی ہے جس پر نا قد تنقید نہ کر سکے تو پھر ایسی کوئی تشریح ابو یزید بسطامیؒ کے اقوال کے بارے میں کیوں نہیں روا رکھی جاتی تا کہ ان کے اقوال کو بھی سہل بن عبداللہ کے اقوال کی طرح ہدفِ تکفیر نہ بنایا جا سکے۔ میری یہ بات سن کر ابن سالمؒ کے مرید خاص پر مکمل سکوت طاری ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی جانب سے عصمت و تائید، انوارِ نبوت، اللہ سے ہم کلامی اور رسالت کے حامل نہ ہوتے تو وہ حضرت خضر علیہ السلام کے قتل نفس کرنے، جو کہ گناہ کبیرہ میں سے بھی سب سے بڑا گناہ ہے، پر اعتراض نہ کرتے اور نہ ہی وہ یوں کہتے جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے:

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝ [الکہف:۷۳]

ترجمہ: ''کیا تم نے ستھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی بے شک تم نے بہت بری بات کی۔''

اور حضرت خضرؑ نے یوں جواب دیا:

اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ [الکہف:۷۴]

ترجمہ: ''میں نے آپ سے نہ کہا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے۔''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً کہا:

اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ [الکہف:۷۵]

ترجمہ: ''اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں تو پھر میرے ساتھ نہ رہنا۔ بے شک میری طرف سے تمہارا

عذر پورا ہو چکا۔''

جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ خود دیکھ لیا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے قتل نفس کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا اور اس کے لیے قصاص کا حکم دیا تو ان پر لازم تھا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے قصاص کا مطالبہ کرتے ان سے علیحدہ ہو جاتے اور ان کی صحبت و مجلس میں بیٹھنے کو جائز نہ سمجھتے مگر اللہ کی طرف سے خصوصی توفیق و ہدایات کے حامل ہونے کی وجہ سے معاملے کی صورت بدل جاتی ہے۔

روز قیامت تک ہر دلی اور صدیق کا یہی شعار رہے گا مگر ان میں سے کوئی بھی درجۂ نبوت کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

ابو یزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کبھی کسی دیوار کا سہارا نہیں لیا سوائے مسجد اور سرائے کی دیوار کے۔ اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے انہیں بجز روزِ عید کبھی روزے کے بغیر نہیں دیکھا یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، ان کے (زہد و عبادت) کے بارے میں اس طرح کی روایات بکثرت ملتی ہیں۔

# مفلوظاتِ ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ اور ان کی تشریح

## تصرفِ اولیاء

مجھ سے ابوعبداللہ ابن جابان علیہ الرحمۃ نے کہا کہ میں ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں قحط سالی کے دوران حاضر ہوا انہیں سلام کیا جب رخصت ہونے کو اٹھا تو انہوں نے مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے فرمایا: جاؤ! میں تمہارے ساتھ ہوں جہاں کہیں بھی جاؤ تم میری حفاظت میں ہو۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ ان کے مذکورہ قول میں نکتہ یہ ہے کہ قلب پر تجریدِ توحید اور حقیقت تفرید کے غلبہ سے وہ خود کو فانی اور لاشی دیکھتے تھے اور جب صاحب وجد کی کیفیت یہ ہو تو وہ لفظ اَنَا (میں) سے اپنے وجد اور اس حال کو مراد لیتا ہے جو اس کے باطن پر چھا گیا ہوتا ہے اور ایسے میں اَنَا سے وہ اپنے مولا کے قرب کے مشاہدہ سے متعلق غالب آ جانے والی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

میں نے حصری علیہ الرحمۃ سے سنا کہ شبلیؒ کہا کرتے تھے: میں نے اپنی ذلت کو یہود و نصاریٰ کی ذلت کے مقابل رکھا تو میری ذلت ان کی ذلت سے بھی بڑھ کر نکلی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مذکورہ دونوں اقوال میں باہمی تعارض ہے تو ہمیں یہ کہیں گے کہ دونوں روایات اپنی جگہ صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں حقیقت یہ ہے کہ دونوں مختلف اوقات و احوال میں ان سے سرزد ہوئے پہلا قول جب انہوں نے ادا کیا تو خالصتاً صفا مشاہدہ کی بنا پر اور انہوں نے جو کہ محض خالص توحید کی حقیقت کو پا کر اور خود کو مٹا کر کہا مگر جونہی وہ دوسری حالت میں آئے یعنی خالص بشری حالت کی طرف لوٹے تو اپنی عاجزی و انکساری کی وجہ سے انہوں نے جو پایا وہی بیان کیا۔ جیسا کہ یحییٰ بن معاذ رازی کہتے ہیں کہ بندہ جب اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو فخر کرتا ہے اور جب اپنے نفس کو یاد کرتا ہے تو فقیر و حقیر ہو جاتا ہے اور یہ نکتہ علوم شرعی میں موجود ہے۔

## مقام مصطفی و انکسار مصطفی ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سوائے اللہ کے مجھ میں کوئی اور شے نہیں سماتی، اور میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مگر مجھے کوئی فخر نہیں۔

آپؐ سے ہی روایت ہے کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو، میں تو اس عورت رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہوں جو دھوپ میں سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھی۔

ان دونوں روایتوں میں اوقات و احوال کے اعتبار سے کس قدر فرق ہے۔ سطور گزشتہ میں ہمارے موقف کی طرف شبلیؒ کے بارے میں یہ حکایت بھی اشارہ کرتی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا لے کر کھالیا۔ اور کہنے لگے کہ

میرے نفس نے مجھ سے روٹی کا ٹکڑا طلب کیا، اور اگر میری روح عرش وکرسی کی طرف التفات کرتی تو جل جاتی اس قول میں روح کے عرش وکرسی کی طرف ملتفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میری روح عرش وکرسی میں، وحدانیت یا قدیم ہونے کا تھوڑا سا اثر بھی قبول کر لیتی تو جل جاتی کیونکہ عرش وکرسی دونوں حادث ومخلوق ہیں کہ نہیں تھے اور پیدا ہو گئے۔

ابو بکر شبلیؒ سے ایک موقع پر ابو یزید بسطامیؒ کے اقوال کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اگر بایزیدؒ آج موجود ہوتے تو ہمارے کسی بچے کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور کہا کہ اگر کوئی میری بات کو سمجھتا تو میں گلے میں زنار باندھ لیتا۔

میرے خیال میں شبلی علیہ الرحمۃ نے بھی بایزیدؒ کے بارے میں اسی جانب اشارہ کیا ہے جو جنیدؒ نے بایزیدؒ سے متعلق کہا کہ ابو یزید بسطامیؒ باوجود اپنے بلند رتبے اور حال کے ابتدائی احوال سے آگے نہیں نکلے اور میں نے ان سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں سنا جو ان کے کمال پر دلالت کرتا ہو۔

یہاں یہ بات اہم ہے کہ اس علم تصوف سے مخصوص لوگوں کو یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ اس کے احوال باقی تمام سے اعلیٰ وارفع ہیں اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اللہ ان پر غیرت کھاتا ہے دوسروں کے مقابلے میں تاکہ وہ کہیں ایک دوسرے میں ہی نہ کھو جائیں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ابو یزیدؒ نے ایسی باتیں کیں کہ جن کو سمجھنے سے ان کے ہم عصر لوگ قاصر رہے۔ مگر بعد میں جنیدؒ نے کہا کہ وہ ہدایت سے نہیں نکلے اور ہم نے ان سے ایک لفظ بھی ان کے کمال پر شاہد نہیں سنا۔ پھر شبلیؒ نے کہا کہ اج بایزیدؒ اگر یہاں ہوتے تو وہ ہمارے بچوں یعنی مریدوں کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے جبکہ کسی شیخ نے کہا کہ میں بیس برس تک شبلی کی خدمت میں رہا میں نے اس دوران کبھی ان سے توحید پر ایک لفظ تک نہیں سنا ان کی تمام تر گفتگو کا موضوع احوال ومقامات ہی رہتے تھے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا یہ صوفیہ عظام کے بلند معنیٰ اشارات ونکات میں سے بہت کم ہے کیونکہ حقیقت توحید کی نہ انتہا ہے اور نہ کوئی کنارا جب کہ ہر صاحبِ معرفت حقائق کے ایسے سمندر میں غرق ہے کہ اس کی حد بیان کی جا سکتی ہے نہ اس کی انتہاء معلوم کی جا سکتی ہے۔

# ابو بکر شبلیؒ کی ایک شطح کی تشریح

کسی صوفی نے کہا کہ میں ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں یہ کہتے ہوئے سنا: اگر گزشتہ ایک یا دو ماہ سے میرے دل میں جبریل و میکائیل علیہما السلام کا خیال تک بھی آیا ہو تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے دے کہ مجھے نگل لے۔

میں نے حصریؒ سے سنا کہ ان سے شبلی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے اگر تیرے دل میں جبریل و میکائیل علیہما السلام کا خیال تک بھی گزرے تو تُو نے شرک کیا۔

صوفیہ کی ایک جماعت کو میں نے دیکھا کہ وہ جبریل و میکائیل علیہما السلام جیسے مقرب ملائکہ کے بارے میں اس طرح کی بات کو ناپسند کرتے تھے۔ اور ایک حدیث ہے کہ سید الرسل ﷺ نے فرمایا: میں نے جبریل کو بوسیدہ کپڑے کی طرح دیکھا جس سے مجھے اس کی علمی فضیلت کا علم ہوا اور میں اپنے بارے میں اس سے ڈر گیا۔

اہل معرفت کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کو اپنے اوپر فضیلت دیتے تھے تو کسی کو ان کے بارے میں مذکورہ بالا انداز میں ذکر کرنا کیسے جائز ہے۔

ہم اس سلسلے میں یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ واجدین اور ذکر الٰہی میں محو ہو جانے والے شیوخ کرام کا کلام اکثر مجمل ہوتا ہے اسی وجہ سے اعتراض کرنے والوں کو طعن اور اعتراض کا موقع مل جاتا ہے کیونکہ مجمل کلام کا کچھ سیاق و سباق ہوتا ہے جو سننے والے تک نہیں پہنچ پاتا جب کہ کلام مفصل واضح اور صاف ہوتا ہے اور مجمل میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں شبلی علیہ الرحمۃ کا جو کلام بیان کیا گیا وہ مجمل ہے جس کا باقاعدہ ایک سیاق و سباق ہے جسے سامع جان لے تو اسے ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ پر اعتراض کرنے کی ضرورت پیش ہی نہ آئے۔ اور اگر کلامِ مجمل کو سیاق و سباق کے بغیر دیکھا جائے تو پھر معترض کو اعتراض کا حق ہے کیونکہ ایسے میں وہ کلام، غیر مفصل اور غیر واضح حالت میں ہوتا ہے۔

## اولیاء اللہ پر بغیر سوچے سمجھے طعن و تشنیع گناہِ عظیم ہے

میں نے ابو بکر شبلیؒ کی جو روایت جبریل و میکائیل علیہما السلام کے بارے میں بیان کی اس کی مکمل تشریح سیاق و سباق کے ساتھ ابو محمد نساجؒ نے اس طرح سے کی ہے کہ سب اعتراضات صاف کر دیئے اور اس کے مفہوم کو پوری طرح واضح کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ابو بکر شبلیؒ سے جبرئیل علیہ السلام کی صورت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: میں نے ایک روایت سے یہ جانا ہے کہ جبریل علیہ السلام کو سات سو زبانوں پر عبور ہے اور سات سو ان کے پَر ہیں جن میں سے ایک کو پھیلا دے تو مشرق کو ڈھانپ لے اور دوسرا پَر پھیلا دے تو مغرب کو ڈھانپ لے۔ الغرض تم ایسے فرشتے کے بارے میں کیا پوچھتے ہو کہ پوری دنیا اس کے پروں میں غائب ہو جاتی ہے۔ پھر شبلیؒ نے اس شخص سے کہا کہ ہاں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جبریل کی حیثیت کرسی کے ایک پایہ کے سامنے ایسی ہے جیسے زرہ میں اس کا ایک حلقہ۔ پھر کرسی، جبریل، عرش اور تمام ملکوت جو اہل معرفت پر ظاہر ہوتے ہیں ایک بے آب و گیاہ میدان میں ریت کے ایک ٹیلے کی مانند ہیں پھر شبلی نے کہا: اے

سائل! یہ وہ علوم ہیں جن کو اس نے ظاہر کیا کیا اجسام ان کے متحمل ہو سکتے ہیں یا طبائع ان کو برداشت کر سکتے ہیں یا عقل ان کا احاطہ کر سکتی ہے یا آنکھیں دیکھ سکتی ہیں یا کان ان کو سن سکتے ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی طرف اہل بصیرت کی رہنمائی فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ اپنی ایک ایسی مملکت پر غلبہ وحکمرانی رکھتا ہے جو کہ غیب سے تعلق رکھتی ہے جس کی وسعتوں میں سوائے اس کے کوئی اور نہیں سما سکتا۔ اگر وہ اپنے اس ملک غیب میں سے ایک ذرہ بھی غائب کر دے تو نہ روئے زمین پر بستیاں باقی رہیں نہ درخت پھلیں نہ دریا چلیں نہ رات تاریک ہو سکے اور نہ دن روشن ہو۔ مگر وہی علیم وحکیم ہے۔ اور وہ ان علوم کی طاقت نہیں رکھتے۔ اسی دوران ابوبکر شبلیؒ نے سائل سے فرمایا: اے سوال کرنے والے! تو نے مجھ سے جبریل علیہ السلام اور ان کے احوال کے متعلق پوچھا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے کہ وہ مجھے نگل لے اگر میں پچھلے ایک دو ماہ سے جبریل ومیکائیل کے ذکر کا خیال تک بھی دل میں لایا ہوں جب کلام یا گفتگو اس طرح کے سیاق وسباق کی محتاج ہو جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں تا کہ معنی واضح ہو سکے جب کہ اعتراض والزام لگانے والے کلام کے صرف آخری حصہ پر ہی نظر رکھتے ہوئے اسے جوں کا توں ان لوگوں کی طرف منتقل کر دیتے جو انہیں سمجھ ہی نہیں پاتے تا کہ لوگ اپنی زبان اس کلام کے بارے کھولیں اور اولیاء اللہ پر اعتراض والزام تراشی سے کام لیں بلاشبہ ایسا عمل کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا ہے۔

# ابوبکر شبلیؒ کے بعض اقوال پر اعتراضات

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کی جن باتوں پر اعتراض کیا جاتا تھا ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ بعض اوقات قیمتی لباس پہنتے پھر اسے اتار کر نذرِ آتش کر دیتے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے عنبر کا ٹکڑا لے کر اسے آگ پر رکھا پھر نفرت کا اظہار کرتے ہوئے گدھے کی دم کے نیچے تھوک دیا۔

وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر دنیا کسی بچے کے منہ میں ایک لقمہ ہوتی تو ہم اس بچے پر رحم کرتے۔

ایک اور صوفی کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس گیا تو ان کے سامنے شکر اور بادام پڑے دیکھے جنہیں وہ جلا رہے تھے۔

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ دنیا اور آخرت دو لقمے ہوتی تو میں دونوں کو منہ میں ڈال لیتا اور اس طرح لوگوں کو دنیا و آخرت کے وسیلے سے محروم کر دیتا۔

ایک مرتبہ انہوں نے کچھ گھر کا سامان اور مالِ کثیر صرف کر کے خریدا اور کھڑے کھڑے سب کا سب لوگوں میں تقسیم کر دیا جب کہ آپ کے اپنے اہل وعیال بھی تھے مگر آپ نے ان کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اور اس طرح کے تمام واقعات شریعت مطہرہ کے سراسر منافی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر انہوں نے کس کو اپنا امام سمجھتے ہوئے اس کی پیروی میں سارا مال و منال لوگوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ نہ چھوڑا۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس عمل میں ان کے امام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جنہوں نے اپنی ساری ملکیت کو آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اپنے عیال کے لیے کیا باقی چھوڑا؟ تو کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند نہیں فرمایا۔

## ضیاعِ مال کی حقیقت

جہاں تک مال کے ضیاع کا تعلق ہے تو وہ معصیت خدا میں مال خرچ کرنے کو کہتے ہیں، اگر کوئی شخص معصیت خدا میں ایک دانق (درہم کا چوتھا حصہ بھی خرچ کرے تو وہ ضیاع مال ہے جبکہ اللہ کی راہ میں خرچ کیے جانے والے ایک لاکھ درہم بھی ضیاعِ مال نہیں۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کا بعض اشیاء جلا دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اشیاء آپ کے قلب کو اللہ سے دور لے جاتی تھیں۔ اس ضمن میں سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے قصے کو قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے۔

وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾
فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا

بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝۳۳ [ص: ۳۲۲۹]

ترجمہ: ''اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمانؑ عطا فرمایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا جب کہ اس پر پیش کیے گئے تیسرے پہر کو کہ رو کیے تو تین پاؤں پر کھڑے ہوں چوتھے سم کا کنارہ زمین پر لگائے ہوئے اور چلایئے تو ہوا ہو جائیں تو سلیمانؑ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ کے پردے میں چھپ گئے پھر حکم دیا کہ انہیں میرے پاس واپس لاؤ تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔''

کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تین سو عربی النسل گھوڑے موجود تھے جن کی مثال نہ ان سے پہلے کسی حکمران کے پاس تھی اور نہ بعد کے کسی حکمران کے پاس ایسے گھوڑے موجود تھے۔ جب یہ گھورے ان کے سامنے لائے گئے تو ان کا دل ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور ان سے نماز عصر کا وقت جاتا رہا۔ ایسے موقع پر آپ نے کہا: ردوھا علی فطفق ...... الخ اور تمام گھوڑوں کی گردنیں کاٹ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی جزا یوں دی کہ سورج کو ان کے لیے واپس کیا تاکہ پھر سے عصر کا وقت ہو جائے اور وہ نماز عصر ادا کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ سے اسی ضمن میں ایک حدیث روایت کی جاتی ہے کہ غزوۂ خندق کے روز آپ کی نمازِ عصر فوت ہو گئی تو آپ کو اس کا شدید رنج ہوا تو آپ نے فرمایا: انہوں نے نماز عصر سے ہماری توجہ ہٹا دی خدا ان کے دلوں اور گھروں کو آگ سے بھرے حالانکہ ان (کفار) نے اس سے پہلے آپ کو شدید اذیتیں پہنچائی تھیں یعنی ضرب و شتم کیا اور آپؐ پر خون اور گندگی پھینکی مگر آپ نے سوائے اس قدر دعا کرنے کہ اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما کہ وہ جاہل ہیں، لیکن جب ان کے باعث ان کی نماز عصر کا وقت جاتا رہا تو آپ نے شدتِ ملال کی وجہ سے بددعا فرمائی۔ یہ حدیث اپنے مضمون کے اعتبار سے حضرت سلیمانؑ کی روایت سے زیادہ مکمل ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تو سورج نہ پلٹایا گیا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایسا کیا گیا۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا اور ان کے لیے قضاء صلوٰۃ کو معاف کر دیا گیا کیونکہ فرضِ جہاد نے انہیں فرض نماز کی ادائیگی سے باز رکھا۔ اور خندق کھودنا فرض جہاد سے ہے تو اسی خاطر ان کا فریضہ صلوٰۃ ان کے لیے معاف کر دیا گیا۔ جب کہ سلیمانؑ کو نماز کی ادائیگی سے نہ کسی فرض نے غافل رکھا اور کسی نفل عبادت نے اسی وجہ سے ان کے لیے فریضہ صلوۃ ان کے لیے معاف کر دیا گیا۔ جب کہ سلیمانؑ کو نماز کی ادائیگی سے نہ کسی فرض نے غافل رکھا اور کسی نفل عبادت نے اسی وجہ سے ان کے لیے فریضہ صلوۃ معاف نہیں کیا گیا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی فضیلت معافی فرض کی صورت میں سورج کے پلٹائے جانے سے زیادہ کامل ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام کے لیے فرض نماز کو معاف کر دیا جاتا تو ان کے لیے سورج کو واپس نہ کیا جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ حقیقت ہر اس شے سے کسی طرح بھی چھٹکارا پانے کی پوری کوشش کرتے ہیں جو انہیں اللہ سے غافل کرے۔ اور ایسی چیزوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں، وہ سوائے اللہ کے کسی اور شے کو اپنے اندر جگہ نہیں دیتے۔

جس نے یہ کہا میں چاہتا ہوں کہ یہ دنیا ایک لقمہ ہوتی اور میں اسے یہودی کے منہ میں دے دیتا تو یہ کہنے والے کے

نزدیک دنیا کی ذلت سے عبارت ہے۔

ذلت دنیا کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: دنیا معلون ہے اور اس میں جو کچھ اسباب دنیوی ہے وہ بھی ملعون ہے۔ (1)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پینے دیتا۔ (2)

---

(1) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

(2) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

# کلام ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کی تشریح اور جنید بغدادیؒ سے ان کی گفتگو

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک روز اپنے مریدین سے فرمایا؛ اے جماعت! میں لامحدودیت کی طرف جاتا ہوں مگر صرف محدودیت کو پاتا ہوں پھر میں دائیں اور بائیں لامحدودیت کی تلاش میں جاتا ہوں مگر وہی محدودیت ہی سامنے ہوتی ہے، پھر میں واپس آتا ہوں اور میں یہ سب کچھ اپنی چھوٹی انگلی کے ایک بال میں دیکھتا ہوں۔

شبلی علیہا لرحمۃ کا یہ قول ان کے مریدین نہ سمجھ سکے دراصل اس قول میں کون کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عرش وکرسی دونوں حادث اور محدود ہیں اور دنیا میں اس کے آگے کوئی حد نہیں اور نہ اس کے تحت کوئی تحت ہے اس کی کوئی نہایت نہیں اور مخلوق میں سے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے یا اس کی کوئی نہایت نہیں اور مخلوق میں سے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے یا اس کی صفت جو خود اللہ نے بیان فرمائی ہو اور اس کے علم کا مخلوق احاطہ نہیں کرسکتی اس کے علم سے صرف اس کا خالق ہی باخبر ہے۔

شبلی علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ میں لوٹتا ہوں اور اس تمام کچھ کو اپنی چھوٹی انگلی کے ایک بال میں دیکھتا ہوں، سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس تمام خلق کی تخلیق میں جو قدرتِ قادر کارفرما ہے وہی قدرت میری چھوٹی انگلی کے ایک بال کی تخلیق میں بھی موجود ہے۔ اس قول کی ایک اور تشریح یہ ہے کہ کون اور جملہ مخلوقات چاہے ان کا طول وعرض یا حجم کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ ان کے خالق کی کبریائی اور صانع کی عظمت کے سامنے بالکل ویسے ہے جیسے میری چھوٹی انگلی کا ایک بال یا اس سے ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ نے ایک اور موقع پر کہا: اگر میں یہ کہوں تو بھی اللہ اور اگر وہ کہوں تو بھی اللہ اور بلاشبہ میں اس سے ایک ذرہ کا طالب ہوں۔

قول کے پہلے حصے سے اس آیت کی جانب اشارہ مقصود ہے۔

وَمَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا [المجادلہ:٨]

ترجمہ: ''کہ وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہوں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے غائب نہیں وہ ہر مکان میں موجود ہے مگر نہ مکان اس میں سماتا ہے اور نہ مکان اس سے خالی رہتا ہے۔

قول کے دوسرے حصے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خلق، اللہ سے اس کے اسماء وصفات کے ساتھ محجوب ہے اور خلق کو جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے اس کے اسم ورسم کے سوا کچھ نہیں کیونکہ وہ اس سے آگے برداشت بھی نہیں کرسکتے۔

اسی سلسلے میں شبلی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر۔ **ترجمہ شعر:**

''تو میں نے کہا کیا انہوں نے میرے خط کی مہر کو توڑا ہے اس نے کہا: وہاں تب میں نے کہا یہی
میرا حصہ ہے۔''

ان کا ایک اور شعر۔ **ترجمہ شعر:**

''کیا یہ سعادت نہیں کہ میرا گھر شہروں میں تیرے گھر کے پڑوس میں ہے''

اور آپ نے یہ شعر پڑھے۔ **ترجمہ اشعار:**

''تیری جانب سے ہم پر ایک روز بادل چھائے جنہوں نے ہمارے لیے بجلیاں تو روشن کیں مگر بارش کو مؤخر کیا۔

اب نہ تو بادل چھٹتے ہیں کہ بارش کی طمع رکھنے والا مایوس ہو جائے اور نہ بارش برستی ہے کہ پیاسا سیراب ہو۔''

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: میں تیس برس تک حدیث وفقہ کا مطالعہ کرتا رہا یہاں تک کہ صبح روشن ہوگئی۔ اس کے بعد میں اپنے ہر استاذ کی خدمت میں گیا اور کہا میں اللہ کو جاننے کا علم حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر کسی نے بھی اس سلسلے میں مجھے کچھ نہ بتایا۔

صبح کے روشن ہونے سے ان کی مراد یہ تھی کہ پھر انوار حقیقت اور حقیقت فقہ وعلم ومعرفت کی طرف دعوت دینے کی منزل مجھ پر ظاہر ہوگئی۔

ان کے اس قول کہ اللہ کے جاننے کا علم لے آؤ کی تشریح یہ ہے کہ الہ اور بندے کے درمیان ہر لحظہ اور ہر گھڑی میں واقع ہونے والے احوال کے جاننے کا علم لے آؤ۔

شبلیؒ نے جنیدؒ سے کہا: اے ابوالقاسم! اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جس کے لیے قولاً اور حقیقتاً اللہ کافی ہے۔ جنیدؒ نے جواب دیا: اے ابوبکر! آپ کے اور اکابر صوفیہ کے درمیان آپ کے اس سوال میں دس ہزار مقامات ہیں۔ جن میں سے پہلے مقام اس کو ختم کر دینا ہے جسے آپ نے شروع کیا ہے۔

یہاں نکتہ یہ ہے کہ جنیدؒ شبلیؒ کے حال سے اپنے علم اور فضیلت تمکین کے باعث آگاہ تھے اسی لیے انہوں نے شبلیؒ پر اس مقام کو ظاہر کیا کیونکہ ان کو شبلیؒ سے دعویٰ کر بیٹھنے کا خطرہ تھا کیونکہ جس شخص کو قولاً وحقیقتاً اللہ کافی ہوا سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جنیدؒ سے ان کا یہ سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ البتہ اس مقام سے قریب تھے۔

میں نے ابن علوان علیہ الرحمۃ کو یہ کہتے سنا کہ جنیدؒ نے کہا: شبلی کو ان کے مقام پر ہی ٹھہرا دیا گیا جس سے وہ دور نہ ہوئے اور اگر وہ اس سے آگے نکل جاتے تو وہ امام بن جاتے۔

ابوعمرو علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ اکثر شبلیؒ جنیدؒ کے پاس جاتے تو ان سے کوئی سوال پوچھتے مگر جنیدؒ انہیں جواب نہ دیتے اور کہتے کہ اے ابوبکر! مجھے تمہارا اور تمہارے ثبات کا خدشہ رہتا ہے کیونکہ اضطراب اتار چڑھاؤ، تیزی وگرمی اور شطح کی کیفیات متمکنین کے احوال میں سے نہیں بلکہ ان کا مبتدی اور صاحب ارادت لوگوں سے ہے۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ جنیدؒ نے ان سے ایک روز کہا: اے ابوبکر! تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: میں اللہ کہتا ہوں۔ جنیدؒ نے کہا: جاؤ! خدا تمہیں سلامت رکھے۔ یہ کہنے سے جنیدؒ کی مراد یہ تھی کہ تم عظیم خطرے میں ہو۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اللہ کہنے میں ماسوا اللہ سے نہ بچایا تو تمہارا کیا حال ہوگا۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے: ایک ہزار گزرے ہوئے برس اور ایک ہزار آنے والے برس مل کر ایک وقت بنتا

ہے اور تمہیں وسوسے گمراہ نہ کر دیں وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ تمہارے اوقات منقطع ہیں جب کہ میرے وقت کا نہ آغاز نہ انجام۔

وہ بعض اوقات یہ شطح بھی بیان کرتے تھے: میں وقت ہوں، میرا وقت غالب ہے اور وقت میں سوائے میرے کوئی اور نہیں اور میں فانی ہوں۔

آپ یہ دو شعر بھی پڑھا کرتے تھے۔ **ترجمہ اشعار:**

''وہ اپنے ساتھ معاملہ کرنے والے میں رہتا ہے، اور جو حق کا امین ہو تو اس لیے کہ خود امین یعنی اللہ نے اسے امن دیا۔''

اس کی عزت اگر معزز ہوئی تو یہ گویا اس نے خود عزت کو قوی بنایا اور اس طرح یقین پر سے یقین جاتا رہا۔

بعض اوقات آپ یہ بھی کہا کرتے تھے: میں نے ہر عزت و وقار پر نظر کی مگر مجھے اپنی عزت سے بڑھ کر نظر آئی۔ اور میں نے ہر عزت والے کی عزت میں اپنی عزت دیکھی۔ اس کے بعد آپ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ [فاطر:۱۰]

ترجمہ: ''جسے عزت کی چاہ ہو تو عزت سب اللہ کے ہاتھ ہے۔''

اور کہا کرتے تھے۔ **ترجمہ شعر:**

''جس نے صاحب عزت سے عزت پائی تو اس کے لیے وہ صاحب عزت ہی ساری عزت ہے۔''

شبلی علیہ الرحمۃ کے قول میں ''وقت'' سے وہ سانسوں کے درمیانی سانس اور دل میں گزرنے والے دو خیالوں کے خیال کی جانب اشارہ ہے۔ اور اگر وہ اللہ کے ساتھ اور اسی کے لیے ہو تو وہ اس کا وقت ہے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو وہ نفس ہے اور اگر یہ وقت ایک مرتبہ فوت ہو جائے تو پھر ہزار سال میں بھی اس پر تاسف کرتے ہوئے یہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یعنی چاہے ایک ہزار سال ماضی کے اور ہزار سال مستقبل کے ہوں تب بھی اس کا حصول ممکن نہیں۔ اور تجھ میں تمہاری دونوں سانسوں کے درمیان ایک سانس ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ تجھے چھوڑ نہ دے۔ اور صاحب عزت و غلبہ وہ ہے جسے اللہ اپنے ساتھ معزز بنائے تو پھر کوئی اور اس جیسا معزز نہ ہو گا اسی طرح ذلیل وہ ہے جسے اللہ خود سے غافل کر کے کسی اور کی جانب متوجہ کر دے تو کوئی اس جیسا ذلیل نہیں۔

شبلی علیہ الرحمۃ کا یہ قول کہ تمہیں اشباح (اجسام) دھوکہ نہ دیں، سے مراد یہ ہے کہ ماسوا اللہ ہر شے اشباح میں شامل ہے اگر تو ان کی طرف متوجہ ہوا تو دھوکے میں آیا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ میں فانی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قول میں انا لفظاً آیا ہے جس سے واقعتاً ان کا اپنی طرف اشارہ نہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ میرے وقت کا نہ آغاز ہے نہ انجام، تو یہ اس لیے انہوں نے کہا کہ ہر شے میں رخصت و معافی موجود ہے مگر وقت میں نہیں کیونکہ وقت میں ماسوا اللہ کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی رخصت و معافی نہیں چاہے ایک ہزار سال میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی غیر اللہ کی طرف متوجہ کیوں نہ ہو۔

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر تو مجھ میں اپنے سوا کسی اور کے لیے ادنیٰ سی توجہ بھی پائے تو مجھے اپنی آگ میں بھسم کر دے، اور کوئی معبود نہیں فقط تیری ہی ذات لائق عبادت ہے۔ یہ اور اس

طرح کے تمام اقوال درحقیقت ابوبکر شبلیؒ کے غلباتِ وجد ہیں جن کو وہ اپنے وقت کے سب حال بیان کرتے ہیں مگر ایسی کیفیات دائمی نہیں ہوتیں کیونکہ ان کا تعلق احوال سے ہے اور حال اس وارداتِ قلبی کا نام ہے جو بندے پر وقتی طور پر وارد ہوتی ہے ہمیشہ کے لیے باقی نہیں رہتی اور اس کا دائمی یا مستقل نہ ہونا اولیاء کرام پر خصوصی مہربانی ہے۔ اگر ایسی کیفیت دائمی ہوتی تو اولیاء کرام اور خاصانِ خدا مذہبی شرعی اور سماجی و اخلاقی قوانین پر عمل کو ترک کر چکے ہوتے۔ اسی سلسلے میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر غور کرنا چاہیے جب ان کی خدمت اقدس میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ہم آپ کے حضور میں موجود رہتے ہیں تو آپ کے فرمودات سننے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تو اس وقت ہمارے دل نرم پڑ جاتے ہیں۔ مگر جب آپ کی بارگاہِ رحمت پناہ سے نکلتے ہیں تو پھر اہل و عیال کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یہ سن کر سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم اسی حالت پر رہو جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تمہاری ہوتی ہے تو ملائکہ تم سے مصافحہ کریں۔ ❶

ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں؛ اگر میرے دل میں یہ خیال بھی گزرا ہوتا کہ جہنم اپنی آگ سے میرے جسم کے ایک بال کو جلا ڈالے گی تو میں مشرک ہوتا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ شبلیؒ نے درست کہا کیونکہ جہنم کو جلانے کی حیثیت حاصل نہیں بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے اور اس میں شک نہیں کہ اہلِ دوزخ کو ان کے لیے مقررہ مقدار کے مطابق ہی جلانے کا عذاب دیا جاتا ہے۔

انہوں نے ایک مرتبہ یہ بھی کہا کہ میں جہنم کو کیا کروں جہنم تو وہ ہے جس میں تم رہتے ہو۔ یعنی اللہ سے جدا اور دور رہنا ہی دراصل بندے کے لیے سب سے بڑا عذاب اور جہنم ہے۔

الغرض جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی جدائی کے عذاب میں ڈال دیا تو وہ عذاب سقر سے کہیں بڑھ کر ہے۔

کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک قاری کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا:

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ [المومنون:۱۱۰]

ترجمہ: ''رب فرمائے گا: دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔''

تو آپ نے کہا: کاش! میں ان میں سے ایک ہوتا۔ گویا یہاں شبلی نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں اللہ کی طرف سے جواب ملتا تھا۔ اسی لیے انہوں نے فرمایا: کاش! میں ان میں سے ہوتا اور مجھے اللہ کی طرف سے جواب دیا جاتا اور اس شخص کی طرح ہوتا جو شدت خوف سے عذاب میں ہو کیونکہ ایسا شخص نہیں جانتا کہ اللہ کی طرف سے اسے سعادت، شقاوت دوری یا قرب میں سے کیا عطا ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں شبلیؒ نے یہ بھی کہا: اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر وہ جہنم پر اپنا لعاب دہن بھی پھینک دیں تو اسے بجھا ڈالیں۔ ان کا یہ قول سننے والوں پر دشوار گزرا حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: قیامت کے دن مومن سے کہے گی: اے مومن! گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلے کو سرد کر دیا۔

ابوبکر شبلیؒ کے اس ضمن میں اور بھی کئی واقعات و روایات ہیں مگر طوالت سے بچنے کی خاطر ان کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے۔ بہر حال عقلمند کم سے بھی زیادہ کی طرف رہنمائی پالیتا ہے۔ بے شک اللہ ہی توفیق دہندہ ہے۔

❶ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

# ابو بکر الواسطیؒ کے ملفوظات

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اللہ کی مہربانی کے ساتھ نہ کہ آپ کی مہربانی سے۔
حدیث کی تشریح یہ ہے کہ ام المومنین کا شرف فضل اور فخر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ مگر انہوں نے واقعہ افک کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا لحاظ نہ کیا بلکہ اللہ کا لحاظ کیا کیونکہ اس نے ان کی برأت کے لیے قرآن کی آیات نازل فرمائیں اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ان کی بلندی، محبت، مقام اور فضیلت اور بڑھ گئی۔
اس سلسلے میں جس قدر بھی روایات و معلومات آپ کو ہوں انہیں مذکور تشریح کی کسوٹی پر پرکھ لیا کریں۔

## فضیلت درود

ابوبکر الواسطی علیہ الرحمۃ کے قول: ''پیغمبران کرام علیہم السلام پر اپنی دعاؤں میں درود بھیجو مگر درود بھیجنے کے عمل کو اپنے دل میں کوئی قدر نہ دو۔'' اس سے مراد وہ نہیں جو اعتراض کرنے والے نے بیان کیا ہے کہ واسطی نے کہا اپنے دل میں انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے میں کثرت کا اپنے دل میں خیال مت لاؤ اور یہ نہ سمجھو کہ تم نے بہت زیادہ درود بھیجا کیونکہ انبیاء علیہم السلام یہ حق رکھتے ہیں کہ اس سے بھی بڑھ کر ان پر درود بھیجا جائے۔
کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ نے اس پر دس مرتبہ درود بھیجا۔ لہٰذا درود بھیجنے والے کو اپنے دل میں یہ خیال نہیں لانا چاہیے کہ اس نے درود بھیجا کیونکہ کوئی کتنا ہی زیادہ درود بھیجے اس کے جواب میں اس پر اللہ کا درود پھر بھی زیادہ رہے گا جیسا کہ حدیث شریف سے واضح ہے۔
جس نے واسطیؒ کے قول کہ ''تو اس کے لیے اپنے دل میں قدر نہ پیدا کر'' کی تشریح یوں کی ہے کہ اپنے دل میں انبیاء علیہم السلام کی قدر پیدا نہ کر تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے انبیاء علیہم السلام کی قدر پیدا نہ کر کیونکہ قلوب مومنین میں اللہ کے عرش اور کرسی کی قدر بھی پیدا کرنا جائز نہیں۔ یہ تشریح توحید و حقیقت تفرید کے مفہوم کی پیش نظر رکھ کر کی گئی، جہاں تک علمی و دینی اعتبار سے اللہ نے تعظیم رسل، ان پر ایمان رکھنے اور ان کی خصوصیات بیان کرنے کا مومنین کو حکم دیا ہے تو اس کا ذکر ہم صفحاتِ گزشتہ میں اس موضوع پر مستقل ابواب میں کر آئے ہیں۔

## سید الرسل ﷺ لاثانی و بے نظیر ہیں

سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت سے متعلق اہلِ صفا کا سب سے جامع قول یہ ہے کہ بے شک حضور نبی کریم ﷺ لاثانی و بے نظیر ہیں کسی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان کی تمام تر خصوصیات کا ادراک کر سکے۔
بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا: کیا کوئی آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر بھی ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا: کیا کوئی ان کا ادراک بھی کر سکتا ہے بایزیدؒ نے مزید کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے مجد و شرف سے متعلق جملہ مخلوقات نے جو کچھ بھی پایا اور سمجھا وہ نہ پانے اور نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک صاف پانی

سے لبریز مشک میں جو پانی مترشح ہوا اسی قدر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے مرتبے کو جانا اور اس کے علاوہ کچھ بھی انہیں معلوم نہیں۔

اہل تصوف سید الکونین ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ وہ انہیں سب کچھ عطا فرمائے گا جو وہ طلب فرمائیں گے۔ حدیثِ قدسی یوں ہے: اے محمد! (ﷺ) مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور مولائے کل حضرت محمد مصطفی ﷺ مانگیں اور وہ عطا نہ کرے۔

## دعائے رسول ﷺ

اے اللہ! میرے اوپر، میرے نیچے، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے پیچھے، میرے وراء اور میرے سامنے نور عطا کر۔
اے اللہ! میرے قلب میں، میری آنکھوں میں، میرے کانوں میں، میرے جسم میں، میرے استخوان میں نور پیدا فرما۔

## مقام مصطفی ﷺ

صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ ان کی دعا قبول ہوئی اور انہوں نے جو مانگا وہ عطا ہوا جس پر خود ان کی حدیث دلالت کر رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں تمہیں اپنی پیٹھ پیچھے بھی اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح تمہیں سامنے سے دیکھتا ہوں۔
ہر فضیلت اور شرف جو امت کے کسی بھی فرد کو عطا ہوا ہو وہ درحقیقت فضیلت و شرف محمدی ہی ہے۔ لہٰذا کسی کو وہ کچھ نہ کہنا چاہیے جسے وہ جانتا نہ ہو۔

## اولیاء اللہ پر تنقید اللہ سے روگردانی کی علامت ہے

ایک اجل صوفیہ کا قول ہے: جب قلب اللہ تعالیٰ سے جدا ہونے اور منہ موڑنے کا خوگر ہو جائے تو اس کے نتیجے میں وہ اولیاء اللہ پر اعتراض و تنقید کے فتنے میں پڑ جاتا ہے۔

# مدعیان تصوف کی غلطیاں اور ان کی وجوہات

میں نے احمد بن علیؒ سے اور انہوں نے ابو علی رود باریؒ سے یہ سنا کہ ہم تصوف کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جیسے تلوار کی دھار پر ہوں اور ادھر کو جھکیں تو بھی جہنم اور ادھر کو جھکیں تو جہنم یعنی ہم جسے نکتے پر پہنچے ہوئے ہیں اگر اس میں ذرہ بھر بھی غلطی سرزد ہو تو اہل جہنم میں سے ہو جائیں کیونکہ تصوف اور اس کے علم میں غلطی کرنے کے علاوہ باقی ہر شے میں غلطی کرنا زیادہ آسان ہے۔ اس لیے کہ تصوف مقاماتِ احوال، ارادات، مراتب اور اشارات پر مبنی ہے جس نے ان میں حقیقت سے ہٹ کر غلطی کی تو اس نے اللہ کی مخالفت پر کمر باندھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ کی دشمنی مول لی۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اپنی خطا کی معافی مانگ لے یا اس پر ڈٹا رہے۔

جس شخص نے بتکلف اہل تصوف کے طریقوں کو اپنانے کا ارادہ کیا یا یہ اشارہ کیا کہ وہ تصوف سے متعلق کافی معلومات رکھتا ہے یا اس نے یہ خیال کیا کہ وہ صوفیہ کے بعض طریقوں پر عمل پیرا ہے اور صوفیہ کے تین اصولوں پر کاربند نہ رہا تو وہ دھوکے میں ہے چاہے وہ ہوا پر چلے، دانائی کی باتیں کرے یا خواص وعوام میں اسے قبولِ عام بھی کیوں نہ حاصل ہو۔

## صوفیہ کے تین اصول

وہ تین اصول یہ ہیں:

۱۔ ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے اجتناب

۲۔ ہر مشکل اور آسان فرض کی ادائیگی

۳۔ دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دینا چاہیے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ مگر اس قدر اختیار کرنا کہ جتنی مومن کے لیے ضروری ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں جو دنیا میں ہیں مگر دنیا میں سے نہیں:

۱۔ روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے تو اپنی بھوک کو مٹائے۔

۲۔ کپڑا جس سے تو اپنی شرمگاہ کو ڈھانپے۔

۳۔ گھر جس میں تو رہے۔

۴۔ نیک سیرت بیوی جس سے تو سکون حاصل کرے۔

مذکورہ چیزوں کے علاوہ وہ سب کچھ جن کا تعلق جمع، منع، دنیوی چیزیں روکے رکھنے زیادہ کی چاہ اور فخر وگھمنڈ سے ہے وہ ایک حجاب ہے جو بندے کو خدا سے منقطع کر دیتا ہے۔ ہر وہ شخص جس نے خاصانِ خدا کے احوال کا دعویٰ کیا یا اس کو یہ خیال ہوا کہ وہ اہل صفا کے مقامات سے گزرا مگر سطور گزشتہ میں بیان کردہ تین اصولوں پر اپنی بنیاد استوار نہ کی تو وہ اپنے تمام دعاوی میں سچا ہونے کی نسبت جھوٹا ہونے کی طرف زیادہ قریب ہوگا، اقرار کرنے والا عالم اور دعویٰ کرنے والا جاہل ہوتا ہے۔

# تصوف میں غلطی کرنے والوں کے طبقات اور ان کی غلطیوں کی نوعیت

پھر میں نے ان طبقوں کی طرف نظر کی جنہوں نے تصوف میں غلطیاں کیں۔ ان لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جس نے اصولِ شریعت پر عمل کرنے میں کمی، صدق و اخلاص میں کمزوری اور قلت علم کی وجہ سے غلطیاں کیں۔ جیسا کہ کسی شیخ نے کہا: انہیں وصل سے اس لیے محروم کیا گیا کہ انہوں نے اصول کو ضائع کیا۔ دوسرا طبقہ وہ جس نے آداب، اخلاق، مقامات، احوال، افعال اور اقوال جیسی فروع میں غلطی کی جس کا سبب اصول کے بارے میں قلتِ معلومات، حظ نفسانی اور طبعی مزاج کی اتباع ہے اور یہ سب کچھ اس لیے انہوں نے کسی ایسے شخص کی قربت نہیں حاصل کی جو انہیں ریاضت کراتا تلخیوں کے گھونٹ پلاتا اور انہیں اس راستے پر ڈال دیتا جو ان کے مطلوب کو جاتا ہے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک گھر میں چراغ کے بغیر داخل ہوتا ہے اور سنوارنے کے بجائے زیادہ بگاڑ دیتا ہے، جب انہوں نے یہ سمجھا کہ اب جوہر نایاب ان کے ہاتھ لگ گیا تو حقیقت یہ تھی کہ سوائے ایک کم قیمت کنکری کے انہیں کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اہل بصیرت کی اتباع نہیں کی جو اشباہ، اشکال، اضداد اور اجناس کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان سے خطا سرزد ہو گئی اور لایعنی و مہمل باتوں میں کثرت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ وہ حیران و پریشان ہو کر شکست خوردہ، مفتون، زیادتی کرنے والے، غم خوردہ وہم گمان کے دھوکے میں گرفتار، جنونی، خودسر، غموں سے چور، غلط دعویٰ کرنے والے اور فقط آرزو کرنے والے ہو گئے۔ پاک ہے وہ ذات والا صفات جس نے انہیں یہ کچھ دیا اور وہی ان کی بیماری اور علاج کو جانتا ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے غلطی کی تو اس میں کوئی بڑی علت یا کجی نہ تھی بلکہ صرف لغزش تھی جو جاتی رہی تو وہ مکارم اخلاق، اور بلند معاملات پر فائز ہو گئے، اپنی پراگندگی کو سمیٹا، عناد کو ترک کیا، حق کا اعلان کیا، اپنی عجز و انکساری کا اقرار کیا، اور اس طرح وہ اچھے احوال، روشن افعال، اور بلند درجات کی طرف لوٹ آئے اور ان کی لغزش نے ان کے مراتب کو کم نہ کیا اور ان پر کسی شدید غلطی نے وقت کو تاریک نہ کیا اور ان کی پاکیزگی و صفا مکدر نہ ہوئی۔

مختصراً یہ کہ تینوں طبقات، ارادت، مقاصد اور نیتوں کے تفاوت کے لحاظ سے مختلف احوال رکھتے ہیں۔

کسی نے کہا ہے۔ **ترجمہ شعر:**

"جس نے خود کو ان اوصاف سے آراستہ کیا جو اس میں موجود نہ تھے تو اس کے غلط دعویٰ کی قطعی کو

اس کی زبان نے کھول دیا۔"

شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر یہ شعر کہا تھا آپ کا ارشاد ہے: ایمان، ظاہری طور پر خود کو اچھا ظاہر کرنے اور آرزو کرنے کا نام نہیں بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں سما جائے اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔

جس نے اصول میں غلطی کا ارتکاب کیا وہ نہ تو گمراہی سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں کہ اللہ چاہے تو ممکن ہے اور جس نے فروع میں غلطی کی تو یہ کوئی بڑی آفت نہیں اگرچہ صحت سے بعید ہے۔

# فروعات میں غلطی کرنے والے

## فقر وغنا میں غلطی کرنے والے طائفے

صوفیہ کے ایک گروہ نے یہ کہا کہ غنا کو فقر پر فضیلت حاصل ہے۔ اس سے ان کا اشارہ غنا باللہ کی طرف تھا۔ نہ دنیوی مال واسباب جیسی حقیر چیزوں کی طرف مگر بعد میں ایک طائفہ نے اس میں ٹھوکر کھائی اور لگے آیات وروایات سے یہ ثابت کرنے کہ دنیوی مال واسباب کا غناء ہی ایک بہترین حال اور طالبین آخرت کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ اس طائفے نے اپنی سی کوشش کی اور غلطی کا مرتکب ہوا کیونکہ جن صوفیہ کرام نے فقر وغناء پر گفتگو کی اور غنا کو اللہ کی جانب جانے والے کے احوال میں سے قرار دیا تو اس سے ان کی مراد اللہ کے ساتھ غنا اختیار کرنا تھا نہ کہ دنیا کے ساز وسامان کا غنا جس کی قدر و قیمت اللہ کی نظر میں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

صوفیہ کی ایک جماعت نے فقر، افتقار، صبر، شکر، رضا، تفویض، سکون اور کچھ نہ رکھنے پر اطمینان کے حقائق پر گفتگو کی جب کہ ایک اور گروہ گمراہی میں پڑ گیا اور خیال کرنے لگا کہ یہ فقیر محتاج کہ جس کے پاس صبر ورضا نہیں اسے اس کے فقر پر کوئی ثواب اور فضیلت حاصل نہیں ہوگی جب کہ وہ فقیر جو حالت اضطراری میں صبر ورضاء سے خالی ہے وہ غنی بالدنیا سے افضل ہے۔

نفس کو بنیادی طور پر محتاج پیدا کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ قوت لایموت اور مہمانداری کی استطاعت سے محروم ہونے کی صورت میں اطمینان وسکون کا مظاہرہ کرنا صفاتِ بشری سے نہیں۔ نفس فقر کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی طبیعت وخواہش اس سے موافقت کرتی ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق سے ہے جب کہ غناء کو نفس پسند کرتا اور طبیعت وخواہش اس سے موافقت کرتی ہے کیونکہ اس کا تعلق حظوظ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غنی کو ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں دینے کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ [الانعام:١٦٠]

ترجمہ: ''جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں۔''

مگر فقیر کے تو ہر سانس کے بدلے نیکی شمار ہوتی ہے کیونکہ وہ فقر کی تلخی پر صبر کرتا ہے اور صبر کے ثواب کی کوئی معدود و محدود حد نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝١٠ [الزمر:٩]

ترجمہ: ''صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔''

فقر اپنی ذات میں بہتر ہے اور اگر اس میں کوئی علت بھی شامل ہو جائے تو وہ علت ہی اس میں بری ہوگی جیسا کہ قولِ رسول ﷺ ہے: فقر مومن کے لیے گھوڑے کی گال پر بہترین لگام سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ اس حدیث میں فقر کو کسی اور شے سے مشروط نہیں کیا گیا، جب کہ غنا دنیا (دنیوی امارت) اپنی ذات میں مذموم ہے اگر اس میں اعمالِ صالحہ میں سے کوئی اچھی خصلت شامل ہو جائے تو وہ خصلت ہی اچھی ہے نہ کہ خود غنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غنا کا تعلق کثرت

مال ومتاع سے ہے۔ گویا انہوں نے غنا کو غنا ہی سے مشروط کیا۔

ایک اور طبقے نے یہ کہا فقر وغنا دو ایسے احوال ہیں کہ بندے کو ان کی پیروی کے بجائے ان سے گزر جانا چاہیے اور وہ ان میں ٹھہرا نہ رہے، یہ بات اہل معارف وحقائق کی ہے لیکن احکام حقیقت، آخری مقامات پر پہنچ کر حاصل ہوتے ہیں۔

ایک اور طائفے نے یہ گمان کیا کہ جس نے مذکورہ نظریہ پیش کیا اس نے فقر وغناء کو ایک کر دیا اور کہا کہ باعتبارِ حال دونوں یکساں ہیں تو انہیں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہم نے آپ کو فقر ناپسند کرنے والا سمجھا حالانکہ ہم نے آپ کو غنا پسند کرنے والا پایا۔ اگر فقر وغنا دونوں ایک جیسے احوال ہیں تو تمہارا یہ موقف دونوں کو یکساں قرار دینے کا اس وقت کہاں ہوتا ہے جب تم ان دونوں احوال کو بیک وقت سینے سے بھی نہیں لگاتے اور بیک وقت دونوں سے نفرت بھی نہیں کرتے۔ اس طرح ان لوگوں کی غلطی عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

ایک اور گروہ نے غلطی کرتے ہوئے کہا کہ فقر کے حال سے مراد صرف محرومی وفقر ہے۔ اور وہ اس معنی میں اس طرح کھو گئے کہ آدابِ فقر تک ان کے ارادے نہیں پہنچے۔ اور ان سے یہ بات پوشیدہ رہی کہ فقر میں فقیر کے لیے فقر کا احساس، حقیقت فقر تک پہنچنے کے لیے درحجاب بن جاتا ہے اور فقیر صادق کے لیے حالِ فقر میں کوئی ایسی خصلت نہیں جو محرومی وفقر سے بہت کم ہو۔ صبر، رضا اور تفویض اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس فقر سے کہیں مکمل تر ہیں جو ان خصائل سے متصل نہ ہو۔ اسی طرح فقر کا احساس اور اس سے سکون ومسرت پانا بھی حال کی کجی کا پتہ دیتا ہے اور مقام تک پہنچنے میں حجاب ثابت ہوتا ہے۔

باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔

# اسبابِ دنیوی کی کثرت وقلت اور کسبِ معاش

صرف نبی اور صدیق ہی کے لیے مال ومتاع کی کثرت اختیار کرنا درست ہے۔ کیونکہ وہ اشیاء سے دوسروں کی خاطر تعلق رکھے ہوئے ہیں اور مال واسباب سے ان کا ناطہ حقوق کا ہوتا ہے نہ کہ خواہشاتِ نفس کا۔ اس لیے کہ وہ ہیں خرچ کرتے ہیں جہاں اللہ انہیں خرچ کرنے کی اجازت دے اور جہاں خرچ کرنے سے روک دے وہاں خرچ کرنے سے رک جاتے ہیں لہٰذا جس کو اللہ کی اجازت حاصل ہونے کی فضیلت عطا نہ کی گئی ہو اور نہ ہی وہ اہل کمال یا اہل نہایات میں سے ہو تو لامحالہ کثرتِ مال ومتاع اختیار کرنے سے وہ دھوکے اور تاویلات میں پڑ کر غلطی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

جس نے یہ خیال کیا کہ وہ کثرتِ مال سے سکون حاصل نہیں کرتا تو اس سے ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اسباب دنیوی سے جو اس کے پاس ہے۔ سکون حاصل نہیں کرتا تو اسے نہ خرچ کرنے سے ہاتھ روکنا چاہیے اور نہ ہی طلب کرنا چاہیے اور قلیل و کثیر اس کی نظر میں یکساں ہو اور جس کے نزدیک قلیل، کثیر پر بھاری نہ ہو اور اس کے ہاں ایک دوسے بڑھ کر نہ ہو، اس کا قلب دنیا کے مالِ مفقود کی طلب اور موجودہ مال ومتاع کو جمع رکھنے سے خالی نہ ہو تو بلاشبہ وہ طالب دنیا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی خاطر دنیوی مال کا اکتساب کرنے والا ہے اور جو خود کو اس اصول سے مستثنیٰ سمجھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

ایک طبقہ نے تنگ حالی اور کم پسندی کو اختیار کر لیا، گھٹیا لباس اور کم غذا کا خود کو عادی بنا لیا اور یہ گمان کرنے لگے کہ جس نے بھی نفس پر نرمی کی، مباح اشیاء حاصل کیں یا بہتر کھانا کھایا تو یہ اس کے لیے خرابی اور مقام سے گرنے کا باعث ہے اس طبقے کے لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان کے حال کے علاوہ ہر حال لغزش ہے جو کہ ان کی غلطی ہے کیونکہ از خود بتکلف بلندی چاہنے، سہولت وامارت اختیار کرنے یا اسی طرح تنگی وکمی سے زندگی گزارنے میں بھی بنیادی طور پر علت وخرابی موجود ہے کیونکہ ایسا کرنے میں تکلف برتا جاتا ہے جو بلاشبہ علت سے خالی نہیں۔ ہاں اس حالت میں علت سے بری ہے کہ اس سے تادیبِ ریاضت نفس مقصود ہو۔ جب وہ ایسا کرنے کی مصیبتوں اور لوگوں کی طرف سے اپنا لحاظ دیکھ لے تو اسے چاہیے کہ پوری کوشش کر کے خود کو اس سے جدا کرے وگرنہ ہلاکت میں پڑ جائے گا اور ابد تک بہتری کی امید نہیں کی جا سکے گی۔

عبادت گزاروں کی ایک جماعت وہ ہے جو کما کر روزی حاصل کرنے کا موقف رکھتے ہیں اور اپنے کسبِ معاش کی طرف مائل ہیں وہ ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں جو ان کی طرح کماتے نہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ حال کی صحت کا دارومدار غذا کی صفائی پر ہے۔ اور غذا کی صفائی ان کے نزدیک کسب یعنی خود کما کر حاصل کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔ ان لوگوں نے اپنے اس موقف میں غلطی کی کیونکہ کسب میں رخصت وجواز تو صرف اس کے لیے ہے جو حالِ توکل کو اختیار کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا حال ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے اور یہ یقین کرنے پر مامور فرمایا کہ اللہ ہی ان کو ان کا مقررہ رزق عطا فرمائے گا۔ اسی طرح تمام انسان بھی اس پر مامور ہیں کہ وہ اللہ پر توکل رکھیں اور اللہ نے جو وعدہ فرمایا ہے اس پر یقین رکھیں اور رزق نہ ہونے کی صورت میں سکون کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقررہ رزق ان کو پہنچا دے

جس سے اس طرح کا توکل نہ ہو سکے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے چند شرائط کے ساتھ کسب کو مباح قرار دے دیا تا کہ وہ ہلاکت سے بچے رہیں۔ شرائط کسب یہ ہیں کہ کسب کی طرف مائل نہ ہو، یہ نہ سمجھے کے رزق کسب سے ملتا ہے۔ اپنے کسب کو اپنے لیے غنیمت نہ سمجھے بلکہ کمانے سے اس کا ارادہ مسلمانوں کی اعانت ہو۔ کسب معاش سے فرض نماز کے اولین وقت میں ادائیگی سے غافل نہ کرے اور علم شریعت حاصل کرے تا کہ مبادا حرام کھائے۔ اگر کسبِ معاش ان شرائط میں سے کسی ایک سے بھی خالی ہو تو بلاشک وریب ایسی کمائی آفت و مصیبت سے عبارت ہے۔ اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے کچھ ساتھیوں نے کسب نہیں کیا اور وہ محتاج ہیں تو اس کا فرض ہے کہ اپنی روزی میں سے زائد انہیں دے۔ جس نے یہ شرائط پوری کیں تو مجھے اس سے اکتساب میں غلطی کرنے کا خدشہ ہے۔

کچھ لوگ وہ ہیں جو کسب کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں، اپنے حال پر بھروسہ کئے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کوئی آ کر ان کو غذا مہیا کرے۔ ان کے نزدیک یہ حالت ان کا ''حال'' ہے حالانکہ ان کا یہ عمل سراسر غلطی پر مبنی ہے کیونکہ کسب کرنے سے رخصت صرف اسی کو ہے جس کو قوتِ یقین اور قوتِ صبر حاصل ہوا اور اگر کسی کا یقین کمزور ہوا اور اس کی طبیعت اور طمع نفس اس پر غالب ہو تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ طلب کسب کرے اور ترک طلب ایمان کی قوت کے ساتھ مکمل و افضل ترین ہے۔

# ارادات میں غفلت، مجاہدات میں غلطی اور آرام و آسائش اختیار کرنا

صوفیہ کے ایک گروہ نے عبادات اور نفس کو مجاہدات و ریاضات سے گزارنے میں غلطی کی اور اس طرح انہوں نے عبادات و ریاضات میں اپنی اساس کو محکم نہ کیا، موقع کے لحاظ سے کوئی عمل نہ کیا، نتیجتاً وہ شکست کھا گئے اور اوندھے منہ گر پڑے یہ اس لیے کہ انہوں نے متقدمین کے مجاہدات کا سنا اور یہ دیکھا کہ کس طرح اللہ نے ان کے ذکر کو پھیلایا، لوگوں میں ان کی کرامات مشہور ہوئیں اور انہوں نے قبول عام حاصل کیا تو ان کے نفسوں کو بھی یہ لالچ ہوا اور انہوں نے بھی تمنا کی کہ متقدمین کی سی شہرت و قبولیت حاصل کریں تو انہوں نے بتکلف ریاضات و مجاہدات شروع کر دیئے اور جب مدت طویل گزر گئی اور وہ اپنی مراد کو نہ پہنچے تو وہ سست پڑ گئے اور جب انہیں کسی داعی علم تصوف نے مجاہدہ و عبادت اور ریاضت نفس کی دعوت دی تو اس بات کو انہوں نے بے وزن جانا۔ اگر حق تعالیٰ انہیں اپنی بارگاہ کی طرف لے جاتا انہیں اپنی طاعت پر مداومت اختیار کرنے کا ارادہ فرماتا اور انہیں اپنے لطف و عنایت سے نوازتا تو ان کی رغبتوں میں اضافہ ہو جاتا، ان کی نیتیں قوی ہو جاتیں اور وہ اپنے عمل پر اپنی نیتوں کو برقرار رکھتے مگر جب انہیں یہ کچھ حاصل نہ ہوا تو ان کے ارادے کمزور ان کی ہمتیں پست ہو گئیں بلکہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ وقفہ تھا حالانکہ انہوں نے غلط سوچا کیونکہ وقفہ وہ ہے جس سے مجاہدہ کرنے والوں کے قلب کبھی کبھار خوشی پاتے ہیں اور پھر اپنے حال کی طرف لوٹ آتے ہیں البتہ جس حالت سے یہ لوگ دوچار ہوئے تو وہ سستی کاہلی اور جھوٹی آرزوؤں کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے احمد بن علی کرخیؒ سے اور انہوں نے ابوعلی رودباریؒ کو یہ کہتے سنا کہ آغاز انجام جیسا ہے اور انجام آغاز کی مانند تو جس نے کسی چیز کو انجام پر پہنچ کر چھوڑ دیا جب کہ وہ آغاز میں اس سے کام لیتا تھا تو بلاشبہ وہ دھوکے میں پڑ گیا۔

ایک طبقہ وہ ہے جنہوں نے سفر کیا، سیاحت کی، مشائخ سے ملے ان کے ساتھ نشست و برخاست کی اور واپس آ کر اپنے ساتھیوں سے فخر کے ساتھ کہا کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا اور وہ جن لوگوں سے ملے وہ ان سے کبھی ملے ہی نہیں اور انہوں نے خود کو ثابت قدم صوفیاء شمار کیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے واضح غلطی کی کیونکہ سفر کو سفر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے اخلاق کو روشن بناتا ہے۔ اور صوفیہ سفر اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں اپنے نفوس کی برائیاں نظر آئیں تاکہ وہ ان کو دور کرنے کی کوشش کریں اور وہ ان پوشیدہ اسرار کو بھی پا لیں جو وہ گھر بیٹھ کر نہیں جانتے تھے۔ معارف اور مشائخ کی ملاقات کا حصول، ادب، حرمت، رغبت اور ارادت کا تقاضا کرتا ہے۔ اسے شیخ سے ملتے وقت سب کچھ بھلا کر صرف شیخ کی نصیحت اور وعظ ہی قبول کرنا چاہیے۔ وہ شیخ کے حضور حاضر ہونے کے لیے ہی اپنے نفس سے مطالبہ کرے نہ کہ اپنے نفس کے لیے وہ شیخ سے ملے اور نہایت نرمی و ادب کو ملحوظ رکھے، اپنے قلب کی حفاظت کرے، نظر شیخ پر رکھے اور اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں شیخ سے اس کی ملاقات اور صحبت اس کے اپنے خلاف حجت ہی نہ بن جائے۔

جس شخص نے ہمارے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کئے بغیر سفر کیا اور اپنے تئیں یہ سمجھا کہ وہ مسافر ہے یا اس نے مشائخ سے ملاقات کی ہوئی ہے تو وہ بہت بڑی بھول کا شکار ہے۔

ایک گروہ وہ ہے کہ جس نے احوال و جائیداد کو خرچ کر ڈالا اور یہ سمجھتے رہے کہ خرچ کرنا اور سخاوت کی عادت ڈالنا ہی شاید مراد مقصود ہے حالانکہ ایسا عمل درست نہیں کیونکہ صوفیہ کی مراد خرچ کرنے اور سخاوت و فیاضی سے یہ نہیں کہ شہرت حاصل کی جائے یا اظہار سخاوت کیا جائے بلکہ انہوں نے تو یہ دیکھا کہ مسبب سے تعلق رکھتے ہوئے اسباب سے ناطہ جوڑنا مقام کی خرابی کا باعث اور حقیقت تک رسائی کے درمیان حجاب کا کام دیتا ہے۔ اگر وہ مال و اسبابِ دنیا خرچ کرتے ہیں تو اس لیے کہ وہ اس علت سے نجات پالیں جو اسباب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کے راستے میں حائل ہو گئی۔ لہٰذا خرچ کرنے سے نہ دولت رہے گی اور نہ اس سے تعلق باقی رہے گا۔ اور جس نے فقط سخاوت و فیاضی کی خاطر دولت کو خرچ کیا اور سمجھا کہ وہ طریق صوفیہ پر گامزن ہے تو اس نے بالکل غلط سوچا۔

ایک جماعت نے یہ کھلم کھلا جائز اشیاء کے استعمال میں میں پڑ کر اپنے اوقات کی کوئی حفاظت نہ کی اور یہ کہنے لگے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کیا چیز ہے ہم نے تو جو کچھ پایا کھالیا اور سو گئے یہی ہمارا ''وقت'' ہے انہوں نے جو کچھ کہا وہ غلط کیونکہ وقت جب ضائع ہو جائے تو پھر پایا نہیں جا سکتا اور نہ ہی وقت صوفیہ کی نظر میں کوئی ایسی کیفیت ہے جس میں آسائش و سہولت ہو بلکہ ''وقت دائمی ذکر، مسلسل اخلاص، شکر، رضا اور صبر سے معمور ہوتا ہے۔ نفس اور خواہشات دشمن ہیں جو بندے پر فتح و غلبہ پانے کی ٹوہ میں رہتے ہیں جب بندہ ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہو جائے تو پھر اس کی خیریت کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ اس کی ہلاکت ٹل سکتی ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ ایسے حال پر فائز ہو گیا ہے کہ وہ ان دشمنوں سے محفوظ ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

# ترکِ طعام، عزلت نشینی اور ترکِ دنیا

مریدین ومبتدی سالکین نے جب مخالفتِ نفس کے علم کو سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ جب نفس ترکِ طعام کے ذریعے عاجز ہو جاتا ہے تو اس کے شر، ظلم اور موانع سے بندہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور نتیجتاً انہوں نے کھانے پینے کی عادت کو ترک کر دیا اور ترکِ طعام کے آداب کو ملحوظ نہ رکھا اور نہ ہی اساتذہ سے ان آداب کے بارے میں رہنمائی حاصل کی اور کئی کئی دن اور راتیں کھانا پینا چھوڑے رکھا۔ اور یہ سمجھتے رہے کہ یہ 'حال' ہے۔ ان کا یہ عمل غلط ہے کیونکہ مرید کے لیے مرشد وشیخ کا ہونا ضروری ہے جو اسے ہر وہ تعلیم دے جس کی اسے ضرورت ہے تاکہ مبادا اس کے ارادے سے کوئی ایسی مصیبت اور فتنہ پیدا ہو کہ اسے تلف کرنے کی اس میں طاقت ہی نہ ہو اور وہ اس فساد سے بچ نہ سکے۔ اس طرح وہ نفس کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی وہ اسے شر ہٹا سکتا ہے جو اس کی جبلت میں شامل ہو گیا۔ یہی نفس برائی کے راستے پر ڈالنے والا ہے جس نے یہ جانا کہ جب نفس کم کھانے اور بھوک سے شکستہ ہو جائے تو اس کا شر اور آفات دور ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ بندہ اس سے محفوظ ہو جاتا ہے تو اس نے غلط خیال کیا۔

ابن سالم علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ صوفیہ جب غذا کو کم کرنا چاہتے تو ہر جمعہ کے روز بلی کے کان کے برابر کھانا کم کر لیتے۔

میں نے ابن سالم علیہ الرحمۃ سے سنا کہ سہل بن عبداللہ اپنے مریدین کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ وہ ہر جمعہ کو ایک بار گوشت کھایا کریں تاکہ وہ اس قدر کمزور نہ ہو جائیں کہ عبادت نہ کر سکیں۔

میں نے ایک جماعتِ صوفیہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو قلتِ طعام، خشک گھاس کھانے اور پانی ترک کرنے کا عادی بنایا ہوا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان سے فرض نماز قضا ہو جاتی کیونکہ وہ وقت کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے تھے اور متقدمین کے ان آداب سے بے خبر تھے جو انہوں نے اس طرح کا عمل اختیار کرنے میں روا رکھے ہوئے تھے۔

ایک جماعت الگ ہو کر پہاڑوں کی کھوہ میں جا بیٹھی۔ اور ان عزلت نشینوں نے یہ سمجھا کہ وہ لوگوں سے بھاگ رہے ہیں یا پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر اپنے نفسوں کے شر سے چھٹکارا پاتے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ترکِ دین کے ذریعے ان بلند احوال ومقامات پر فائز فرمائے گا جن تک اس نے اپنے اولیاء کو پہنچایا اور اگر وہ لوگوں میں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ترقی نہیں دے گا۔ حالانکہ ایسا کرنے میں ان سے خطا ہوئی کیونکہ ائمہ مشائخ کرام جن کی طمع کم اور خلوت وتنہائی دائمی تھی اور انہوں نے عزلت اختیار کی تو اس کی طرف انہیں مرشد نے راغب کیا اور حال کی قوت نے ان کی رہنمائی کی جس کے نتیجے میں ان کے قلوب پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی جس نے انہیں جان پہچان، وطن اور کھانے پینے سے دور رکھا اور حق نے انہیں اس طرح اپنی جانب کھینچا کہ اپنے سوا ہر شے سے بے نیاز کر دیا۔ الغرض جس کا حال قوی اور واردات کا غلبہ اس پر نہ ہو اور اس کے باوجود وہ تکلف اٹھائے اور اپنے نفس پر ایسا بوجھ ڈالے جس کا وہ متحمل ہی نہ ہو سکے اور نفس پر ظلم کرے تو اس نے اپنے نفس کو ضرور پہنچایا یا نہ وہ کھوئی ہوئی متاع کو حاصل کرے گا اور جو پاس ہو گا وہ بھی کھو بیٹھے گا۔ جس نے بتکلف ایسا کیا پھر یہ سوچا کہ وہ مرتبہ خواص کو پہنچا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔

میں نے نوجوانوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ کم کھاتے، رات بھر جاگتے اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے یہاں تک کہ ان میں سے کسی پر غشی طاری ہو جاتی اور اس کے بعد کئی دنوں تک اسے علاج اور سہولت کی ضرورت ہوتی تا کہ وہ اتنی طاقت پا لے کہ فرض نماز تو ادا کر سکے۔

ایک جماعت نے اپنے آلات شہوت کٹوا دیے اور سمجھنے لگے کہ اب جب کہ انہوں نے ایسا کر لیا تو شہوت نفسانی کی آفات سے جان چھوٹ جائے گی۔ ان کا یہ عمل غلط ہے کیونکہ آفات شہوت تو انسان کے اندر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر آلہ کاٹ دیا جائے اور علت باطن میں موجود رہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ الٹا نقصان پہنچتا ہے اور یہ آفت اور بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا جس نے ظاہری آلہ کے کاٹ دینے کو ہی شر نفسانی سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھا تو وہ غلطی پر ہے۔

کچھ صوفیہ گھومتے رہے تا آنکہ زادِ راہ لیے بغیر بے آب و گیاہ صحراؤں کی طرف نکل گئے اور یہ سمجھا کہ اس طرح انہوں نے صادقین کے حقیقت توکل کو پا لیا۔ تو انہوں نے بھی یہ غلطی کی کیونکہ جن صوفیہ کا یہ عمل رہا وہ ان کی ابتدائی حالت تھی، دوسرے یہ کہ انہیں آداب کی تربیت حاصل تھی اور انہوں نے اس سے قبل اپنے نفوس کو مجاہدات پر راضی کر لیا تھا وہ اپنے احوال پر ثابت قدم تھے وہ نہ تو قلت کی پرواہ کرتے تھے اور نہ تنہائی سے گھبراتے تھے۔ انہوں نے اس راہ میں کتنوں کو مرتے دیکھا اور کتنی تلخیاں انہوں نے چکھیں حتیٰ کہ ان کے احوال، ویرانے، آبادی، میدان، پہاڑ، جماعت، تنہائی، عزت، ذلت، بھوک، سیری، زندگی اور موت میں یکساں ہو گئے۔

بعض لوگوں نے اُون کا لباس پہننے کا تکلف کیا، پیوند لگی قمیضیں پہنیں، چھاگل اٹھائے رنگے ہوئے کپڑے پہنے، اشارات سیکھے اور یہ سمجھتے رہے کہ جو ایسا کرے وہ بھی صوفیہ میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یہ سارے کام عبث کیے کیونکہ لباس، آرائش اور مشابہت کا تکلف کر کے کسی کو سوائے حسرت، ندامت، عتاب، ملامت، شرم اور قیامت کو جہنم کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ تبلیس و تشبہ کر کے وہ اہل حقائق کے احوال کو پا لے گا تو یہ اس کی خطا ہے۔

ایک گروہ نے صوفیہ کے علوم کو جمع کیا، ان کے اشارات کو جان لیا، ان کے واقعات یاد کر لیے، بولنے میں فصیح الفاظ اور فصیح عبارات کا تکلف کرنے لگے، اور یہ سمجھا کہ ایسا کر کے وہ صوفیہ میں شمار ہوں گے اور ان کے احوال بلند کو حاصل کر لیں گے، تو یہ ان کی غلط سوچ کا نتیجہ ہے۔

ایک جماعت نے پہلے روزی جمع کر لی، جب ان کے نفوس ان کے پاس موجود مال و دولت سے مطمئن ہو گئے تو وہ اپنے معمولات یعنی نماز، روزہ، قیام اللیل، ورع، کھردرا لباس پہننے، رونے اور خشیت کی طرف لوٹے اور یہ سمجھے کہ یہی وہ مطلوبہ حال ہے جس کے بعد اور کوئی حال ہی نہیں۔ ان کا یہ خیال بھی سراسر غلط ہے۔

میں نہیں جانتا کہ کسی علم تصوف کے جاننے والے شیخ نے ابتداء میں پہلے کی تمام معلومات سے خروج نہ کیا ہو۔ اور اپنے مریدین کو ابتداءِ سلوک میں جملہ علائق چھوڑنے، اور غیب سے رزق کو متعین سمجھنے کا حکم نہ دیا ہو۔ اگر ان میں سے کوئی کسی سبب معلوم کی طرف لوٹا ہو یا رزق جمع کرنے کا سوچا ہو تو یہ سب کچھ اس نے اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں یا اہل و عیال کی خاطر کیا ہو گا۔

جس نے تصوف کی طرف اشارہ کیا، صوفیہ کے حال کا دعویٰ کیا، خود کو ان میں سے گردانا مگر حقیقت اس کی وہ نہ ہو جو ہم

نے بیان کی تو ایسا شخص غلط راستے پر گامزن ہے۔

## تصوف لہو ولعب کا نام نہیں

ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ سماع ورقص، دعوتیں برپا کرنا، سہولت وآسائش طلب کرنا، سماع قصائد اور تواجد ورقص کے موقع پر کھانے کے اجتماعات کا تکلف کرنا خوبصورت آوازون اور دل پسند نغموں کے الحان ترتیب دینے کا حاصل کرنا اور باکمال صوفیہ کے احوال پر مبنی غزلیہ اشعار اختراع کرنا، ہی تصوف کہلاتا ہے۔ بلاشبہ ایسا سوچنے والوں نے غلطی کا ارتکاب کیا کیونکہ ہر قلب جو حب دنیا میں ملوث اور ہر نفس جو باطل کام کرنے اور غفلت کا عادی ہو اس کا سماع ووجد غلطی وعلت سے خالی نہیں اور اس طرح کا وجد وسماع کرنا محض بناوٹ ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ اپنے حیلوں اور تکلفات کے بل بوتے پر بوقت سماع ووجد، متحققین صوفیہ میں سے ہو جائے گا تو یہ اس کی غلطی ہے۔

# حریت وعبودیت

متقدمین میں سے ایک جماعت نے حریت وعبودیت کے مفہوم پر گفتگو کرتے ہوئے کہا بندے اپنے اور خدا کے درمیان واقع ہونے والے احوال ومقامات میں آزادلوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آزاد بندوں کی تو یہ عادت ہوتی ہے کہ جو کام کرتے ہیں اس کا معاوضہ طلب کرتے ہیں اور اس کا انتظار کرتے رہتے مگر غلاموں کی عادت ایسی نہیں ہوتی، کیونکہ غلام اپنے آقا کی طرف سے جس کام پر مامور ہو اس کے لیے نہ کوئی اجرت طلب کرتا ہے اور نہ معاوضے کا انتظار، جب بھی اسے کسی شے کی طمع دامن گیر ہو جائے تو گویا اس نے غلامی کی روش ترک کر دی۔ کیونکہ غلاموں کو الگ ان کا آقا ان کے عمل بدلے کچھ عطا کر دے تو یہ ان کے آقا کی مہربانی ہوگی نہ کہ ان کا استحقاق مگر احرار یعنی آزاد بندوں کا طریق ایسا نہیں ہوتا۔

مشائخ کرام میں سے کسی شیخ نے غلام اور آزاد بندوں کے مقامات سے متعلق ایک کتاب بھی لکھی ہے مگر اس کے باوجود ایک گمراہ فرقے نے یہ سمجھا کہ حریت، عبودیت سے کہیں بلند تر ہے، چونکہ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ آزاد بندے دنیوی احوال میں مرتبہ و درجہ کے اعتبار سے غلاموں سے اولیٰ واعلیٰ ہوتے ہیں لہٰذا انہوں نے اسی بات کو پیمانہ بنا کر آزاد کو غلام پر ترجیح دی اور اس میں وہ گمراہ ہوئے، اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ جب تک بندے اور اللہ کے درمیان تعبد کا تعلق قائم ہے تو وہ غلام کہلائے گا مگر جونہی وہ وصل الٰہی حاصل کرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور عبودیت یعنی بندگی اس سے ساقط ہو جائے گی۔

یہ فرقہ کم فہمی کی علمی اور اصول دین کو ضائع کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوا۔ اس سے یہ بات پوشیدہ رہی کہ عبد اس وقت تک عبد نہیں جب تک اس کا قلب ہر ماسوائے سے آزاد نہ ہو یہی وہ کیفیت ہے جس پر فائز ہو کر بندہ حقیقت میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عبد سے بڑھ کر کسی اچھے نام سے اپنے بندوں کو نہیں پکارا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا [الفرقان:٦٤]

ترجمہ: ''اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔''

اور فرمایا:

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ [الحجر:٤٩]

ترجمہ: ''خبر دو میرے بندوں کو۔''

عبد وہ اسم ہے جس سے اس نے اپنے ملائکہ کو موسوم فرمایا:

عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ [الانبیاء:٢٦]

ترجمہ: ''بندے ہیں عزت والے۔''

پھر اسی اسم 'عبد' سے اپنے انبیا و رسل کو پکارا:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ [ص:۴۵]

ترجمہ: ''اور یاد کرو ہمارے بندوں کو۔''

اور فرمایا:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ [ص:۴۰]

ترجمہ: ''اور یاد کرو ہمارے بندہ کو۔''

اور فرمایا:

نِعْمَ الْعَبْدُ [ص:۴۴]

ترجمہ: ''کیا اچھا بندہ۔''

اور اپنے صفی و حبیب ﷺ سے فرمایا:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ [الحجر:۹۹]

ترجمہ: ''اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔''

حضور پرنور ﷺ کے پاؤں مبارک میں نماز پڑھنے سے ورم آ گیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرما دیئے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں! [1]

## اختیار مصطفی ﷺ

ایک اور روایت میں ہے کہ مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا کہ چاہوں تو فرشتے کے جامے میں نبی بن کر آؤں اور چاہوں تو عبد کے جامے میں نبی بن کر آؤں، جبریلؑ نے میری طرف اشارہ کیا کہ عاجزی اختیار کر لیجئے، اور میں نے کہا: عبد کے جامے میں نبی بن کر آنا چاہتا ہوں۔

اگر خلق اور خدا تعالیٰ کے درمیان عبودیت کے درجہ سے بلند تر کوئی درجہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس پر فائز ہوتے اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں وہی درجہ عطا فرماتا۔

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی۔

# اخلاص میں اہل عراق کی غلطی

اہل عراق میں سے ایک گمراہ فرقے کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اخلاص اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک بندہ خلق کی طرف متوجہ ہونے اور اچھے برے عمل میں ان کی موافقت کو ترک نہیں کر دیتا۔ اس فرقے نے یہ بھی سمجھا کہ اہل معرفت کی ایک جماعت نے حقیقتِ اخلاص پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ان کے اخلاص میں صفاء پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ قلب میں خلق کی طرف توجہ، کائنات کا خیال اور ماسوا اللہ ہر شے کا وجود ختم نہیں ہو جاتا۔ اسی نظریے کو انہوں نے اپنے لیے صحیح سمجھا کہ وہ اس کا دعویٰ کریں، اس کی تقلید کریں اور تکلف کو اپنائیں اس سے قبل کہ وہ راہ سلوک کو طے کریں، آداب تصوف کو سیکھیں، ابتدائی درجات سے آغاز کریں تاکہ وہ بتدریج ایک حال سے دوسرے حال اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ کر نہایات کو حاصل کرلیں مگر ان کا دعویٰ اور غلط توقعات انہیں قلت توجہ، ترک ادب اور تجاوز حدود کی طرف لے گئیں۔ شیطان نے انہیں اپنا اسیر بنالیا اور نفس وخواہشات نے ان پر غلبہ حاصل کرلیا۔ لیکن وہ اپنی طرف سے اسی خیال میں رہے کہ اخلاص میں طریق مخلصین پر کاربند ہیں حالانکہ وہ نقصان وگمراہی میں پڑے رہے اور ان کو اس سے نجات کیونکر ملے کہ ان سے اپنی بدبختی کے سبب یہ حقیقت پوشیدہ رہی کہ درجہ اخلاص پر فائز مخلص بندہ وہ ہے جو مہذب ومؤدب ہو، گناہوں کو ترک کر چکا ہو، طاعات میں خود کو پوری طرح مشغول کر چکا ہو، ارادات پر عمل پیرا ہوا اور احوال ومقامات تک پہنچ گیا ہو تا کہ یہ سب کچھ اسے خالص، اخلاص کی منزل پر پہنچا دے۔

جو بندہ اپنی خواہشات کا اسیر، اپنے نفس کا رہین اور شیطان کا قیدی ہو وہ ایسے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے جن کی طرف قرآن کریم نے یوں اشارہ کیا ہے:

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ [النور:٤٠]

ترجمہ: ''اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب اپنا ہاتھ نکالے تو سجھائی دینا معلوم نہ دے۔''

ایسا شخص تو مبتدیوں کی منزل سے بھی پیچھے ہے چہ جائے کہ آگے بڑھے۔ اس طرح کے لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے نفیس وبیش قیمت موتی کے بارے میں سنا کہ وہ شفاف اور مدور ہوتا ہے، اب اس کے ہاتھ کہیں سے شیشے کا منکا آ گیا جو مدور اور شفاف ہوتا ہے۔ تو اس نے یہ جانا کہ موتی ہے بعد میں اسے کوئی حاجت پیش آ گئی اور وہ اسے جوہری کے پاس لے گیا۔ جوہری نے پرکھ کر کہا یہ شیشہ ہے موتی نہیں اور اس کی کوئی قیمت نہیں مگر اس نے جہالت اور جھوٹی لالچ کو نہ چھوڑا اور یہ نہ کیا کہ اسے پھینک دیتا۔ حالانکہ اس کو خود شیشہ وموتی کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ الغرض ایسے لوگ ہر روز اپنی گمراہی اور سرکشی کے سبب نقصان اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ایسی گمراہی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

# نبوت وولایت میں غلطی کرنے والے

## فضیلت ولایت ونبوت

ایک فرقہ اس گمراہی میں پڑ گیا کہ ولایت کو نبوت پر فضیلت حاصل ہے۔اور انہوں نے اپنا یہ موقف قرآن مجید میں موجود قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام میں اپنی رائے کو شامل کر کے حاصل کیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۝ [الکہف:٦٤]

ترجمہ: ''تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔''

پھر موسیٰ علیہ السلام کو کلام ورسالت سے مختص کرتے ہوئے فرمایا:

وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ [الاعراب:١٤٥]

ترجمہ: ''اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل۔''

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۝ [الکہف:٦٧]

ترجمہ: ''آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا:

لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا۝ [الکہف:٧٣]

ترجمہ: ''مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو۔''

قرآن کریم میں موسیٰ وخضر علیہما السلام کے قصے سے اس گمراہ گروہ نے یہ مفہوم اخذ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں نقص تھا اور خضر علیہ السلام کو ان پر فضیلت حاصل ہے۔اسی مفہوم نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا کہ انہوں نے اولیاء کرام کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی اور انہیں اس بات کی طرف توجہ ہی نہ رہی کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جسے چاہے اور جیسے چاہے کسی بھی چیز سے مختص فرمائے جیسا کہ آدم علیہ السلام کو سجود ملائکہ سے، نوح علیہ السلام کو سفینہ سے، صالح علیہ السلام کو ناقہ سے، ابراہیم علیہ السلام کو آگ کی ٹھنڈک اور سلامتی سے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے سے اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو شق القمر اور انگلیوں سے چشمے جاری ہونے سے مختص فرمایا۔

جہاں تک غیر انبیاء کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا:

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا [مریم:۲۵]

ترجمہ: ''اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔''

حالانکہ حضرت مریم نبیہ نہ تھیں تاہم انہیں جس چیز سے مخصوص فرمایا گیا اس سے انبیاء علیہم اسلام کو بھی مختص نہ کیا گیا۔ اس سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دے۔ اسی طرح آصف بن برخیا کے پاس کتاب کا ایسا علم تھا کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو اٹھا لائے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آصف بن برخیا، حضرت سلیمانؑ سے افضل تھے جنہیں اللہ نے نبوت، فہم اور سلطنت عطا فرمائی تھی، اس کے علاوہ آپ کو اس ہدہد پرندے کے قصے کا بھی علم ہوگا جسے پانی معلوم کرنے کا ایسا علم دیا گیا تھا جو اس کے علاوہ کسی اور پرندے یا جن وانس کو حاصل نہ تھا۔

حضور سید دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: تم میں سب سے بڑھ کر علم فرائض جاننے والا زید سب سے بہترین قرأت کرنے والا ابی بن کعب اور سب سے بڑھ کر حلال وحرام کو جاننے والا معاذ بن جبل ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت دی جنہیں عشرہ مبشرہ کے نام سے موسم کیا گیا، مگر ان دس صحابہ حضرت زید حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم شامل نہیں۔

## کرامات سید الرسل ﷺ کی اتباع سے ملتی ہیں

اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو کرامات سید الکونین محمد مصطفیٰ ﷺ کے حسن اتباع کے نتیجے میں ملتی ہیں تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ تابع کو متبوع پر اور مقتدی کو امام پر فضیلت دی جائے۔

انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ عطا ہوتا ہے اس میں سے شمہ بھر اولیاء کرام علیہم الرحمہ کو عطا ہوتا ہے۔

جس نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام کو فرشتے کے ذریعے وحی ہوتی ہے جب کہ اولیاء کرام کو براہ راست الہام ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہیں پر تو قائل نے غلطی کی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو براہ راست الہام مسلسل ہر وقت ہوتا رہتا ہے جب کہ اولیاء کو کبھی کبھی الہام ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ انبیاء کو رسالت، نبوت اور جبریلؑ کے ذریعے وحی کی فضیلت حاصل ہوتی ہے جبکہ اولیاء کو ان میں سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی۔

اگر خضر علیہ السلام پر موسیٰ علیہ السلام کے انوار اور تخصیص کلام سے ایک ذرہ بھی ظاہر ہوتا تو وہ فنا ہو جاتے مگر اللہ نے انہیں ان انوار سے اس لیے حجاب میں رکھا کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی مزید برآں آراستگی اور انہیں فضیلت عطا کرنا مقصود تھی۔

جہاں تک ولایت وصدیقیت کا تعلق ہے تو وہ خود انوار نبوت سے منور ہوتی ہے۔ صدیقیت وولایت کو ہرگز نبوت سے ملحق نہیں قرار دیا جا سکتا چہ جائیکہ اسے نبوت پر فضیلت دی جائے۔

# اباحت وعدم اباحت میں غلطی کرنے والا فرقہ اور اس کے نظریات کی تردید

ایک فرقۂ گمراہ نے اباحت اور عدمِ اباحت میں اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے یہ کہا کہ دراصل اشیاء مباح ہیں ان سے ممانعت اور احتراز اس وقت لازم ہے جب کوئی ان میں حد سے بڑھ جائے اگر حد سے تجاوز نہ ہو تو اشیاء اپنی اصل حالت یعنی اباحت کی طرف لوٹ جاتی ہیں اور انہوں نے اس آیت سے اپنی تاویل کو منسوب کیا:

فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا حَبًّا ۙ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ﴿۲۸﴾ۙ وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ﴿۲۹﴾ۙ وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿۳۰﴾ۙ وَّ فَاکِہَۃً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾ۙ مَّتَاعًا لَّکُمۡ وَ لِاَنۡعَامِکُمۡ ﴿۳۲﴾ؕ [عبس: ۲۷، ۳۲]

ترجمہ: ''تو اس میں اُگایا اناج اور انگور اور چارہ اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمہارے فائدے کو اور تمہارے چوپاؤں کے۔''

انہوں نے اس آیت کو غیر مفصل قرار دیا اور اس عمل نے انہیں ان کی جہالت کے سبب اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ ان کے نفوس کو یہ لالچ ہوا کہ وہ چیز جسے مسلمانوں کے لیے ممنوع قرار دیا گیا ان کے لیے مباح ہے بشرطیکہ وہ اس میں حد سے تجاوز نہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصول سے بے خبری، خواہشات کی پیروی اور علم شریعت کے بارے میں قلت معلومات ہی ان کی غلطی اور ایک لطیف سے نکتے کو نہ سمجھنے کا باعث تھی۔

جب انہوں نے مشائخ متقدمین کے مکارم اخلاق، حسن معاشرت اور بھائی چارے کے بارے میں سنا تو انہوں نے بھی خواہشات اور آسائش وسہولت کی خاطر وہی طریق اپنایا، یہاں تک کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے گھر جا کر اس کے کھانے میں سے کھا لیتا، اس کی کمائی سے رقم لے لیتا اور اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں اس کے احوال میں اسی طرح تصرف کرتا جس طرح اپنے معاملات میں روا رکھتا۔

اس ضمن میں فتح الموصلی کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے کسی ساتھی کے گھر گئے اور اس کی کنیز سے کہا: میرے بھائی کی رقم کی تھیلی مجھے لا دو کنیز تھیلی لے آئی اور انہوں نے اپنی ضرورت کے مطابق رقم اس میں سے لے لی۔ جب ان کا ساتھی گھر لوٹا تو کنیز نے انہیں سب حال کہہ سنایا تب انہوں نے کہا: اگر تو نے سچ کہا ہے تو اللہ کی خاطر تو آزاد ہے۔

حسن بصریؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ایک ساتھی کہ عدم موجودگی میں اس کی تھیلیوں میں سے کھاتے تھے۔ کسی نے اس کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے: اے لئیم! کیا ہم سے پہلے ایسے لوگ نہ تھے کہ کوئی ان میں سے کسی کے گھر جاتا اس کے طعام اور دراہم میں سے کچھ لے لیتا اور اس سے اس کا ارادہ اپنے بھائی کو خوش کرنا مقصود ہوتا اور یہ سمجھتا کہ ایسی خوشی اس کے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ اہلِ معرفت کے اس گروہ کے مسلک کی بنیاد باہمی رواداری پر ہے نہ کہ باہمی عداوت۔

جیسا کہ ابراہیم بن شیبان علیہ الرحمۃ نے کہا ہم اس شخص کی صحبت اختیار نہیں کرتے جو یہ کہے کہ ہم اعلیٰ ہیں الغرض اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں۔

اس فرقۂ گمراہ نے ازخود یہ سمجھ لیا کہ صوفیہ کرام اباحت کے اسی غلط مفہوم پر قائم تھے جو انہوں نے اپنے طور پر سمجھ لیا کہ شرعی حدود کو ترک کرنا اور امر و نہی پر کار بند ہونے سے تجاوز کرنا جائز ہے حالانکہ اس طرح یہ لوگ اپنی جہالت میں فصیح راستے سے بہت دور نکل گئے اور اپنے جھوٹے حیلوں اور تاویلوں کے ساتھ ہر ممنوع چیز کی طلب اور اتباع خواہشات سے گریز نہ کیا۔

جو یہ سمجھتا ہے کہ ہر شے فی الحقیقت مباح ہے وہ یہ کیوں نہیں کہا کہ ہر شے اصل میں ممنوع ہے اور امر و نہی کے ذریعے ان کی اباحت، رخصت وسہولت کی خاطر تا کہ بندہ اس بات میں غلطی نہ کر بیٹھے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے اور حرام وہ ہے جسے اللہ حرام قرار دے اور مومنین میں کوئی بھی اس بات کا پابند نہیں بنایا گیا کہ وہ گزری ہوئی شریعتوں یا پہلے کے لوگوں کے اعمال کی اتباع کرے بلکہ ان کے ذمہ یہ فرض ہے کہ وہ انہی احکام کی بجا آوری کریں جن کا انہیں اللہ نے حکم دیا اور ان امور سے باز رہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا اور مشتبہ امور سے اجتناب کریں جیسا کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح، اور ان کے مابین مشتبہ امور ہیں، اور اللہ نے جن امور کو حرام قرار دیا وہ ایک ممنوعہ چراگاہ کی مثل ہیں پس جو اس کے ارگرد چلا گیا تو خدشہ ہے کہ اس کے اندر جا پڑے۔

جن لوگوں نے یہ کہا کہ دراصل اشیاء مباح ہیں ان کا یہ قول اس قول سے کہ دراصل اشیاء ممنوع ہیں، کس طرح اولیٰ نہیں۔ اور جب کوئی کسی زمین کی ملکیت ظاہر کرے تو اس کے لیے ملکیت اسی صورت میں جائز ہو سکتی ہے کہ وہ اپنا دعویٰ دلیل کے ساتھ ثابت کرے۔

اور اس کو نجاست وطہارت کے مسئلہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ فقہا اور صوفیہ کی جماعت کے نزدیک اشیاء دراصل پاکیزہ ہیں جب تک کہ ان کی نجاست پر دلیل نہ لائی جائے۔ نجاست وطہارت اور اباحت وخطر میں فرق یہ ہے کہ نجاست و طہارت عبادات میں شامل ہیں جبکہ اباحت وخطر کا تعلق املاک سے ہے اور جو چیز کسی کی ملکیت میں ہو تو وہ کسی اور کے لیے اس وقت تک مباح نہیں ہو سکتی جب تک وہ دلیل و حجت پیش نہ کر دے۔

# فرقۂ حلولیہ کی لغزشیں اور ان کے نظریات

فرقۂ حلولیہ میں سے کسی کو میں خود نہیں جانتا اور ان سے متعلق تمام تر معلومات مجھے دوسرے لوگوں کے ذریعے پہنچی ہیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ حلولیہ فرقے کے لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اجسام منتخب فرمائے اور ان میں معانی ربوبیت کے ساتھ حلول کیا۔ اور ان سے بشری لوازمات کو زائل فرما دیا۔

اگر واقعتاً کسی نے یہ نظریہ پیش کیا اور اپنے تئیں یہ سمجھا کہ اس نے توحید کو پالیا تو اس نے غلط سمجھا کیونکہ جب کوئی شے کسی دوسری شے میں حلول کرتی ہے تو وہ اس کی جنس سے ہوتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اشیاء سے بالکل جدا ہے اور اشیاء اس سے اپنی صفات کے لحاظ سے جدا ہیں اشیاء میں اس نے جو کچھ ظاہر فرمایا اس کا تعلق اس کے آثار صنعت اور دلیلِ ربوبیت سے ہے کیونکہ مصنوع، صانع پر دلالت کرتا ہے اور مولف اپنے مولف پر۔

اگر یہ سچ ہے کہ حلولیہ نے یہ کہا تو بلاشبہ وہ گمراہ ہوئے کیونکہ انہوں نے قادر کی صفت قدرت اور قدرت قادر و صنعت صانع پر دلالت کرنے والے شواہد کے درمیان کوئی تمیز ہی نہیں کی اور اس میں انہوں نے ٹھوکر کھائی۔

مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ فرقہ حلولیہ میں سے کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ انوار کے ذریعے حلول کرتا ہے۔ کسی نے کہا کہ مستحسن شواہد کی طرف ایک انجانی نظر کے ذریعے حلول کرتا ہے۔ کسی نے کہا: مستحسنات وغیر مستحسنات میں حلول کیے ہوئے ہے اور ان میں سے کسی نے کہا: ایک وقت چھوڑ کر دوسرے وقت میں حلول کرتا ہے۔ الغرض ہر وہ شخص جس نے اس قسم کے نظریات واقعتاً پیش کئے ہیں تو وہ گمراہ اور اجماع امت کے تحت کافر ہے کیونکہ جو کچھ اس نے کہا اس سے کفر لازم آتا ہے۔

وہ اجسام جو اللہ نے منتخب فرمائے وہ اس کے اولیاء و اصفیاء کرام کے اجسام ہیں جنہیں اس نے اپنی طاعت و خدمت کے لیے چن لیا انہیں اپنی ہدایت سے آراستہ فرمایا اور خلق پر ان کو فضیلت دی۔ اور اللہ تعالیٰ اسی صفت سے موصوف ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی صفت بیان فرمائی ہے کوئی شے اس کی طرح نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

حلولیوں نے یہ غلطی بھی کی کہ اوصافِ حق اور اوصافِ خلق میں امتیاز باقی نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ قلوب میں حلول نہیں فرماتا بلکہ قلوب میں ایمان باللہ، تصدیق، توحید اور معرفتِ الٰہی حلول کرتی ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی مصنوعات کی صفات ہیں جو ان میں اللہ کی صنعت کے طور پر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات یا صفات کے ساتھ قلوب میں حلول نہیں فرماتا۔

# فناء بشریت کو غلط معانی پہنانے والے

جن لوگوں نے فناء بشریت میں ٹھوکر کھائی اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مستحقین کی فنائے متعلق گفتگو سنی اور اسے فناء بشریت سمجھ بیٹھے اور وسوسہ میں پڑ گئے۔ ان میں سے کچھ نے تو کھانا پینا بھی چھوڑ دیا کیونکہ ان کے نزدیک بشریت ایک قالب اور ڈھال ہے کمزور ہوا تو بشریت جاتی رہی لہٰذا یہ جائز قرار دیا کہ وہ موصوف بصفاتِ الٰہیہ ہیں۔ اس فرقہ گمراہ سے یہ نہ ہو سکا کہ بشریت اور اخلاقِ بشریت میں فرق کرتے، بشریت، بشر سے زائل نہیں ہوتی جیسا کہ سیاہ رنگت سیاہ آدمی سے اور گوری رنگت گورے آدمی سے زائل نہیں ہوتی جب کہ اخلاق بشریت، انوار حقائق کے غلبہ سے بدلتے رہتے ہیں۔ صفاتِ بشریت، بشریت کا عین نہیں جس نے فنا کی بات کی تو اس سے وجودِ اعمال وطاعات کی فناء کے ذریعے قیام حق کے لیے وجودِ عبد کی بقا مراد ہے۔ اور اسی طرح اس سے مراد علم سے جہالت کی فناء اور ذکر سے غفلت کی فنا ہے۔

وہ چیز جو فناء بشریت کی اصلیت ہے خود فناء بشریت اس چیز کی اصلیت ہے اور بشریت کا بشریت کے ساتھ فناء ہونا صفت بشریت ہے۔ جس نے یہ سمجھا کہ نفس کا زائل ہونا اور بندے سے کبھی کبھی تلوین کی صفت کا جدا ہونا فناء بشریت ہے تو اس نے سرار غلط جانا اور بشریت کی تعریف سے بے خبر رہا۔ کیونکہ تغیر اور تلوین صفت بشریت ہے جب بشریت سے تغیر اور تلوین زائل ہو گئی تو وہ اپنی صفت سے متغیر ہو گئی اور اپنے معنیٰ سے بدل گئی کیونکہ بشریت خود تو نہ متلون ہوتی تھی اور نہ متغیر جب کہ وہ اپنی صفت سے اس وقت متغیر و متلون کر دی گئی۔

# رویت بالقلوب کو غلط سمجھنے والے

ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ اہل شام کی ایک جماعت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس دنیا میں انہیں رویت بالقلوب اسی طرح سے حاصل ہے جیسے آخرت میں عیاں طور پر رویت باری تعالیٰ ہوگی۔ میں نے خود ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی مجھے کسی نے یہ بتایا کہ اس نے ان میں سے کسی شخص کو رویت بالقلوب پر فائز پایا۔ ہاں ابوسعید خرازؒ کا ایک خط میری نظر سے گزرا ہے جس میں انہوں نے اہل شام کو مخاطب کر کے لکھا ہے: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے علاقے میں ایک جماعت ہے جو فلاں فلاں دعویٰ کرتی ہے اور انہوں نے آگے چل کر یہ بھی لکھا کہ ان کے زمانے میں بھی ایک قوم ایسی تھی جو اس مسئلہ میں الجھی اور گمراہ ہوئی۔

اہل حق وصداقت نے جب رویت بالقلوب کا ذکر کیا تو اس سے ان کا اشارہ تصدیق مشاہدہ بالایمان اور حقیقت یقین کی طرف تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے رویت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو ظاہر دیکھتا ہوں۔'' جیسا کہ اس حدیث میں آگے چل کر بیان کیا گیا ہے: ''بندہ جس کے قلب کو اللہ نے منور فرمایا: اوکما قال۔

جیسا کہ مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ وہ بصرہ کے ابوعبداللہ الصبیحیؒ کے مریدین کی ایک جماعت تھی جو رویت بالقلوب کے بارے میں وسوسہ اور گمراہی کا شکار ہوئی۔ میں نے ان لوگوں کی جماعت کو دیکھا کہ انہوں نے بخوشی اپنے نفس کو مجاہدہ، شب بیداری، ترکِ طعام، خلوت نشینی خلق سے علیحدگی اور کثرتِ توکل کی مشقت میں ڈال رکھا تھا کہ شیطان نے انہیں اپنے دام میں پھنسا لیا اور خود کو ان کے سامنے ایسے دکھایا کہ ایک تخت پر بیٹھا ہے اور اس سے انوار کی شعائیں پھوٹ رہی ہیں۔ ان میں کچھ نے یہ واقعہ بعض شیوخ کے سامنے بیان کیا جو شیطان کی فریب کاریوں کو جانتے تھے شیوخ نے انہیں شیطان کی فریب کاری کے بارے میں بتایا اور انہیں ہدایت کر کے استعامت کی طرف لوٹا دیا۔

کہتے ہیں کہ سہل بن عبداللہؒ کے ایک شاگرد نے ایک روز ان سے کہا: یا استاد! میں ہر رات اللہ تعالیٰ کو اپنی ان ظاہری آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ سہل بن عبداللہؒ جان گئے کہ یہ دشمن (شیطان) کا دھوکہ ہے۔ انہوں نے کہا: عزیزم! جب تو اسے آج کی رات دیکھے تو اس پر تھوک دینا۔ جب رات کو شاگرد نے اس پر تھوکا تو اس کا تخت ہوا ہو گیا اور انوار تاریک ہو گئے۔ اس طرح اُس نے شیطان کے فریب سے چھٹکارا پایا اور اس کے بعد پھر کچھ بھی نہ دیکھا۔

جو ایسے معاملات میں اپنے اساتذہ ومشائخ سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا وہ اسی طرح دھوکے میں رہتا ہے، ہوس کی باتیں کرتا رہتا ہے اور آخری عمر میں اپنے جھوٹے نظریات کے نتیجہ میں دین سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

مجھ تک یہ خبر پہنچی کہ عبدالواحد بن زیدؒ سے اس کی جماعت بھاگ گئی کیونکہ وہ انہیں مجاہدہ عبادت، رزق حلال کھانے اور دنیا میں زہد اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد عبدالواحد بن زیدؒ نے ان میں سے ایک کو دیکھا تو اس کا اور اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کیا۔ شاگرد نے جواب دیا: یا استاذ! ہم ہر رات جنت میں داخل ہوتے ہیں، اور اس کے پھل کھاتے ہیں۔ استاذ نے کہا: اج کی رات مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ الغرض وہ ان کو اپنے ہمراہ صحراء میں لے گئے۔ جب

رات ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جماعت سبز لباس پہنے ہوئے ہے اور باغات اور میوے ہیں۔ عبدالواحدؒ نے ان سبز پوش لوگوں کے پاؤں پر نظر کی تو وہ چوپایوں کے کھروں کی مانند تھے۔ وہ جان گئے کہ یہ شیاطین ہیں۔ جب انہوں نے منتشر ہونے کا ارادہ کیا تو عبدالواحدؒ نے ان سے کہا: کہاں جاتے ہو؟ کیا ادریس علیہ السلام جب جنت میں داخل ہوئے تو اس سے نکلے نہ تھے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے خود کو چوپایوں کی پیشاب گاہوں پر گوبر اور خچروں کی لید میں پایا۔ تب انہوں نے توبہ کی اور پھر سے عبدالواحد بن زیدؒ کی صحبت اختیار کر لی۔

بندے کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ جو انوار بھی یہ ظاہری آنکھیں اس دنیا میں دیکھیں وہ مخلوق ہیں۔ اس میں اور اللہ میں کوئی مشابہت موجود نہیں اور نہ ان کا تعلق اس کی صفات سے ہے یہ سب خلق و مخلوق کے سوا کچھ نہیں۔

مشاہدہ ایمان، حقیقت الیقین اور تصدیق کے ساتھ رویت بالقلب حق ہے جیسا کہ فرمان مصطفی ﷺ ہے: اس طرح اللہ کی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

کسی تابعی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر پردہ اٹھا دیا جاتا تو میرا یقین نہ بڑھتا۔ اس قول میں انہوں نے اپنے یقین کی حقیقت اور صفاوقت کی جانب اشارہ کیا اور اپنے غلبہ وجد کی خبر دی اور خبر کی حیثیت مشاہدے کی نہیں ہوتی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى [النجم:۱۱]

ترجمہ: ''دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔''

یعنی جو اس نے اپنے دل سے دیکھا اسے آنکھ نے نہیں جھٹلایا اور جو اُس نے آنکھ سے دیکھا اسے دل نے نہیں جھٹلایا اور یہ خصوصیت فقط نبی کریم ﷺ کی ہے کسی اور کی نہیں۔

# صفاء وطہارت میں غلطی کرنے والے

ایک طائفہ صوفیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ہمیشہ مکمل طور پاک وصاف رہتے ہیں اوران کی پاکیزگی کبھی ان سے زائل نہیں ہوتی اورانہوں نے یہ سمجھا کہ بندہ تمام کدورتوں اور برائیوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے کہ گووہ ان سے جدا ہوجاتا ہے حالانکہ انہوں نے غلطی کی کیونکہ بندہ ہر وقت جملہ علتوں سے پاک نہیں رہ سکتا اوراگر ایک وقت اس کو طہارت حاصل ہوجائے تو بھی علتوں سے بری نہیں۔ اور صفا ایک وقت سے دوسرے وقت میں بندے کے مقامات کے مطابق حاصل ہوتی ہےتو وہ صفاء کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہےاور پھراس پر دوسری اشیاء کا ذکر جاری ہوجاتا ہے۔

طہارت کا مطلب بندے کے قلب کو سرکشی، حسد، شرک اور تہمتوں سے پاک رکھنا ہے۔ علت سے خالی صفاء اور بغیر تلوین وتغیر کے ہمیشہ کے لیے تمام بشری اوصاف سے پاک ہونا خلق کی صفت نہیں کیونکہ اللہ ہی کی ذات ایسی ہے جو ہر علت سے مبرا اوراپنے سوا ہر شے سے پاک ہے۔ خلق کو ابتلاء وآزمائش کے لیے پیدا کیا گیا ہےتو کیسے وہ علتوں اوراغیار سے مبرا ہوسکتے ہیں جب بندہ کے لیے یہ حکم ہےتو اسے چاہیے کہ اللہ کے حضور توبہ کرے اور ہر وقت اپنے گناہوں کی بخشش مانگے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ [النور:۳۱]

ترجمہ: ’’اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

اور جیسا کہ سید الکونین ﷺ نے فرمایا:

میرے قلب پر ایک بادل سا چھا جاتا ہےتو میں ہر روز سو بار اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

# انوار کا غلط مفہوم

ایک جماعت نے انوار کو سمجھنے میں غلطی کی اور یہ خیال کیا کہ وہ انوار کو دیکھتی ہے اور ان میں کچھ نے اپنے قلب کے بارے میں کہا کہ اس میں انوار ہیں یہ لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ یہ وہی انوار ہیں جن سے اللہ نے خود کو متصف فرمایا ہے:

## نورِ الٰہی

یہ جماعت یہ سمجھتی ہے کہ شاید نورِ الٰہی بھی چند، سورج کے نور سے مشابہ ہے وہ یہ بھی سمجھتی ہے کہ نور الٰہی سے مراد انوار معرفت وتوحید اور نور عظمت ہے اور یہ کہ وہ غیر مخلوق ہے۔

اس جماعت نے نور الٰہی کے مسئلے میں سخت غلطی کی کیونکہ سارے انوار مخلوق ہوتے ہیں جیسا کہ نورِ عرش، نور کرسی، نور شمس، نور قمر اور نور کواکب۔ اللہ کے لیے کوئی موصوف ومحدود نور نہیں وہ نور جس سے اللہ نے خود کو موصوف کیا وہ نہ تو ادراک میں آ سکتا ہے اور نہ ہی محدود ہے خلق کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہر وہ نور جسے علوم اور فہم وادراک احاطہ کر سکیں وہ مخلوق ہے۔ اللہ کے تمام انوار ہدایاتِ خلق ہیں جب کہ مصنوعات کے انوار عبرت ودلائل، تا کہ ان کے ذریعے وہ معرفتِ توحید پر دلائل لا سکیں اور ان کے ذریعے بحر و بر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

## انوارِ قلوب

انوارِ قلوب کا مفہوم اللہ کے فرقان و بیان کی معرفت حاصل کرنا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا [الانفال:۲۹]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کر لو۔''

آیت کی تفسیر میں کہا گیا کہ فرقان سے مراد وہ نور ہے جو دل میں اتارا جاتا ہے تا کہ اس کے ذریعے بندہ حق و باطل میں فرق کر سکے۔

انوار کے بارے میں یہی کچھ معلومات اس وقت موجود تھیں جو پیش کر دی گئیں۔

# عین الجمع میں غلطی کرنے والوں کا بیان

ایک گروہ نے عین الجمع میں غلطی کی، جو کچھ اللہ نے خلق سے منسوب کیا اسے خلق سے جدا سمجھا اور اپنے ہر کام کو اپنے نفوس سے متعلق نہ جانا اور اپنے طور پر یہ سمجھتے رہے کہ وہ احتیاطاً ایسا کرتے ہیں تا کہ اللہ کے ساتھ اس کے سوا کوئی اور شے شریک نہ رہے۔ یہ بات انہیں علت سے خروج اور شرعی حدود کو ترک کرنے کی طرف لے گئی کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے افعال میں مجبور ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا حدودِ شریعت سے تجاوز اور اتباع کی مخالفت کرتے وقت ان میں اپنے نفس کو ملامت کرنے کی صفت بھی باقی نہ رہی۔ ان میں سے کچھ کو تو اس عقیدہ و نظریہ نے تجاوز کرنے اور بے کار و معطل بیٹھے رہنے کی جسارت دے دی اور نفس نے انہیں یہ جھانسا دیا کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اس میں مجبور و معذور ہیں۔

ان لوگوں نے جو لغزش کی وہ محض فروع و اصول سے کم علمی کی بنیاد پر کی اور اصل و فرع میں فرق نہ کیا اور نہ ہی جمع و تفرقہ کا علم حاصل کیا اسی کا انجام یہ ہوا کہ جو چیز فرع سے منسوب تھی اسے اصل سے منسوب کر دیا اور جو چیز تفرقہ سے منسوب تھی اسے جمع سے متعلق قرار دیا۔ الغرض انہوں نے ہر شے کو بے محل کر دیا جو ان کی ہلاکت کا باعث بنا۔

## صدیق اور زندیق

سہل بن عبداللہؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو یہ کہتا ہے: میری مثال دروازے کی سی ہے کوئی حرکت دے تو ہلتا ہوں۔ سہل بن عبداللہؒ نے جواب دیا: ایسی بات دو آدمیوں میں سے ایک کر سکتا ہے۔ یا وہ شخص جو صدیق ہو یا وہ شخص جو زندیق ہو۔

سہل بن عبداللہ نے صدیق اس لیے کہا کہ وہ ہر شے کو اللہ کے ساتھ قائم اور اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے، ہر معاملے میں اللہ کی جانب رجوع کرتا ہے اس کے باوجود کہ وہ اصول، فروع، حقوق، حظوظ، معرفتِ حق و باطل، متابعت امر و نہی، حسن طاعات، قیام آداب اور راہ تصوف کو استقامت سے طے کرنے کے بارے میں اپنی ضرورت کے مطابق علم رکھتا ہے۔ اور ان کے قول میں زندیق کا معنی یہ ہے کہ زندیق ایسا قول اس لیے کہتا ہے تا کہ کوئی چیز اسے ارتکاب گناہ سے نہ روکے۔ زندیق کو اس کی جہالت تجاوز اور اس جرأت کی طرف لے جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام افعال و حرکت کو اللہ سے منسوب کرتا ہے تا کہ اس طرح شیطان کے گمراہ کرنے سے ارتکاب گناہ اور تاویل باطل پر وہ نفس کی ملامت سے بچا رہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو اس سے پناہ میں رکھے۔

# انس، بسط اور ترکِ خشیت کا غلط مفہوم سمجھنے والوں کا بیان

ایک طبقے نے قرب وانس کو بیان کرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ چونکہ ان کے اور اللہ کے درمیان انتہائی قرب کی کیفیت موجود ہے تو انہیں ان آداب وحدود کی طرف رجوع کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے جن کا وہ پہلے لحاظ رکھتے اور پابندی کرتے تھے لہٰذا انہوں نے ان تمام اعمال کو چھوڑ دیا جن کے انجام دینے سے انہیں شرم دامنگیر ہوتی تھی اور ان افعال سے مانوس ہو گئے جو پہلے ان کو ناگوار گزرتے تھے۔ مختصر یہ کہ انہوں نے اسے اپنا قرب تصور کیا اور اس طرح وہ غلطی کا شکار ہو گئے اور ہلاکت میں پڑ گئے کیونکہ آداب، مقامات اور احوال، اللہ کی جانب سے بندوں کو انعام اور عزت کے طور پر عطا کیے جاتے ہیں اگر وہ اپنے ارادوں میں صادق و مخلص ہوں تو ان کے انعام واکرام میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔ مگر جب اللہ نے انہیں اپنی توفیق اور عنایت سے محروم کر دیا تو انہوں نے حدود سے تجاوز کیا۔ جن امور کے انجام دینے کا انہیں حکم دیا گیا اس کی انجام دہی سے الٹے پاؤں پھر گئے تو طاعات کے نتیجے میں جو انعامات واکرامات ان کو عطا کئے گئے وہ سلب کر لئے گئے انہیں اللہ نے اپنے در سے دھتکار دیا، اور وہ گمراہوں کے راستوں پر چلنے لگے مگر وہ خود کو پھر بھی مقبول بندوں میں سے شمار کرتے ہیں جس قدر وہ خود کو اللہ سے قریب سمجھتے ہیں اس سے بڑھ کر وہ اس سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

ذوالنون علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: عارف کے لیے ضروری ہے کہ اس کا نورِ معرفت، نورِ ورع کو بجھا نہ دے علم تصوف میں سے کسی ایسی چیز پر باطنی لحاظ سے عقیدہ نہ رکھے جو ظاہری شریعت سے متصادم ہو اور کثرت کرامت اسے اللہ کے محارم کے پردے اٹھانے پر آمادہ نہ کرے جیسا کہ ایک عارف یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے اپنے ذریعے اپنے سے غافل نہ فرما اور باوجودیکہ تیرے حضور بغیر طلب کئے مجھے حضور حاصل ہے پھر بھی مجھے اپنی طلب عطا فرما۔

# اوصافِ بشری کی بنا کا غلط معنی مراد لینے والوں کا بیان

بغدادیوں کی ایک جماعت نے یہ کہہ کر غلطی کی کہ وہ اپنے اوصاف سے فنا ہو کر اوصاف حق میں داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ اپنی جہالت کے باعث وہ یہ کہہ کر حلول یا اس عقیدے کے حامل ہو جاتے ہیں جو نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے تھے۔ وہ اپنی طرف سے یہ سمجھتے ہیں کہ بعض متقدمین صوفیہ نے اوصاف بشری سے فنا کو اوصاف حق میں داخل ہونے کا نظریہ پیش کیا۔ جب کہ حقیقت اس ضمن میں یہ ہے کہ بندے کو جو ارادہ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کا عطیہ ہے اور یہ کہنا کہ اوصافِ بشری کو فنا کر کے بندہ اوصاف حق میں داخل ہو جاتا ہے دراصل بندے کا اپنے ارادہ سے خروج اور اللہ کے ارادے میں داخل ہونے کے مترادف ہے اور جو یہ جان لیتا ہے کہ ارادہ اللہ کی جانب سے عطیہ ہے اور مشیتِ الٰہی کے مطابق چاہتا اور اسی کے فضل کے ساتھ وہ اس مقام کو پہنچتا ہے کہ خود اپنے احساسِ نفس سے منقطع ہو کر کلیۃً اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ تو یہ اہل توحید کا مقام ہے۔

جنہوں نے اس ضمن میں ٹھوکر کھائی اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک معمولی سی بات کو نہ سمجھ سکے اور یہ اوصافِ حق ہی کو حق سمجھ بیٹھے اور یہ سب کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قلوب میں حلول نہیں کرتا بلکہ قلوب میں ایمان باللہ توحید اور تعظیم ذکر، تحقیق اور تصدیق کے لوازمات کے ساتھ حلول کیے ہوئے ہوتا ہے اور اس سلسلے میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ خواص کو ایک حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے جو صرف ان ہی کا حصہ ہے کیونکہ وہ خواہشات نفس کی دعوت کو ٹھکرا چکے ہوتے ہیں، گھر کی لذتیں ختم کر چکے ہوتے ہیں، ایمان باللہ میں پوری طرح مخلص و صادق ہوتے ہیں اور عوام ان حقائق سے دور رہتے ہیں کیونکہ وہ نفس اور خواہش کے غلام ہوتے ہیں۔ یہ ہے عام اور خاص میں وہ فرق جو اس ضمن میں ہم نے بیان کر دیا۔

# گمشدگی حواس اور اس کا غلط مفہوم

اہل عراق میں سے ایک جماعت کا یہ نظریہ تھا کہ وجد کے عالم میں حواس کھو بیٹھتے ہیں یہاں تک کہ انہیں کسی شے کا احساس تک نہیں رہتا اور وہ محسوسات کے اوصاف سے بھی خارج ہو جاتے ہیں۔

اس جماعت نے غلط سمجھا کیونکہ جس کا گم ہو جانا حس ہی کے ذریعے معلوم ہوتا ہے چونکہ حس صفت بشریت ہے اگر اس پر وہ واردات غالب آ جائیں جو قلوب پر وارد ہوتی ہیں، تو حس ماند پڑ جاتی ہے جیسا کہ ستاروں پر سورج کی روشنی غالب ہونے کے سبب وہ ماند پڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح زندہ انسان کی حس بھی زائل ہوتی ہے اور نہ گم بلکہ بعض اوقات بندہ اپنی حس کے ذریعے اذکارِ قوی کے وقت شدید وجد کے باعث اپنی حس سے غائب ہو جاتا ہے جیسا کہ میں نے جعفر علوی سے اس ضمن میں پوچھا تو انہوں نے یہ بات سنائی کہ جنیدؒ نے کہا: میں نے سری سقطیؒ سے اذکارِ قوی کے وقت بندے پر شدید وجد کے غلبے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: وہاں! ایسا ہوتا ہے اور ایسی حالت میں بندے کے منہ پر تلوار کا وار کیا جائے تو بھی اسے محسوس نہ ہوگا۔

یہاں محسوس نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ درد محسوس نہ کرے گا یعنی حس ہی کے ذریعے درد کو محسوس نہیں کرے گا اور حس ہی کے ذریعے درد محسوس کرے گا۔

جب تک انسان میں روح باقی رہتی ہے اور وہ زندہ ہو تو اس کی حس ختم نہیں ہوتی کیونکہ حس زندگی اور روح کے ساتھ لازم ہے۔

# روح سے متعلق غلط نظریات

ایک جماعت وہ ہے جس نے ارواح کے بارے میں غلطیاں کیں۔ ان کے کئی طبقے ہیں اور ان تمام نے غلطی کی اور گمراہ ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے ایک ایسی چیز کی کیفیت میں غور وفکر کیا جس سے اللہ نے کیفیت ہی کو علیحدہ رکھا اور اسے احاطہ علم سے دور کیا۔ اس نے کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ روح کے بارے میں اللہ کی بیان کردہ تعریف کے علاوہ کچھ کہے۔

ایک جماعت نے کہا: روح، اللہ کے نور میں سے ایک نور ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا نور ذاتی سمجھا جس نے انہیں ہلاکت سے دو چار کیا۔

ایک اور جماعت نے یہ کہا کہ روح اللہ کی حیات سے ایک حیات ہے۔

بعض نے یہ کہا کہ ارواح مخلوق ہیں اور روح القدس اللہ کی ذات سے ہے۔

ایک گروہ نے یہ کہا کہ عوام کی ارواح مخلوق اور خواص کی ارواح غیر مخلوق ہیں۔

کچھ لوگوں نے کہا کہ ارواح قدیم ہیں نہ مرتی ہیں نہ عذاب میں مبتلا کی جا سکتی ہیں اور نہ پرانی ہوتی ہیں۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ ارواح ایک جسم سے دوسرے جسم میں حلول کرتی ہیں۔

ایک طائفہ یہ خیال رکھتا ہے کہ کافر کی ایک، مومن کی تین اور انبیاء وصدیقین کی پانچ ارواح ہوتی ہیں۔

کسی نے کہا کہ روح، نور سے پیدا کی گئی ہے۔

بعض نے یہ کہا کہ روح، روحانیت ہے جسے ملکوت سے پیدا کیا گیا جب صاف ہوتی ہے تو عالم ملکوت کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ روحیں دو طرح کی ہیں لاہوتی اور ناسوتی

الغرض مذکور بالا تمام لوگوں نے جو کچھ بھی روح کے بارے میں کہا غلط کہا، کھلی گمراہی میں پڑے اور اس سے بے خبر رہے کہ اس سلسلے میں وہ غلطی کا شکار ہوں گے اس کی وجہ ان چیزوں میں تعمق وتفکر ہے جس سے اللہ نے انہیں منع فرمایا جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي [بنی اسرائیل:۸۵]

ترجمہ: ''اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ! روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔''

## روح کے بارے میں اہل حق کا نظریہ

جہاں تک روح کے بارے میں اہل حق کے نظریہ کا تعلق ہے تو ان کے مطابق تمام ارواح مخلوق ہیں وہ اللہ کے امور میں سے ایک امر ہے۔ ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی ناطہ اور تعلق نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کی مملکت میں سے ہیں، اس کے تابع فرمان ہیں، مسلسل اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

ارواح ایک جسم سے نکل کر دوسرے میں داخل نہیں ہوتیں۔ وہ اسی طرح ذائقہ موت چکھتی ہیں جس طرح بدن، بدن کے ساتھ ہی آرام وآسائش پاتے ہیں اور بدن ہی کے ساتھ عذاب محسوس کرتی ہیں۔ ارواح انہیں جسموں میں جمع ہوں گی جن سے نکلی ہوں گی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو اللہ نے ملکوت سے اور اس کے جسم کو خاک سے پیدا فرمایا۔

سطور گزشتہ میں ہم نے جن جن لوگوں کے روح کے بارے میں باطل نظریات پیش کئے ان کو ثابت کرنے سے متعلق ہر ایک کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ اور اسی طرح اہل حق کے بھی ان کی تغلیط اور رد میں واضح بیانات موجود ہیں مگر ہم نے طوالت کے خوف سے اختصار پر اکتفاء کیا۔ بہر حال جو کچھ بیان کیا گیا وہ اس علم کے طالبین کے لیے کافی ہے۔ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ۔

کتاب اللمع فی التصوف، اللہ جل جلالہٗ کی حمد اور اس کی اعانت وتوفیق سے اختتام کو پہنچی، بے شک اللہ ہی ہمیں کافی اور وہی بہترین چارہ ساز ہے۔

بے حد وشمار، دائمی و مسلسل درود وسلام ہوں ہمارے سردار محمد ﷺ اور ان کی آل اطہار پر جب تک کہ ستاروں میں چمک رہے، تاریکیاں سیاہ ہوتی رہیں، صبح طلوع ہوتی ہیں، وقت چلتا رہے، فکر کے چراغ جلتے رہیں، ذاکر ذکر کے روح پرور ترانے الاپتے رہیں، چلنے والوں کا سفر جاری رہے، گھٹائیں برستی رہیں، غروب ہونے والے غروب ہوتے رہیں خطیب شعلہ نوائی کرتے رہیں، سائے پھیلتے رہیں، بہار کی پھواریں پڑتی رہیں، علم کی باتیں ذہن کے دریچوں میں اترتی رہیں، مخلوق جامِ ہستی سے سرشار رہیں، حسن اسلام باقی رہے، شب دیجور سمٹتی رہے، اندھیرے، اُجالے کا اختلاف باقی رہے، پو پھٹتی رہے، ہوائیں چلتی رہیں، ملائک مشغول تسبیح رہیں، افلاک گردش میں رہیں، زوال کے سایے ڈھلتے رہیں، ذی روح زندگی کی نعمت سے شادکام رہیں، عدد کا مشار ہوتا رہے، ابد کا دوام رہے، زباں گویا ہے، مشاہدے، سچائیاں اگلتے رہیں، شبنم کے موتی لٹتے رہیں، زمانہ پھیلتا رہے، موجوں میں اضطراب رہے، چراغوں میں روشنی رہے، انوار جھلملاتے رہیں، اول شب کی تاریکیاں گہری ہوتی رہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے نبی کریم ﷺ سے علم کے دو برتن یاد رکھے ہیں ایک برتن کو میں نے پھیلا دیا، دوسرے کو اگر پھیلاتا تو میرا یہ حلقوم کاٹ دیا جاتا“۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۳۰)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”من عمل بما علم اورثه الله علم مالم یعلم“ جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکو ایسے علم کا وارث بناتا ہے جس سے وہ آگاہ نہیں کتاب اللمع ”عارفِ حقیقت“ کا تحریر کردہ دستورِ تصوف ہے، اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حقیقت تک رسائی، شریعت کے راستے کے بغیر ممکن نہیں عالم محض شریعت سے باخبر ہوتا ہے مگر عارف شریعت وحقیقت دونوں سے آگاہ ہوتا ہے۔

احمد ابن عجیبہ الحسنی عالم اور عارف کے درمیان فرق سمجھاتے ہوئے الفتوحات الالٰھیۃ میں رقمطراز ہیں

- عالم اپنے قول سے فروتر ہوتا ہے جبکہ عارف اپنے قول سے برتر ہوتا ہے۔
- عالم محجوب ہوتا ہے جبکہ عارف محبوب ہوتا ہے۔
- عالم اہلِ یمین کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ عارف مقربین کے قافلہ میں سفر کرتا ہے۔
- عالم اصحاب برہان سے اور عارف اصحابِ عیان سے جُڑا ہوتا ہے۔
- عالم اہلِ مباحثہ سے جبکہ عارف اصحابِ مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔
- عالم اہل فرق میں عارف اہلِ جمع میں شامل ہوتا ہے۔
- عالم ایّاکَ نعبد کا پیکر جبکہ عارف ایّاك نستعین کا نمونہ کامل ہوتا ہے۔
- عالم اسباب کو پیش نظر رکھتا ہے اور عارف کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے۔
- عالم شرک جلی سے ڈرتا ہے جبکہ عارف شرک خفی سے بھی خلاصی حاصل کرتا ہے۔
- عالم، احکام الٰہی کی معرفت رکھتا ہے جبکہ عارف سے ذاتِ الٰہی کی معرفت کی خوشبو آتی ہے۔

اگر تم عارف بننا چاہتے ہو تو شریعت کی زمین پر حقیقت کے سمندر سے اتنا پانی چھڑکو کہ شریعت، حقیقت کے پانی سے سیراب ہو جائے۔ شریعت عین حقیقت ہو جائے اور حقیقت عین شریعت بن جائے، لیکن ”حقیقت“ کا انکار نہ کرنا۔

إذا لم تر الهلال فسلم<br>لِاناسٍ راوْہ بالابصار

اگر تم نے چاند نہیں دیکھا تو ان لوگوں کی بات مان لو جنہوں نے ’آنکھوں‘ سے چاند دیکھا ہے۔

عطاء المصطفیٰ مظہری پی۔ایچ۔ڈی۔اسکالر